قصص الاولین موعظۃ الآخرین

تاریخ امروہہ

مؤلفہ

محمود احمد الہاشمی العباسی

سابق سپرنٹنڈنٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ

مترجم تاریخ التعلیم و مؤلف ذکر الادیب و مرتب نالۂ شبلی و حسن داوری وغیرہ

مطبعہ تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی

قیمت [illegible]

طبع اول ۔ ۵۰۰ جلد

انتساب

وطنِ عزیز کی بہار خزاں، عروج و زوال کی داستان کا اب آخری صفحہ بھی لکھ چکا۔ قلم کا مسافر تاریخی حالات کے تجسس و تلاش میں مدتوں سرگرداں رہا۔ سات آٹھ صدیوں کی مسافت طے کرنیکے بعد اب قلمدان میں آ کر رکا ہے۔ کہنہ اور بوسیدہ کاغذات کا انبار سامنے ہے۔ پھٹے پرانے ٹکڑوں کو جو برسوں دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں رفیقِ کار رہا ہے حسرت بھرے دل سے رخصت کر رہا ہوں۔ بار بار یہ خیال ستاتا ہے کہ اب تک جو ہوا سو ہوا آئندہ کیا ہونا ہے؟ ساتھ ہی ساتھ ملہمِ غیبی کی آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ عزیزانِ وطن سے کہہ دو کہ شہرت، ناموری، عز و وقار کے دربار میں اگر انھیں اپنی موروثی جگہ حاصل کرنی ہے تو سستی و کاہلی تعصب و تنگ خیالی، نمائش و پستی کی ردائے کہنہ اتار کر پھینکیں، علم و ہنر، عالی ہمتی و

روشن خیالی محنت و جفاکشی کا نیا لباس زیب تن کریں۔ قوم و وطن کی آئندہ فلاح و بہبود کی جو کچھ توقع ہے وہ آئندہ نسل ہی سے ہے اِس لئے

اے میرے ہموطن نوجوانو!

میں اپنی اِس ناچیز تالیف کو جس میں تمھارے وطن کے گذشتہ تاریخی حالات بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس توقع اور اُمید پر تمھارے نام معنون کرتا ہوں کہ اسکی روشنی میں تم اپنا فرض اور اپنی ذمہ داریاں

پہچانو اور

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو! اٹھو! تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو!
بڑھاؤ تجربے اطرافِ دُنیا میں سفر سیکھو! خواصِ خشک و تر سیکھو، علومِ بحر و بر سیکھو!
خدا کیواسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ! دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ!

اچھا اب رخصت!

تم سے چھٹے تو تھا سو عزت کو قوم کی کچھ اپنے تو قافلے اب پا در رکاب یاں ہیں

بندۂ احقر خستہ جگر
محمود احمد

داؤد منزل۔ امروہہ
یکم اپریل ۱۹۳۰ء

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱	مقدمہ و انتساب وغیرہ	صفحہ	۲۰	علاء الدین خلجی کی سخت گیری کا اثر	صفحہ
۲	امروہہ کب بسا	۱	۲۱	غلہ و کپڑے کی ارزانی کے ضوابط	۲۲
۳	وجہ تسمیہ	۲	۲۲	شرح اجناس کا موازنہ	۲۳
۴	امروہہ ہندوؤں کے عہد حکومت میں	۳	۲۳	ولایت امروہہ میں مغلوں سے جنگ	۲۶
۵	راجپوتوں کا راج	۴	۲۴	امروہہ میں شاہی فوج کی چھاؤنی	۳۱
۶	کالیستھوں کا راج	۵	۲۵	شہزادہ خضر خان کا امروہہ میں قیام	۳۲
۷	تگوں کی حکومت	۵	۲۶	حضرت شاہ ولایتؒ کی تشریف آوری	۳۶
۸	ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد	۷	۲۷	مشہور سیاح ابن بطوطہ کی آمد	۳۷
۹	سلطان محمود غزنوی کے حملے	۸	۲۸	عزیز خمار حاکم امروہہ	۳۸
۱۰	اسلامی سلطنت کی بنیاد	۸	۲۹	تین سیدوں کے قتل کا خوفناک انتقام	۳۹
۱۱	امروہہ پر مسلمانوں کا تسلط	۱۰	۳۰	ملک محمود بک شیر خان حاکم امروہہ	۴۰
۱۲	امروہہ کی قدیم آبادی	۱۳	۳۱	ملکی بدنظمی اور فساد	۴۱
۱۳	امروہہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں	۱۴	۳۲	امروہہ کے ابتدائی جاگیردار	۴۲
۱۴	ہندو رعایا کی جادمیں	۱۵	۳۳	سلطان علاء الدین عالم شاہ کا قیام امروہہ میں	۴۳
۱۵	بغاوت کا خوفناک انتقام	۱۷	۳۴	امروہہ اور سنبھل علم و فضل کے مرکز	۴۳
۱۶	ملک امیر حاتم خان امروہہ کا پہلا جاگیردار	۱۹	۳۵	امروہہ عہد مغلیہ میں	۴۴
۱۷	ملک اعزالدین حاکم امروہہ	۲۰	۳۶	قطب الدین خان قناق خان حاکم امروہہ	۴۵
۱۸	ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ	۲۰	۳۷	عہد اکبری و جہانگیری کے جاگیردار	۴۵
۱۹	ملک چھجو سے خراج امروہہ میں جنگ	۲۱	۳۸	امروہہ کی ناموری و شہرت	۴۶

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۳۹	امروہہ کا ضلع مرادآباد سے تعلق	۴۷	۵۹	آثار قدیمۂ اہل ہنود	۹۲
۴۰	روہیلوں کا تسلط	۴۹	۶۰	آثار قدیمۂ عہد اسلامی (مساجد)	۹۳
۴۱	مرہٹہ گردی اور امروہہ کی حفاظت کا انتظام	۵۲	۶۱	مزارات خانقاہیں اور مقبرے	۱۰۹
			۶۲	مزارات شہداء	۱۰۹
۴۲	نوابان اودھ کی حکومت	۵۳	۶۳	مزارات اولیاء	۱۱۰
			۶۴	خانقاہیں	۱۲۵
۴۳	نتھے خاں کا حادثہ	۵۴	۶۵	مقبرے	۱۲۸
			۶۶	شیرقی عمارتیں	۱۲۹
۴۴	انگریزوں کا تسلط	۵۴	۶۷	شیخ صدو	۱۳۲
			۶۸	اسلامی عمارتیں	۱۳۸
۴۵	امروہہ میں انگریزی فوج کی چھاؤنی	۵۵	۶۹	امروہہ کی مصنوعات	۱۳۹
۴۶	غدر ۱۸۵۷ء کے حالات	۵۶	۷۰	امروہہ کے باشندے	۱۵۲
۴۷	امروہہ پر جاٹوں کا حملہ	۶۰	۷۱	ہندو باشندے	۱۵۳
۴۸	اسلامی سلطنت دوبارہ قایم کرنے کا خیال	۶۱	۷۲	امروہہ کے مسلمان	۱۶۸
۴۹	اہل امروہہ کی شاہ معزول کو درخواستیں	۶۲	۷۳	عربی النسل	۱۶۹
۵۰	عرضداشتوں کی نقول	۶۳	۷۴	امروہہ کے ہاشمی خاندان	۱۸۰
۵۱	عرضداشتوں کے جواب میں شاہی شقہ	۶۶	۷۵	شیوخ قریشی	۱۹۱
			۷۶	شیوخ انصاری (۷۷) عجمی النسل	۱۹۵
۵۲	باغیوں کی چند روزہ حکومت	۷۲	۷۸	ہندی الاصل	۱۹۷
			۷۹	مسلمان پیشہ ور اقوام	۱۹۸
۵۳	نواب صاحب رامپور کا انتظام	۷۳	۸۰	پیشہ ور اقوام کا نسبی تعلق	۱۹۹
			۸۱	امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام	۲۰۰
۵۴	انگریزی حکومت کا دوبارہ تسلط	۷۶	۸۲	ہندی مسلمان اور عرب نژادگی	۲۱۳
			۸۳	عرب نژادگی کا ادعا	۲۱۷
			۸۴	میراثی	۲۲۰
۵۵	باغیوں کو عبرتناک سزائیں	۷۹	۸۵	قصاب یا متاعی	۲۲۳
			۸۶	مذاہب و توہمات	۲۳۸
۵۶	مسلمانوں کی تباہی کی دردناک داستان	۸۵	۸۷	آغائی لوگ	۲۵۶
			۸۸	مجہول النسب (۸۹) امروہہ کے شیعہ و سنی	۲۵۸
۵۷	خیر خواہان حکومت کو انعامات	۸۷	۹۰	امروہہ کی صحافیات	۲۸۳
			۹۱	اسلامی اوقاف	۳۵۰
۵۸	۱۸۵۷ء کے بعد سے	۹۰	۹۲	میلے اور تہوار	۳۷۶

نامہ آغازم بنامِ ذوالجلال　　آنکہ بیرون است از وہم و خیال

مقدمہ

ابتداءً میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ امروہہ کے تاریخی حالات میں کوئی کتاب مدوّن کروں۔ وطن کے ارباب کمال اور سلف صالحین کے سوانح حیات مرتّب کرنے کا البتہ مدّت سے شوق دامن گیر تھا۔ یہ شوق بھی اسلاف پرستی کی بنا پر نہیں بلکہ اس خیال اور اس یقین سے پیدا ہوا تھا کہ کوئی قوم و ملّت اپنے ماضی سے قطعاً بے تعلق و بیگانہ نہیں ہو سکتی۔ زمانہ کتنے ہی پلٹے کھائے اور انقلاب زمانہ کچھ سے کچھ ہو جائے یہ ممکن نہیں کہ **حال** کے چہرہ پر **ماضی** کے خط و خال کا عکس نہ پڑے اور **مستقبل حال** کے آغوش تربیت کا شرمندۂ احسان نہ ہو۔

افراد کی طرح قوموں کی زندگی میں بھی مختلف دور آتے، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے آثار اُن پہ بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ کبھی ترقی کا دور ہے تو کبھی تنزّل کا۔ بہار کا دامن ہمیشہ خزاں سے وابستہ رہتا ہے۔ تنزل و انحطاط کی بلائیں تو صدیوں سے مسلمانانِ ہند پر مسلّط ہیں فصلِ بہار کا انتظار کیسا اس کا تو وہم و خیال بھی اب باقی نہیں لیکن گذشتہ نصف صدی سے قوم و ملّت میں قحط الرجال نہایت شدید ہے گلستانِ ہند میں ہمارے قومی چمن کی پامالی اندوہناک ہے۔ پرانی تعلیم و تربیت، اسلامی تہذیب و معاشرت اور علوم مشرقی کے جو چند ممتاز نمونے دستبردِ زمانہ سے کچھ مدت بیشتر باقی تھے وہ بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں ؎

لے گئی اُن کو آخرکار　　بحرِ فنا کی موج بہا

دوسری طرف انقلاب زا بیسویں صدی کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اسے شروع ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں گذری، ابھی تو ایک صدی کا صرف تہائی حصّہ اسکے دامن میں آسودہ ہوا ہے، بایں ہمہ مغربی تہذیب و تمدّن کی برقی روشنی کی کرنیں ایوانخانوں سے گذر کر مخلسہ اوں کے تاریک

گوشوں تک پہنچ چکی ہیں، انسان ضعیف البنیان نے آب و خاک اور ہوا تینوں کروں پر قبضہ و تسلط جما رکھا ہے۔ مشرق کی خفتہ اقوام کی آنکھیں اہل مغرب کے محیّر العقول کارناموں اور سائنس کی برق پاش صناعیوں سے خیرہ ہو رہی ہیں۔ ترقی یافتہ قوموں کی دیکھا دیکھی خفتگان ہند نے بھی بیداری کی کروٹیں بدلنی شروع کی ہیں، تہذیب میں، تمدن میں، معاشرت میں، حتیٰ کہ معتقدات میں انقلاب عظیم بپا ہو رہا ہے۔ اقبالمند قوموں کی تقلید بلکہ نقالی کا جذبہ خیال سے گذر کر عملی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ان حالات کے اندر محض اس خیال سے کہ دورِ ماضی کے واقعات اور اسلاف کرام کے سوانح حیات موجودہ نسل کے لئے شاید کچھ مفید اور کارآمد ثابت ہوں تذکرۂ سلف لکھنا شروع کیا، اس کی ترتیب و تدوین کے دوران میں ہزارہا کہنہ و دیرینہ کاغذات اور کرم خوردہ کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ نیز ان کتابوں کے بھی غور سے پڑھنے کا پہلی مرتبہ موقع ملا جو امروہہ کے تاریخی حالات میں اب تک شایع ہو چکی ہیں۔

ان میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف **آئینۂ عباسی** ہے جو سنہ ۱۸۸۷ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس مختصر کتاب میں، جو ایک رسالہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، سادات و شرفاء امروہہ کے خاندانوں کا اجمالی تذکرہ ہے، کہیں کہیں چند جملے تاریخی حالات سے بھی متعلق ہیں۔ آئینۂ عباسی کی اشاعت سے دو برس بعد مولانا آل حسن بخشی نے فارسی زبان میں **تحفۃ التواریخ** نام ایک کتاب تالیف کی جس میں اہل امروہہ کے خاندانی حالات ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں لیکن اس قدیم بستی کے تاریخی حالات و واقعات کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا۔ خاندانی تذکروں میں بھی تحقیق سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا۔ تیسری کتاب سید اصغر حسین نقوی کی مؤلفہ **تاریخ اصغری** ہے جو مسٹر اسٹیفن اس زمانہ کے اسسٹنٹ کلکٹر مراد آباد کی منشا اور حکیم نیاز علی خان مرحوم کے ایماء سے سنہ ۱۸۸۹ء میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب اس لحاظ سے سابقہ تالیفات سے کچھ بہتر ہے کہ شہر

سے متعلق بعض تاریخی حالات کا اس میں اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے مگر افسوس ہے مؤلف تاریخ اصغری نے بھی تاریخی واقعات وحالات لکھتے وقت روایتوں کی تحقیق وتنقید سے مطلق کام نہیں لیا، غلط اور مہمل روایتیں بھی درج کردی ہیں۔ سب سے آخر لیکن سب سے بدتر تالیف **تاریخ واسطیہ** ہے جو ۱۳۲۲ھ میں شایع ہوئی تھی۔ یہ کتاب امروہہ کے سادات فاطمی کے چند خاندانوں بالخصوص اولاد حضرت شرف الدین شاہ ولایتؒ اور قاضی زادگان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ یہ خاندانی تذکرے بھی زیادہ تر مہمل ومضحکہ انگیز روایتوں پر مبنی ہیں۔[۱]

انسان کی طبیعت عجائبات اور مافوق العادت باتوں کی شیفتہ واقع ہوئی ہے اس لئے تاریخ وتذکرہ کی عام کتابوں میں سراپا لغو، مہمل، مضحکہ خیز اور وضعی روایات اور قصص وحکایات کا موجود ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے۔ **علامہ ابن خلدون** نے مورخین کے "**خرافات واہیہ**" کا تفصیلی تذکرہ اپنے مشہور "مقدمہ تاریخ" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ:-

> نااہلوں نے اس فن (تاریخ) کو اپنی رخنہ انداز بیہودہ روایات سے خلط ملط کیا، لغو قصے کہانی ادھر ادھر سے لیکر اور خود وضع کرکے بھر دیئے، آنے والی نسلوں نے ان کے بعد ان کے آثار و اخبار کی پیروی کی اور جیسا سنا سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچا دیا، نہ واقعات کے اسباب کی جانچ پرتال کی، نہ ان بیہودہ روایتوں کو ترک کیا، نہ ان کی تردید کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی موجودہ تاریخیں اکثر تحقیق سے خالی ہیں، تنقیح کا کہیں پتہ نہیں لگتا، روایتیں اغلاط وموہومات سے بھری پڑی ہیں، تقلید عام طور سے پھیلی ہوئی ہے،

---

[۱] ان چار کتب تاریخ کے علاوہ بعض خاندانوں کے حالات میں چند اور کتابیں بھی وقتاً

> نااہل علوم وفنون کے مدعی بنے ہوئے ہیں۔ ..... لیکن حق ہمیشہ غالب ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ باطل مردود و نامقبول ہے۔ ناقلین رطب و یابس جو چاہیں لکھیں اور نقل کریں مبصر دیکھتے ہی کھوٹا کھرا پرکھ لیتے ہیں۔ [1]

امروہہ کی کتب تاریخ کے صفحات بھی اس قسم کی بہت سی مہمل اور بے سروپا روایتوں اور افسانوں سے پُر ہیں۔ تاریخ واسطیہ کے اوراق پر تو "خرافات واہیہ" کا ایک انبار لگا ہوا ہے اس کے مؤلف نے بعض جگہ قصداً اور عمداً غلط بیانی سے بھی گریز نہیں کیا۔ [2]
ان حالات وواقعات کو پیش نظر رکھکر باوجود اپنی بے بضاعتی اور ناقابلیت کے میں نے اس کتاب کے لکھنے کا قصد کیا تاکہ اس قدیم بستی کے صحیح تاریخی حالات سے موجودہ اور آیندہ نسلیں باخبر ہوسکیں اور جو مہمل اور بے سروپا افسانے تاریخی واقعات کا درجہ حاصل کرچکے ہیں ان کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہوجائے۔
آٹھ نو صدیوں کے گذشتہ تاریخی حالات کی تلاش وتجسس، روایتوں کی تحقیق وتنقید، اغلاط وموہومات کی تردید وتکذیب جس درجہ کٹھن اور مشکل کام ہے اسکا پورا اندازہ وہ ہی حضرات

(بہ سلسلۂ گذشتہ)
وقتاً فوقتاً شایع ہوئیں یعنی شمس التواریخ مؤلفہ حکیم نواب علی خان جو ۱۳۱۶ھ میں شایع ہوئی لیکن اسکا ایک خلاصہ کنز المعرفت مصنفہ حکیم امجد علی خان کے ساتھ اس سے قبل شایع کیا گیا تھا نیز منشی سبط نبی بن شیخ معشوق علی نے تلخیص التواریخ نام سے اسی کتاب کا خلاصہ شایع کیا تھا۔ یہ کتابیں خاندان حضرات کمبوہ سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں خاندان حضرات شیخ نگہ کے اظہار سیادت نسبی میں ایک رسالہ شجرۂ مبارکہ مؤلفہ مولانا حکیم محمد حسن مرحوم ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوکر شایع ہوا اور شاہ ضیاء الدین احمد نے بھی اپنی تالیف مرآۃ الانساب مطبوعہ ۱۳۳۵ھ میں امروہہ کے مختلف خاندانوں کے انساب درج کئے ہیں۔ [1] مقدمۂ تاریخ ابن خلدون [2] ملاحظہ ہو

کرسکتے ہیں جن کو اس قسم کی تصانیف پر قلم فرسائی کا موقع حاصل ہوا ہو۔ اگرچہ اس تالیف میں واقعات کے اظہار و بیان کا پورا حق تو ادا نہیں ہوا تاہم یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہجوم مشکلات میں جس قدر ہو گیا اس کی بھی امید نہ تھی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالشُّکْرُ لَہٗ

اس کتاب کے لکھنے میں علاوہ اس کے کہ بعض اُن نایاب قلمی کتابوں کے مطالعہ و اخذِ مطالب کی غرض سے جو مُلک کے مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں، مجھے متعدد بار طویل سفر اختیار کرنے پڑے کہنہ و دیرینہ کاغذات و دستاویزات کے مطالعہ و حصول کے لئے امروہہ میں مہینوں دربدر پھرنا ہوا۔ اہل شہر میں سے معدودے چند حضرات نے میرے مقصد سے کسی قدر علمی دلچسپی کا اظہار کیا اور بکشادہ پیشانی کاغذات دکھائے اس سلسلہ میں قاضی سید علی حسن صاحب خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں جنھوں نے کہنہ کاغذات کے اس انبار کو، جو قضاۃ امروہہ کے دفتر کے جزوی حصہ کے طور سے دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گیا تھا، میرے حوالہ کر دیا ورنہ بالعموم لوگوں نے کاغذات دکھانے میں بخل سے کام لیا اور کاغذات مطالعہ کرائے بھی تو بار بار کے تقاضوں اور حاضری کے بعد، کچھ کاغذات قیمتاً بھی حاصل کئے گئے، غرضکہ اسطرح تقریباً **دس ہزار** کاغذات مطالعہ ہوئے جن سے بعض تاریخی حالات پر بڑی حد تک روشنی پڑی۔

امروہہ کے قدیم خاندانوں میں جو کاغذات نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلے آتے تھے ان کا بہت بڑا حصہ تو انقلاب سلطنت اور غدر ۱۸۵۷ء کی قیامت خیز ہنگامہ کی تباہیوں میں ضائع ہو گیا، جو حصہ آفات زمانہ سے محفوظ و مصئون رہا اس میں سے اسناد و فرامین کا معقول حصہ ایک ایسے بزرگوار کے دست تطاول کی نذر ہوا جو وطن کی ان یادگاروں کو مختلف تدابیر سے حاصل کرتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کو انہوں نے اپنی معاش کا ذریعہ بنا لیا ہر بایں ہمہ تلاش و جستجو سے ایسے کہنہ کاغذات بھی حاصل ہو گئے جن سے بعض تاریخی

(گزشتہ سے پیوستہ) صفحات نمبر ۳۱۷ لغایت ۳۲۰ کتاب ہٰذا۔

گتھیوں کے سلجھانے میں مدد ملی۔

ان مشکلات و موانعات کے ساتھ ساتھ خاکسار مؤلف کو بعض حضرات کے سوء ظن کی بنا پر ہدف ملامت بننا پڑا، نسبی و خاندانی حالات کے اظہار کا تعلق جہانتک اس تاریخ سے ہے اس کے اظہار میں نہ دھمکیوں کا ڈر ہوا اور نہ لالچ کا اثر، صدق بیانی کا جو مسلک بتوفیق ایزدی اختیار کیا تھا اس سے قدم کو لغزش نہ ہوئی۔ بعض گمنام تحریرات تو وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہیں ذیل میں ایک مکتوب کی نقل درج کرتا ہوں جو حال ہی میں موصول ہوا ہے، اس میں دھمکی بھی ہے اور لالچ بھی۔ فرستندہ مکتوب سے کیا عرض کروں کہ خاکسار مؤلف نے کسی تجارتی مقصد کو پیش نظر رکھکر یہ محنت شاقہ اختیار نہیں کی، صداقت بیانی میں نہ صلہ و تحسین کی آرزو ہے اور نہ نفرت و دشنام کا خوف۔ "تین سو سے زائد" جلدیں خریدنے اور مالی منفعت کا لالچ دینے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اگر آپ مجھکو خریدنا چاہتے ہیں تو یقین کیجئے اس کے لئے یہ بھی بہت ہے، میں تو اپنی قیمت میں خس و خاشاک کے ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں لیکن اگر اس سے میری رائے اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہے تو بادب عرض ہے کہ چند جلدوں کی قیمت یا چند خزف ریزہائے طلائی کی تو کیا حقیقت ہے ایک صداقت پرست ضمیر کو تو دنیا کی کوئی دولت بھی نہیں خرید سکتی!

Serohi stat (C.P.) [1]

Rajputana.

15-2-30.

مکرمی بندہ جناب مسٹر محمود احمد صاحب عباسی کرمبہ (؟)

السلام علیکم۔ میں اپنا تعارف خود ہی عرض کرتا ہوں کہ مجھکو قدرت نے انعام میں

---

[1] اس تحریر میں جہاں جہاں کتابت کی غلطیاں ہیں وہاں علامت استفہامیہ بنادی گئی ہے لیکن خط کی نقل بجنسہ درج کردی گئی ہے

زبدۃ السالکین حضرت مخدوم سید عبد اللہ ابو الفتح المعروف بہ شیخ ابن بدر چشتی امروہوی قدس سرہ الشامی کی اولاد میں ہونے کا فخر حاصل ہے۔ نیز کچھ عرصہ سے معتمد عرس (سکریٹری) بھی ہوں۔ میرا نام ...... ہے۔ خانقاہ کے متصل ہی غریب خانہ ہے۔

آمدم برسر مطلب۔ گذشتہ سال جبکہ ذوالحجہ کے مہینہ میں میں امروہہ حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میں نے سنا تھا کہ آپ نے کسی تاریخ کے لکھنے کا کام شروع کر دیا ہے اور جس میں قریب قریب امروہہ شریف کے کل خاندانوں کا حال بالتحقیق اور بالترتیب (۹) لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ میں صرف چند (۴) روز امروہہ قیام کر سکا اور عرس حضرت بدر چشتی کی مشغولیت کے سبب سے آپ سے نیاز حاصل نہ کر سکا۔

مجھکو یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب جو آنجناب نے لکھی ہے وہ غالباً ضخامت پوری رکھتی ہوگی اسلئے ہر شخص کو اس کی خریداری مشکل ہے۔ لہذا تیار ہونے پر آپ مجھکو مطلع فرماویں تاکہ متعدد جلدیں میں اس کی اپنے خاندانی حضرات کی خدمت میں بھجوا سکوں۔ انشاء اللہ آپ کو مالی فائدہ کثیر پہونچ جائے گا لیکن ہمارا سلسلہ نسب حکیم ...... یا مولوی ...... سے لیکر درج فرماویں۔ اوسکی تصدیق اور بحث مذکورہ حضرات سے کر لی جاوے بصورت اختلاف ہم کو اس تاریخ سے اختلاف ہوگا۔ اور آپ کی محنت و جانفشانی کی داد جیسی کہ چاہیے نہ مل سکے گی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اوس کی خریداری ہی نہ ہوسکے جس سے آپ کو مبلغی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا اور مذکورہ حضرات ہی مخالفت کریں گے

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے خاندان میں اختلاف نہ ہوا تو دو سو بلکہ تین سو جلدیں یا کم و بیش میں فروخت کرادوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسّلام فقط

آپ کا نیاز مند

.... سلہ

ریاست سروہی۔ راجپوتانہ

تاریخ نویسی میں صداقت بیانی کو اگر خاص اہمیت نہ دی جائے، واقعات و حالات کے اظہار میں مورخ کے قلم کو خارجی اثرات سے لغزش ہو یا وہ تعصب یا بیجا طرفداری کا اثر قبول کرے تو نہ وہ تاریخ تاریخ کہلائی جانے کی مستحق ہے اور نہ ایسی تالیفات کچھ مفید و کارآمد ہو سکتی ہیں۔ خاکسار مولف نے ہر قسم کے اثرات سے بالاتر ہو کر تاریخی حالات و واقعات کے راست راست و بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کو سہولت کے لحاظ سے تین حصّوں پر منقسم کیا گیا ہے:۔

پہلا حصّہ **تاریخ امروہہ** ہے جو اس وقت ناظرین کے سامنے ہے۔ اس حصہ میں اس قدیم بستی اور یہاں کے قدیم خاندانوں اور عام باشندگان شہر کے حالات گزشتہ کے طرز پر مرتب کئے گئے ہیں۔ اس میں ہندو مسلمانوں کی بعض قوموں کے نسب پر بھی تاریخ اور علم انساب کی روشنی میں اجمالی بحث کی گئی ہے۔ اس بحث کا تعلق بھی صرف تاریخی مسائل سے ہے، میں اپنے ذاتی خیالات کے اعتبار سے نسب کو شرافت و رذالت کا معیار نہیں سمجھتا افراد اور اقوام کی عزّت و ذلّت خود ان کی اپنی حالت سے وابستہ ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان، جو اپنے شاندار ماضی کے ماتم گسار اور ایک غیر قوم کے محکوم و غلام ہیں، عزّت و شرافت

سلہ مرسلہ خط کے نام کے اظہار کو میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

کا آج کس منہ سے دعویٰ پیش کرسکتے ہیں۔ غلاموں کی کیا عزت اور محکوموں کو کیا دعویٰ شرافت!
شریف وہی ہے جس کی ذات میں شرافت کا جوہر موجود ہو۔ کسی عربی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

اِنَّ الفتیٰ مَن یقولُ ھا انا ذا   لَیسَ الفتیٰ مَن یقول کانَ ابی

بیشک وہی بہادر ہے جو یہ کہہ سکے کہ دیکھو میں ایسا ہوں   وہ بہادر نہیں جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا

دوسرا حصہ **تذکرۃ الکرام** ہے جس میں امروہہ کے مشاہیر اولیا و علما و حکما و امرا و شعرا کے سوانح حیات اور ان کے خاندانوں کے تفصیلی تذکرے ہیں۔ یہ حصہ زیر طبع ہے۔

تیسرا حصہ **تحقیق الانساب** ہے۔ اس میں سادات و شرفاء امروہہ کے نسبی حالات پر تاریخی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ حصہ زیر ترتیب ہے۔

ان تین حصوں میں سے ابھی صرف پہلے حصے کو طبع کرانے کا موقع ملا ہے اور اس میں بھی گوناگون موانعات کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی، زندگی کی مشکلات اور مصائب کا سلسلہ ہمیشہ غیر منقطع رہا، ناگہانی حوادث کے پیہم حملوں نے کبھی دم لینے کی مہلت نہ دی، علائق کی زنجیریں چند سال سے اور بھاری ہوگئیں تاہم کسی نہ کسی طرح اس کام کو پورا کیا۔ احباب کو انتظار کی زحمت ضرور ہوئی مگر اس تاخیر سے بعض مباحث پر تفصیلی بحث کرنے کا موقع مل گیا ؎

گر دیر برآئیم ز گرداب میندیش   کاندر طلب گوہر نایاب نشستیم

اس حصہ کی ترتیب اور طباعت میں معقول رقم صرف ہو چکی ہے، دل تو یہ چاہتا تھا کہ امروہہ کی تمام قدیمہ عمارتوں کے ہاف ٹون بلاکس کی تصویریں شامل کروں لیکن اہل وطن کے ذوق قدردانی کے بھروسہ پر مزید صرف زر کی ہمت نہ ہوئی مجبوراً خاص خاص عمارتوں کے فوٹوؤں پر اکتفا کرنا پڑا، اس میں سے بھی محبی پیر رئیس الدین احمد اور مولانا احمد حسین خان نے اپنے خاندانی بزرگوں کے روضوں کے فوٹو کے مصارف خود برداشت کیے۔ اہل وطن جس قدردانی کا اظہار فرمائیں گے اسی اعتبار سے دوسرے حصوں کی اشاعت کا موقع ملے گا ؎

ابھی تو دیکھتا ہوں ظرف بادہ خواروں کا   سبو و خم کی بھی ٹھیرے گی دور جام کے بعد

اردو کے بعض الفاظ اور بعض محلوں کے ناموں کی کتابت میں روشِ عام کی پیروی نہیں کی گئی مثلاً لفظ **قسّائی** کو حرف **س** سے لکھا گیا ہے' اس کی تشریح موقع پر کردی گئی ہے یا مثلاً محلّہ **صدّو** کا املا گو روشِ عام کے خلاف ہے لیکن قدیم تحریریات کے مطابق ہے۔ سابق میں اس محلہ کا نام محلّہ "**مسجد جامع**" تھا' اب نہ وہ مسجد جامع رہی اور نہ محلّہ کا نام باقی رہا۔ اسی طرح محلّہ **شیخ زادگان** کے بجائے محلّہ **جھنڈا شہید** مشہور ہوگیا ہے' محلّہ **مُلّانہ** کا نام عہد اکبری کی تمام دستاویزات میں محلّہ **مولانا** درج ہے' اس کے بعد عہد عالمگیری تک عام طور سے محلّہ **مولانہ** لکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کچھ لوگ اس طرز املا پر معترض ہوں' میں نے اس معاملہ میں متقدمین کی تقلید کی ہے۔

اس کے علاوہ سیّد العارفین حضرت سیّد **شرف الدین** شاہ ولایت قدّس سرّہٗ العزیز کے اصلی نام کے معلوم کرنے کا بھی اس بندۂ ناچیز کو شرف حاصل ہوا۔ **فیضی** نے جب تفسیر سواطع الالہام لکھنا شروع کی تو زرِ کثیر خرچ کر کے لغت کی کتابیں خریدیں۔ کسی نے کہا کہ آپ کو لغات خریدنے کی کیا ضرورت تھی' آپ کی ذات تو خود لغات ہے۔ فیضی نے جواب دیا کہ مجھے ان کتابوں میں ایک لفظ ایسا ملا ہے جس کے معنی معلوم نہ تھے اور اسی کو میں اپنی کل محنت اور صرف کا معاوضہ سمجھتا ہوں۔ چنانچہ میں بھی صرف اسی ایک انکشاف کو اپنی چند سالہ تفتیش و تحقیق کی دیوانگی کا نسخہ سمجھتا ہوں کہ حضرت شاہ ولایتؒ کے صحیح اسم مبارک اور آپ کے خاندانی حالات کے معلوم کرنے کا مجھے شرف بخشا گیا۔

مگر آہ! میں اس بےچین دل کو کیا کہہ کے سمجھاؤں اور کس طرح تسکین دوں کہ جس بزرگ ہستی کے انکشافِ اسم و دریافتِ حالات کو میں باعثِ فخر و مباہات سمجھتا ہوں اسی بزرگ کے اخلاف آج کس دورِ تنزل و گردابِ بلا میں پھنسے ہوئے ہیں۔

امروہہ! پیارے وطن! اے آغوشِ سادات کی نازپروردہ بستی! پیچھے ہٹ' اور اتنا پیچھے کہ ہمیں وہ سماں برأی العین نظر آجائے جب حضرت شاہ ولایتؒ نے

اس بستی کو اپنی تشریف آوری سے شرف بخشا تھا۔ ہاں، پیارے وطن! اپنے اوج و عروج کے زمانہ سے جاہل اور ہمیں ایک نظر وہ منظر، وہ سماں دکھادے، وہ غازیوں کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ، وہ ان کے ٹاپوں کی صدا، وہ نعرۂ تکبیر کی آوازیں، وہ دامن گرد چیر کر مجاہدین کے گروہ کا باطل کو پامال کرتے آگے بڑھ آنا، امروہہ میں پڑاؤ ڈالنا، وہ ان کے غازیانہ ولولے وہ ان کا عربی لب و لہجہ، وہ ان کی ہاشمی شجاعت، وہ **حاتم خان** کی بہادر فوج اور مسلم نبرد آزماؤں کی جیالی، وہ شہزادہ **خضر خان** کی قیام گاہ، وہ سلطان **فیروز تغلق** کی مجاہدانہ ترکتاز کا مقام، وہ **ابن بطوطہ** کی سیاحت گاہ، خدا کے لئے یہ سماں ہمیں بھی ایک نظر دکھادے!۔

سن، او گردش ایام سن! اس دل صد پارہ، اس جگر خستہ کی التجا سن! تغلقوں کا زمانہ نہ سہی، خلجیوں کا عہد نہ سہی، سیدوں کا نہ سہی، لودیوں کا نہ سہی، مغلوں کا اور صرف مغلوں کا زمانہ ہی دکھادے۔ وہ **عہد اکبری** میں امروہہ کے علما و فضلا **میر سید محمد میر عدل، مولانا سید امیر علی، مولانا اللہ داد عباسی، مولانا ابن عباسی، مولانا عبد الملک نخشبی وغیرہ** کے علم و فضل اور ان کے علمی کارنامے، وہ حضرت **شاہ ابن** بدر چشتی قدس سرہ اور دوسرے مشائخ کرام کے افادات روحانی کے مناظر، وہ **سید ابوالمعالی و سید ابوالقاسم** اور دوسرے شجاعان زمان کے جنگی فتوحات اور معرکوں کے حالات ہی کا کوئی سماں دکھادے۔

یہ نہ سہی تو اب چند صدی پیشتر کے بزرگوں کے وہ امیرانہ ٹھاٹھ، وہ ہاشمیانہ مہمان نوازی، وہ **سیدانہ** پاکیزہ خصالی، وہ ان کے **حیدری** دل گردے کے کارنامے، وہ ان کی **نقوی** خو بو، وہ ان کے **حجازی** خط و خال، خدا کے لئے ایک بار اور صرف ایک بار ہی دکھادے!!

مگر آہ! اے زمانے! اے گردش ایام! ہم جانتے ہیں کہ تو اب نہ تغلقیہ عہد

واپس لا سکتا ہے اور نہ دورِ غلبہ، اچھا یہ نہیں تو اس دورِ مصیبت میں اپنی حالت کا ہمیں **صحیح احساس** ہی عنایت کر!

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے!
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے!

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

خاکسار

محمود احمد

{یکم اپریل سنہ ۱۹۳۰ء}

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار   چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسید

امروہہ کے تاریخی حالات

امروہہ کب بسا امروہہ کب سے آباد ہے، کب بسا، کس نے بسایا، ان سوالوں کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح جواب محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اسلامی عہد سے قبل کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں اور ہوتی کیسے؟ ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا رواج ہی نہ تھا۔ کتب تاریخ سے قطع نظر امروہہ یا اسکے نواح میں ہندوؤں کے عہد کے آثار قدیمہ بھی ایسے باقی نہیں جن سے بعض اہم تاریخی حالات و واقعات کا کچھ پتہ نشان ملتا۔ البتہ اس بستی کے سنسکرت نام سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ نگری کسی ایسے زمانہ میں بسی تھی جب سنسکرت زبان بول چال میں مروج یا کم از کم شہروں اور بستیوں کے نام رکھنے میں مستعمل تھی۔ ایسے زمانہ کی کم سے کم مدت تقریباً پانسو سال قبل مسیح شمار ہو سکتی ہے، اس اعتبار سے امروہہ کو تقریباً ڈھائی ہزار برس سے آباد سمجھنا چاہئے۔

روایت مختص المقام سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، جس میں اس بستی کا بسانا ہستناپور کے ایک راجہ **امرجودہ** سے منسوب کیا جاتا ہے[1]۔ امروہہ کے مغرب میں پانچ کوس کے

---

[1] ۱۴۵۰ قبل مسیح سے سنہ ۱۲۰۰ ق م تک ہستناپور راجدھانی رہا۔ یہاں کے راجاؤں میں راجہ پانڈو کا بیٹا راجہ یدھشٹر پہلا

فاصلہ پر گجستھل (गजस्थल) ایک موضع ابتک آباد ہے۔ مشہور ہے کہ یہاں امروہہ کے راجہ کا ہاتھی خانہ تھا۔ اس موضع کا نام سنسکرت زبان کے الفاظ (گج) गज (بمعنی ہاتھی) اور استھل अस्थल (بمعنی تھان) سے مرکب ہے جو اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ اس نواح میں بستیوں کی آبادی ضرور اُس زمانہ میں ہوئی جب سنسکرت زبان بول چال میں مستعمل تھی۔

وجہ تسمیہ

"امروہہ" اصلاً سنسکرت زبان کے ایک مرکب لفظ अमरोवनम "امروانم" Amrovanam سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں "آموں کی جگہ"۔

آریہ قوم کے زمانہ عروج میں شمالی ہند کی اکثر قدیم بستیوں کے نام مختلف اقسام کے کارآمد درختوں، دریاؤں، اناج کے پودوں، مفید اور کارآمد جانوروں وغیرہ کی مناسبت سے اُس زمانہ کی مروّج زبان سنسکرت میں رکھے جاتے تھے چنانچہ صوبجات متحدہ میں متعدد بستیوں کے نام، جہاں آم اور مہوہ کے درختوں کی روئیدگی بکثرت تھی یا ان درختوں کے خودرو جنگل موجود تھے، اسی مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ مثلاً ضلع کانپور و بستی میں امرودہ و آمونا وغیرہ۔

بمرور ایام ان ناموں کے شروع و آخر کے حرفوں میں تبدیلی ہوتی رہی، "امروانم" سے "اَمرُوَہا" ہوا اور "امروہا" سے امروہہ[1] رہگیا۔ اسلامی عہد کے فارسی نویس بھی "انبہ دام"

(بقیہ صفحہ ۱) حکمران تھا، اس نے ۴۰ سال راج کیا۔ کرشن جی مہاراج کی وفات کے بعد راج چھوڑ کر ہماچل پہاڑ میں اس نے اپنے تئیں برف میں ڈال کر گلا دیا۔ اس راجہ کے بعد ارجن کا پوتا گدی پر بیٹھا جسکی نسل میں عرصہ دراز تک راج قائم رہا۔ اسکی چھٹی پشت میں راجہ دشٹ وان ہوا، جس نے سنہ ۱۲۳ ق م میں ہستنا پور کی بجائے کوشکی ندی کے کنارے ایک شہر بسایا۔ اسکو بھی چھوڑ کر پھر وہ اندرپت (دہلی قدیم) چلا آیا۔ راجہ امرجود سنہ ۱۴۴ ق م گدی پر بیٹھا۔ اسکی راجدھانی اندرپت تھی۔ ۱۲ سال سلطنت کی۔

[1] The Gazetter tells us that the local interpretation of the name is from Am, mango, and Rohu, a fish which abounds in the surrounding tanks, a derivation scarcely worth refuting

کی مناسبت سے "انبروہہ" لکھا کرتے تھے۔ عہد اکبر و جہانگیر کے اکثر فرامین اور اُس عہد کی بعض تاریخی یا قلمی کتابوں میں "امروہہ" کا نام "انبروہہ" لکھا ہوا ملتا ہے [1]

امروہہ ہندوؤں کے عہد حکومت میں

ہندوؤں کے زمانہ کے تاریخی حالات مہابھارت وغیرہ کے چند افسانوں، زبانی روایتوں یا اُس عہد کے آثار قدیمہ کی زبانِ حال کے سوائے تاریخ کی کسی کتاب سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ افسوس کہ ایسے آثار قدیمہ بھی اس نواح میں موجود نہیں جنکی زبانِ حال ہی سے ہم یہ افسانہ کہن سنتے۔

پرانوں سے البتہ یہ بات ثابت ہے کہ مہابھارت کی لڑائی مگدھ کے راجہ نند اسکے جلوس سے ایکہزار پچاس برس قبل ہوئی تھی اور معتبر کتب سے یہ بھی ثابت ہے کہ راجہ نندا چارسو برس قبل حضرت مسیح مسند نشین ہوا۔ گویا یہ جنگ عظیم ایکہزار چارسو پچاس برس تخمیناً قبل حضرت

The R in Amroha comes from the Sanskrit form Amrah and the O is presumably due to the Sanskrit rule that Visarga in a compound followed by a sonant letter changes to O. We must therefore look for a Sanskrit compound in which the second element begins with sonant. There is the recognised Amrovanam, forest of mangoes, which might aptly be applied to a place encircled, as Amroha is, with mango groves. The base -vanam has dropped away and the vowel suffix Ā has been substituted and then an aspirate has been inserted to separate the vowels. Or Amroha may be explained as Amrodha for Amrodhanam (dwelling) or Amrodha (pool).

Or. Journal of the United Provinces Historical society vol. III.

[1] امروہہ کے عوام میں امروہہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق آم اور روہو مچھلی کی ایک من گھڑت کہاوت شہرت رکھتی ہے جو محض لغو و بے معنی ہے۔ جن بزرگ کا نام اس سلسلہ میں لیا جاتا ہے کہ انہوں نے آم اور روہو کی مناسبت سے اس بستی کا یہ نام رکھا یعنی شاہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ آپکی تشریف آوری بلکہ ولادت سے بھی بہت پہلے سے اس مقام کا یہی نام اسلامی تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔

مسیح واقع ہوئی تھی، اس حساب سے مہابھارت کو ابتک تین ہزار تین سو اسّی برس ہوئے[1] مہابھارت کے بعد راجہ یدھشٹر نے ہستناپور میں راجدھانی قایم کی، سلطنت کو وسعت دی، اسنے اور اسکے بعد چندر بنسی خاندان کے مختلف حکمرانوں نے متعدد شہر بسائے۔ ہستناپور دریائے جمنا کے کنارے، موجودہ دہلی سے کئی کوس دور، واقع تھا۔ دریا کے چڑھاؤ سے جب یہ شہر بہہ گیا تو اسی خاندان کا راجہ دشٹ دان جو ۱۲۱۲ قبل مسیح گدی نشین ہوا، ہستناپور چھوڑ کر اندرپت (اندر پرست) چلا آیا۔ اس راجہ کی ستویں پشت میں راجہ **امرجودہ** ہوا جو ۸۴۴ قبل مسیح راجگدی پر بیٹھا، اسی راجہ کو **امروہہ** کا بانی بتایا جاتا ہے[2]۔ ہستناپور کے راجگان کے بعد تومر راجپوت حکمراں ہوئے۔

راجپوتوں کا راج

تومر یا تنور راجپوت چندر بنسی خاندان کی مشہور شاخ ہیں، یہ لوگ اپنی نسل جنمیجیہ راجہ کے پوتے شتانیک سے قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی حکومت عرصہ دراز تک اس علاقہ پر رہی، درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے انکا راج اوروں نے چھین لیا تھا لیکن سمت ۷۳۳ مطابق ۶۷۶ء میں اسی قوم کے ایک شخص انیکپال تومر نے دوبارہ راج قایم کیا اور مشہور اسلامی سیاح اور مورخ ابوالحسن مسعودی[3] کے ہندوستان آنے کے زمانہ ۹۱۵ء میں دہلی سے قنوج تک اسی خاندان کی حکومت تھی، امروہہ پر بھی یہی خاندان حکمران تھا۔ راجہ انیکپال کی دسویں پشت میں راجہ مہدپال ہوا جسکا بہت کچھ اثر و اقتدار اس نواح میں تھا، گڈھ مکتیسر کے قرب و جوار کے مواضعات میں انکی نسل کے لوگ آجتک آباد ہیں۔ اس خاندان کے آخری راجہ اننگپال کا نواسہ پرتھی راج تھا جسنے ۲۲ سال ۲ مہینے اور ۱۶ دن حکومت کی[4]۔ اسی نے سنبھل اور امروہہ میں قلعے تعمیر کئے[5]۔ ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ اسی راجہ کی بہن رانی امبا نے امروہہ کے قلعہ کو، جو کسی افتاد سے مسمار ہو گیا تھا، از سر نو تعمیر کیا تھا جس کی بنیادوں کی اینٹیں بعض بعض مقامات سے ابتک نکلتی ہیں۔

---

[1] آثار الصنادید [2] گزیٹیر مراد آباد [3] علم ریاضی کی نادر اور مشہور کتاب قانون مسعودی ابن البیرونی کی تصنیف ہے [4] گزیٹیر مراد آباد صفحہ ۱۴۲

تومر راجپوتوں کا راج سمت ۱۱۵۳ مطابق ۱۰۹۶ء تک یعنی چار سو انتیس برس سات مہینے اٹھائیس دن قایم رہا[1]۔ بالآخر بلدیو چوہان نے انکے ہاتھ سے زمام حکومت چھین لی۔ چوہانوں میں کل سات راجہ ہوئے۔ سمت ۱۲۴۹ مطابق ۱۱۹۲ء تک انکا راج قایم رہا۔

کالیستوں کا راج

چوہانوں کے بعد اس علاقہ پر کچھ عرصہ تک کالیستوں کے ایک خاندان 'سورج دھج' کی حکومت رہی[2]۔ راجہ کرپا ناتھ ان میں مشہور راجہ ہوا۔ امروہہ میں بعض کنوئیں اور گجرولہ کے قریب بگد جھیل کا پل اب تک انکی یادگار ہیں[3]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سکندر والے باغ کے اطراف و جوانب میں جو پرانے زمانہ کے کنوئیں ہیں وہ بھی اسی سورج دھج خاندان کے بنائے ہوئے ہیں۔

تگوں کی حکومت

مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں تگا قوم کا یہاں عروج ہوا۔ امروہہ اور اسکے نواح میں اس قوم نے اپنی حکومت قایم کی۔ کھجراج نامی ایک تگے[4] سردار نے

---

[1] اسی تومر خاندان کے ایک شخص ہر سنگھ دیو نے سلطان علاؤالدین خلجی کی وفات کے بعد گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسکی اولاد میں متعدد اشخاص گوالیار کے علاقہ میں اپنی ریاست پر قابض رہے۔ بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی سے برسرپیکار جنگ ہوتے رہے۔ ان میں راجہ مان سنگھ بہت طاقتور ہوا۔ اسکے بیٹے بکرماجیت کو علم ہمایوں نے شکست دی اور وہ مطیع ہوکر آگرہ بھیجا گیا۔ لیکن ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کے ساتھ آخری جنگ پانی پت میں مارا گیا۔ اسکے بعد بابر نے گوالیار فتح کر لیا۔ اسکی نسل کے کچھ لوگ اودے پور چلے گئے جہاں اب وہ زمینداری پیشہ میں ہیں۔ [2] انہیں سے بعض اپنے کو برہمن بتاتے ہیں لیکن عام طور سے انکا شمار کالیستوں میں ہوتا ہے۔ [3] ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۲۲۷۔ [4] تگوں کے نسب کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ گور برہمنوں سے انکا نکاس ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سارسوت برہمنوں سے نکلے ہیں۔ تگا کا مخرج سنسکرت لفظ تیاگ بتایا جاتا ہے جسکے معنی "ترک کرنے" اور "دان دینے" کے ہیں، چونکہ یہ لوگ بالعموم زراعت کا پیشہ کرتے اور زمین کا دان لیتے تھے اسلئے تیاگا کہلائے۔ تیاگا کثرت استعمال سے تگا ہو گیا۔ اسکے علاوہ اور بھی روایتیں مشہور ہیں جنکا مفاد یہ ہے کہ برہمن مرد اور کسی نیچ قوم کے میل سے جو اولاد ہوئی وہ تگا کہلائی۔ بہرحال انکے نسب و قومیت کے متعلق جو روایت بھی صحیح ہو انکے خصائص قومی میں دو مابہ الامتیاز خصوصیتیں ہیں یعنی زراعت در کاشتکاری میں نہایت درجہ جفاکش اور محنتی اور اسی کے ساتھ سخت جھگڑالو۔ ان میں دو فریق ہیں۔ ایک "دسا" اور دوسرا "بیسا"۔ یعنی اصلی اور دوغلے۔

اپنے نام پر بچھراؤں آباد کیا۔ انہیں راجہ کرن اور راجہ ساسا چندن نامور راجہ ہوئے ہیں مگر یہ لوگ ڈوڑ راجپوت خاندان کے راجہ ہردت کے ماتحت تھے جسکی حکومت قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھی اسمیں امروہہ، سنبھل، میرٹھ، کول (علی گڈھ) برن (بلندشہر) متھرا اور ایٹہ کا علاقہ شامل تھا۔ اسی راجہ نے اپنے نام پر ہرا پور (موجودہ ہاپڑ) آباد کیا تھا۔[1]

قدیم زمانہ میں دریائے گنگا کے دونوں جانب بہت گھنا جنگل تھا جو ضلع بلندشہر کے علاقہ میں "کھانڈو بن" کہلاتا تھا اور گنگا سے اسطرف حسنپور کی تحصیل سے لیکر پہاڑی علاقہ تک چلا گیا تھا۔ اس جنگلی علاقہ میں مختلف جنگلی قومیں بھیل، ناگے، آہیر، بھیر وغیرہ رہتی تھیں۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز سے راجپوتوں کے مختلف فرقوں کی آبادی یہاں شروع ہوئی۔ ان میں کٹھیریے راجپوت زیادہ طاقتور اور ذی اثر ہوئے۔ اسی قوم کے نام سے یہ علاقہ بعد میں ملک کٹھیر سے موسوم ہوا۔[2]

کٹھیریے راجپوتوں کے علاوہ گوجر، جاٹ اور تگے اس علاقہ میں زیادہ با اثر اور بارسوخ تھے۔ ان راجپوتوں اور بالخصوص تگوں نے مسلمانوں سے بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں اور داد مردانگی دی۔ امروہہ میں تگوں کا کوئی خاندان اب موجود نہیں ہے، البتہ ایک مکان "تگے والی حویلی" ابتک مشہور ہے۔ تاجپور اور ہلدور ضلع بجنور کے چودھریوں کے خاندان اس قوم کے عروج کی یادگار ہیں، انہیں سے بہت سے لوگ بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ بچھراؤں، ہیبت پور، ڈھکہ، ڈھبارسی، اجھاری اور چوچیلا کے چودھری صاحبان اسی نسل سے ہیں۔

---

[1] Historical memoirs of Bullandsheher

[2] ایک روایت یہ بھی ہے کہ لفظ کٹھیر کے معنی سخت زمین کے ہیں چونکہ روہیلکھنڈ کی زمین کا زیادہ حصہ سخت ہے اسلئے قدیم زمانہ میں اس خطہ ملک کو کٹھیر کہتے تھے۔ راجپوتوں کے جو قبیلے یہاں آکر متوطن ہوئے ان کو "کٹھیریہ" کہنے لگے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

عام خیال ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی پہلا مسلمان ہے جس نے ہندوستان کے غربی حصہ ملک سندھ پر ۹۳ھ میں اسلامی فتح کا پھریرا لہرایا لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کے فاتحانہ حملے اس سے بہت پیشتر سے شروع ہو گئے تھے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے صرف پانچ سال بعد ہی یعنی ۱۵ھ میں فاروق اعظمؓ نے بحرین و عمان کی حکومت پر عثمان بن العاصی ایک صحابی کو مقرر فرمایا تھا جنہوں نے اپنے بھائی حکم بن العاصی کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوجکشی کریں، چنانچہ حکم نے دریائی سفر کے راستہ سخت منزلیں طے کر کے سب سے پہلے تھانہ[1] پر حملہ کیا جو اس زمانہ میں بہت بارونق بندرگاہ تھا اور آج ضلع کا صدر مقام ہے[2]۔ دوسرا حملہ حکم نے بھروچ[3] پر کیا۔ ان دونوں حملوں میں اچھی خاصی کامیابی ہوئی لیکن فاروق اعظمؓ کی رائے چونکہ دریائی سفر کے خلاف تھی اسوجہ سے مدت تک مسلمانوں نے پھر اسطرف توجہ نہیں کی[4]۔

بنو امیہ کے زمانہ میں ہندوستان پر پھر فوجکشی کا خیال ہوا اور ۹۳ھ میں ملک سندھ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ۱۰۷ھ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ دمشق نے جنید بن عبدالرحمن مری کو سندھ کی حکومت تفویض کی۔ جنید نہایت منچلا شخص تھا۔ اس نے کچھ اور مالوہ پر فوجکشی کر کے فتوحات حاصل کیں[5]۔ خلفائے بنو عباس میں خلیفہ المہدی باللہ

---

[1] عربی تاریخوں میں تھانہ کو طانہ، بھروچ کو بروص یا برزج اور کچھ کو قصہ لکھا ہے۔ [2] فتوح البلدان بلاذری [3] معجم البلدان حموی [4] فتوح البلدان بلاذری [5] اس فوج کے ساتھ ابو بکر ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جنکو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث میں کتاب تصنیف کی۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ هو اول من صنف فی الاسلام (مسلمانوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب تصنیف کی) آپ نے گجرات میں شہادت پائی اور سرزمین ہند کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہوا کہ اسکے آغوش میں ایسا شخص محو خواب ہے جو فن حدیث کا پہلا مصنف ہے۔ ان کے متعلق صاحب کشف کا بیان ہے کہ: مات بارض الهند سنة ستین و مائة

العباسی نے سنہ ۱۵۹ھ میں عبدالملک بن الشہاب المسمعی کو کافی سازوسامان کے ساتھ ہندوستان میں جہاد کیلئے روانہ کیا۔[1] اس مرتبہ گجرات پر بھی دھاوا کیا گیا، غرضکہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک صرف ملک سندھ پر، جسکی حدود اس زمانہ میں ایک جانب کچھ، گجرات، مالوہ اور راجپوتانہ سے اور دوسری جانب ملتان اور وادی کشمیر سے ملتی تھیں گماشتگان خلفائے عباسیہ کی حکومت تھی لیکن شمالی ہندوستان ابھی تک مسلمان حملہ آوروں کی ترکتاز اور مجاہدانہ جانبازیوں سے محروم تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے حملے

پانچویں صدی ہجری کے شروع میں سلطان محمود غزنوی نے شمالی ہند پر متواتر حملے شروع کئے۔ سنہ ۴۰۹ھ (۱۰۱۸ء) میں میرٹھ کا محاصرہ کیا، اسوقت میرٹھ کا راجہ ہردت تھا جسکا راج قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھا۔ اس علاقہ کی حدود ایک جانب برن (بلند شہر) کول (علیگڈھ) متھرا اور تانیہ تھیں اور دوسری جانب امروہہ و سنبھل کے علاقہ تک۔[2] راجہ ہردت اس حملہ کی تاب نہ لاسکا ایک ارب درہم (مساوی ڈھائی لاکھ روپیہ سکہ حال) خراج ادا کرنے پر معاملہ ٹھیرا۔ پانچ سال بعد پھر سلطان محمود غزنوی نے ملک کٹھیر پر حملہ کیا، علاقہ امروہہ میں رہب ندی (یعنی رام گنگا) کے کنارے شدید جنگ ہوئی جس میں ہندوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔[3] سلطان محمود کے چلے جانے کے بعد یہاں پھر ہندو راجاؤں کی حکومت قایم ہوگئی اور سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ تک باقی رہی۔

اسلامی سلطنت کی بنیاد

سلاطین غزنویہ نے اپنے زمانہ سلطنت میں ہندوستان پر بہت سے حملے کئے۔ سلطان محمود نے عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کیں، بے شمار دولت مال غنیمت میں وصول کی لیکن یہاں کبھی مستقل حکومت کی بنیاد نہیں ڈالی۔ سلطان

---

[1] فتوح البلدان۔ [2] ہسٹاریکل میموائرس آف بلند شہر۔ [3] امپیریل گزیٹیر آف انڈیا جلد دوم۔

محمود کے بعد اسکی اولاد کی حکومت بھی لاہور سے آگے دریائے چناب سے اسطرف نہ بڑھنے پائی۔ البتہ غزنویوں کے ہاتھ سے زمام حکومت جب غوریوں نے چھین لی اور سلطان معز الدین محمد بن سام المشہور بہ سلطان شہاب الدین غوری کچھ عرصہ بعد تخت سلطنت پر بیٹھا اسنے ہندوستان کے فتح کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں خسرو ملک کو جو غزنوی خاندان کا یہاں آخری حکمراں تھا، لاہور میں شکست دیکر پھر شمالی ہند کو اپنی تیغ آبدار کی ضرب سے فتح کیا۔ ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں تراوڑی (تھانیسر) کے میدان میں رائے پتھورا کو ہزیمت ہوئی اور ہندوؤں کے ہاتھ سے سلطنت نکلکر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ اور اسطرح حکومت اسلامی کی بنیاد پڑی۔

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں[1]:-

چنیں گوید خبر دانندۂ حال ؛ کز اں میموں خبر میموں شدش فال
کہ از غزنین چو بیروں کرد صمصام ؛ معز الدین محمد گوہر سام
ازاں سلطان غازی بے مدارا ؛ بہ ہندوستان شد اسلام آشکارا
سریر دہلی ازوے یافت بنیاد ؛ کہ بنیاد سریرش تا ابد باد
ہر آنچہ آں شہ غازی کرد بنیاد ؛ ز قطب الدین سلطان گشت آباد

---

[1] حضرت امیر خسرو کا نام نامی ابو الحسن ہے۔ انکے والد امیر سیف الدین محمود بلخ کے امیر زادوں میں تھے فتنہ چنگیز خان کے زمانہ کے قریب ہندوستان آئے اور امرائے شاہی میں منسلک ہوئے۔ حضرت امیر خسرو ۶۵۲ھ میں ضلع ایٹہ کے ایک قصبہ مومن آباد میں جسکو اب پٹیالی کہتے ہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء سے بیعت کی اور مدت العمر فیض صحبت پایا۔ حضرت مرشد انکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اولاً شہزادہ محمد سلطان خان شہید کے مقرب و ندیم رہے پھر ملک امیر علی حاتم خان، جاگیردار امروہہ کے پاس پانچ سال تک رہے۔ جتنے بادشاہ ان کے زمانہ میں دہلی کے تخت پر بیٹھے سب ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ شیخ سعدیؒ نے ان کی قابلیت شعری کا اعتراف کیا۔ تقریباً چار لاکھ شعر ان سے منسوب ہیں۔ ۷۲۵ھ میں انتقال کیا اور اپنے مرشد کے مزار پر انوار کے قریب مدفون ہوئے۔

شد عدیم المثل یک تاریخ او ؛ دیگرے شد، طوطی شکر مقال
۷۲۵ھ ؛ ۷۲۵ھ

امروہہ پر مسلمانوں کا تسلّط

اسلامی عہد کی کسی معتبر تاریخ میں اس کی تصریح نہیں کہ اسلامی لشکر نے کس سنہ میں امروہہ فتح کیا اور کب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوا۔ سلف سے البتہ یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ اس نواح میں سب سے پہلے سالار مسعود غازیؒ نے مجاہدانہ حملے کیے اور امروہہ و سنبھل کے قلعے ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ حضرت سالار غازی مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ بہرائچ میں انکا مزار ہے بقول سید انشاء ؎

دل کی بہرائچ نہیں ہے ترکتازی کا مقام ہے یہاں پر حضرت مسعود غازی کا مقام

کہا جاتا ہے کہ موضع شہباز پور میں، جو سنبھل سے تقریباً چار میل مشرق میں واقع ہے، سالار مسعود غازی اور انکے ہمراہیوں نے ہندوؤں پر فتح حاصل کی تھی جسکی یادگار میں ہر سال وہاں ایک دن میلہ لگتا ہے جو نیزہ کا میلہ کہلاتا ہے اور دوسرے دن یہ میلہ خاص شہر سنبھل میں غالباً فاتحین کے فاتحانہ داخلہ کی یادگار میں لگتا ہے جو باسی نیزہ کا میلہ مشہور ہے۔ پورنپور اور امروہہ کے نیزے کے میلے بھی اسی فتح کی یادگار منائے جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ امروہہ اور اسکے نواح میں جو شہدا آسودہ ہیں وہ سالار مسعود غازیؒ کے ان جانباز ہمراہیوں میں سے ہیں جنہوں نے معرکہ ہائے جدال و قتال میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ مراۃ مسعودی[1] میں بیان

---

[1] مراۃ مسعودی ایک کتاب سالار مسعود غازیؒ کے حالات میں ہے، جو ایک شخص عبدالرحمٰن چشتیؒ نے جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں سالار مسعودؒ کے زمانہ سے تقریباً پانسو برس بعد کی تالیف ہے۔ اس میں غازی موصوف کے باپ کا نام سالار ساہو، ماں کا نام ستر معلّی، سال پیدائش سنہ ۴۰۵ھ، مقام پیدائش اجمیر اور سال وفات سنہ ۴۲۴ھ تحریر کیا گیا ہے، مگر یہ کتاب ایک فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اسکے مستند تاریخ ہونے میں بہت کلام ہے۔ علامہ ابوالفضل نے سالار غازیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ "خویشاوند سلطان محمود غزنوی است"۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "از اقارب سلطان محمود غزنوی بود و در عہد اولاد سلطان محمود غزنوی در سنہ ۴۲۴ھ بدست کفار مقتول گردید"۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ نواب خانجہان نے ایک دن حضرت شیخ الہدیہ خیرآبادی سے جو مشائخ کبار اور علمائے متبحر میں سے تھے دریافت کیا کہ "سالار مسعود کو عوام

کیا گیا ہے کہ سالار مسعود غازیؒ نے اوّل میرٹھ پر حملہ کیا، پھر وہ دریائے گنگا عبور کر کے قنوج کی سمت روانہ ہوئے۔ مراۃ مسعودی کے بیان کو اگر باور کیا جائے تو یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ غازیانِ اسلام

(بقیہ صفحہ ۱۰) ہندو رای پرستند چہ طورے بود شیخ فرمود "افغانے" بود کہ شہید شدہ است۔"

میری رائے میں فرشتہ کا یہ قول درست ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی اولاد میں سے کسی کے عہد میں سالار مسعود غازیؒ ہندوستان میں بقصد جہاد آئے۔ لیکن فرشتہ نے ان کی آمد کا جو زمانہ متعین کیا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ۵۵۰ھ میں سلاطین غزنویہ میں اس قدر طاقت نہیں رہی تھی کہ ہندوستان میں اس قدر دور دراز مقامات پر فوج کشی کی جاتی غالباً یہ زمانہ بہرام شاہ بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کا ہوگا یعنی ۵۱۲ھ تا ۵۴۷ھ۔ ایک اور واقعہ سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ قلعہ بیانہ کا فتح ہونا بھی سالار غازی کے نام پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس لشکر میں حضرت ابو بکر قندھاری بھی تھے جن کی خانقاہ اب تک وہاں موجود ہے اور ہندی دوہرہ بھی عوام کے زبان زد ہے ؎

اگارہ سو تیرہ پھاگن تیج ربی وار ÷ بیانے مندر گر کہو توڑا ابو بکر قندھار

یعنی سنہ ۱۱۷۳ پھاگن کے مہینے میں تیسری تاریخ کو ابو بکر قندھاری نے قلعہ بیانہ کو فتح کیا۔ یہ زمانہ ۵۱۲ھ = ۱۱۱۸ع کے مطابق ہوتا ہے جو بہرام شاہ بن سلطان مسعود غزنویؒ کے جلوس کا سال تھا۔ سلطان بہرام شاہ بن مسعود غزنوی ۵۱۲ھ = ۱۱۱۸ع میں تخت نشین ہوا اور ۵۴۷ھ = ۱۱۵۲ع میں انتقال کیا۔ کتاب کلیلہ و دمنہ اسی کے عہد میں اور اسی کے نام پر تصنیف ہوئی۔ حکیم سنائی نے حالت قید میں کتاب حدیقۃ الحقیقہ اسی کے نام پر لکھی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

عرش گر بارگاہ را زیبد ÷ شاہ بہرام شاہ را زیبد

مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے تخت نشین ہو کر ہندوستان کی طرف لشکر بھیجا اور ایسے مقام جو پہلے بزرگوں سے بھی فتح ہونے سے رہ گئے تھے فتح کئے۔ پس کیا تعجب کہ سالار مسعود غازی بھی اسی لشکر کے ساتھ ہوں اور انہوں نے اس نواح میں مجاہدانہ حملے کر کے امروہہ و سنبھل کے قلعے فتح کئے ہوں۔

مراۃ مسعودی کے مؤلف نے سالار غازیؒ کو سیدنا امام محمد حنفیہ بن حضرت علیؓ کی اولاد میں لکھا ہے اور بتایا ہے کہ سالار غازی عبدالمنان بن امام محمد حنفیہ کی نسل سے تھے۔ امام موصوف کے اس بیٹے عبدالفلاح و عبدالمنان دو بیٹے لکھے ہیں لیکن

کے اس لشکر نے گڑھ مکتیسر کے مقام پر دریائے گنگا کو عبور کیا ہوگا اور قنوج جاتے ہوئے امروہہ اور سنبھل کے قلعے بھی فتح کئے ہونگے، لیکن خود سالار مسعود غازیؒ کے حالات اور کارنامے جو مراۃ مسعودی وغیرہ میں بیان کئے گئے ہیں، بہت کچھ مشتبہ اور تحقیق طلب ہیں۔ انکی شخصیت، انکا سنہ پیدائش و وفات اور غازیان اسلام کے مجاہدانہ ترکتاز کا جو زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بہرکیف واقعہ اگر یہی ہو کہ سالار مسعود غازیؒ اور ان کے ساتھیوں نے پانچویں صدی کے اوائل میں میرٹھ، امروہہ اور سنبھل اور اس نواح کے دوسرے مقامات فتح کئے تب بھی یہ ثابت نہیں کہ لشکر اسلام کے اس نواح سے بسمت قنوج روانہ ہونے کے بعد ان مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ و تسلط باقی رہا کیونکہ تمام معتبر کتب تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ۵۸۵ھ سے ۵۹۱ھ تک اس چھ سالہ مدت میں سلطان (۱۱۸۹ء) (۱۱۹۵ء) شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک نے ہندو راجاؤں سے سخت سے سخت معرکہ آرائی کئے[۱]

(بقیہ صفحہ ۱۱) ہرگز صحیح نہیں۔ امام محمد حنفیہ کے بیٹوں یا پوتوں کے یہ نام کسی قدیم کتاب الانساب میں نہیں ملتے۔ معارف ابن قتیبہ و دیگر مستند کتاب الانساب میں امام موصوف کے بیٹوں کے جو نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں: حسن، عبداللہ، ابوہاشم، جعفر الاکبر، حمزہ، علی، جعفر الاصغر، عون، القاسم اور ابراہیم الملقب بعشرۃ۔ عمدۃ الطالب و دیگر معتبر کتب انساب میں بیان کیا گیا ہے کہ سوائے عبداللہ بن محمد، جعفر بن محمد اور علی بن محمد حنفیہ کے اور کسی بیٹے کی نسل نہیں چلی۔ مجھے سالار مسعود غازیؒ کی علویت سے انکار نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ علوی ہوں لیکن مراۃ مسعودی میں جو نام امام محمد حنفیہ کے بیٹوں کے لکھے ہیں وہ گھڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ [۱] تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ فتح دہلی کے بعد قطب الدین ایبک نے برن (بلند شہر) کو فتح کیا لیکن سلطان شہاب الدین غوری کے ایک فرمان سے، جسکی اصل میرے عزیز دوست مسعود حسین برنی بی۔اے۔ ایل ایل بی وکیل بلند شہر کے پاس ہے اور اسی فرمان کی ایک مصدقہ نقل، جو عہد عالمگیری کی ہے، خاکسار مؤلف کو دستیاب ہوئی ہے، یہ ثابت ہے کہ برن (بلند شہر) کو سلطان شہاب الدین نے بذات خود ۵۸۸ھ میں یعنی فتح دہلی سے تقریباً ۳ سال قبل فتح کیا۔ برن (بلند شہر) کی چودھراہٹ کا عہدہ اجیپال الابنیہ کو، جو مشرف باسلام ہو کر ملک محمد قدر داخلہ کے نام سے

جنگ کے بعد میرٹھ، برن (بلند شہر)، بدایوں، کول (علی گڈھ)، دہلی اور دوسرے مقامات کو فتح کرکے تسلّط اور قبضہ حاصل کیا اور اسطرح اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی[1] ۵۸۸ھ / ۱۱۹۲ء میں ترائن کے میدان میں جب سلطان شہاب الدین غوری رائے پتھورا کو، جسکے ساتھ ڈیڑھ سو راجپوت راجاؤں کا متحدہ لشکر تھا، شکست فاش دیکر غزنین واپس گیا تو اسکے نائب اور سپہ سالار قطب الدین ایبک نے اس نواح کے متعدد قلعے فتح کئے۔

"ملک قطب الدین ایبک درہماں سال (۵۸۸ھ)	اسی سال (۵۸۸ھ) ملک قطب الدین ایبک نے
"لشکر کشیدہ قلعہ میرٹھ و دہلی را از تصرف خویشان	فوج کشی کرکے قلعہ میرٹھ اور دہلی کو (راجہ) پتھورا
"پتھورا و کھنڈے رائے برآوردہ در ۵۸۹ھ	اور کھنڈے رائے کے خاندان والوں سے چھین لیا،
"تسع و ثمانین و خمسمائۃ قلعہ کول را مسخر کردہ و	اور ۵۸۹ھ میں قلعہ کول (علی گڈھ) کو فتح کیا اور
"دہلی را دار الملک ساختہ آنجا قرار گرفت	دہلی کو دار السلطنت بنا کر وہاں قیام کیا اور وہاں کے
"و اطراف و نواحی آں را در ضبط آوردہ شعائر	قرب و جوار اطراف کے مالکات قبضہ کرکے شعار اسلامی
"اسلام ظاہر ساخت۔"[2]	کا اجراء کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امروہہ و سنبھل پر بھی مسلمانوں کا تسلّط اور قبضہ ۵۸۹ھ / ۱۱۹۳ء یا ۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء سے یعنی سلاطین غوریہ کے زمانہ سے شروع ہوا۔

امروہہ کی قدیم آبادی

چھٹی صدی ہجری کے آخر میں جب امروہہ کو مسلمانوں نے فتح کیا ہے اسوقت یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ ایک طرف پختہ قلعہ اور راجہ کے محلات تھے اور دوسری جانب رعایا کے مکانات، بازار، مندر وغیرہ۔ شہر کے چاروں طرف پختہ اور مستحکم فصیل تھی۔[3]

(بقیہ صفحہ ۱۲) کو موہوب و عنایت ہوا اور قاضی نور الدین عباسی وہاں کے حاکم مقرر ہوئے۔ [1] طبقات ناصری، فرشتہ وغیرہ
[2] تاریخ فرشتہ۔ [3] مولف ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراد آباد مطبوعہ ۱۹۱۲ء کا یہ بیان صحیح نہیں کہ اس فصیل کا کوئی حصہ یا ایک دروازہ یہاں اب تک باقی ہے، غالباً انکی مراد قلعہ مقبرہ سید عبد الملک کے دروازہ اور فصیل سے ہے جو عہد شاہجہاں کی تعمیر ہے۔ اس سے

اور تالاب تھے۔ سوت ندی بھی اس زمانہ میں خوب بہتی تھی۔ پرانی بستی اور قلعہ میں جو قصبہ آبادی کا اسوقت شامل تھا آج اس رقبہ میں محلہ تولانہ، بچدرہ، نوبت خانہ، شاہی چبوترہ، قلعہ ترپولیہ، قاضی زادہ، پار پوتیاں، صندید، جڑودیہ، چاہ شور، نوگیاں، جھنڈا شہید، چاہ ملاماں وغیرہ محلے آباد ہیں۔ قدیم قلعہ اور فصیل کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ شاہان مغلیہ کے عہد حکومت کے وسطی زمانہ تک دستاویزات میں البتہ "اندرون حصار" اور "بیرون حصار قدیم" کے الفاظ عام طور سے درج ہوا کرتے تھے۔

امروہہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں

سلطنت اسلامی کے ابتدائی ایام میں جبکہ حکومت کا نظم و نسق کامل طور سے قائم نہیں ہوا تھا، بدایوں، سنبھل اور امروہہ ایک ہی حاکم کے ماتحت رکھے گئے۔ سلطان قطب الدین ایبک[1] نے اپنے زمانہ نیابت میں التمش کو جو بعد میں بادشاہ ہو کر سلطان شمس الدین التمش[2] کے نام سے موسوم ہوا سنہ ۶۰۰ھ / ۱۲۰۳ء میں اس علاقہ کا مقطع (حاکم) مقرر کیا۔ سنہ ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء میں سلطان التمش نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی ممالک مقبوضہ کا از سر نو انتظام کیا۔ مختلف اقطاع ملک کو ولایات (صوبوں) میں تقسیم کیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳) اور قدیم حصار سے کوئی تعلق نہیں۔ [1] قطب الدین ایبک جد وفات اپنے آقا سلطان شہاب الدین غوری سنہ ۶۰۲ھ میں دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف چار سال و چند ماہ سریر آرائے سلطنت رہکر لاہور میں پولو یعنی چوگان بازی کھیلتے وقت سنہ ۶۰۷ھ میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ [2] سلطان شمس الدین التمش نسباً ترک قبیلہ البری سے تھا، اسکا حال بھی حضرت یوسفؑ کا سا ہوا۔ اسکے بھائیوں کو اسکے حسن صورت و فراست پر حسد ہوا۔ ماں باپ سے بہانہ کر کے وطن سے باہر لیجا کر ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر نے بخارا میں کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ پھر حاجی کمال الدین قباجست نے خرید لیا ان سے سلطان معز الدین محمد سام نے ایک اور التمش کو ایک لاکھ جیتل میں خرید کیا۔ اوّل گوالیار کا حاکم بنایا پھر بدایوں کا ناظم کیا۔ رفتہ رفتہ اپنی لیاقت اور شجاعت سے امیر الامرائی کے درجہ تک پہنچا اور سلطان قطب الدین نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ چھبیس سال سلطنت کی۔ حوض شمسی اور قطب کی لاٹھ اسکی یادگار ہیں۔

انکے لئے حاکم، جنکو اس زمانہ کی اصطلاح میں "مقطع" کہتے تھے، مقرر کئے۔ یہ علاقہ بھی ولایت امروہہ کے نام سے موسوم ہوا اور یہاں بھی علیحدہ حاکم (مقطع) مقرر ہوا اور لشکر اسلامی کا ایک حصہ یہاں متعین کیا گیا[1]

ہندو رعایا کی بغاوتیں

یہ وہ زمانہ تھا کہ اس علاقہ کی ہندو رعایا پورے طور پر مطیع و منقاد نہیں ہوئی تھی، متواتر بلوے اور بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجپوتوں کے مختلف قبیلے تھے، اہیر، بڑگوجر وغیرہ جنگجو اور سرکش قومیں، جو اس علاقہ میں کثرت سے آباد تھیں، جب موقع پاتیں حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتیں۔ سنہ ۶۴۰ھ میں بعہد سلطان علاء الدین مسعود شاہ (۶۴۴-۶۴۲) اس علاقہ میں وہ شورش برپا ہوئی کہ ملک جلال الدین حاکم بداؤں و مقطعان سنبھل و امروہہ انتظام قائم نہ رکھ سکے۔ سلطان ناصر الدین محمود[2] بہت

(بقیہ صفحہ ۱۴) سلطانہ رضیہ اسی کی بیٹی تھی۔ [1] طبقات ناصری۔ [2] سلطان ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین التمش کا چھوٹا بیٹا تھا، سنہ ۶۴۴ھ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ شجاع، عابد و زاہد بھی تھا۔ شاہی دربار اگرچہ تکلفات سے پُر تھا لیکن اسکی محلسرائے مختصر تھی بلکہ ایک نہایت سادہ گھر تھا۔ اسکے ایک ہی زوجہ تھی، وہی اپنے گھر کا سارا کام کرتی، اور اپنے ہاتھ سے اپنے شوہر کے لئے روٹی پکاتی۔ ایک دن اس نیک بخت بی بی نے کہا کہ روٹی پکانے سے میرے ہاتھ جلتے ہیں، کوئی لونڈی خرید لو کہ وہ کھانا پکا دیا کرے، اسپر بادشاہ نے جواب دیا کہ بیت المال میں تو بندگان خدا کا حق ہے۔ میرا مال اس میں کچھ نہیں کہ روپیہ سے لونڈی خرید دوں، صبر کرو، خدا اسکا اجر دیگا۔ یہ نیک بخت خاموش ہو گئی۔ الغرض ساری عمر فقیرانہ بسر کی۔ قرآن شریف کی کتابت ذریعہ معاش تھی، کبھی خزانہ شاہی سے ایک پیسہ اپنے ذاتی خرچ کے لئے نہ لیا۔ اتفاقاً ایک امیر نے اسکے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف زیادہ قیمت کو خرید لیا، بادشاہ کو معلوم ہوا تو بہت ناگوار گذرا۔ اسکے بعد سے اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کا ہدیہ معمولی قیمت پر ہدیہ کیا کرتا۔ ایک دن ایک محتاج اسکے پاس آیا، اس نے قرآن شریف میں دو فقرے برابر لکھے ہوئے دیکھکر کہا کہ ایک فقرہ اس میں غلط ہے، سلطان نے قلم دوات منگاکر اس فقرہ پر حلقہ کھینچ دیا اور اس محتاج

نیک مزاج اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ اسکا عہد اگرچہ عام طور پر امن و امان کا عہد تھا جسکا تذکرہ امیر خسرو نے ان الفاظ میں کیا ہے ؎

عجب عہدے ہمہ در کامرانی ؛ بہر خانہ نشاط و شادمانی
نہ کس دادے کمند کینہ را تاب ؛ نہ کس دیدے خیال فتنہ در خواب
مسلماں چیرہ دست و ہندواں رام ؛ ندانستے کسے از جنس مغل نام
شہے در دانش از یزداں شکوہے ؛ ہم از سنگ و ہم از گوہر چو کوہے
خود او مستغرق کار الٰہی ؛ بامر بندگاں در کار شاہی

لیکن سلطان ناصر الدین محمود کے عہد سلطنت میں بھی اس علاقہ میں فتنہ و فساد کی وارداتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء میں سلطان کو باغیوں کے مقابلہ کے لئے بذات خود یہاں آنا پڑا۔ تیرہ سال بعد یعنی ۶۶۵ھ ۱۲۶۶ء میں مفسدوں نے پھر سر اٹھایا اور اس مرتبہ فتنہ و فساد اور بغاوت کا وہ زور شور ہوا کہ حکومت کو اپنا آپا سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ اس فتنہ و فساد کے متعلق ضیائے برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی نے بتایا ہے کہ :-

"متواتر خبری رسید از کٹھیر کہ مفسدان کٹھیر "بسیار شدند و دست رعیت را نہب و "تاراج می‌کنند و بلاد بداؤں و امروہہ را مزاحمت "می‌نمایند و فساد را آشکارا می‌کنند و چناں قوت	متواتر خبریں پہنچیں کہ کٹھیر میں مفسد بہت ہوگئے ہیں، رعایا کے مواضعات لوٹتے اور خراب کرتے ہیں، صوبہ بداؤں اور امروہہ کو نقصان پہونچاتے اور کھلم کھلا فساد کرتے ہیں اور انکی قوت

(بقیہ صفحہ ۱۵) کی احتیاج رفع کرکے اسے رخصت کیا پھر چاقو لیکر اس حلقہ کو حک کیا۔ کسی نے پوچھا کہ حلقہ بنایا کیوں تھا اور اسکو مٹایا کیوں؟ سلطان نے جواب دیا کہ محتاج آیا تھا اگر اسوقت میں کہتا کہ تو غلط کہتا ہے تو اسکا دل رنجیدہ ہوتا اس رنج کا شمار اس حلقہ کے مٹانے سے زیادہ ہوتا، صلاح کار نیک اندیش کا دل اس نے خوش کردیا۔ اسکا ایک غلام محمد نام تھا۔ ایک دن بادشاہ نے تاج الدین کہکر اسے پکارا اور کچھ کام کرایا۔ اسنے کام تو کردیا لیکن بادشاہ سے اصلی نام نہ لینے کی وجہ دریافت کی تو اسنے

"شدہ اند کہ از مقطع بداؤن و مقطع امروہہ حشم نمی زنند و از بسیاری و غلبۂ ایشان والیان جوار گرد ایشان نمی توانند گشت۔"	اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ حاکم بداؤن اور حاکم امروہہ سے نہیں دبتے۔ انکی زیادتی اور غلبہ کی وجہ سے قرب و جوار کے پرگنوں کے حاکم ان کے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔

بغاوت کا خوفناک انتقام

اس فتنہ و فساد کی خبر پاکر سلطان غیاث الدین بلبن[۱] جو اسوقت کنپل و پٹیالی[۲] کے نواح میں تھا، فی الفور دہلی واپس آیا اور پانچ ہزار

(بقیہ صفحہ ۱۶) کہا کہ میں باوضو نہ تھا اسلئے حضور سرور کائنات کا نام لیتے مجھے شرم آئی تھی۔ طبقات ناصری جو مشہور تاریخ ہے، اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ گیارھویں جمادی الاول ۶۶۴ھ میں یہ نیک سیرت بادشاہ فوت ہوا۔

۱؎ سلطان غیاث الدین بلبن کا اصلی نام الغ خان تھا، نسباً ترک قرا خطا و طائفۂ البری میں سے تھا۔ اسکا باپ بغداد میں بڑا فوجی عہدہ دار تھا۔ جب مغلوں نے بغداد فتح کیا اوروں کی طرح بلبن بھی انکے ہاتھوں اسیر ہوا۔ ایک سوداگر نے اسے خریدا اور جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ جمال الدین بصری نے اس خیال سے کہ وہ سلطان شمس الدین التمش کا ہم قوم تھا اسکی نذر کیا۔ سلطان نے اسکے چہرہ کے آثار دیکھکر بردار خاصہ کا مقرر کیا اور بتدریج معزز عہدوں پر سرفراز کیا۔ التمش کے جانشینوں کے زمانہ میں وہ اپنی ذاتی قابلیت سے رفتہ رفتہ امیر الامرائی کے درجہ تک ترقی کر گیا۔ سلطان ناصر الدین محمود بیس برس تک بلبن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح رہا۔ اسکے انتقال کے بعد ۶۶۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ بلبن کو اراذل سے یہانتک نفرت تھی کہ کبھی کسی رذیل سے ہمکلام نہوا۔ جبتک زندہ رہا کسی امیر کا مقدور نہ تھا کہ کسی کمینہ کی سفارش کرے۔ اسکے عہد میں یہ دستور العمل ہو گیا تھا کہ اراذل میں سے کسی شخص کو کوئی کام نہ ملے۔ جب کوئی شخص نوکر ہوتا تو اسکے حسب نسب کی بڑی تحقیقات ہوتی۔ بعد نوکر ہو جانے کے اگر اسکے نسب میں کچھ فرق ہوتا تو برطرف کر دیا جاتا۔ ہندوؤں کو معزز عہدوں کا ملنا موقوف ہو گیا تھا۔ اس بادشاہ کی یہ اقبالمندی اور خوش نصیبی تھی کہ تاتاریوں کا سیلاب، جس عہد کی اکثر اسلامی سلطنتیں بہا لیگیا لیکن ہندوستان میں اہل اسلام کی سلطنت بدستور قائم رہی۔ اس بادشاہ کے عہد میں پندرہ بادشاہ اور بادشاہزادے اور ہر مغلوں کے ڈر سے اپنا اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آگئے تھے۔ بلبن انکی بڑی خاطر داری اور تعظیم و تکریم کرتا۔ یہ سب شاہزادے دربار میں اسکے تخت کے گرد کھڑے ہوتے۔ صرف دو جنکو [illegible]

چیدہ اور منتخب سوار ساتھ لیکر یکایک اس ملک پر آ پڑا۔ بغاوت کا جو خوفناک انتقام لیا گیا اسکا حال فرشتہ کے الفاظ میں سنئے :-

"سلطان پنجہزار سوار انتخابی ملیغار کردہ در شب درمیان از گنگ عبور نمودہ بولایت کٹھیر درآمد بجز از زناں و طفلاں حکم قتل عام نمود کسے را زندہ نگذاشت و بنوعے آں ولایت را پاک ساخت کہ بداؤں و امروہہ و سنبھل از شر آں جماعت تا عہد جلالی در کٹھیر کسے نام مفسد نمی شنید" ۱؎

سلطان بلبن پانچہزار چیدہ سوار اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوا اور دوسرے دن دریائے گنگا کے پار اتر کر صوبہ کٹھیر میں جا پہنچا۔ عورتوں اور بچوں کے سوائے اور سب کو قتل کرنے کا عام حکم دیا کہ کسیکو زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس خطہ ملک کو ایسے اس طریقہ پر پاک و صاف کر دیا کہ بداؤں، امروہہ اور سنبھل اس جماعت کے شر و فساد سے محفوظ ہو گئے اور عہد جلالی تک کٹھیر میں کسی ایک مفسد کا نام بھی کوئی نہیں سنتا تھا۔

شخصی اور قومی حقوق، آزادی اور آزاد خیالی کی جس آب و ہوا میں آج ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور حاکم و محکوم کے تعلقات کی جو نوعیت زمانہ حال میں قایم ہوئی ہے اسکے لحاظ سے سات سو برس پہلے کے مخصوص حالات، وقتی ضروریات اور سیاسی مصلحتوں کے متعلق کوئی صحیح اندازہ قایم کرنا مشکل ہے، مادر گیتی نے قتل و غارتگری کے ایسے خوفناک منظر خدا معلوم کتنے دیکھے ہونگے۔

اس نواح کے گھنے جنگل، ناقابل گذر صحرا اور بن مفسدوں اور باغیوں کے لئے جائے پناہ اور کمین گاہ کا کام دیتے تھے۔ کٹھیریوں کے مختلف قبیلے ان میں پناہ گزین تھے۔ اسی زمانہ میں جنگلوں کو کاٹ کر مختلف سڑکیں اور راہیں نکالی گئیں ۳؎۔ اسلئے آج جن عمدہ اور محفوظ سڑکوں پر ہم اس نواح میں سفر کرتے ہیں انکے متعلق یہ معلوم ہوا کہ ابتداً کس ضرورت سے نکالی گئی

(بقیہ صفحہ ۱۷) کی اولاد تھے، تخت پر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ان امیروں اور شہزادوں کے نام پر دہلی میں محلے اور بازار آباد ہو گئے تھے۔ محلہ عباسی و سنجری، خوارزمی و دیلمی، علوی، اتابکی، غوری، رومی، ختنی، سمرقندی وغیرہ۔ ۶۶۴ھ میں چوبیس سال بڑے دبدبے سے سلطنت کر کے انتقال کیا۔ ۲؎ تاریخ فیروز شاہی صفحہ (۵۹)۔ !

۱؎ تاریخ فرشتہ صفحہ ۷۷۔ ۳؎ ایلیٹ صفحہ ۲۵۳۔

تمھیں یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ملک امیر علی حاتم خان امروہہ کا پہلا جاگیردار

اوائل جلوس بلبنی میں ولایت امروہہ کے انتظام و انصرام کی عمدگی و بہتری کے خیال سے اقطاع امروہہ ملک امیر علی الملخاطب بہ حاتم خان سرجاندار کے جاگیر میں دے گئے[1]۔ ملک موصوف سلطان غیاث الدین بلبن کا مولازادہ، نہایت فیاض، سیرچشم، کریم النفس، قدردان علم، عالی ہمت فراخ دل تھا، اسکی فیاضی اور بخشش کی بہتات کی وجہ سے اسکا لقب "حاتم خان" پڑ گیا تھا۔ حضرت امیر خسرو اسکے سرکار میں متوسل رہے۔ اسی امیر کے نام پر انہوں نے "اسپ نامہ" تصنیف کیا تھا۔ انکے

---

[1] اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قابل تذکرہ ہے۔ سلطان بلبن نے اقطاع امروہہ کے انتظام کے لئے اپنے ارا کین سلطنت سے فرمائش کی کہ کسی ایسے شخص کو تجویز کریں جو اس خدمت (یعنی خواجگی امروہہ) کے لائق ہو نیز "اصیل باشد و ہم کارداں" ایسے شخص کو تجویز کرکے ہمارے سامنے پیش کرو۔ ارا کین سلطنت نے ایک شخص کمال مہیار نامی کو منتخب کرکے "بجہت خواجگی امروہہ پیش تخت گذرانیدند"۔ سلطان نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ اسکے نام میں مہیار کا جو لفظ شامل ہے اسکے کیا معنی ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ مہیار میرے باپ کا نام ہے۔ وہ ایک ہندو کا غلام تھا۔ یہ سنتے ہی سلطان بلبن غصہ سے بیتاب ہوگیا، ضبط نہ کرسکا تو محل سرا میں چلا گیا۔ ارا کین سلطنت سلطان کی برہمی مزاج سے سخت خائف ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد چند خاص ارا کین کو سلطان نے باریابی کا موقع دیا اسوقت فرمایا کہ مجھے اس بات سے سخت صدمہ پہونچا کہ تم لوگ بخوبی واقف ہو کہ میں حکومت کے کسی کام پر کسی کم اصل، سفلہ بار ذلیل شخص کو ہرگز مقرر نہیں کرتا اسپر بھی تم نے ایسے شخص کو امروہہ کی خواجگی کے لئے تجویز کیا۔ آئندہ اس بارے میں سخت احتیاط اور تاکید جانو۔ اور فرمایا کہ:-

"من نتوانم کہ لئیم و کم اصل و ناکس زادہ را در صعبہ لے کہ از خدا یافتہ ام شریک کنم۔ و شغل و اقطاع و "
" تصرف دہم اگر بعد ازیں در معرض دادن اشغال و اقطاع و خواجگی و شرفی و مدبری بہ لئیمے و بد اصلے و بد "
" زادہ را اگر نبیرہ ارزنی نیز بندہ باشد ابی کارداں (دفعا) شیرین ذکر کنند من بادشاں آں حکم کنم کہ عبرت جہانیاں گردد" (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۷)

دیوان میں اس فیاض امیر کی مدح میں متعدد مدائح و قصائد ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

شاہ عہد اختیار دولت و دیں — آفتاب شرف بجانہٴ زیں
ہم علی نام ہم بہ شیر دلی — شیر دُلدُل سوار ہمچو علی
عاملی چوں عناں بجنبانی — لب بر تازیانہ بستانی

صاحب تاریخ فیروز شاہی اس امیر کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:-

"چہ مولا زادہ کریم و نفیس و خوب و عجیب بود کہ او را شاہ عہد گویند و حاتم خان"
"خوانند و بخشش و اعطاء ملک امیر علی سرجاندار بہ ہزار بار بودے چنانکہ امیر خسرو"
"در مدح او گفتہ است"

"عہد گفتم مانی بدست خان از کرم — رواں بلرزہ در آمد کہ ایں محل نہ سزاست"
"گر سخا دُر و یاقوت ما بہ کف او ست — گر عطا خس و خاشاک ما بہ کف ہاست" [1]

ملک اعز الدین غوری حاکم امروہہ | عہد بلبنی میں کچھ عرصہ تک "خواجگی امروہہ" پر ملک اعز الدین غوری مامور رہا۔ غالباً "چاہ غوری" جسے عوام "گوری کنواں" کہتے ہیں [2]، اسی نامور حاکم سے منسوب ہے۔ سلطان معز الدین کیقباد کے عہد سلطنت میں ملک موصوف بادشاہ کے مقربان خاص اور نامور ارکین میں شامل تھا [3]۔

ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ | سلطان معز الدین کیقباد کے عہد میں امروہہ کا حاکم ملک عنبر سلطانی تھا۔ یہ شخص بہت بارسوخ اور منتظم تھا۔ امروہہ کی قدیم جامع مسجد،

(بقیہ صفحہ ۱۹) [1] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۲۶] [3] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ صفحہ ۱۱۰

[2] مؤلف تاریخ اصغری نے "چاہ غوری" کو محلہ شفاعت پوتہ کی ایک سیدانی مسماۃ گودی کا محفر لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محلہ شفاعت پوتہ کی آبادی سے بہت پہلے اس کنویں کا نام "چاہ غوری" کہنہ دستاویزات میں بغرض اظہار حدود

جواب صدو کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، اسی نے سنہ ۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اسی کے ساتھ "مدرسہ معزیہ" بھی قایم کیا تھا۔ مدرسہ اور دار الاقامہ کی عمارتیں بھی اس مقام پر تھیں جہاں اب مسکونہ مکانات ہیں، اسی کے متصل خانقاہ بھی تھی، علوم ظاہری و باطنی کے طالب آتے اور فیض پاتے۔

مدارس در و بے حد و خانقاہ ❋ برائے مسافر کہ آید ز راہ ❁

ملک چھجو سے نواح امروہہ میں جنگ

ملک چھجو سلطان غیاث الدین بلبن کا برادر زادہ تھا۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے اسے اقطاع کڑہ کا حاکم بنایا تھا۔ ملک چھجو نے سلطان سے بغاوت اختیار کی، امیر علی حاتم خان سے، جو علاقہ امروہہ کا جاگیردار تھا، ملک چھجو کے مراسم اتحاد و یگانگت تھے۔ اسلئے وہ بادشاہی فوج سے مقابلہ کے لئے امروہہ آیا۔ ارکلی خان کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ملک چھجو کو شکست ہوئی، وہ دریائے رام گنگا پار اتر کے بھاگا لیکن مواسی مقدم نے گرفتار کر کے ارکلی خان کے حوالے کیا۔ سلطان نے قصور معاف کر کے ملتان کا حاکم بنا دیا۔ ۱

تقریباً چوبیس برس تک اس نواح میں امن و امان رہا، کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہوا۔ سنہ ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء میں باغیوں اور مفسدوں نے پھر سر اٹھایا جسکو حکومت کے زبردست ہاتھ نے پھر اسی سختی سے کچل دیا۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی بہت حلیم و کریم، انصاف پرور اور نیک نہاد بادشاہ گذرا ہے اُسکے عہد سلطنت میں رعایا بہت شاد و آباد رہی۔ سلطان جلال الدین کے بعد سلطان علاء الدین اپنے چچا و خسر اور ولی نعمت کو دھوکے سے قتل کر کے تخت و تاج کا مالک بنا۔ علاء الدین جرار زبردست لیکن درشت مزاج بادشاہ تھا۔ بدماوت کے قصوں میں آج تک اسکا نام زبان زد خاص و عام ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰) قطعات آراضی ملتا ہے نیز اس کی طرز تعمیر بھی بہ لحاظ قدامت عہد مغلیہ سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے۔ ۲ تاریخ مبارک شاہی و فیروز شاہی۔] ۱ منتخب التواریخ و کنز التاریخ۔

علاء الدین خلجی کی سخت گیری کا اثر

اس بادشاہ کے عہد میں ملک کے مختلف حصوں میں متعدد بغاوتیں ہوئیں جن کو بڑی سختی کے ساتھ فرو کیا گیا ان بغاوتوں کے وجوہ و اسباب بادشاہ کے مشیروں نے یہ بتلائے تھے:-

(۱) لوگوں کے معاملات سے بادشاہ کا بے خبر و لاعلم ہونا۔ (۲) شراب خوری کا رواج عام (۳) امراء و ملوک کی آپس میں محبت و قرابتیں۔ (۴) مال و زر کی رعایا میں بہتات۔

لوگوں کے حالات کے تجسس کے لئے جاسوس مقرر کئے، شراب کی فروخت قطعی موقوف کردی، امراء و ملوک کو ایک دوسرے سے میل و ملاقات کی ممانعت کی لیکن اس جابر اور سخت گیر بادشاہ کی سخت گیری کا جو اثر امروہہ و نواح امروہہ کی عام رعایا پر پڑا وہ اخذ اموال اور تشدد کی جابرانہ پالیسی کا نتیجہ تھا۔ اس زمانہ کا مصنف ضیا برنی لکھتا ہے کہ ولایت میان دوآب اور امروہہ و افغان پور اور تمام ملک کٹھیر سے طلب خراج کی اس سخت گیری کا یہ نتیجہ ہوا کہ:-

" وایں کارچناں مستقیم کردکہ تمرد و عصیاں و اسپ سوار شدن و سلاح بدست گرفتن "

" و جامۂ خوب پوشیدن و تنبول خوردن از چودھریاں و خوطاں و مقدماں بکلی برفت "

" و در ستدن خراج ہر ہمہ را یک حکم شد و کار اطاعت بجائے رسید کہ یک سرہنگ دیوانی "

" قصبات بست خوط و مقدم و چودھری را رشتہ در گردن کردہ از بہائے مطالبۂ خراج "

" ازنت و چوب میزد و ہندو را سر بالا کردن ممکن نبودہ و در خانۂ ہندواں نقش زر و نقرہ "

" و تنکہ و جتیل و اسباب زیادتی کرد یا نندہ و عصیان ہست نماندہ بود و از بے برگی زنان "

" خوطہ و مقدماں در خانہائے مسلماناں می آمدند و کار می کردند مزدوری می یافتند[۱] "

غلہ و کپڑے کی ارزانی کے ضوابط

سلطان علاؤ الدین کے عہد حکومت میں مغلوں نے ہندوستان پر متواتر حملے کئے۔ بادشاہ کو ان کے مقابلہ میں جنگی ساز و سامان کو

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۲۸۸۔

درست اور مستعد حالت میں رکھنا اور لشکر و سپاہ کی تعداد میں اضافہ کرنا ضروری تھا جیکے متعلق اُسکے وزیروں اور مشیروں نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ تاوقتیکہ گھوڑے اور اسلحہ اور سپاہی کی تمام ضروریات اور لشکریوں اور اُن کے اہل و عیال کے اسباب معاش نہایت ہی ارزانی پر نہ آجادیں اسوقت تک لشکر کی تعداد اور فوج کی حالت بادشاہ کی آرزو و خواہش کے مطابق نہ درست ہو سکتی ہے اور نہ مستقل رہ سکتی ہے۔ بادشاہ نے پونے پانچ لاکھ سوار رکھنے کا انتظام کیا اور اس غرض سے گھوڑے، غلہ اور کپڑے وغیرہ کی ارزانی کے لیے چند ضابطے مقرر ہوئے جن کو مورخین نے آٹھ حصّوں میں منقسم کیا ہے، از انجملہ غلہ کی شرح کا بادشاہ کے دربار سے مقرر ہونا، سرکاری کھتیوں میں غلہ کا اکٹھا کرنا، ہر منڈی میں شحنہ اور "معتبران" کا مقرر ہونا، ملک بھر کے تاجروں کی اسم نویسی اور انکا شحنہ منڈی کے زیر نگرانی رہنا، اور ہر منڈی کی حالت کی دربار میں اطلاع ہونا وقس علیٰ ہذا۔ چنانچہ سوئی سے لیکر گھوڑ نکے کی قیمت کا نرخ بادشاہ نے خود مقرر کیا۔ خالصہ کے دیہات سے بجائے نقدی کے غلہ لیتا تھا، وہ غلہ خشک سالی کے موسم میں اپنے گودام سے اسی نرخ پر بیچتا تھا ان ضوابط میں سے صرف ضابطہ پنجم کو ذیل میں نقل کرتا ہوں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس ضابطہ کا اس خطہ ملک کے باشندگان پر جس میں شہر امروہہ واقع ہے کیا اثر پڑا ہوگا:-

"ضابطہ پنجم - خراج میان دو آب ولایت صدر کردہی بیجے کنند کہ رعایا نتوانند کہ دہ من غلہ ذخیرہ کنند و چنان بشدت مطالبہ کنند کہ رعیت غلہ بر سر کشت بہ سوداگران نرخ بفروشند۔"[1]	پانچواں ضابطہ۔ ملک دوآبہ اور دوسرے صوبہ سے مالگذاری اس طریقہ پر وصول کیجائے کہ رعایا میں سے کوئی اپنے یہاں دس من غلہ اکٹھا نہ کر سکے اور مالگذاری کے وصول کرنے میں اتنی سختی کیجائے کہ رعایا فصل کے وقت غلہ بنجاروں کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہو۔

شرح اجناس کا موازنہ | غالباً یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ چھ سو برس پہلے جو شرح اجناس سلطان علاء الدین خلجی نے ارزانی غلہ کے لئے مقرر کی تھی وہ کیا تھی؟

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۰۵۔

ذیل میں وہ نرخ نامہ ایک نقشہ کی شکل میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ اس شرح نرخ کے متعلق اُس زمانہ کا مورخ لکھتا ہے کہ یہ امر عجائب روزگار میں سے ہے کہ نرخ مذکور نزول باراں و امساک باراں دونوں حالتوں میں سلطان علاؤالدین کے زمانہ تک بدستور قائم رہا۔ مزید وضاحت کے لئے نرخ اجناس بعہد اکبری و قیمت سکہ حال بطور موازنہ درج ہے۔ اگرچہ عہد ماضیہ میں سکہ کی کمیابی اور زمانہ حال میں اسکی بہتات و فراوانی کا لحاظ کرتے ہوئے ان تینوں زمانوں کی مروجہ قیمت کا صحیح موازنہ کرنا دشواری سے خالی نہیں تاہم ایک سرسری اندازہ اس امر کا ضرور ہو سکتا ہے کہ آج سے چھ سو برس پیشتر انسانوں کو اپنی ضروریات زندگی و مایحتاج حاصل کرنے کے لئے آجکل کی سی جد و جہد کی مطلق ضرورت نہ تھی اور نہ موجودہ کشمکش حیات کا کوئی تلخ اثر اس زمانہ کے لوگوں کی زندگی کو بد مزہ کئے ہوئے تھا۔

موازنہ نرخ اجناس

شرح اجناس بزمانہ علاؤالدین خلجی سنہ ۶۹۵-۷۱۵ھ				شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر سنہ ۹۶۳-۱۰۱۴ھ	
نام جنس	وزن	سکہ رائج الوقت	مطابق سکہ حال	سکہ رائج الوقت	مطابق قیمت سکہ حال
حنطہ (گندم)	دس من	۷½ جیتل	۱½ پیسہ	۱۲ دام	۲ر ۸ پائی
جو	"	۴ "	¾ پیسہ	۸ دام	۲ر ۳ پائی
شالی (چاول)	"	۵ "	۱ پیسہ قدرے کم	۱۰ دام	دو روپیہ آٹھ آنہ
ماش	"	۵ "	۱ "	۱۲ دام	۶ر ۵ پائی
نخود	"	۵ "	۱ پیسہ	۸ دام	۳ر ۲ پائی
موٹھ	"	۳ "	¾ پیسہ	۱۲ دام	۳ر ۱ پائی
نبات	ایک سیر	دو نیم جیتل	½ پیسہ قدرے زائد	۶ دام	۲ر ۵ پائی

[1] اکبری من زمانہ حال کے ۲۰ سیر کی برابر تھا —— اور سلطان علاؤالدین کے زمانہ میں تقریباً ۱۴ سیر

شرح اجناس بزمانہ علاء الدین خلجی سنہ ۶۹۵-۷۱۵ھ				شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر سنہ ۹۶۳-۱۰۱۴ھ	
نام جنس	وزن	سکہ رائج الوقت	مطابق سکہ حال	سکہ رائج الوقت	قیمت سکہ حال
شکر سرخ	۲ سیر	یک نیم جیتل	لم پیسہ		
شکر تری	یک سیر	یک نیم جیتل	لم پیسہ		
روغن کنجد	سہ سیر	یک جیتل	لہ پیسہ	۸۰ دام	عہ
مادہ گاؤ گوشتی	یک راس	۲ تنکہ	۱۲ آنہ		
" شیر آور	"	۳ "	عہ		
گاؤ میش گوشتی	"	۵ "	ہم		
" شیر آور	"	۱۰ "	ـــہ		
(چربی) روغن گوسفند	½	یک جیتل	لہ پیسہ		
نمک	یکمن بعید	۵ جیتل	ارقدر کم پیسہ		

غلہ اور اشیاء خوردنی کی طرح ضروریات زندگی کی اور چیزیں بھی یقیناً سستی ہونگی۔ ضیا برنی نے اپنی کتاب میں کپڑے کی مختلف اقسام کے نرخ جو اُس زمانہ میں رائج تھے درج کئے ہیں۔ اسلحہ و گھوڑے و دیگر ضروریات کی قیمتیں لکھی ہیں۔

ارزانی نرخ کے متعلق اس تمام جدوجہد کا جس میں جبر اور انتہائی سخت گیری سے کام لیا گیا تھا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ سلطان کے حشم و خدم اور فوج و لشکر کی تعداد بڑھ گئی اور حالت سدھر گئی جسکی بدولت مغلوں کو پے در پے شکستیں دی جا سکیں:-

" وجہ ارزانی اسباب و استقامت حشم شد۔ | جیرہ کی ارزانی اور بادشاہ کے لشکر کی عمدگی کی وجہ سے جب کبھی
" کہ مغل قصد دہلی و ولایت دہلی کردند نہزم گشت۔ | مغل دہلی اور ممالک دہلی پر حملہ آور ہوئے شکست کھائی

سنہ تاریخ فیروز شاہی۔

ولایت ملتان میں مغلوں سے جنگ

ساتویں صدی ہجری میں تاتاری مغلوں کا ٹڈی دل تمام دنیا کے فتح کرنے کے قصد سے منگولیا کے پہاڑوں سے اُمڈا، ایک طرف تو خوارزم، بخارا، ترکستان، ایران وغیرہ ممالک اسلامی کو روندتا ہوا عراق عرب تک پہونچا اور خلافت و سلطنت اسلامی کا خاتمہ کردیا۔ دوسری طرف یہ سیلاب ہندوستان کی جانب بڑھا۔ اور ہندوستان کے سرحدی مقامات سے بار بار ٹکرایا۔ اس زمانہ میں مغلوں کی قوم دین اسلام سے ناآشنا اور کفر و شرک کی ضلالت میں گرفتار تھی۔ جس سفاکی اور بربریت کی کارروائیاں ان بے دینوں کے ہاتھوں اسلامی ممالک میں ہوئیں اسکے دردناک حالات سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ طوفان نوح کے بعد جو بلائے عظیم انسانوں پر نازل ہوئی وہ یہ چنگیز خانی طوفان تھا۔ تنا ذہب تو معلوم نہیں مگر ایمان یہ تھا جہاں جاتیں وہاں نسل انسانی مٹاتیں۔ سنہ ۶۱۸ھ ۱۲۲۱ء میں جلال الدین بادشاہ خوارزم اپنی جان بچانے کے لئے خوارزم سے بھاگ کر دریائے سندھ کے اسطرف چلا آیا۔ اسکے پیچھے مغلوں کی فوج بھی ملتان و سندھ میں داخل ہوئی۔ یہ زمانہ سلطان التمش کا تھا وہ بھی بہت سا لشکر لیکر پہنچا لیکن جلال الدین نے یہاں قیام کا موقع نہ دیکھا کچ و مکران کی جانب چلا گیا اسلئے مغلوں کی فوج بھی الٹی پھر گئی مگر چلتے چلتے دس ہزار ہندیوں کو لونڈی غلام بنا کرلے چلی لیکن رسد کی تنگی کے باعث راستہ ہی میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسکے بعد تقریباً بیس سال تک مغلوں نے ادھر توجہ نہ کی سلطان التمش کے بیٹے معزالدین بہرام شاہ کے وقت میں لاہور پر چنگیز خانی مغلوں نے سنہ ۶۳۹ھ ۱۲۴۱ء میں پھر حملہ کرکے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا۔ ابتدائی عہد ملطنتی میں یہ بلا ہندوستان پر منڈلا رہی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن سے جب وزراو مشیران سلطنت عرض کرتے کہ شاہان سابق کی طرح ہندوستان کے مختلف اقطاعات پر فوجکشی کیجئے تو وہ ان مغلوں کے ارادوں کا ذکر کرتا اور کہتا:۔

"انچہ در کار جہانگیری شاہی گویند در دل من پیش ازاں است کہ تا شما می شنوید کہ تہیاے مغل چنگیزخانی برزن و بچہ و کلہ و رمہ در دنیا گوشہ مملکت من نشستہ ہست و در غزنین و ترمذ و ماوراءالنہر ساکن شدہ و ہلاکو نبیرۂ چنگیز خان با چندین تمن مغل عراق مسرا فرو گرفتہ است و در بغداد متمکن گشتہ و آں ملاعین بسیار مال و منال ہندوستان شنیدہ اند و نہب و تاراج ہندوستان در دل دارند۔ لاہور کہ سرحد مملکت ما است زدہ اند و خراب کردہ و سالے نمی گذارند کہ ایشاں در مملکت ما نمی آیند و نمونہ بسیار را نہب نمی کنند۔" [1]

خلاصہ یہ کہ عہدِ بلبنی میں مغلوں نے ملتان و سندھ کی جانب سے متعدد بار حملے کئے اوّل اوّل تو شیر خان[2] حاکمِ پنجاب اس سیلاب کو اپنی پامردی سے روکتا رہا۔ اس کے انتقال پر سلطان بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان[3] کو، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے، قاآن الملک کا خطاب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۰ ۔ [2] شیر خان سلطان غیاث الدین بلبن کا چچا زاد بھائی تھا شجاعت و جوانمردی میں مشہور آفاق۔ سلطان التتمش کے مرنے کے تیس سال بعد تک صرف اسی کی شخصیت تھی کہ سرحد ہند پر مغلوں کے حملوں کی سپر بنا رہا۔ اس نے جاٹوں، گکھڑوں، بھٹیوں، پنجاب کی اور دوسری سرکش قوموں کو مار دھاڑ کر کے قابو میں رکھا تھا۔ بھٹنیر میں عالیشان گنبد اور بھٹنیر کا حصار اسی کے تعمیر کرائے ہوئے تھے۔

[3] محمد سلطان خان نام، قاآن الملک لقب۔ سلطان غیاث الدین بلبن کا فرزند اکبر، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے، بذات خود بڑا صاحب کمال تھا۔ اس کے یہاں بہت سے علما و فضلا، جو اس زمانہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، جمع تھے۔ حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن پانچ سال تک اسی شہزادہ کے نوکر رہے، وہ ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ حضرت امیر خسرو کا قول ہے کہ "بجودت طبع و دریافت معنی یقین و سخن شناسی و یادداشت معنی اشعار متقدمین و متاخرین ہمچو محمد سلطان کسے را کم دیدہ ام۔" اسی لیاقت و قابلیت کی بنا پر اس نے بیس ہزار منتخب اشعار کی ایک بیاض مرتب کی تھی، شعرائے زمانہ اس کی نقل حاصل کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اسی شہزادہ نے حضرت شیخ سعدی کو بھی

دیکر پنجاب و ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن مغلوں کی ایک لڑائی میں یہ شہزادہ شہید ہوا۔ اسی لڑائی میں حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے تھے۔

"در شہور اربع وثمانین[۶۸۴] وستمایہ خان ملتان را کہ پسر بزرگ سلطان بلبن و ولیعہد او و پشت پناہ ملک او بود درمیان لاہور و دیپالپور بتار ملعون کہ یکے از سگان چنگیز خانی بود کارزار ساختہ اتفاق افتاد از قضا بار سنگالی خان ملتان با امرا و سران و معتبران لشکر در آن کارزار شہید شد"

سنہ ۶۸۴ھ ۱۲۸۵ء میں خان ملتان کو، جو سلطان بلبن کا بڑا بیٹا، ولیعہد اور اسکے ملک و سلطنت کا پشت پناہ تھا، لاہور اور دیپالپور کے درمیان تمر ملعون سے، جو چنگیز خانی کتوں میں بڑا کتا تھا، معرکہ قتال و جدال پیش آیا۔ خدائے تعالیٰ کی مرضی کہ خان ملتان امرا اور لشکر کے سرداروں کے ساتھ اس جنگ میں شہید ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۷) خرچ بھیجکر بلایا تھا مگر انھوں نے اپنی پیرانہ سالی کا عذر کیا اور ایک کتاب اپنے اشعار کی تحفتاً بھیجی اور حضرت امیر خسرو کی سفارش کی اور انکے ہم صحبت ہونے کی مبارکباد دی۔ خان شہید درویشوں کا بڑا قدر شناس تھا اور ایسا مہذب و مؤدب کہ عمر بھر کبھی زبان سے سکو تُرا لفظ نہ کہا۔ ارغون خان بن اباقا خان بن ہلاکو خان نے تیمور خان حاکم غزنی کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا جب اسنے دیپالپور اور لاہور کے درمیان بیس ہزار سوار لیکر تاخت و تاراج شروع کی اور ملتان کی طرف متوجہ ہوا تو خان شہید دلیر جوش سے اسکے مقابلہ کو ملتان سے باہر نکلا اور دوپہر کو دریا کے کنارے ظہر کی نماز کے وقت پہنچا۔ لڑائی شروع ہوئی مغلوں کے کئی نامی سردار قتل ہوئے تیمر بھاگ گیا امرائے ہند نے برخلاف حزم و احتیاط اسکا تعاقب کیا۔ خان شہید اجل رسیدہ نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی وہ ایک تالاب پر پہونچ کر پانسو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ اس اثنا میں ایک مغل سردار نے جو دو ہزار سوار اپنے ساتھ کمین میں بٹھا رکھا تھا یکایک حملہ کر دیا۔ شہزادہ اور اسکے ساتھیوں نے بھی خوب مقابلہ کیا اور داد شجاعت دی مستعد حملے کرکے مغلوں کو پسپا کیا اور قریب تھا کہ مظفر و کامیاب ہو کر نکلا ہو ایک تیر شہزادہ کے آ کر لگا کہ وہ پیغام اجل تھا۔ شہزادہ کی شہادت اس زمانہ میں ایسا حادثہ ہوا کہ چھوٹے بڑے سب آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ حضرت امیر خسرو نے خان شہید کا بڑا دردناک مرثیہ کہا جسکے چند شعر یہ ہیں ؎

واقعہ ہست یا بلا از آسماں آمد پدید آفتے است این یا قیامت در جہاں آمد پدید

۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء میں بعہد سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی مغلوں نے پھر اسی طرف سے ہندوستان پر چڑھائی کی اس مرتبہ معاملہ صلح پر ختم ہوا اور کچھ مغلوں نے دین اسلام قبول کر کے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی۔

"والغو نبیرۂ چنگیز خان لعین با چند امیر زادہ و امیر صدۂ مغل بسلطان پیوست و آں مغلاں ہر ہمہ کلمہ گفتند و مسلمان شدند و سلطان الغو را بہ دامادی مشرف گردانید" [۱]	اور الغو چنگیز خان کا پوتا مغلوں کے چند ہزاری اور صدی امیروں کے ساتھ سلطان سے آملا۔ ان مغلوں نے دین اسلام قبول کر لیا اور سلطان نے الغو کو اپنی دامادی کا بھی شرف بخشا۔

اسکے بعد مغلوں کے حملے ہوتے رہے لیکن یہ سب حملے ہندوستان کے شمال و مغربی سرحد کی جانب ہوتے تھے ۷۰۵ھ / ۱۳۰۵ء میں بعہد سلطان علاء الدین خلجی مغلوں نے بڑی جمعیت کے ساتھ ہندوستان پر فوج کشی کی لیکن اس مرتبہ بجائے شمال و مغرب کی جانب سے حملہ آور ہونے کے کوہ سوالک کی تلیہٹی میں ہو کر **ولایت امروہہ** پر حملہ آور ہوئے۔

"علی بیگ و ترتاک کہ سران لشکر مغل بودند و نام گرفتہ و علی بیگ را از فرزندان چنگیز خان ملعون می گفتند با سی و چہل ہزار سوار مغل کنارۂ کوہ گرفتہ در ولایت امروہہ در آمدند" [۲]	علی بیگ اور ترتاک جو مغلوں کے لشکر کے نامور سردار تھے اور علی بیگ کو لوگ چنگیز خان کی اولاد میں بتاتے تھے تیس یا چالیس ہزار مغل سواروں کے ساتھ پہاڑوں کی تلیہٹی میں ہو کر ولایت امروہہ میں داخل ہو گئے۔

یہ لوگ دامن کوہ سوالک سے ہوتے ہوئے ضلع بجنور کی جنوبی سمت سے امروہہ کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ امروہہ اور علاقہ امروہہ کو بھی خوب لوٹا کھسوٹا تباہ و برباد کیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۸)

راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را — رخنہ کا مسال در ہندوستاں آمد پدید

مجلس یاراں پریشاں شد چو برگِ گل بباد — برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

[۱] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۱۹ ۔ [۲] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۰ ۔ [۳] تاریخ فیروز شاہی (بادصفحہ ۳۲۹)

"دور کندن و سوختن و کشتن و بند کردن و فسق و فجور دقیقہ فرو نگذاشتند" [۱]

لوٹ کھسوٹ، قتل و غارتگری اور فسق و فجور میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

بادشاہ نے مغلوں کے حملہ کی خبر پاتے ہی ملک کافور یعنی (ملک نائب) اور غازی ملک تغلق کو بڑے بھاری لشکر کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور ہدایت کی کہ نہایت عجلت کے ساتھ امروہہ پہونچیں اور ایک مغل کو بھی زندہ نہ چھوڑیں چنانچہ حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور بڑا سخت رن پڑا۔

"سلطان علاء الدین ملک نائب باربک را با لشکر اسلام نامزد لشکر مغل کردہ در آں حدود امروہہ ہر دو لشکر را محاربہ روداد بارعنائے لشکر اسلام را ظفر بخشید" [۲]

سلطان علاء الدین نے ملک نائب باربک کو لشکر اسلام کے ساتھ مغلوں کے مقابلے کے لئے بھیجا حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ جنگ میں خدا تعالےٰ نے لشکر اسلام کو فتحیاب کیا۔

یہ لڑائی رہب ندی (یعنی دریائے رام گنگا) کے کنارے ہوئی تھی۔ طرفین سے نبرد آزما دل کھول کر لڑے مگر نتیجہ مغلوں کے خلاف ہوا۔ انکے دونوں سردار زندہ گرفتار ہوئے اور ہزاروں اس معرکہ میں کام آئے اور جو گرفتار ہوئے وہ اپنے دونوں سرداروں کے ساتھ دہلی بھیجے گئے۔ اس لڑائی میں بہت کچھ مال غنیمت شاہی لشکر کے ہاتھ آیا صرف گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔

شاہی لشکر مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ جب دہلی پہنچا بادشاہ نے شہر سے باہر آکر چبوترہ سلطانی پر دربار عام کیا اور اس مقام سے اندرپت (دہلی قدیم) تک دورویہ لشکر کھڑا کیا گیا تھا اور اس روز اژدحام خلق اتنا تھا کہ پانی کا ایک کوزہ بیس جیتل یا نصف تنکہ میں بھی نہیں ملتا تھا۔ دونوں مغل سرداروں کو ہاتھی کے پیروں سے کچلوا یا گیا اور قیدی مغل گردن مارے گئے۔

---

[۱] از تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۱۱۔ نول کشور۔
[۲] تاریخ فیروزشاہی صفحہ ۳۲۰

اس زمانہ میں امروہہ کا علاقہ نیز قرب و جوار کے علاقہ جات تمام تر خالصہ[1] تھے اور شاہی لشکر کے مصارف میں اسکی آمدنی خرج ہوتی تھی۔

"کول و برن و میرٹھ و امروہہ و افغانپور و کابر و تمامی ولایات میان دوآب در طاعت حکم یکدہ گرفت و در خالصہ در آورد و وجہ حشم بنا نہاد۔"	کول، برن، دلمند شہر، میرٹھ، امروہہ، افغانپور و کابر دوآبہ کے ان تمام علاقوں کو ایک حیثیت میں لاکر خالصہ میں شامل کر لیا گیا اور انکی آمدنی فوج کے اخراجات کیلئے مخصوص کر دی گئی۔"

شہزادہ خضر خاں کا امروہہ میں قیام

سلطان علاء الدین خلجی کا بڑا بیٹا شہزادہ خضر خان[3] جو ولیعہد سلطنت بھی تھا کچھ عرصہ بحکم شاہی امروہہ میں مقیم رہا۔

---

[1] خالصہ کے لغوی معنی خالص اور ایسی چیز کے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو۔ اصطلاح میں اس زمین اور ملک کو کہتے ہیں جو شاہی مصارف کیلئے مخصوص ہو اور کسی دوسرے کی جاگیر میں شامل نہ ہو۔ [2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۴۔ [3] شہزادہ خضر خان پسر سلطان علاء الدین خلجی ملکہ جہان کے بطن سے تھا۔ حضرت امیر خسرو نے اس شاہزادہ اور راجہ کرن والی گجرات کی بیٹی دیولدی کے عشق و محبت کی تاریخی داستان اپنی مشہور مثنوی دول رانی خضر خان میں، جسکا دوسرا نام عشقیہ بھی ہے، بیان کی ہے۔ خضر خان کی پہلی شادی اپنے ماموں الپ خان کی لڑکی سے ۷۱۱ھ ۱۳۱۱ء میں ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح دولرانی کے ساتھ ۷۱۳ھ ۱۳۱۴ء میں ہوا۔ راجکماری دیولدی کے حرم سرائے شاہی میں آنے کی داستان دلچسپ ہے جو مختصراً بیان کی جاتی ہے۔ ۶۹۶ھ ۱۲۹۶ء کے ابتدائی مہینوں میں الماس بیگ الغ خان جو سلطان علاء الدین خلجی کا بھائی تھا، اور نصرت خان جالیسری، جو منصب وزارت پر ممتاز تھا، مہم گجرات پر مامور ہوئے اور ایک لشکر جرار لیکر راجہ کرن والی گجرات پر حملہ آور ہوئے۔ راجہ شاہی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ فرار ہوگیا۔ اس جنگ میں مال غنیمت کے ساتھ راجہ کرن کی رانی کنولا دیوی اور دوسری عورتیں بھی اسیر ہوکر دہلی آئیں۔ کنولا دیوی حرم شاہی میں داخل کر لی گئی اور بوجہ اپنی خوبصورتی، خوش سیرتی اور سلیقہ مندی کے سلطان علاء الدین کے دل میں بہت جلد اسنے قدر و منزلت پیدا کر لی۔ ایک دن سلطان کو خوش پاکر اسنے یہ درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں جو گجرات میں چھوٹ گئی تھیں ان میں سے ایک تو خدام شاہی پر تصدق ہو چکی ہے مگر دوسری زندہ ہے۔ اخون کے تعلق سے دل

مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین بیمار پڑا، خضر خان اور اسکی والدہ ملکہ جہاں اور انکے ماموں او خر الپ خان کی جانب سے ملک کافور نے جو عرصہ سے حصول سلطنت کا خیال دل و دماغ میں پکا رہا تھا، جھوٹے سچے قصے ملا کر بادشاہ کو بدظن کر دیا۔ الپ خان تو فوراً قتل کر دیا گیا لیکن خضر خان کو نسبتاً کم سزا دی گئی۔ چتر و دورباش، جو ولیعہدی کی علامتیں تھیں، اس سے واپس لے لی گئیں اور اسے امروہہ رہنے کا حکم ہوا، نیز یہ کہ بلا طلب دہلی نہ آئے۔ خضر خان جب میرٹھ کے علاقہ سے آگے بڑھا تو یہ شاہی عتاب نامہ ملک حسام الدین کے ذریعہ اسکو پہنچا، جسکی فوراً تعمیل کی گئی، اور چتر و دورباش ملک حسام الدین کو سپرد کر کے خود امروہہ چلا گیا۔ امروہہ پہنچکر اپنی بیگناہی اور شاہی عتاب پر سخت رنج و الم میں مبتلا رہا۔ کچھ دن تو سیر و شکار میں دل بہلاتا رہا

(بقیہ صفحہ ۴۲) بے اختیار سینہ میں تڑپ رہا ہے اگر حضور کی توجہ ہو جائے تو میرا مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ چونکہ سلطان خضر خان کے لئے پہلے ہی سے کسی عمدہ موقع کا متلاشی تھا اسلئے رانی کنولا دیوی کی یہ درخواست اسکو پسند آئی۔ سلطان نے کرن کو رشتہ کا پیغام بھیجا، اسنے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اس پیغام کو منظور کیا اور چاہتا تھا کہ شاہانہ جہیز فراہم کر کے دیولدی کو دہلی روانہ کر دے لیکن ادھر سلطان کی رائے تبدیل ہو گئی اور گجرات کو ممالک محروسہ میں شامل کر لینے کا فیصلہ قرار پایا۔ الف خان اور دیگر سرداران لشکر اس مہم پر مامور ہوئے۔ جب یہ لشکر گجرات پہنچا تو راجہ کو سوائے گریز کے کوئی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئی فوراً دوگیر کیطرف گھوڑے کی باگ پھیر دی۔ جب سنگھن دیو کو معلوم ہوا کہ راجہ کرن اس علاقہ میں آیا ہے اور سعد کا خواستگار ہی تو اسنے اپنے بھائی بھیلم دیو کو دیولدی کیلئے پیغام دیکر بھیجا، مجبوراً منظور کرنا پڑا اور تمام شرائط طے پا کر دیولدی رخصت کر دی گئی۔ دیولدی چند آدمیوں کی حفاظت میں دوگیر کیطرف جا رہی تھی ابھی چند میل کا فاصلہ باقی تھا کہ اچانک شاہی فوج کے ہراول سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ طرفین سے تیر اندازی ہونے لگی۔ اتفاقاً ایک تیر دیولدی کے گھوڑے کے لگا جو فوراً گر پڑا، چنانچہ دیولدی اسطرح اسیر ہو کر ایک جرار فوج کے ساتھ دہلی کو روانہ کی گئی اور محل سرا میں داخل ہوئی۔ یہ واقعہ ۷۰۶ھ ۱۳۰۶ء کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ محل سرا میں خضر خان اور دیولدی کے ایک جگہ رہنے سہنے سے حضرت عشق کو اپنی اداؤں کا موقع ملا۔ بالآخر ۱۳[illegible]ء میں عاشق و معشوق اپنی مراد کو پہنچے لیکن انکا جو دردناک انجام ہوا اسکے ذکر سے قلم کا سینہ چاک ہے۔

پھر یہ سوچا کہ میں بالکل بےقصور ہوں مجھے فوراً سلطان کے حضور میں حاضر ہو جانا چاہئے، یہ سوچکر امروہہ سے بلا طلب دہلی کو روانہ ہو گیا۔ حضرت امیر خسرو نے مثنوی دولرانی میں خضر خان کے امروہہ آنے کا حال تحریر کیا ہے۔ بادشاہ نے جو عتاب نامہ بصورت فرمان بھیجا تھا اس میں خضر خان کے ماموں اور خسر الپ خان کے قتل سے جو صدمہ اسے پہنچا تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔[1]

دلت دانم کہ تنگست از پے خال ۔۔۔ شکار و گشت بہ باشد دریں حال
ز آب گنگ تا دامان کہسار ۔۔۔ نہ بینی خاستہ یک سوزن خار
بر آنگونہ است صحرائے نخچیر ۔۔۔ کہ دہ آہو تواں کشتن بیک تیر
باقطاع تو کردیم آں زمیں خاص ۔۔۔ کہ باشد رہ برہ خنگ تو رقاص
بامروہہ نشیں با لشکر خویش ۔۔۔ کہ بر کوہ آزمائی خنجر خویش
رواں کن سوئے حضرت بے کم و کاست ۔۔۔ علامتہائے سلطانی کہ آنجاست
ز چتر و دور باش و پیل و رایت ۔۔۔ کہ حکم ما بر آں داوت ولایت

علامتہائے شاہی داد و شاہ ۔۔۔ حسام الدین ملک را کرد ہمراہ
وزاں سو خود بفرمان باد آہنگ ۔۔۔ سوئے امروہہ کرد از میرٹھ آہنگ
گذشت از گنگ با خاصان تنے چند ۔۔۔ کلہ را سایہ بر امروہہ افگند

بامروہہ درون غمناک بنشست ۔۔۔ چو گل با سینۂ صد چاک بنشست

اس زمانہ میں امروہہ سے جانب شمال کا علاقہ جو اب ضلع بجنور میں شامل ہے لق و دق جنگل و بیابان ہونے کی باعث عمدہ شکارگاہ تھا اس شکارگاہ میں شہزادہ ایام جلاوطنی میں شکار و چوگان بازی سے دل بہلاتا تھا۔ شہزادہ خضر خان حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء[2] کا مرید باخلاص تھا

---

[1] مثنوی دولرانی صفحہ ۲۳۹ [2] سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء آٹھویں صدی ہجری کے مشہور

بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اسنے یہ منت مانی تھی کہ بادشاہ کو، جو اسوقت بستر علالت پر پڑا تھا، صحت ہو گئی تو زیارت مشائخ کے لئے پا پیادہ دہلی جاؤنگا' چنانچہ باپ کی صحت کی خبر پاتے ہی اسنے بلا اجازت معہ لشکر کوچ کر دیا اور امروہہ سے دہلی تک پابرہنہ اور پیادہ پا سفر کیا تھا[1] انکو اب اسکی طرف سے بادشاہ کو بدگمان کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ مظلوم شہزادہ کو اسکے برادر حقیقی شادی خان کے ساتھ گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا اور بعد انتقال سلطان علاؤالدین ملک نائب نے ان دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور سلطان مرحوم کے تیسرے بیٹے شہاب الدین نامی کو، جو محض چھ سالہ بچہ تھا' برائے نام تخت پر بٹھا کر آپ حکومت کرنے لگا۔ چند ہی روز بعد ملک نائب بھی مارا گیا اور مبارک خان خلجی تخت و تاج کا مالک بنا اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے نام سے ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ اپنے پیشرو سے بھی زیادہ عیاش اور بدچلن تھا۔ برواروں کی قوم کے ایک گجراتی نوجوان کو، جسکے حسن و کرشمہ پر یہ بدچلن بادشاہ فریفتہ تھا، خسرو خان خطاب دیکر وکیل مطلق بنا دیا، آخر کار ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں خسرو خان نے بڑے مکر و فریب سے بادشاہ کو قتل کر دیا اور آپ تخت پر قابض ہو گیا لیکن چند

(بقیہ صفحہ ۴۴) فقیہ اور صوفی تھے۔ آپکے والد احمد بن دانیال غزنی سے آکر بدایوں میں متوطن ہوئے۔ ۶۳۴ھ (۱۲۳۶ء) میں آپکی ولادت ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ والدہ نے پرورش کی۔ پچیس سال کی عمر میں والدہ کے دہلی آگئے۔ یہاں خواجہ شمس الدین خوارزمی کی شاگردی کی اور شیخ نجیب الدین متوکل کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا۔ شیخ موصوف حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے بھائی تھے۔ انہوں نے باباصاحب کے اوصاف و کمالات سنکر اجودھن پہنچے اور مدت تک خدمت میں رہکر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو آپ سے سوء ظنی تھی۔ وہ بنگالہ میں تھا جبکہ پیغام بھیجا کہ "یا شیخ آنجا باشد یا من"۔ سلطان جی نے فرمایا۔ "ہنوز دلی دور است"۔ چنانچہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) میں بادشاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے حضرت کا وصال ہو گیا اور بادشاہ بھی افغانپور کے محل میں دبکر مر گیا۔ جو مقبرہ و مزار منور پر موجود ہے اسے ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) میں سید فرید خان نے تعمیر کرایا تھا۔ [دسویں صدی میں تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۴۳]۔

ہی دن بعد وہ بھی ملک غازی کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہونچا۔ غازی ملک نے سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے اسی سنہ میں تخت شاہی پر جلوس کیا اور اب سلطنت خاندان خلجی سے نکل کر تغلقیہ خاندان میں پہنچی۔ اس بادشاہ نے ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء تک سلطنت کی۔ سلطان علاء الدین کی وفات کے بعد سے سلطان غیاث الدین کے زمانہ تک آٹھ نو برس کی مدت میں مختلف بادشاہوں کے عزل و نصب سے جو ابتری ملک میں پھیل گئی اسکا اثر اس حصۂ ملک پر بھی پڑا۔ خاص امروہہ میں لشکر شاہی کی موجودگی سے قرب و جوار میں امن و امان قائم رہا۔

حضرت شاہ ولایت کی تشریف آوری

سید العارفین سید حسن[1] المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ العزیز سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی عہد سلطنت میں نواح ملتان سے مع اپنے خلفاء اور اعزا کے امروہہ تشریف لائے اور یہاں کے شاہ ولایت کہلائے۔ آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ و حقانی وغیرہ بعہد سلطان محمد تغلق امروہہ کے عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ عہد مغلیہ میں آپکی اولاد امجاد بالخصوص سید محمد میر عدل، انکے اخلاف اور پسماندگان نے سلطنت کی شاندار فوجی و ملکی خدمات انجام دیں، شہرت و ناموری حاصل کی تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں ملیں۔

اس زمانہ میں علاقہ کٹھیر کے اور حصوں میں کٹھیریے راجپوتوں نے پھر کافی قوت اور جمعیت پیدا کرلی، سلطان محمد بن تغلق شاہ کے زمانۂ سلطنت (۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء لغایۃ ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء) میں بادشاہ کی دور دراز ملکوں کے مہموں میں مصروفیت اور دار السلطنت کے تغیر و تبدل سے کٹھیریے راجپوتوں کو اپنی قوت بڑھانے کا اور بھی زیادہ موقع ملگیا مگر شاہی لشکر کے مقابل آنے کی اسوقت ہمت نہ تھی۔ اس زمانہ میں کافی لشکر اور فوج امروہہ میں رہتی تھی یہاں

---

[1] آپکا اسم گرامی اصل میں سید حسن ہے۔ شرف الدین ملقب سے بھی نام ہو۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو حصہ علم کتاب ہذا۔

کی جنگی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دور دراز کی بغاوتیں فرو کرنے کیلئے امروہہ کے لشکر کو بھی طلب کیا جاتا تھا۔ ۷۴۴ھ میں عین الملک نے اودھ میں جب بغاوت کی اور وہ شاہی ہاتھیوں اور گھوڑوں کو پکڑ کر لیگیا تو باغیوں کا قلع قمع کرنے کیلئے سلطان محمد تغلق نے امروہہ سے بھی شاہی فوج طلب کی تھی۔

"عین الملک شبے از سرگدواری برآمدہ بہ برادران خود پیوست و در آں زودی برادران نش علم عبارت برافراشتہ با چہار ہزار سوار بحوالی سرگدواری آمدند و تمام فیلان و اسپان سلطان را کہ در صحرای چرمی بودند پیش انداختہ بلشکرگاہ خود بردند بادشاہ سراسیمہ گشتہ لشکر امروہہ و سامانہ و کول و برن را طلب داشتہ" بلفظہ	رات کے وقت عین الملک سرگدواری (اودھ کا ایک مقام جہاں اسوقت شاہی کیمپ پڑا تھا) سے نکلکر اپنے بھائیوں سے جا ملا۔ بھائیوں نے علم بغاوت بلند کرکے اور چار ہزار سواروں کو ساتھ لے سرگدواری کے نواح میں چھاپا مارا اور بادشاہ کے تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کو جو جنگل میں چرنے کیلئے چھوڑ دئے گئے تھے ہانک کر اپنے لشکر میں لے گئے۔ بادشاہ نے سراسیمہ ہوکر امروہہ و سامانہ و کول (علی گڑھ) و برن (بلند شہر) سے فوج شاہی طلب کی [1]

مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ کی آمد

اسی بادشاہ کے زمانہ میں ابن بطوطہ[2] ۷۳۴ھ ۱۳۳۴ء میں امروہہ آیا۔ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "بادشاہ کے حکم پر وزیر نے مجھے دو ہزار

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ [2] ابن بطوطہ ۷۰۳ھ میں طنجہ (مراکش) میں پیدا ہوا۔ ۷۲۵ھ میں وہاں سے حج کی غرض سے چلا۔ افریقہ کے تمام ساحلی شہروں کی سیر کرتا ہوا مصر پہنچا وہاں سے مکہ معظمہ ۷۲۶ھ ہوتا ہوا ملک شام چلا گیا۔ دمشق میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ دوسرے سال پھر مدینہ منورہ و مکہ معظمہ گیا۔ وہاں سے عراق، بغداد اور دیگر مقامات کی سیر کرتا ہوا ایران آیا۔ ۷۳۰ھ میں پھر حج کو گیا۔ وہاں سے افریقہ کے بعض مقامات کی سیر کرتا ہوا یمن آیا۔ پھر اناطولیہ، سمرقند، بلخ، مشہد شریف، نیشاپور، غزنی ہوتا ہوا ۷۳۴ھ میں ہندوستان آیا۔ ۸ برس تک ہندوستان میں رہا۔ ۷۴۳ھ میں چین کے سفر پر روانہ ہوا۔ وہاں سے بہت سے ممالک کی سیر کرتا ہوا ۷۵۰ھ میں مغرب

من غلہ تو دیدیا باقی کی بابت لکھا کہ مزارعین امروہہ کے علاقہ سے دیا جائے؛ چنانچہ اس غلہ کے وصول کرنے نیز یہاں کے والی اور امیر کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے کیلئے ابن بطوطہ نے امروہہ کا سفر اختیار کیا۔ یہاں وہ دو مہینہ تک مقیم رہا۔ امروہہ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ :-

"ثم وصلنا الی امروها وهی بلدة صغیرة حسنة فخرج عمالها وجاء قاضیها الشریف امیر علی وشیخ زاویتها واضافانی ضیافة حسنة - ١ھ	پھر ہم امروہہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ اسکے اہلکار استقبال کیلئے باہر آئے۔ شہر کا قاضی سید امیر علی[1] اور خانقاہ کا شیخ[2] دونوں آئے اور دونوں نے ملکر میری ضیافت بہت اچھی طرح کی۔ ا ھ[3]

عزیز خمار حاکم امروہہ

اس زمانہ میں یہاں کا حاکم عزیز خمار تھا، یہ بہت منتظم و بیدار مغز حاکم تھا؛ ابن بطوطہ نے عزیز خمار کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ظالم مشہور تھا۔ ڈیڑھ ہزار گاؤں اسکے ماتحت تھے جنکا محاصل ساٹھ لاکھ سالانہ تھا۔ اسکا بیسواں حصہ اسکو ملتا تھا۔ غرضکہ اس حاکم کے تدبر اور عمدہ انتظام سے متمرد اور مفسد لوگوں کو سرکشی کا کوئی موقع نہ ملا۔ قصبہ عزیز پور اسی کا آباد کیا ہوا تھا۔ اسکا بھائی نجیب خمار اور اسکے دوسرے عزیز بھی حکومت کے عہدوں پر ممتاز اور صاحب اثر و نفوذ تھے۔ اسکے بعد بھی یہ خاندان پرگنہ امروہہ میں توطن پذیر رہا۔ یہ لوگ ابتدائے عہد مغلیہ تک اپنے ناموں کے ساتھ "خمار" کا لفظ برابر لکھتے رہے۔ ابن بطوطہ کی آمد کے زمانہ میں اس علاقہ کا امیر شمس الدین بدخشانی تھا جس سے عزیز خمار کی مخالفت تھی۔ ان دونوں کے

(بقیہ صفحہ ۳۷) پہنچا ۷۵۴ھ میں تیس برس کی طویل مدت سیر و سیاحت میں بسر کرکے اپنے وطن کو واپس گیا۔ ۷۷۹ھ میں انتقال کیا۔] (صفحہ ۳۸) [1] یعنی فرزند اکبر شید العارفین سید حسین المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ جو اس زمانہ میں یہاں کے قاضی تھے۔ شاہ ولایت کا ابن بطوطہ کی آمد سے پہلے وصال ہو چکا تھا؛ آپکا سنہ وفات ۷۴۳ھ نہیں ہے جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے۔ [2] خانقاہ کے شیخ سے مراد غالباً شیخ معین الدین قدس سرہ ہیں جو حضرت شاہ ولایت رحمہ کے مرشد زادہ اور خلیفہ تھے (ملاحظہ ہو حصہ دوم جس میں ان تمام امور پر مفصل بحث کی گئی ہے)۔ [3] کتاب رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ جرمنی۔ [4] بعض لوگ دس غلط فہمی کو حضرت شاہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ کے صاحبزادہ سید

تنازع کے تصفیہ کیلئے وزیر نے ابن بطوطہ، ملک شاہ امیر الممالک اور شہاب الدین ولی کو متعین کیا تھا۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء میں امروہہ کے اس مشہور حاکم عزیز خمار کو ولایت مالوہ کی حکومت پر مامور کیا تاکہ وہاں کے مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کرے۔[1] عزیز خمار نے امیران صدہ کی تنبیہ کے لئے گجرات سے بڑودہ اور دبھوئی کی طرف لشکر کشی کی۔

تین سیدوں کے قتل کا خوفناک انتقام

تھوڑے ہی عرصہ بعد سلطان محمد تغلق کا ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء میں انتقال ہوگیا، ملک میں کچھ عرصہ بدنظمی رہی جسکی وجہ سے کٹھیر کے راجپوتوں کو کھڑک سنگھ و ہر سنگھ اپنے دونوں سرداروں کی قیادت میں قوت کے بڑھانے کا خاطر خواہ موقع حاصل ہوگیا، انھوں نے کھلم کھلا بغاوتیں کرنا شروع کیں، جب کبھی اسلامی لشکر سے شکست کھاتے مجبوراً خراج ادا کرتے ورنہ جنگلوں اور بنوں میں پناہ گزین رہتے۔ آخر ۷۸۱ھ/۱۳۷۹ء میں کھڑک سنگھ نے، جو کھرگو کے نام سے مشہور ہے، سید محمد حاکم بداؤں کو اپنے یہاں مہمان بلاکر نیز انکے بھائی سید علاء الدین و سید محمود کو دھوکہ اور فریب سے قتل کردیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اسے اسقدر طیش آیا کہ ان تین جانوں کے بدلے میں تمام ملک کٹھیر کے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیدیا۔

"بادشاہ غضبناک شدہ استعداد سفر کرد"	بادشاہ کو یہ سن کر اسقدر طیش آیا کہ سامان سفر درست کرکے

(بقیہ صفحہ ۳۸) عز الدین کا آباد کردہ سمجھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو حصہ دوم۔ (صفحہ ۳۹) [1] معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی کو ملک عزیز خمار سے خاص عداوت ہے۔ وہ اسکا ذکر برے الفاظ میں کرتا ہے اور بار بار اسکے نسب کا خاکہ اڑاتا ہے، کبھی اسے بد اصل و سفلہ لکھتا ہے اور کبھی "ناکس و ناکس زادہ"۔ جس باب میں ملک موصوف کے حالات لکھے ہیں اسکی ابتدا ان برے الفاظ تحریر کرتے ہیں:- "ذکر یافتن ملک عزیز خمار بداصل خطۂ دہار و مالوہ و بہ نفس آں سفلہ لئیم در ہیں دیار و باز شدن دراعی و تسلط عام از عمال آں خبیث النفس و ناکس زادہ"

"منوده در ابتدائے ۷۸۲ھ از دار الملک کوچ کرده چوں نواحی کتہیر محل نزول لشکر فیروزی اثر شد بحسب فرمان آتش نہب و غارت مشتعل گشت و متوطنان آں دیار روز و در محل کفار شمار آں مقدار کوشیدند کہ ارواح سادات شہید بہ شفاعت در آمدند"[1]

"۷۸۲ھ میں دار الملک دہلی سے کوچ کیا۔ جب ملک کٹہیر کے قریب لشکر پہنچا بادشاہ کے حکم سے اس ملک کے باشندوں اور انکے مکانات کو تباہ و غارت کیا گیا اور مفسدوں کے قتل کرنے میں اتنی شدت کی گئی کہ سادات شہید کی روحوں نے بھی اس خونریزی کے بند کرنے کی سفارش کی۔"

بادشاہ نے صرف اسی قدر خونریزی پر بس نہیں کی، ملک داؤد حاکم سنبھل کو حکم دیا کہ ہر سال ملک کٹہیر پر فوج کشی کی جائے[2] چنانچہ متواتر چھ سال تک اس خطۂ ملک کو شاہی لشکر برباد و تباہ کرتا رہا، جو باشندے اس قتل عام سے بچے وہ قصبات و دیہات چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں و پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے۔

ملک محمود بک شیر خان حاکم امروہہ

۷۸۴ھ/۱۳۸۲ء میں بعہد سلطان فیروز شاہ تغلق ملک محمود بک المخاطب بہ شیر خان امروہہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس بیدار مغز اور زبردست حاکم نے نواح امروہہ کو مفسدین کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ جب زیادہ فساد مچا تو ملک بہروز کو بادشاہ نے ہزار سوار دیکر امروہہ بھیجا لیکن ۷۸۸ھ میں شیر خان کے یہاں سے تبدیل ہو جانے کے بعد مفسدین نے پھر قوت حاصل کر لی۔ سید فخر الدین، جد القبیلہ سادات محلہ نوگیاں و نوگانواں، کو اس نواح میں بہت سے مواضعات بطور مدد معاش ملے تھے۔ اس زمانہ میں یہ خاندان سادات کے دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت زیادہ بارسوخ و با اقتدار تھا۔ مفسدین نے جب انکے مواضعات کو لوٹا کھسوٹا اور چند مسلمانوں کو بھی قتل کیا تو ان کا بیٹا سید فخر الدین نے بادشاہ کے پاس عرضداشتیں بھیجیں جن میں بیان کیا گیا تھا کہ

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ [2] تاریخ مبارک شاہی۔

اردو	فارسی
اس سے پہلے بھی شیر خان کے وقت میں مفسدین نے سر اٹھایا تھا ...... ملک بہروز کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا گیا تھا اور خلق خدا کو امن نصیب ہوا تھا اب التماس ہے کہ لشکر شاہی کو یہاں بھیجا جائے تاکہ مفسدین کا فتنہ رفع ہو اور اس ملک وولایت کی مخلوق کو نجات ملے۔	"پیش ازیں وقت شیر خان شورہا کلاں خاستہ بود، ہر روز جا گو یان ..... و ملک بہروز را بکہزار سوار نامزد شدہ، خلق را امن حاصل آمدہ التماس کہ لشکر شاہی تعین شود کہ شورہا فرو نشیند و خلق خطہ و ولایت آباداں ماند۔[1]

چنانچہ شاہی لشکر نے پھر ان اطراف میں یلغار کی اور امن وامان کی صورت قایم ہوئی۔

ملکی بدنظمی اور فتنہ وفساد

۷۹۱ھ/۱۳۹۲ء میں فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا، اس بادشاہ کی انتقال کے بعد سے ملک میں ہر چہار طرف طوائف الملوکی پھیل گئی، امروہہ اور سنبھل کے عامل خود سر ہو بیٹھے اور تیمور لنگ کے حملہ ہندوستان ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء تک طوائف الملوکی کی حالت قایم رہی۔ اس بارہ سال کی مدت میں یہاں کے کٹھیرئے راجپوتوں کو اپنی قوت واقتدار از سر نو قایم کرنے اور بڑھانے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ راے ہرسنگھ نے ملک کٹھیر کے کافی حصہ پر اپنا تسلط جما کر اتنی قوت بہم پہونچا لی تھی کہ عرصہ تک شاہی لشکر کے مقابل آتا رہا۔ تیمور کے چلے جانے کے بعد بھی باہمی خانہ جنگی سے شاہ دہلی کی قوت کو زوال رہا لیکن سلطان محمود مبارک شاہ مفسدین کی سرکوبی کے لئے اس خطہ ملک میں بذات خود آتا رہا۔ ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء میں سلطان موصوف نے کٹھیر میں چند روز قیام کیا اور واپسی پر اثناء راہ میں اسکا انتقال ہو گیا۔ ۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء میں شاہی سردار تاج الملک ثانی نے اور دوسرے سال ۸۲۲ھ/۱۴۱۹ء میں خود خضر خان بادشاہ نے مفسدان کٹھیر کی تنبیہ وگوشمالی کے لئے فوج کشی کی اور سنبھل وامروہہ کے نواح کے تمام جنگلات کو مفسدین سے پاک کیا اسکے بعد ۸۲۶ھ/۱۴۲۲ء میں سلطان معز الدین مبارک شاہ دو مرتبہ بذات خود یہاں آیا۔ اس مرتبہ راے ہرسنگھ کو ایسی شکست نصیب ہوئی کہ

---

[1] عرضداشت ونقل فرمان عہد تغلق شاہ ۷۹۰ھ نزد مؤلف [2] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۶۲۔

اس نے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوکر عفو و درگذر کی درخواست کی اور محصول و نذر گرانقدر پیش کی۔ اسکے بعد پھر کبھی مفسدین کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اور یہ خطۂ ملک آئے دن کی جدال و قتال اور غارتگری سے محفوظ ہوگیا۔

امروہہ کے ابتدائی جاگیردار

آٹھویں صدی ہجری کا آخر اور نویں صدی ہجری کا آغاز اس خطۂ ملک کے لئے سخت بدنظمی اور ابتری کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں امروہہ معہ دیگر اقطاع کے سید السادات سید سالم نامی ایک امیر کی جاگیر میں عرصہ تک رہا۔ سید سالم کے حالات میں فرشتہ کا بیان ہے کہ:-

"گویند سید السادات سید سالم مدت سی سال در حضور خضر خان از زمرۂ امرای عمدہ بود و اقطاع لایق داشت و در تبرہندہ (یعنی بھٹنڈہ) خزانہ و ذخیرہ و اسباب قلعہ داری جمع ساختہ بود و غیر از اقطاع تبرہندہ و امروہہ و سرسی بیانہ و دوآبہ بیخ ولایات بسیار داشت و در جمع نمودن مال حریص بود"

"کہتے ہیں کہ سید السادات سید سالم تیس سال تک خضر خاں بادشاہ کے ہاں امرائے عظام کے زمرہ میں شامل تھا۔ اسکی جاگیر میں عمدہ پرگنے بھی تھے۔ بھٹنڈہ میں اس نے خزانہ اور قلعہ داری کے سامان کا ذخیرہ بھی فراہم کرلیا تھا۔ علاوہ بھٹنڈہ کے امروہہ سرسی اور ملک دوآبہ اور بہت سے پرگنے جاگیر میں تھے۔ اسے مال جمع کرنے کی بہت حرص تھی"

سید سالم کی وفات کے بعد اسکے دونوں بیٹوں سید سعید خاں و شجاع الملک کی جاگیر میں بھی پرگنہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا لیکن ۸۳۷ھ (۱۴۳۴ء) میں مبارک شاہ بادشاہ کے قتل اور محمد شاہ بن فرید خاں کے تخت نشین ہونے پر ملک یوسف سرور الملک وزیر کو خوب اقتدار حاصل ہوگیا تھا اس نے امروہہ کو پرانے امرا کی جاگیر سے نکالکر اپنے معاونین کی جاگیر میں شامل کردیا:-

"ملک سرور الملک وزیر نخست سدپال و سدارن کھتری" "و اقربای ایشان را بجائزۂ قتل مبارک شاہ" "ملکت بیانہ و امروہہ و نارنول و کہرام و چند"

ملک سرور الملک نے اولاً سدپال و سدارن کھتری اور اسکے عزیزوں کو مبارک شاہ کے قتل کے صلہ میں بیانہ، امروہہ نارنول، کہرام اور ملک دوآبہ کے چند اور پرگنے جاگیر

پرگنہ میان دوآب واوت[1] میں دے دیئے۔

لیکن یہ حالت چند روز ہی رہی ۔ ۸ محرم ۸۳۸ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۴۳۴ء کو سرور الملک درا کے ہندو معاونین ایک معرکۂ جنگ میں قتل ہو گئے اور امروہہ ملک چمن المخاطب بہ غازی الملک کی جاگیر میں دیدیا گیا۔ اسکے کچھ عرصہ بعد اس پر دریا خان لودی متصرف ہوگیا۔

سلطان علاء الدین عالم شاہ کا قیام امروہہ میں

اسی زمانہ یعنی ۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء میں سلطان علاء الدین عالم شاہ کو دہلی سے بداؤں جانے کا اتفاق ہوا جہاں کی آب و ہوا اسے کچھ ایسی پسند آئی کہ ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء میں دہلی چھوڑ بداؤں کو مستقر قرار دیا۔ بداؤں کے زمانہ قیام میں بادشاہ نے اپنی تشریف آوری سے امروہہ کو بھی درجہ امتیاز بخشا[2] اور کچھ عرصہ مع اپنے تمام افغان امراء کے امروہہ میں قیام کیا، سیر و تفریح میں مشغول رہا۔ اور چند دن بعد ہی سلطنت سے دست بردار ہو کر بداؤں میں مستقل طور سے مقیم ہوگیا اور تا زمانہ حیات ۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء اس علاقہ پر جس میں امروہہ شامل تھا، سلطان موصوف ہی حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد سلطنت لودہی خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس خاندان نے ستتر سال[3] تک حکومت کی اس عرصہ میں بالخصوص سلطان بہلول لودہی و سکندر لودی کے زمانہ میں بہت کچھ امن و سکون رہا۔

امروہہ اور سنبھل علم و فضل کے مرکز

سلطان سکندر لودی چار پانچ سال تک خاص سنبھل میں مقیم رہا۔

"در سنہ خمس و تسعمائہ جانب سنبھل رفتہ چہار سال دراں حدود بسیر و شکار و چوگان بازی در گذرانیدہ"

۹۰۵ھ میں بادشاہ سنبھل گیا اور اس نواح میں چار سال سیر و شکار و چوگان بازی میں صرف کئے۔

یہ بادشاہ نہ صرف علم دوست تھا بلکہ خود بھی علم سے بہرۂ وافر رکھتا تھا۔ اس زمانہ میں سنبھل اور امروہہ علماء و فضلاء عصر کی موجودگی سے علم و ہنر کے مرکز بن گئے تھے۔ بادشاہ کی قدردانی کی بناء پر علماء و فضلاء

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۶۹ [2] تاریخ فرشتہ صفحہ [illegible] و ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۳۶ [3] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۲۔

مختلف وبا اور مصائب جوق در جوق یہاں آئے۔ ان میں سے بعض خاندان سنبھل اور امروہہ میں متوطن ہوگئے۔ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث بھی جو اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے، اسی زمانہ میں یہاں آئے۔ سنہ ۹۲۰ھ میں بادشاہ نے ایک مسئلۂ شرعی کے تصفیہ کے لئے سنبھل میں مجلس مذاکرہ علمیہ منعقد کی تھی۔ اس مجلس کی شرکت کے لئے مختلف مقامات سے علماء بلائے گئے تھے۔

"بادشاہ را باستماع مذاکرہ علمی رغبتے تمام بود علمائے	بادشاہ کو مذاکرہ علمی کے سننے کی بہت خواہش تھی۔
نامی را از اطراف طلبیدہ مجلس بحث ترتیب داد	مختلف مقامات سے نامی علماء کو طلب کرکے مباحثہ کا جلسہ
وتفصیل اسامی آنہا این است کہ میاں قادر	منعقد کیا۔ جو علماء باہر سے آکر شریک ہوئے ان میں میاں
بن شیخ خواجگیاں عبداللہ بن الہ داد از طلنبہ	قادر بن شیخ خواجو میاں عبداللہ بن الہ داد طلنبہ سے
وسید محمد بن سعید خان از دہلی وملا قطب الدین	اور سید محمد بن سعید خان دہلی سے اور ملا قطب الدین
وملا الہ داد صالح از سرہند وسید امان	ملا الہ داد صالح سرہند سے اور سید امان وسید برہان
وسید برہان وسید حسن از قنوج آمدند[۱]	وسید حسن قنوج سے آئے تھے۔"

امروہہ عہد مغلیہ میں | سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں بابر بادشاہ نے خاندان تیموریہ کی حکومت ہندوستان میں قائم کی۔ بابر نے کچھ عرصہ سنبھل میں بذات خود قیام کیا اور امروہہ کا علاقہ شیخ زادہ محمد موسیٰ قریشی عرف کالا پہاڑ ایک نامور امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

"سنہ ۹۳۵ھ موسیٰ معروف قریشی کو جو بابر کے سرو کے چبوترے کے وقت حاضر ہوا تھا تیس لاکھ کی جاگیر امروہہ کے علاقہ کی اس کی تنخواہ میں دی اور خلعت خاص مع گھوڑا اس کو دیکر امروہہ جانے کی رخصت عطا کی"[۲]

ہمایوں بھی ایام شہزادگی میں کچھ عرصہ تک اس نواح میں مقیم رہا۔ سنہ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں وہ سنبھل ہی میں تھا کہ بابر کا انتقال ہوگیا۔ افغانوں کے زمانہ حکومت میں بعہد شیر شاہ یہ علاقہ خان اعظم عیسیٰ خان کو لکا پوری

۱؎ تاریخ دستہ صفحہ ۲۲ ۲؎ ترجمہ تزک بابری صفحہ ۲۷۲ مطبوعہ محمود پرنٹنگ ورکس دہلی۔

کے حکومت وایالت میں تھا۔ خان اعظم شجاعت اور بہادری میں لاثانی تھا۔ اس نے اس علاقہ کے اکثر جنگلوں اور جنوں کو جو مفسدین کے مامن اور جائے پناہ تھے صاف کرادیا اور سرکشوں کو زیر کر کے مفسدین کو بے دست و پا کر دیا۔ صاحب تاریخ شیر شاہی کا بیان ہے کہ شیر شاہ نے مسند عالی عیسیٰ خان پسر مسند عالی ہیبت خان کالکا پوری سروانی کو خان اعظم کا خطاب دیکر سنبھل بھیجا اور ان الفاظ کے ساتھ اسکو رخصت کیا کہ سنبھل کا علاقہ مفسد اور شریر لوگوں سے پر ہے اور وہاں کے کاشتکار اور رعایا زیادہ تر متمرد اور سرکش ہیں اور ہمیشہ حاکموں کے برسر مقابلہ آتے رہے ہیں اسلئے تم کو چاہئے کہ پانچہزار جدید سپاہ بھرتی کرو۔[۱] چنانچہ اسنے فوجی قوت میں اضافہ کر کے مفسدین کا قلع قمع کیا۔

خواجہ قطب الدین قناق خان حاکم امروہہ

خواجہ قطب الدین قناق خان عہد ہمایوں اور ابتدائی عہد اکبری میں امروہہ کا حاکم تھا۔ اسکے عہد کی امروہہ میں کئی یادگاریں ہیں۔ جامع کیقبادی جب شکستہ ہوگئی تو اسی حاکم نے سنہ ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء میں اسے اپنے زمانہ حکومت و ریاست میں پھر تعمیر کرایا تھا۔ کسی صدمہ سے یہ حصہ تھوڑے عرصے کے بعد منہدم ہوگیا جسے سید محمد میر عدل امروہوی نے سنہ ۱۰۸۱ھ / ۱۶۷۲ء میں دوبارہ تعمیر کرایا۔

عہد اکبری و جہانگیری کے جاگیردار

اکبر بادشاہ کے ابتدائی عہد میں مرزا ابراہیم حسین نے جسکو پرگنہ اعظم پور باسٹہ وغیرہ جاگیر میں ملے تھے امروہہ پر حملہ کیا اور خوب لوٹا کھسوٹا۔ سنہ ۹۷۶ھ / ۱۵۶۸ء میں میر محمد خان مشہور بہ خان کلاں (برادر بزرگ محمد خان آتکہ) کی جاگیر میں امروہہ کا علاقہ شامل رہا۔

"سرکار سنبھل کہ بہترین ممالک ہندوستان است بجاگیر میر محمد خان اختصاص گرفت"۔[۲]

سرکار سنبھل یعنی وہ علاقہ جس میں پرگنہ امروہہ شامل تھا) جو ہندوستان کے بہترین علاقوں میں سے ہے میر محمد خان کی جاگیر میں دیا گیا۔

---

[۱] اہلبیت جلد چہارم صفحہ ۲۲۵ [۲] یہاں جاگیردار سے مراد اُن امرائے سلطنت سے ہے جنکی جاگیر میں یہ کل علاقہ دیا جاتا تھا ورنہ اس زمانہ میں خود امروہہ میں بالخصوص اولاد شاہ ولایت میں فی جاگیردار متعدد تھے جنکو چند مواضعات بطور سیورغال و

سنہ ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) میں پھر مرزا مظفر حسین صفوی برادر زادہ شاہ طہماسپ والی ایران کو یہ جاگیر عطا ہوئی۔

"در سنہ ۱۰۰۳ھ عرش آشیانی مرزا را بہ منصب پنجہزاری و اقطاع سنبھل کہ افزوں از قندھار است سرفراز ساخت" [1]

سنہ ۱۰۰۳ھ میں عرش آشیانی (یعنی شہنشاہ اکبر) نے مرزا مظفر حسین صفوی کو پنجہزاری منصب پر فراز فرماکر سنبھل کا علاقہ جو قندھار کے علاقہ سے بڑا ہے عطا کیا۔

جہانگیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی پر یعنی سنہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں یہ علاقہ میرزا علی نامی ایک امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

"مرزا علی اکبر شاہی راکہ از جوانان قرار دادہ اوس دلی است بہ منصب چہار ہزاری ممتاز ساختہ سرکار سنبھل را بجاگیر او مقرر داشتم" [2]

مرزا علی اکبر شاہی کو جو دلی کے خاندان متوسلین شاہی میں سے ہیں چہار ہزاری منصب و نیز سرکار سنبھل کا علاقہ ان کی جاگیر میں عنایت کیا۔

امروہہ کی ناموری اور شہرت

اکبر بادشاہ کے وسط عہد حکومت سے لیکر نواب علی محمد خاں روہیلہ کے زمانہ تک تقریباً دو سو برس کی مدت میں امروہہ اور اس کے نواح میں بہت کچھ امن و امان رہا۔ اور رعایا بھی شاد و آباد رہی، لوگوں کو ترقی کرنے کے ذرائع اور مواقع بھی زیادہ حاصل رہے۔ عہد مغلیہ میں امروہہ کے سادات و شرفاء علی الخصوص اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ نے حکومت وقت کی شاندار ملکی و فوجی خدمات انجام دیں جس کے صلہ میں اعلیٰ مناصب ملے، تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں عطا ہوئیں۔

سلطنت مغلیہ کے زمانہ عروج یعنی شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں حضرت شاہ ابن بدر چشتی آپ کے فرزندان باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین نیز شاہ عبد المجید علوی، ان کے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم اور سید اکبر نقشبندی، سید محمود رضوی (دانشمند)

(بقیہ صفحہ ۴۵) [3] مآثر الامراء جلد سوم ۳۱۱ (صفحہ ۴۶) [1] مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۲۰۰ [2] تزک جہانگیری

اور ان کے فرزند سید عصمت اللہ قدس اللہ اسرارہم مشائخ میں، مولانا سید محمد میر عدل، مولانا سید میر علی، مولانا الہ داد عباسی، مولانا بابن عباسی، مولانا عبد الملک بخشی، سید العلا سید اشرف دانشمند، مولانا سید اشرف بن سید سعید خان، ملا امان اللہ ترکمان، ملا فیضی عباسی، ملا صدر الدین عباسی علماء و فضلاء میں، سید ابو الفضل، سید ابو القاسم، سید ابو المعالی پسران سید محمد میر عدل اور سید عبد الہادی بن سید مبارک فوجی افسروں و جنرلوں میں، سید عبد الوارث نبیرہ سید مبارک میران سید عبد الماجد اور ان کے فرزند دیوان سید محمود (از اولاد سید محمد میر عدل) سید سعید خان نبیرہ دیوان سید محمود (مورث سادات محلہ لکڑہ) اعلیٰ عہدہ داران سلطنت میں امروہہ کی شہرت و ناموری کے باعث تھے۔

امروہہ کا ضلع مرادآباد سے تعلق

جہانگیر بادشاہ کے عہد تک پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل سے متعلق رہا لیکن شاہجہاں بادشاہ کے ابتدائے عہد سلطنت میں کٹھیریوں کے سردار راجہ رام سکھ نے فساد برپا کیا جس کی سرکوبی کے لئے رستم خان دکھنی صوبہ دار سرکار سنبھل کو ۱۰۴۰ھ میں متعین کیا گیا۔ رستم خان[1] نے راجہ کو شکست دی، راجہ قتل ہوا اور

---

[1] رستم خان کا نام مقرب خان دکھنی تھا۔ ابتداءً نظام الملک والی دکن کے عمال میں سے تھے [illegible]ھ میں شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت میں پہنچے۔ پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے۔ رستم خان خطاب پایا اور سرکار سنبھل میں تعینات ہوئے۔ دکن اور قندھار کی لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے، فیروز جنگ بہادر کا دوسرا خطاب ملا جسکا اشارہ اس سجع میں ہے

بفتح لشکر ایراں ز لطف شاہجہاں　　　شدہ بہادر فیروز جنگ رستم خان

تقریباً ۲۵ سال تک سرکار سنبھل ان کی جاگیر میں رہا۔ ۱۰۵۰ھ کے بعد سے دور دور ان کی مہموں پر مامور رہے۔ شجاعت و بہادری میں لاثانی، نہایت علم دوست اور مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ سید کمال صاحب ہمراہ ۱۲ برس ان کی فوج میں ملازم رہے۔ دارا شکوہ کے طرفدار تھے اورنگزیب انار اللہ برہانہ سے جو معرکہ جنگ ۱۰۶۹ھ میں اکبر آباد (آگرہ)

اور اُس کا قلعہ فاتح کے ہاتھ آیا۔ یہ مقام چوپلہ کہلاتا تھا۔ رستم خاں نے پرانے قلعہ کو مسمار کر کے نیا قلعہ اور مسجد تعمیر کی اور اپنے نام کی رعایت سے اسکا نام رستم نگر رکھا۔ رستم خاں نے شاہی ایما سے تجاوز کیا تھا اسلئے جوابدہی کے لئے دربار کی حاضری کا حکم ہوا اور جب رستم خاں سے نوآباد مقام کے نام کی بابت سوال ہوا تو اس نے فی البدیہہ کہا کہ میں نے شہزادہ کے نام پر اسکا نام **مرادآباد** رکھا ہے چنانچہ اس وقت سے نہ صرف یہ مقام مرادآباد کے نام سے موسوم ہوا بلکہ ضلع کا صدر مقام قرار پایا۔ سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) میں دارا شکوہ کی لڑائی میں رستم خاں مارا گیا تو محمد قاسم خاں میر آتش مقرر ہوا۔ جو سنہ ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۱ء) تک رہا۔ اس کے بعد راجہ مکرند رائے کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔ پھر سنہ ۱۰۹۵ھ (۱۶۸۴ء) میں امیر الملک کا تقرر کیا گیا لیکن بہادر شاہ کی وفات کے بعد ایسی ابتری رہی کہ سنہ ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ء) تک اس ضلع کے متعلق حالات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ سنہ ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) میں محمد امین خاں اعتماد الدولہ مرادآباد کے گورنر مقرر ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اپنے فرزند انتظام الدولہ کے سپرد یہاں کا انتظام کر کے حسب الحکم فرخ سیر بادشاہ سکھوں کے مقابلہ کے لئے متعین کئے گئے۔ سنہ ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۶ء) میں ہمارے ضلع کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اعلیحضرت **نظام دکن** خلد اللہ ملکہٗ کے مورث اعلیٰ نظام الملک آصف جاہ یہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ موصوف نے بذات خاص مرادآباد میں قیام کر کے انتظامات کی حالت درست کی مگر وہ صرف دو سال یہاں رہے دوسرے ضروری کام پر انکو واپس بلا لیا گیا اور یہ ضلع محمد مراد نامی ایک کشمیری

(بقیہ صفحہ ۴۷) میں ہوا رستم خاں مع اپنے فرزند رفعت قلی خاں و برادر زادہ عظمت خاں اور چند دیگر اعزہ کے مقتول ہوئے۔ قطعہ تاریخ:۔

چوں بہادر رستم فیروز جنگ — عالمی در مدحت او لب کشود
در شجاعت رستم دستان عصر — در سخاوت حاتم آفاق بود
ترکتازی کردہ در میدان ہند — سرخرو گشت و بجنت رفت زود
سال تاریخ وفاتش عقل گفت — برد رستم گوئے ز میدان جود

الشبل کو سپرد ہوا جس نے فرخ سیر بادشاہ کی نظر میں پایۂ اعتبار حاصل کرکے رکن الدولہ اعتماد خان کا خطاب پایا اور اپنے خطاب کی رعایت سے مرادآباد کا نام بھی رکن آباد رکھا اور ضلع کو صوبہ قرار دیا۔

"سرکار مرادآباد را صوبہ قرار دادہ موسوم بہ رکن آباد فرمودہ در جاگیرش بطریق آل تمغا عنایت شد" [1]	سرکار مرادآباد کو صوبہ قرار دے کر اس کا نام رکن آباد رکھا۔ یہ علاقہ اس کی جاگیر میں نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوا تھا"

لیکن یہ انتظام بہت تھوڑے عرصے تک رہا کیونکہ رفیع الدرجات بادشاہ کی تخت نشینی پر سنہ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں رکن الدولہ کو عہدے سے برطرف کر دیا گیا اور انکی بجائے سید عبداللہ خان بارہہ کے چھوٹے بھائی سیف الدین خان کو مقرر کیا گیا لیکن سادات بارہہ کے زوال اقتدار پر حیدر قلی خان کو تفویض ہوا اور اس کے بعد عرصہ دراز تک یہ ضلع قمر الدین خان کی جاگیر میں رہا۔ قمر الدین خان کی جانب سے شیخ عظمت اللہ [2] یہاں کے منتظم رہے۔

روہیلوں کا تسلط [3]

سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں مختلف قبیلوں کے افغان بتلاش معاش ہندوستان میں آئے اور ان ایام میں جبکہ بدنظمی کا دور دورہ تھا ملک کٹھیر میں سکونت پذیر ہوتے گئے ان ہی لوگوں کی وجہ سے بالآخر ملک کٹھیر روہیلکھنڈ کے نام سے موسوم ہوا۔ نواب علی محمد خان [4] روہیلہ (مورث نوابان رامپور) نے ہزاروں آوارہ گرد روہیلہ

---

[1] مآثر الامرا جلد اول [2] شیخ عظمت اللہ بن مولوی عصمت اللہ نبیرہ شیخ عبدالقادر فاروقی شیخ زادگان قصور میں سے تھے۔ سنہ ۱۱۳۲ھ میں سادات بارہہ کے وطن جانسٹھ کے حملے میں شریک تھے۔ [3] روہیلہ کے لغوی معنی ہیں علاقہ روہ کا رہنے والا۔ روہ افغانستان کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ [4] نواب علی محمد خان داؤد خان شاہ عالم خان روہیلہ کے متبنی تھے۔ موضع بانکولی پرگنہ کانت تعلق سرکار سنبھل کو ان کا مولد اور موضع بنگی تابع سرکار بدایوں کو ان کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ ان کے نسب کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، بعض مورخین نے انکو مسلم ال

افغانوں کو اپنے زیر اثر کر کے کافی جمعیت اور قوت حاصل کر لی تھی۔ نادر شاہ کے حملہ کی وجہ سے بڑی تعداد افغانوں کی اس طرف چلی آئی اس سے اُن کی طاقت میں اور اضافہ ہو گیا۔ روہیلوں کی بڑھتی طاقت دیکھ کر ۱۱۵۵ھ (۱۷۴۲ء) میں محمد شاہ بادشاہ نے مراد آباد کے گورنر راجہ ہرنند کو جو قوم سے کھتری تھے، حکم دیا کہ روہیلوں کو علاقہ کٹھیر سے نکال دیا جائے۔ راجہ موصوف پچاس ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر روہیلہ سردار بارہ ہزار روہیلہ جانبازوں کو ساتھ لے رات کو شاہی فوج پر جا پڑا، اور کشتوں کے پشتے لگا دیے، شاہی لشکر کو سخت ہزیمت ہوئی، راجہ ہرنند مارا گیا، اور نواب علی محمد خان نے سنہ ۱۷۴۴ء میں مراد آباد، امروہہ اور سنبھل پر تسلط حاصل کر لیا مگر دو برس بعد خود بادشاہ نے بہ نفس نفیس اس طرف فوج کشی کی، گڑھ مکتیسر کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور سنبھل کے علاقہ میں سے گذر کر کے نواب علی محمد خان کی گڑھی بان گدھ پر، جو بدایوں کے متصل واقع تھی، دھاوا کر دیا۔ بالآخر نواب قمر الدین خان چین بہادر وزیر اعظم کی سفارش پر علی محمد خان کا قصور معاف ہوا لیکن بادشاہ انہیں اپنے ساتھ ہی دہلی لے گئے جہاں کچھ عرصہ نظر بند رکھے گئے۔ مراد آباد پر پھر شاہی تسلط قائم ہوا اور شیخ فرید الدین بن شیخ عظمت اللہ کو حکومت پر تعینات کیا گیا لیکن روہیلوں نے دوبارہ اپنی جمعیت اکٹھی کر کے مراد آباد پر حملہ کیا۔ شیخ فرید الدین حاکم مراد آباد مارا گیا جس کی جگہ پر راجہ چتر بھوج کا تقرر عمل میں آیا، مگر ان ہی دنوں میں احمد شاہ ابدالی کے حملہ کی وجہ سے ایسی بد نظمی واقع ہوئی کہ نواب علی محمد خان سرہند سے، جہاں ان کو بحیثیت حاکم تعینات کیا گیا تھا بعجلت تمام مراد آباد آ گئے۔ راجہ چتر بھوج کو بآسانی نکال باہر کیا اور اس تمام حصہ ملک پر اپنا

(بقیہ صفحہ ۴۹)

علی محمد خان روہیلہ در اصل قوم جاٹ بود، چوں صاحب شعور و رشید و طالع مند بود، شخصے روہیلہ (داؤد خان) وے را متبنٰی نمودہ بود، کار ہائے عمدہ از دست او سر براہ شدند و رفتہ رفتہ بہ انواع سعی و تلاش و جنگ و جدل و بخشش خدائے عزوجل متمول و مرفع الحال شدہ الخ (بیان واقع قلمی)

مگر نواب کلب علی خان کے وقت سے جو نواب علی محمد خان کی چھٹی پشت میں تھے ان کا نسب سید فاطمی بتایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

تسلط پھر جمالیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد ۱۶ ستمبر ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء میں نواب علی محمد خاں کا انتقال ہوگیا۔ ابتداً حکومت ایک کونسل کے ہاتھ میں رہی جس کے صدر حافظ رحمت خاں تھے لیکن سعد اللہ اور اللہ یار پسران نواب علی محمد خاں کی واپسی پر جو دہلی میں نظر بند تھے ضلع مرادآباد کا علاقہ اللہ یار کے نامزد ہوا مگر اصلی اقتدار اور حکومت نواب دوندے خاں سپہ سالار افواج کو حاصل رہی۔ اسی سال اللہ یار خاں کا انتقال ہوگیا۔ ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۵ء سے نواب دوندے خاں ہی مالک و مختار رہا۔ ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء میں نواب دوندی خاں کا بھی انتقال ہوگیا۔ اسی زمانہ میں شاہ عالم[1] بادشاہ دہلی کا الہ آباد سے جاتے ہوئے امروہہ سے گذر ہوا۔

---

[1] شاہ عالم بادشاہ کا اصلی نام عالی گوہر تھا۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے فرزند تھے۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء کو عظیم آباد میں، جہاں باپ کی وفات کے وقت موجود تھے، تخت نشین ہوئے۔ انکے والد عالمگیر ثانی عماد الملک وزیر کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ ان سے باپ کی یہ بے بسی کی زندگی دیکھی نہ گئی۔ کسی بہانہ سے دہلی سے نکل کر ہوئے اور نواب محمد قلی صوبہ دار الہ آباد کی مدد سے فوج فراہم کرکے راجہ رام نرائن ناظم بنگالہ پر چڑھائی کی۔ سہ صد تک صوبہ بہار میں قیام رہا۔ شجاع الدولہ نے ان کے نام انگریزوں سے جنگ کی۔ بکسر کے مقام پر لڑائی ہوئی مگر نتیجہ خلاف نکلا۔ شجاع الدولہ تو بھاگ کر روہیلکنڈ چلے آئے مگر انگریزوں نے بادشاہ سے تینوں صوبوں کی دیوانی کی سند حاصل کرلی جسکے معاوضہ میں چھبیس لاکھ روپیہ نقد اور صوبہ الہ آباد و چکلہ کوڑہ بادشاہ کے حوالہ کیا۔ شاہ عالم سات برس تک الہ آباد میں مقیم رہے۔ ۱۱۸۵ھ میں دہلی گئے، وہاں پہونچکر مرہٹوں کی مدد سے نواب ضابطہ خاں ولد نجیب الدولہ پر فوج کشی کی، مرہٹوں نے اسکا سارا ملک دبالیا، ضابطہ خاں بھاگ کر شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا، پھر تکوجی راؤ ہلکر کی سفارش سے دربار شاہی میں پہنچا۔ غلام قادر خاں جو ضابطہ خاں کا بیٹا تھا بادشاہ سے دلی عناد رکھتا تھا۔ اس ظالم نے ۱۲۰۲ھ میں بادشاہ کو تخت سے کھینچ کر نیچے ڈالدیا اور پیش قبض سے دونوں آنکھیں نکال لیں۔ اور بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا لیکن مہاراجہ سندھیہ نے اپنی فوج بھیجی۔ غلام قادر کو شکست ہوئی، وہ بڑے عذاب دے دیکر مارا گیا اور شاہ عالم، جو نور بصارت سے محروم ہو چکے تھے، دوبارہ تخت پر بیٹھے۔ شاہ عالم فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے۔ اس واقعہ کو ایک قطعہ میں نظم کیا ہے جو بہت درد انگیز ہے۔ یہاں چند شعر لکھتا ہوں:-

کوئی تاریخی شہادت تو اس کی موجود نہیں تاہم یہ روایت مشہور ہے کہ سادات امروہہ کی کسی بے عنوانی سے اہل امروہہ مورد عتاب ہوئے۔ نواب آصف الدولہ کو حکم ہوا کہ ایک رقم کثیر جاگیرداران امروہہ سے تادیباً وصول کریں۔ نواب دوندے خان کے انتقال کے بعد سے روہیلوں کی طاقت کو زوال شروع ہوا۔ اسکے مختلف اسباب تھے، اولاً دوندے خان کے پسران محب اللہ اور فتح اللہ میں حکومت کی اہلیت ہی نہ تھی، دوسرے مرہٹوں نے اسی زمانہ میں ملک پر فوج کشی کی۔ ۱۵ رجون ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۲ء) کے معاہدہ کی رو سے نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک اودھ نے مرہٹوں کو ملک بدر کرنے کا اس شرط سے وعدہ کیا تھا کہ تین سال کے عرصہ میں چالیس لاکھ روپیہ روہیلہ سردار انکو ادا کریں۔ نواب شجاع الدولہ نے تو اپنا وعدہ پورا کیا مگر حافظ رحمت خان نے ادائگی رقم سے گریز کیا۔ تو نوبت بہ جنگ پہنچی۔ روہیلوں کو شکست نصیب ہوئی اور ۷ راکتوبر ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) کے عہد نامہ کی رو سے نواب فیض اللہ خان پسر نواب دوندے خان کو رامپور کی جاگیر دی گئی اور بقیہ ملک روہیلکھنڈ نواب وزیر الممالک اودھ کے علاقہ میں شامل ہو گیا۔

مرہٹہ گردی اور امروہہ کی حفاظت کا انتظام

مرہٹہ گردی میں بدنظمی اور ابتری کی وجہ سے امروہہ پر جاٹوں کے حملے ہوتے تھے، باشندگان شہر کو خود ہی اپنی حفاظت کا آپ انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اس زمانہ کی حالت کا تھوڑا بہت اندازہ ذیل کی تحریر سے ہو سکتا ہے جو نواب بہروز خان بہادر کی جانب سے میر یادگار علی و میر قرب علی و میر قنبر علی خان

(بقیہ صفحہ ۵۱)

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما — داد بر باد سر و برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم — برد در شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از دست فلک تیرہ شد — تا نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد — کیست جز ذات خدا آنکہ کند یاری ما

۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

میر یٰسین علی ساکنان امروہہ (محلّہ دربار کلاں) کو بتاریخ بست و پنجم شہر ذی قعدہ سنہ ۱۳ جلوس شاہ عالم بھیجی گئی تھی۔

الٰہی

"سیادت و نجابت پناہان میر یادگار علی و میر قنبر علی خان و میر یٰسین علی ہموارہ در حفظ باشند

خط مرسلہ رسید حقیقت مندرجہ بوضوح انجامید۔ بموجب نوشتہ آں سیادت و نجابت پناہان

بست و پنج[1] سوار مرہٹہ ہائے ملازم تپل ہمراہ غلام نقی پسر محمد باقر خان فرستادہ شد باید کہ محافظت

قصبہ امروہہ بوجہ احسن نمایند و حفاظت سواران مذکور نیز ذمہ خود شناسند و قدر پیشکش

سرکار والا قرار واقعی نمودہ اطلاع دہند و چہار دہ توپخانہ کہ در انجا موجود اند باحتیاط تمام نگاہ دارند

نشود کہ ازاں جملہ یک ضرب بیجا گردد درین باب تاکید فزید دانند دیگر کیفیت زبانی غلام علی نقی مذکور

معلوم خواہد شد زیادہ چہ نگارش رود۔ فقط"

نوابانِ اودھ کی حکومت

سنہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء لغایت سنہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء اٹھائیس برس تک روہیلکھنڈ پر نوابان اودھ کی حکومت رہی۔ بریلی، بدایوں اور مرادآباد تین ضلعوں پر ملک کی تقسیم کی گئی۔ مرادآباد میں اوّلاً اصالت خان حاکم مقرر ہوا اور اس کے بعد چودھری مہتاب سنگھ سنبھلی کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔ نوابان اودھ کے زمانہ حکومت میں مالگذاری اور نذرانہ وصول کرنے کے لئے رعایا پر بہت کچھ جبر و تشدد کیا گیا۔ سنہ ۱۱۹۳ھ میں امروہہ کے عامل نے، جو من جانب نواب وزیر الممالک یہاں متعین تھا، اتنی سختی برتی اور خلاف معمول قدیم چند ایسے جدید مطالبات قائم کئے کہ امروہہ کے معافیداروں کی کثیر تعداد نے ایک جلسہ میں مجتمع ہوکر باہم عہد و پیمان کئے کہ نذرانہ مقررہ قدیم کے سوائے جدید مطالبات ہرگز ادا نہیں کریں گے اور اس معاملہ میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہ کر متفقہ قوّت سے کام کریں گے۔ چنانچہ

---

[1] غالباً یہ تعداد (۲۵۰) سواروں کی تھی۔

اس مضمون کی ایک دستاویز ۸ ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۳ھ کو مرتب کی گئی۔ نھتے خانی کے حادثہ کا ایک سبب بعض معافیداروں کا یہ طرز عمل بھی تھا۔

نھتے خانی کا حادثہ

سنہ ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء میں ایک حادثہ امروہہ میں نھتے خانی کا پیش آیا۔ نھتو خان منجانب وزیر الممالک آصف الدولہ حاکم سنبھل تھے۔ حیات خان بن روشن خان، جو نھتے خان کے خسر تھے امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ ان کے پاس املاک و جاگیر معافی کے بہت سے مواضعات تھے۔ حیات خان والا باغ، جو شہر سے متصل ہے اور جس میں ایک خوبصورت مسجد بھی بنی ہوئی ہے، ان ہی سے منسوب ہے۔ محلہ گذری کے بعض سیدوں سے کسی معاملہ پر ان سے ان بن ہو گئی، معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ نھتے خان اپنے خسر کی حمایت میں اپنی فوج لیکر مخالفوں کے مقابلہ کو چڑھ آئے۔ میر اسد اللہ خان سے مخالفت تھی ان ہی کے مکانات کو حملہ آوروں نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ متعدد لوگ مارے گئے۔ سید گلزار علی بن سید وزیر علی (از اولاد سید مبارک) جو بہ رسالہ بخشی الممالک مظہر علی خان پانصدی ذات پچاس سوار کے منصب دار تھے، اسی نھتے خانی میں قتل ہوئے۔ "تباہی سادات شدہ" اس حادثہ کی تاریخ ہے۔

انگریزوں کا تسلط

سنہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء میں نواب وزیر الممالک نے بعوض اخراجات فوج انگریزی روہیلکھنڈ کا وسیع علاقہ بشمول ضلع مراد آباد ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کر دیا، مراد آباد ضلع کا صدر مقام قرار دیا گیا، اور مسٹر ڈبلیو لیسٹر Mr. W. Leycester پہلے کلکٹر مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ مرہٹہ گردی کا تھا، مرہٹوں کے متواتر حملے اس علاقہ میں ہوتے تھے۔ سنہ ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۵ء میں مہاراجہ ہولکر نے اپنے ایک سردار کو یہاں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے متعین کیا، قرعۂ فال امیر خان کے نام آیا، جو بعد کو نواب ٹونک ہوئے۔ نواب امیر خان کا وطن سرائے ترین سنبھل تھا۔ نسباً سلارزئی پٹھان تھے۔ ان کے باپ محمد حیات خان کچھ عرصہ دوندی خان کے یہاں ملازم رہے۔ دادا کا نام طالع خان تھا وہ نواب علی محمد خان کی فوج میں ملازم رہے۔ امیر خان کے ساتھ پنڈارہ قوم کے سواروں کا بڑا دستہ تھا۔ جن کی تعداد دس ہزار بیان کی گئی ہے۔[1]

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراد آباد مطبوعہ سنہ ۱۹۱۱ء۔

یہ لوگ نہایت سرعت کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتے اور لوٹ مار سے آفت برپا کرتے تھے۔ جنرل اسمتھ GENERAL SMITH کیپٹن سکنر CAPTAIN SKINNER اور کیپٹن مرے CAPTAIN MURRAY بھی اپنی فوج کے ساتھ ہر جگہ ان کے تعاقب میں لگے رہتے۔ امیر خاں ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۵ء میں امروہہ پہنچے یہاں امروہہ کے قریب موضع ابراہیم پور میں انکا مقابلہ کیپٹن مرے کے سپاہیوں سے ہوا، دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ شام کو کرنل برن COLONEL BURN نے پنڈارہ سردار کو شکست دیکر چاندپور کی طرف بھگادیا۔

۱۲۱۹ھ ۱۸۰۵ء لغایت ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۷ء تک کوئی خاص واقعہ امروہہ میں پیش نہیں آیا بعض اوقات ڈاکہ زنی کی وارداتیں البتہ ہوتی رہیں۔ جاٹ، اہیر اور میواتی ڈاکوں کے گروہ اس زمانہ میں ضلع کے ہر چہار طرف لوٹ مار کرتے رہتے تھے جن کی سرکوبی کے لئے اس زمانہ کے کلکٹر مسٹر اوس والڈ MR. OSWALD اور مسٹر سیٹن MR. SETON نے موثر تدابیر اختیار کی تھیں۔

امروہہ میں انگریزی فوج کی چھاؤنی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط کے ابتدائی دور میں انگریزی فوج کی چھاؤنی بھی امروہہ میں قائم کی گئی تھی کچھ عرصہ تک شہر کے قریب فوج کا پڑاؤ رہا، چند عارضی بنگلے اور عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں لیکن بعد میں فوجی افسروں کی رائے تبدیل ہوگئی اور یہاں کی فوج میرٹھ بھیج دی گئی۔ محمد سعید حسن خاں (دانشمند) سے صاحبان عالی شان چھاؤنی" کے مراسم اتحاد تھے۔ مسٹر اڈورڈ رونلی براڈفورڈ جو فیض آباد میں اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ میر صاحب موصوف سے مراسم دوستی تھے، وہ اپنی چٹھی مرقومہ ۱۲۲۵ھ میں اس چھاؤنی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ تحریر اس لحاظ سے بھی کہ اس زمانہ کے بعض انگریز بھی اردو کی مقفّیٰ و مسجع عبارت پسند کرتے تھے دلچسپ ہے اسلئے ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

عالی مرتبت معالی منزلت رفیع الشان منیع المکان سلمہ الرحمان

" اس وقت میں کہ شاہد مدعا در بر و حق مارب در ساغر ہے و مشوق حصول مطالب دلی "

" بحمد للہ کہ بتقاضائے عنایت لم یزلی آراستہ پیراستہ تھا کہ گلدستہ بند گلہائے اتحاد و چمن آرائے چمنستان وداد یعنی محبت شمامہ شامہ کش کا کل وصول ہو کر تبسیم نسیم آس کی از راہ نیاز منزل کا تبسم ہوا و ایما ہے کہ بے بستکشاف تحقیقات راقم کی تھا حال یہ ہے راقم بہ عہدہ اسسٹنٹ کمشنر ضلع فیض آباد سرکار دولت مدار سے مقرر و مامور ہو کر مقیم فیض آباد خاص ہوں۔ امتحان سے فراغ ہوا۔ ترقی کا ذریعہ ہوا و حسب التحریر جو رقیمہ بلا مہر ہو گا اُس پر لحاظ نہ ہو گا و لازم اتحاد کا یہ ہے کہ ہمیشہ ابواب رسل رسائل کے مفتوح رکھئے کہ ہر آئینہ موجب استحکام مبادی اتحاد کا متصور ہے و حال خیریت اشتمال صاحبزادگان محمد حسین خان و صاحبان عالی شان چھاؤنی سے مطلع کرتے رہئے۔ فقط۔

مکرر آنکہ امید بلیغ ایں جانب رامی شود کہ آں دوست صمیم بہر نوع در حالت بہبودی و خوش مزاجی است۔ برادرم از مراد آباد کوچ کردہ است بطرف بمبوکہ دساعاطہ مبنی (رہتی) می ماند۔

غدر ۱۸۵۷ء کے حالات

میرٹھ میں فوج کے باغی ہو جانے کی خبریں سب سے اوّل ۱۲ ارمئی ۱۸۵۷ء کو امروہہ اور مراد آباد پہنچیں۔ اس زمانہ میں مسٹر سی۔ بی۔ سانڈرس[1] مجسٹریٹ مراد آباد، مسٹر جے۔ جے کمبل[2] جائنٹ مجسٹریٹ اور مسٹر جے کراکرافٹ ولسن[3] جج تھے۔

آخر الذکر چونکہ اس ضلع میں ستر برس سے تعینات تھے وہ ضلع اور باشندگان ضلع کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اسلئے جب صورت حال زیادہ تشویشناک ہو گئی تو تمام ضلع کا انتظام ان ہی کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ۱۵ ارمئی کو جب یہ اطلاع ملی کہ گوجروں نے میرٹھ کا راستہ روک رکھا ہے تو یہ تجویز ہوئی کہ مسٹر سانڈرس کے ساتھ کچھ جمعیت گوجروں کی سرکوبی کے لئے بھیجی جائے امروہہ کے کوتوال سید افضل علی بھی مسٹر سانڈرس کی ہمراہی

ل Mr. C.B. Saunders. ك Mr. J.J Campbell.

ك Mr. J. Cracroft Wilson.

میں متعین ہوئے ۔ امروہہ کے انتظام کے لئے یہاں کے رؤسا اور بااثر اشخاص کو مسٹر ساؤنڈرس نے خطوط لکھے ۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے خط موسومہ سید محمد حسن خان (دانشمند) کی نقل درج کی جاتی ہے :-

خان صاحب بسیار مہربان سید محمد حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام و شوق ملاقات واضح باد حسب روبکار امروزہ آپ کو لکھا جاتا ہے کہ سید افضل علی کوتوال امروہہ ہمارے ساتھ (ساتھ) میرٹھ کو جاوے گا ۔ اور مدد علی باپ اسکا بطور منصرم امروہہ میں رہے گا آپ کو مناسب ہے کہ کومک (کمک) اور مدد ہر طرح سے مدد علی کی کرتے رہو ۔ مین مہربانی ہوگی فقط ۔ تاریخ ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء ۔

اور واضح ہو کہ تم شریک مشورہ ہر امر کے مدد علی کے رہو اور مدد علی کو بھی لکھا گیا کہ باتفاق اور مشورہ تمہارے کے انجام کار کرے ۔ فقط تحریر صدر سنہ صدر ۔

Char B. Saunders,

Magistrate.

۱۸ مئی ۱۸۵۷ء

امروہہ میں میرٹھ اور دہلی کے غدر کی خبریں پہنچنے کے پانچ چھ دن بعد غالباً ۱۸ مئی کو خاندان دیوان سید محمود (دربار کلاں) اور خاندان درویش علی خان (قوم کلاں) کے سربرآوردہ افراد نے سب سے پہلی مجلس مشاورت درگاہ شاہ شرف الدین شاہ ولایتؒ میں منعقد کی ۔ اس میں شہر کے مختلف خاندانوں کے عمائد و اکابر کو طلب کیا گیا تھا ۔ تقریباً تیس ۳۰ اشخاص احاطہ درگاہ کے اندر اس مجلس میں شریک ہوئے ، بیرون درگاہ رؤسا و اکابر شہر کے ملازمین اور عوام کا ہجوم تھا ۔ جلسے کے بانیوں میں سید محمد حسین خان ، سید یوسف علی خان ، مولوی سید تراب علی ، سید محمد باقر ، سید محمد عرف محمد چمک ، سید مبارک ، سید محمد زمان سید ذوالفقار علی ، سید فرحت علی ، سید شرف علی ، سید تحسین علی ، سید علی محمد ، سید

سلطان علی، سید محمد اسمٰعیل، سید بنیاد علی عرف عقرب، سید بشارت حسین، سید بشیر علی خان، سید غلام سجاد وغیرہ (پسرگان دیوان سید محمود) سید آباد علی و سید سجاد علی (ساکنان محلہ بگلہ)، سید رمضان علی دکشو غلام علی والے) اور خاندان درویش علی خان میں ولایت علی خان مولوی بشارت علی خان، میر آباد علی خان وغیرہ اور مجاپوتوں میں سے سید محمد حسین اور چبوترہ والوں میں سے سید نذیر حسین و امیر حسین وغیرہ موجود تھے۔ دیگر عمائد و اکابر شہر میں سے سید علی مظفر خان دگھڑیال والے)، میر بنیاد علی دپیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی اور سید محمد حسن خان (دانشمند) بھی شرکت کے لئے بلائے گئے تھے۔ بانیان جلسہ کی غرض یہ تھی کہ اگر ایسا غدر ضلع مراد آباد میں بھی ہو گیا جیسا کہ دہلی اور میرٹھ میں ہوا ہے تو ہم انگریزی عملداری کو امروہہ میں درہم برہم کر دینگے اور اپنی حکومت قایم کرلیں گے۔ خاندان دیوان سید محمود اور خاندان درویش علی خان کے افراد تعداد اور رسوخ کے اعتبار سے اس زمانہ میں امروہہ کے دوسرے خاندانوں کی نسبت شان امتیاز رکھتے اور اپنے کو موروثی منصبدار سمجھتے تھے اور اسلئے شہر کی حکومت اور انتظام کے دعویدار تھے۔ سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) سید محمد حسن خان (دانشمند) اور شہر کے دیگر اکابر نے انکی اس تجویز سے اختلاف کیا لیکن بانیان جلسہ نے آپس میں مشورہ پختہ کرلیا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

امروہہ میں یہ حالات پیش تھے ادھر مسٹر سانڈرس میرٹھ جانے کے قصد سے ۱۸ مئی کو مراد آباد سے روانہ ہو کر رجب پور پہنچے تھے کہ ۱۹ مئی کو باغیوں نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ کے قیدیوں کو آزاد کر دیا، اور فوج باغی ہو گئی۔ رجب پور کے مقام پر اس واقعہ کی اطلاع پاتے ہی انہوں نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور سید افضل علی تھانہ دار امروہہ و سید محمد حسن خان (دانشمند) کے ساتھ جو امروہہ سے رجب پور بھیجے گئے تھے، مسٹر سانڈرس مراد آباد واپس آگئے ۱۹ مئی کو جب جیل خانہ توڑ کر قیدی آزاد ہو گئے۔ سید گلزار علی بن سید اکبر علی (ساکن دربار کلاں)، جو مراد آباد میں مختاری کرتے تھے، قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ راتوں رات

مرادآباد سے امروہہ آپہنچے۔ یہاں پہلے ہی سے لوگ آمادۂ فساد تھے۔ درگاہ شاہ ولایتؒ کی مجلس مشورہ کے بعد سید رمضان علی (کٹہرہ والے) کے مکان پر پنچایت ہوئی، پھر سید گلزار علی کے امروہہ پہنچنے پر محلہ دربار کلاں میں شیخ رمضان علی کے مکان پر تمام رات بڑے شور و غل کے ساتھ پنچایت ہوتی رہی۔ اس پنچایت میں سید ظہور حسن و سید محبوب الدین (دوست علی والے) اور چند اور لوگ بھی شریک ہوئے۔ تمام بحث دریہ ہو جانے پر ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کو علی الصباح تھانہ پر حملہ کیا گیا جس میں کئی ہزار اشخاص شریک بیان کئے جاتے ہیں۔ باغیوں نے میر مدد علی تھانہ دار اور شہامت خان جمعدار کو قتل کرکے تھانے کے مکان کو جلا دیا، وہاں سے فارغ ہو کر باغی تحصیل پر چڑھ دوڑے، سترہ ہزار روپیہ خزانہ تحصیل کا لوٹ لیا اور تمام دفتر کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ منصف سعد اللہ خان کو مع دفتر کے سید علی مظفر خان اپنے مکان پر لے آئے تھے اسلئے وہ محفوظ رہے۔

یہ واقعات جب امروہہ میں رونما ہو رہے تھے مسٹر سانڈرس نے اُسی دن صبح کے وقت سید محمد حسن خان (دانشمند) کو امروہہ کے انتظام کے لئے مقرر کیا اور پروانہ دیکر مرادآباد سے امروہہ بھیجا، وہ قریب ایک بجے دن کے جب امروہہ پہنچے یہاں تھانہ و تحصیل لٹ چکی تھی۔ باغیوں نے اپنا تسلط اور انتظام قایم کر لیا تھا۔ ان حالات کی اطلاع جب حکام ضلع کو ہوئی مسٹر سانڈرس نے ناظر گور سہائے ولد ہرپت سنگھ کو، جو قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے، یہ کہکر امروہہ بھیجا کہ امروہہ کا جانا کوئی قبول نہیں کرتا تم امروہہ جاکر انتظام درست کرو۔ چنانچہ ناظر مذکور ۲۴ مئی کو امروہہ آئے۔ سید علی مظفر خان، میر بنیاد علی (پیرزادہ) اور شہر کے اور امن پسند لوگ شہر سے باہر جاکر انکو اپنے ساتھ لائے۔ انکے ہم قوم جاٹوں کی کثیر تعداد بھی انکے ساتھ جمع ہو گئی۔ دوسرے دن ۲۵ مئی کو مسٹر ولسن بھی تلنگوں کی ایک جماعت کے ساتھ امروہہ آئے۔ سید گلزار علی اور ان کے ساتھی مسٹر ولسن کی آمد کی خبر سنکر امروہہ سے چلے گئے۔ مسٹر ولسن نے مفسدہ

پردازوں کی تنبیہ اور حکومت کے رعب و اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے سید گلزار علی وغیرہ باغیوں کے مکانات منہدم و مسمار کرا دئے۔ ۲۶ ر مئی کو مسٹر کیسن مرادآباد واپس آ گئے گو ناظر گورسہائے، جنکو بصلۂ خدمات ایام غدر بعد میں راجہ کا خطاب اور گیارہ گاؤں انعام میں دیئے گئے، امروہہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ لیکن وہ صرف دس دن امروہہ رہے تھے کہ مسٹر جے۔ کیمبل جائنٹ مجسٹریٹ نے حسن پور کے مقام پر دو سو آدمیوں کے ساتھ انہیں طلب کیا۔ وہاں سے ساتویں دن یعنی ۱ ر جون کو جب یہ امروہہ واپس آئے حالات بہت کچھ تبدیل ہو چکے تھے۔ مرادآباد سے انگریز حکام میرٹھ و نینی تال جا چکے تھے اور انگریزی عملداری ضلع میں باقی نہیں رہی تھی۔ باغی ناظر گورسہائے کے مار ڈالنے کی فکر میں تھے کہ یہ اسی دن امروہہ سے مرادآباد چلے گئے۔ اور وہاں سے اپنے ہم قوم جاٹوں کی امداد سے گجرولہ گئے جہاں ساکنان امروہہ میں سے پیر محمد علی جان وغیرہ تا اختتام غدر ان کے ساتھ رہے۔ مرادآباد میں نواب مجو خان نبیرۂ شیخ عظمت اللہ سابق صوبہ دار مرادآباد نے شہر پر اپنا قبضہ و تسلط قائم کر لیا تھا لیکن نواب رامپور کے عم بزرگوار نواب عبدالعلی خان کی آمد پر انہیں علیحدہ ہونا پڑا۔

امروہہ پر جاٹوں کا حملہ

مرادآباد میں جب یہ واقعات رونما ہو رہے تھے اسی زمانہ میں امروہہ پر جاٹوں کا حملہ ہوا جس کے چشم دید حالات صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھے ہیں :-

"صاحب سنگھ ساکن موضع لکھوری نے دیپا سرائے سلطق کو لوٹ کر ہمراہی لہنا جاٹ ساکن موضع جوئی گھیڑہ دکھن کی طرف سے امروہہ پر چڑھائی شروع کی۔ پہلے حملہ میں جو تھوڑے عوام الناس یہاں کے مقابل ہوئے تو جاٹوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ناواقف آدمی جنگ نا دیدہ موذہ سبردل کشیدہ تعاقب کئے چلے گئے جب شہر سے دور ہو گئے تو موضع پپسرہ میں گنواروں نے گھیر لیا۔ سترہ آدمی جان سے

مارے گئے باقی بھاگ آئے۔ پھر جاٹوں نے دو روز کے بعد دوسرا حملہ کیا اور جو کہ پہلے حملہ میں وہ روباہ طینت چند آدمیوں کو مار کے اور بھی شیر ہو گئے تھے لہذا باشندگان شہر کو کہلا بھیجا پیغام دیا کہ مہاجنوں کو ہمارے حوالہ کردو یا دس ہزار روپیہ دو ورنہ ہم اس شہر کو لوٹ لینگے۔ اُس حالت غدر میں روپیہ کہاں تھا بجز اس کے کہ مہاجنوں کا اور ہمارا ایک حال ہے اور کچھ جواب نہ بن پڑا آخر کار مقابلہ کی نوبت پہنچی، اور جاٹ ہٹ گئے۔ شہر والے دھوکا پا چکے تھے، آگے نہ بڑھے، اس سے دوسرے روز بے شمار جاٹوں نے متفق ہو کر پھر حملہ کیا اور ٹڈی کے بادل کی طرح اُمنڈ آئے۔ تب تو اعلیٰ اور ادنیٰ شہر کے لاچار ہو کر اور بمؤائے در رگ اندوہ جستن مالی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر سب کے سب مقابل ہوئے۔ شہر میں شمار یہ آدمی رہے اور سب طرف شہر کی حفاظت کو اچھے اچھے مدبّر اور کارروان آدمی مقرر ہوئے کس واسطے کہ تمام صحرا گنواروں سے بھرا ہوا تھا اور اس روز کسی طرح اُن پر غالب ہونے کا گمان نہ تھا لیکن من جانب اللہ تائید غیبی اور امداد لاریبی ایسی شامل حال ہوئی کہ شہر والوں کے باہر نکلتے ہی جو جاٹوں نے حملہ کیا اور بندوقیں فیرکیں تو گولیاں باد ہوائی گئیں اور شہر والے تلواریں کھینچ کھینچ کر دوڑ پڑے...... جب بدخواہوں نے یہ حال دیکھا تو ناچار فرار کو قرار پر اختیار کیا..... بعد اس کے پھر کبھی جاٹوں کو امروہہ پر حوصلہ چڑھائی کا نہ ہوا۔" [1]

اسلامی سلطنت دوبارہ قایم کرنے کا خیال

تمام ضلع اور بالخصوص امروہہ میں غدر اور بلوہ کی شدت چار پانچ ماہ تک جاری رہی، ڈسٹرکٹ گزیٹر میں [2] بیان کیا گیا ہے کہ :-

"مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برٹش گورنمنٹ سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور صریح طریق پر ظاہر کیا، روہیلکھنڈ کے اضلاع کی طرح مرادآباد کے ضلع میں

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۰۱ ۔ [2] صفحہ ۱۲۲ ڈسٹرکٹ گزیٹر۔

بھی تعصب مذہبی اور انگریزوں کی ہر بات سے انتہائی تنفّر کے جذبات نے مسلمانوں کو عام بغاوت پر مشتعل کیا تھا "

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر کی اس رائے سے خواہ کیسا ہی اختلاف کیا جائے لیکن کاغذات دیرینہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء سے لیکر آخری ہفتہ ستمبر ۱۸۵۷ء تک ان چار مہینوں میں امروہہ کے بعض مسلمان روساء اور سربرآوردہ لوگوں کے دل و دماغ پر حکومت اسلامی کے از سر نو قایم کرنے اور حصول منفعت ذاتی کا ذریعہ پیدا کرنے کے خیالات کا ہجوم اور تسلّط ضرور رہا چنانچہ بعض موقع شناس اور سربرآوردہ مسلمانوں نے شاہ معزول دہلی کی خدمت میں عرضداشتیں ارسال کیں جن میں اظہار عقیدت و جانثاری کے علاوہ انگریزی سلطنت کے مٹانے اور اسلامی سلطنت از سر نو قایم ہونے کی آرزو ظاہر کر کے قصبہ امروہہ بلکہ ملک کٹھیر (روہیلکھنڈ) کا اہتمام و انتظام سپرد کئے جانے کی استدعا کی گئی تھی۔

اہل امروہہ کی شاہِ معزول کو عرضداشتیں

فتح دہلی کے بعد جب شاہی دفتر کے کاغذات کی جانچ پڑتال کی گئی تو اہل امروہہ کی یہ عرضیاں بھی برآمد ہوئیں انکے فرستندگان کے نام وغیرہ دیرینہ کاغذات میں اس طرح ثبت ہیں :-

(۱) عرضی ذرّہ بے مقدار خاکسار نمک خوار کمترین بندگان محمد شیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان از سادات امروہہ معروضہ دوم ماہ ذالحجہ الحرام سنہ ۱۲۷۳ھ

(۲) عرضی فدویان شیخ بشارت علی خان و شیخ مہربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ اعتماد الدین خان و شیخ عباس علی خان و شیخ عشمت علی خان و شیخ احسن علی خان و شیخ نصیر الدین خان و شیخ منصب علی خان نبیرگان درویش علی خان پنجہزاری خانہ زاد موروثی شیخان قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد سرکار سنبھل معروضہ ۱۱ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ

(۳) عرضی مہری ولیداد خان معروضہ ۱۷؍ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ۔

(۴) عرضی فدویان سید گلزار علی و سید نثار علی و سید محمد حسین و سید محمد و سید فضل حسن و شیخ الٰہی بخش وغیرہم ساکنان امروہہ ۔ ۶؍ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ

(۵) عرضی کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سبحان علی متوطن معافی دار امروہہ معروضہ ۱۵؍ ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۳ھ۔

(۶) عرضی بشارت علی خان نبیرہ درویش علی خان معروضہ ۹؍ ذالحجہ سنہ ۲۱ جلوس دربارہ یاددہانی عرضی مرسلہ بتاریخ ۱۹؍ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ۔

ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان میں سے بعض عرضداشتوں کی نقول بتمام و کمال ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

عرضداشتوں کی نقول

نقل عرضداشت سید شبیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان ساکن محلہ دریا کلاں موسومہ شاہنشاہ دہلی

بعد عرض

بندگان قدس آشیان ملائک پاسبان بارگاہ فلک اشتباہ ظل الٰہی خلافت پناہ دام اقبالہم بسجدہ عبودیت می رساند

عرضداشت ذرہ بے مقدار جان نثار نمک خوار کمترین بندگان محمد شبیر علی خان

کہ ہموارہ در تمنائے استماع مژدہ فتح و ظفر رایات نصرت آیات بندگان سکندر شان دوام دوران بودہ مترصد بشارت فتوحات تازہ و تفرجات بے اندازہ می ماند قبل ازیں بعہد عدالت مہد سلطنت شاہی آباء و اجداد ایں جان نثار بمرحمت مناصب جلیلہ و عطاہائے نبیلہ از قبیل خطاب و منصب و جاگیرات معزز و سرفراز بودہ مورد اصناف مراحم شاہانہ و گوناگون عطیات و عنایات خسروانہ ماندہ اند چنانچہ ببرکت ہماں عنایت و امداد شاہی ذریعہ اوقات گذاری و وسیلہ سپاسداری است و ہموارہ بہ استدعائے اعلائے رایات ظفر آیات و ارتقائے اعلام نصرت انجام موظف و شاغل ۔ دریں آوان میمنت اقتران کہ مژدہ فتوحات دولت و اقبال از سحاب افضال حضرت ذوالجلال رسیدہ و بیاد مراد عنایت خالق العباد بہ جمیع اعانت و امداد و زین

ناصیهٔ فدویت بدرگاه معبودی سائیدم و سجدات شکرگذاری بمحراب ایزد باری بتقدیم
رسانیدم تمناست این جان نثاران بود که بدرگاه ملائک پناه ظل الٰهی حاضر شده و بتقریب
جان نثاری به ادائے سپاسداری کوشم مگر اینجا که بالفعل بسبب درهمی و برهمی بکثرت
کفره و ظلمه و اختلال احوال عامه رعایا و یورش و افساد و دافعین بدنهاد و تعدی و
تغلب قوم جاٹان بے بنیاد صورت بے سرانجامی اطراف و بے انتظامی این اکناف واقع
است از استحصال سعادت عتبه بوسی آستان ملائک پاسبان محرومی دارد مع هذا
هنوز بوجه شورش و یورش مفسدان امنیت طریق کما ینبغی صورت نه بسته اند که
ازین جانب دغدغه باقی ست چون الحال به اقبال خسروی و امداد شاهنشاهی هرگونه
امن و هر نوع رفاهیت و اطمینان زمرهٔ جان نثاران ظل الٰهی می دانم فروغ آفتاب
عالمتاب سلطنت جهانبانی بر سر بندگان و ایما پرتو افگن باد بالنون والصاد۔

عرضی

ذرهٔ بے مقدار خاکسار کمترین بندگان محمد شیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان سادات امروهه تحریر ربیع الاول سنه ۱۲۷۳ھ

(۲) نقل عرضداشت بندگان درویش علی خان پنجهزاری مرقومهٔ شانزدهم شوال سنه ۱۲۷۳ھ

هزار عرض بندگان حضور لامع النور حضرت ظل سبحانی خلیفة الرحمانی شاهنشاه گیتی پناه خلد الله ملکه و سلطنته می رساند

بعد تقدیم مراسم عبودیت و جان نثاری و تقدیم لوازم فدویت و انکساری که سرمایهٔ تفاخر سرمدی
است درین ایام فرخنده فرجام به استماع مژدهٔ جانبخش روح افزائے زیب بخشی افسر و دیهیم
خلافت الٰهی و زیب افزائے اورنگ شاهنشاهی این غلامان قدیمی و خانه زادان موروثی
بندگان درویش علی خان منصب دار پنجهزاری به اقبال والا جانبازی بکار برده و مبارزت و
دلیری کرده باستیصال بندوبست انگریزان از سرکار سنبهل و کل قصبات متعلقهٔ سرکار
موصوفه ساخته و از قصبهٔ امروهه خاص کوتوالش و دیگر متعلقان و خیرخواهان انگریزان
را به جهنم رسانیده و انهدام مکان تهانه و تحصیل گردانیده شیخ بشارت علی خان برادر کلان

خود را که از سبق متظلم اند معه پانصد کس ببازو دستبرد برائے انتظام آنجا گذاشته فدویان
بتاریخ بست و نهم ماه رمضان المبارک معه چهل تن برائے جان نثاری تحت حضور فیض گنجور
و قدم بوسی بندگان درگاه ملائک پناه که ملجائے جهان و ماوائے بندگان فدوی خانه زادیان
موروثی است از قصبه امروهه دوان دوان تا غازی آباد بنگر رسیده راه دهلی پیش
گرفتیم که عظیم الدوله سرفراز الملک نواب محمد علی داد خان بهادر بتاریخ دوم ماه شوال از
پل دریائے هنڈن وا پس کنانیده همراه خود بمقام مالاگڈه آوردند و بسیار الطاف فرمودند
اکنون ما فدویان در مقام مذکور المسطور حسب الارشاد نواب صاحب ممدوح مقیم هستیم
مستحق منصب موروثی لهذا امید که بتفضلات حضرت ظل سبحانی و سایه یزدانی
بمراحم شاهنشاهی و بمناصب موروثی سرفرازی یافته به انتظام ملک گیری مامور
شویم که انجام آن به اقبال بندگان والا بخوبی خواهد شد۔ الٰهی آفتاب جهانگیر و کشورستان
از مطلع جاه و جلال طالع باد بحرمت النون والصاد۔ فقط۔

عرضی

فدوی شیخ بشارت علی خان و فدویان شیخ مهربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ
امداد الدین خان و شیخ عباس علی خان و شیخ عزت علی خان و شیخ حسن علی خان و شیخ نصیر الدین خان و شیخ
منصب علی خان نبیرگان درویش علی خان چودهری خانه زاد موروثی ساکنان قصبه امروهه ضلع مرادآباد سرکار سنبهل
معروضه شانزدهم شوال سنه ۱۲۷۳ هجری۔

(۳) عرضداشت مولوی سبحان علی (پیرزاده) مرقومه ۲۵ ذیقعد سنه ۱۲۷۳ھ

بموقف عرض باریافتگان آستان فیض نشان خورشید تعظیم مریخ حشم حضرت قدر قدرت کیوان رفعت سلطان زمن دارائے ممالک جهان ظل سبحانی خلیفة الله تعالیٰ خلد الله ملکه
می رساند

پس از بجا آوری مراسم تسلیمات و کورنش و بعد ادائے فدویت که غلامان عقیدت کیشان را ذریعه بهبودی کونین است
الحمد لله علی افضاله که دعاهائے سحری و ادعیه التجائے نیم شبی دعاگویان موروثی و نمک خواران
ازلی بدرجه اجابت رسیده یعنی به یاوری اقبال عدو مال حضرت قضا جریان فرقه معاندین

بدنهاد جابجا مقتول و هلاک گردیده و نیر اقبال والا طالع گشت و تسلط غلامان دولت قاهره بر هر طرف ملک گردیده و می گردد چنانچه یمن اقبال والا ازیں ملک و ضلع هم اخراج فرقه نصاری و خلوه ملک از حاکمان حکمران گردید پس از چند سال با تمنائے دلی و آرزوئے قلبی غلامان عقیدت کیش و دعاگویان بر آمد که سایه حضرت ظل سبحانی بر مفارق خلق الله گو عقیدت سرایان بود مگر به عالم ظهور هم منبسط گردیده ؎

بحمد الله هر آں چیز که خاطر می خواست　　آخر آمد ز پس پرده تقدیر پدید

دل فدویت منزل بے اختیاری خواست که قدم از سر و چشم ساخته مشرف دربار فلک اقتدار دستفیض بارگاه عرش اشتباه گردد و مراتب جان نثاری و مراسم دولت خواهی بدل و جان ادا سازد الا چوں از چند ماه بیمار و صاحب فراش بود طاقت طے منازل و مراحل نداشت ازیں سبب مجبور مانده و حقوق نمک خواری و جان نثاری موروثی هست... ازانجا که خانه زاد و رسوخ موروثی و فدویت ذاتی بحضور بندگان عالی دارد مورد مراحم خسروانی بوده است مستحق تفضلات خسروانه..... متوقع که اصدار فرمان قضا جریان مشعر خوشنودی مزاج بارگاه فلک پناه بنام ایں عقیدت کیش گردد تا موجب مفاخرت گردد و مطابق (حکم آں) فوراً مشرف دربار والا ساخته حقیقت حال گذارش سازد۔

آفتاب ترقیات سلطنت و جهانبانی تابان و درخشاں باد

عرضی

نبیره حضرت سید محمود مالا مال کرمانی قدس سره العزیز کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سبحان علی[1] متوطن خطه امروهه

مورخه ۱۵ ذیقعده ۱۲۷۳ھ

---

[1] مولوی سبحان علی بن مولوی امداد علی جنہوں نے یہ یادداشت شاہ معزول دہلی کو ارسال کی تھی اپنے زمانہ میں خاندان پیرزادگان کے معتمد رکن اور امروہہ کے مشاہیر اکابر و عمائد میں سے تھے۔ یہ امر البتہ حیرت انگیز ہے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں شاہ معزول (دہلی) کو درخواست بھیجے اور انگریزی حکومت کے خلاف صاف اور صریح الفاظ

(۴۲) عرضداشت دیگر من جانب شیخ بشارت علی خان (قوم کلال)

باریابانِ درگاہِ ملائک پناہ خداوندِ خداوندگان سکندر شکوہ عالی پژوہ حضرت ظلِ سبحانی خلیفۃ الرحمانی شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ

بموقف عرض ـــــــ می رسانند

بعد بجا آوری مراسم عبودیت و انکساری و لوازم فدویت و جان سپاری کہ موجب افتخار

دارین است قبل ازیں بتاریخ شانزدہم ماہ شوال سنہ عرضداشت محتوی حال فدویت

(بقیہ صفحہ ٦٦)

میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے باوجود مولوی سبحان علی ۱۸۵۷ء کی دار و گیر سے نہ صرف قطعاً آزاد و محفوظ رہے بلکہ حکام انگریزی کے یہاں بھی غدر کے پر آشوب زمانہ کے بعد ہی انہوں نے کافی رسوخ اور وقعت بھی حاصل کرلی تھی۔ اگرچہ یہ بہت ممکن ہے کہ بعد میں ان کے سیاسی خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہو تاہم اس عرضداشت کا مضمون اور اس کا لب و لہجہ ایسا ہرگز نہ تھا کہ ان سے متعلق باز پرس نہ ہوتی۔ ان کی یہ عرضی بھی اہل امروہہ کی دوسری عرضیوں کی طرح شاہ معزول کے دفتر سے برآمد ہوئی تھی، دوسرے عرضی گذاروں پر تو جرم بغاوت میں سنگین مقدمات قائم ہوئے اور تحقیقات کے بعد سخت سزائیں بھی دی گئیں لیکن مولوی سبحان علی کلیتاً آزاد و محفوظ رہے۔ ظاہر ہے کہ اسکی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ بعض سن رسیدہ حضرات سے خاکسار مؤلف کو معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مولوی سبحان علی کے ہم نام ایک اور شخص سادات امروہہ میں محلہ دربار کلاں کے ساکن بھی تھے جو جرم بغاوت کی علت میں مفرور ہو گئے تھے۔ سرکاری کاغذات کی نقول میں "سید سبحان علی مفرور" کے الفاظ خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے ہیں۔ غالب قیاس یہی ہے کہ یہ عرضی بھی بجائے مولوی محمد سبحان علی پیرزادہ کے ان ہی "سید سبحان علی مفرور" کی جانب منسوب کی گئی اور چونکہ اس زمانہ تک پیرزادہ صاحبان کی سیادتِ نسبی اور فاطمیت کا اظہار بھی عام طور سے نہیں ہوا تھا، اس خاندان کے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ پیر لکھا جاتا تھا اور خود یہ حضرات بھی اپنے ناموں کے ساتھ یہی لفظ لکھا کرتے تھے۔ ناموں کے ساتھ سید کے لفظ کا استعمال اسوقت تک شروع نہیں ہوا تھا اور "نبیرۂ سید محمود ملا لال کرمانی" کے بجائے اہل شہر اور حکام اس خاندان کے افراد کو "نبیرگان حضرت شاہ ابن بدر چشتی" جانتے اور سمجھتے تھے۔ اسلئے حکام کو مولوی سبحان علی مرحوم سے سوء ظنی کی کوئی وجہ

شمال یعنی از تاریخ بست و پنج ماه رمضان المبارک سنه صدر گرم بودن مفسدان در کار
سرکار دولت مدار یعنی استیصال بندوبست انگریزان از سرکار سنبھل و قصبات متعلقه
آن و روانه نمودن به اعیان مهربان علی وغیره همه اعتماد الدین خان وغیره غلام زاده هم
و برادرزاده‌های غلام فیاض علی خان وغیره همه رفقای دیگر چهل تن بحضور معدلت منشور
واپس آوردن نواب عظیم الدوله معز الملک محمد ولی داد خان بهادر نصرت جنگ اوشان را
از پل دریای هندن متصل غازی الدین نگر بتاریخ دوم ماه شوال سنه صدر برفاقت خود به
مهام مالاگڑھ برای انصرام کار بندگان سرکار فیض آثار طلب عرضداشت نواب صاحب
موصوف ترسیل خدمت ایستادگان پایه تخت عرش منزلت نموده بود که چاپ آن فرمان
قضا جریان بنام نواب صاحب ممدوح نزول اجلال نموده مفتخر دارین ساخت اگرچه کمترین
بسبب بودن مهام امروهه بنابر اعانت زمینداران و ممانعت اجرای تحصیل غیر بنگالانیان
نصاری از شرف استسعاد دیدار فائض الانوار بس ممتاز نه گردید لیکن بعد تعیین داشتن
برادر عزیز ولایت علی خان را برای انجام کار معروضه بالا به امروهه حاضر گردیدن فدوی
بمهام مالاگڑھ حسب الطلب نواب صاحب بهادر به استماع حکم مندرجه اش از زبان فصیح
البیان نواب صاحب موصوف بدین منوال که ایشان یعنی فدوی برفاقت نواب صاحب
ممدوح حاضر بوده و انتظام صوبه ملک دوآبه پرداخته بعد انتظام آن مع جماعت حاضر آستان
عرش نشان گردد که به مراد دل بخدمت و مناصب موروثی سرفرازی خواهد یافت بنابر آن خانه
زاد موروثی به شرف استماع حکم جهان مطاع آفتاب شعاع انصرام کار سرکار فلک اقتدار

(بقیہ صفحہ ۶۷)
دہی تھی، ان کی نظروں میں نہ وہ بغاوت کے مجرم تھے اور نہ ان سے کوئی بازپرس کی گئی۔ الغرض ان کے نام کے ساتھ
اس طرح اس عرضی میں لفظ "مستعید" کے شمول کی برکت سے نہیں آفات زمانہ سے کلیتاً مصئون و مامون رکھا
رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

دریں فواح وجوار و احد دانستہ برفاقت نواب صاحب بہادر مع برادر و برادر زادہائے و غلام زادگان بکار سرکار فیض آثار عرضداشت نواب صاحب ممدوح منکشف رائے جہان آرائے خواہد بود آیندہ اندریں باب بحوی کہ حکم قضا شیم شرف نفاذ یابد حسب آن بعمل آرد و ہمی آفتاب دولت و اقبال از مطلع جاہ و جلال طالع بادبالنون والصاد۔

عرضی

کمترین خانہ زاد فدوی بشارت علی خان نبیرہ درویش علی خان مرقومہ ۱۹ سنہ الیہ ذی الحجہ

عرضداشتوں کے جواب میں شاہی رقعہ

ان عرضداشتوں میں سے سید شیر علی خان کی عرضداشت کے جواب میں شاہ معزول دہلی کی جانب سے ایک شقہ سید مذکور کو وصول ہوا۔ اسکی نقل، جو کاغذات دیرینہ کے بخشش میں دستیاب ہوگئی ذیل میں شایع کیجاتی ہے۔ ایام غدر میں نواب صاحب رام پور کی جانب سے امروہہ کا انتظام مندرجہ ذیل عہدہ داروں کے سپرد تھا:-

(۱) اولاً سید ظہور حسن[1] عارضی طور پر پھر صاحبزادہ اصغر علی خان مستقلاً (ناظم)۔

(۲) مولوی محب علی خان عباسی (تحصیلدار) (۳) سید یعسوب الدین[2]۔ (تھانہ دار)۔ (۴) منشی کریم بخش عباسی۔ (کوٹ گشت یعنی انسپکٹر)

شقہ شاہی متذکرہ صدر کے متعلق جو رپورٹیں عہدہ داران مذکورہ بالا نے حکام بالا دست کو ارسال کیں ان کی نقول بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

نقل روزنامچہ واقعہ ۲۲ر اگست مطابق ۲ر محرم ۱۲۷۳ ہجری۔

"خبر پہنچی موجب ورود سید یعسوب الدین تھانہ دار اسی تحریر مددگار اس مضمون سے

---

[1] سید ظہور حسن نبیرہ سید دوست علی بن سید عظیم الدین بن سید غلام شرف الدین بن سید غلام ہادی بن دیوان سید محمود۔ [2] سید یعسوب الدین بن سید شرف علی نبیرہ سید دوست علی مذکور۔

پہونچی کہ سند شاہی دہلی سے واسطے بندوبست پرگنہ امروہہ بنام سید محمد شبیر علی خاں پسر نذیر علی خان مرحوم کے صادر ہوئے سو مطابق ورود سند موصوف کے ارادہ خاں صاحب موصوف کا ہے کہ بندوبست امروہہ کا طرف بادشاہ دہلی سے کریں اور تھانہ و تحصیل سب اپنی تجویز سے مقرر کریں۔ یہ خبر مندرجہ روزنامچہ کی جائے۔ چنانچہ حسب تحریر تھانہ دار کے خبر اطلاعاً درج روزنامچہ کی گئی۔"

نقل عرضی کریم بخش کوٹ گشت

"عرصہ پانچ روز کا ہوا کہ تین واسطے گرفتار کرنے مجرمان مبتدیہ غارت گری بخش اللہ خان صوبہ دار اور ڈھونڈھنے خوشحال وغیرہ مدعیان کے موضع ڈکبہ اور مونڈھا وغیرہ دیہات کے گیا تو کل کے روز مال مدعیان قسم نقدی و پارچہ برآمد کر کے لایا۔ جب امروہہ میں آیا معلوم ہوا کہ ایک سند شاہی شاہجہاں آباد سے بنام محمد شبیر علی خان[1] پسر سید محمد نذیر علی خان برادرزادہ سید محمد حسین خان کے آیا ہے چنانچہ اس کی نقل ارسال حضور کی جاتی ہے۔ عرضی محررہ ۲۲ ؍اگست ۱۸۵۷ء"

نقل شقہ معطوفہ عرضی کوٹ گشت

"سیادت پناہ شجاعت دستگاہ محمد شبیر علی خان مورد تفضلات بیحد بدانند عرضی آں سیادت پناہ مشعر بر وضوح ارادت وخصوص عقیدت در بارگاہ فلک اشتباہ خسروی بہ امید احراز سعادت حضوری و باز ماندن بسبب فتنہ و فساد جاہلان ناہنجار ضیاء اندوز انظار قدسی گردید و بکلی کیفیت معروضہ بوضوح رسید۔ لہذا زیب ارقام

---

[1] یعنی سید شبیر علی خان بن سید نذیر علی خان بن سید انور علی خان بن سید ارشد علی خان بن سید باقر علی خان بن سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود بن سید عبدالماجد بن سید عبدالخالق بن سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل۔

می رود کہ آں فدوی خاص تا انتظام کلی آنجا قصد احضار در دولت ننماید و ہرگاہ امنیت کامل و بند و بست بہ ظہور رسد کاغذ جمع خرچ از تحصیل بعد مجرائے مصارف ضروری حاضر حضور شود درین صورت مورد الطاف بادشاہی خواہد گردید۔ زیادہ تفضلات شناسند۔ المرقوم ۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ ہجری“

نقل عرضداشت مولوی محب علی خاں عباسی تحصیلدار امروہہ

”فدوی بہ اتفاق سید موسیٰ رضا کوتوال مرادآباد اور ہمراہیان کے واسطے انتظام سرکاری اندفاع فساد اور شورش جاٹان کے موضع رجب پور میں گیا اور اول انتظام راستہ کا واسطے امنیت مسافران کے کر کے لشٹن سنگھ وغیرہ جاٹان کو طلب کیا چنانچہ وہ حاضر آن کر مطیع فرمان ہوئے اور مچلکے انتظام راستہ کے لکھ دئے اور عذر طلب باقی زر کی اپنے سے کہ بہت قلیل ہے وعدہ پانچ چار روز کا کیا بعد اسکے فدوی بہ طلب چپکار محال امروہہ میں آیا تو اکثر شہر میں تذکرہ شقہ بادشاہی موسومہ شیر علی خاں اور مطالبہ انکا زر کثیر حیان شہر سے واسطے نگاہداشت سپاہیان کے پایا اگرچہ اس قدر عرصہ میں گونہ صورت انتظام کی ہوتی آتی تھی کہ اس شقہ سے صورت بدنظمی کی ہوگئی۔ ساکنان شہر نے اب تک زر قسط تمام داخل نہیں کیا تھا بعض مالگذاران دیہات کا وعدہ ادائے قسط کا تھا کہ اس وجہ سے زر کی وصول ممکن نہیں۔ درین صورت اگر جناب حکیم سعادت علی خاں صاحب بہادر معہ دو ضرب توپ کے یہاں تشریف لادیں تو بخوبی انتظام متصور ہے اور مع فدوی بہ معیت کوتوال موصوف انتظام راستہ طرف نوگانوہ وغیرہ کے جاوے گا اور وہاں بھی مفسدوں سے مچلکہ لکھوا کر تاریخ نہم محرم واسطے عرض حال مفصل کے حاضر حضور ہوویگا۔ اطلاعاً عرض ہے۔ مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۵۷ء“

عرضی

فدوی محمد محب علی۔ تحصیلدار امروہہ۔

باغیوں کی چند روزہ حکومت

نقّہ شاہی کے پہنچنے پر سیّد شبر علی خان اور اُنکے ساتھیوں نے امروہہ میں اپنی حکومت قایم کرنی چاہی۔ مسٹر (بعد کو سر جان) اسٹریچی مجسٹریٹ مراد آباد نے ماہ فروری ۱۸۵۸ء میں بمقام امروہہ مقدمہ بغاوت کی جو تحقیقات فرمائی اور اس سلسلہ میں سیّد محمد حسن خان دانشمند، ناظر (بعد کو راجہ) گور سہائے، میر بنیاد علی (پیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی، جوہر مل ساہوکار، ہر پرشاد قانون گو وغیرہ کے جو اظہارات ہوئے ان سے بخوبی ثابت ہے کہ ابتدائے ایام غدر میں سادات محلہ دربار کلاں اولاد دیوان سیّد محمود اور شیوخ کلاں بیر گلادن کر درویش علی خان منصب دار پنجہزاری عہد فرخ سیری نے امروہہ پر اپنی حکومت قایم کی، رعایا سے پندرہ پندرہ بیس بیس برس کا زمینداری وصول کیا، ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا، مہاجنوں اور ساہوکاروں سے بھی روپیہ طلب کیا حتیٰ کہ ایک فقیر حسین شاہ تکیہ دار کو مار باندھکر اس سے روپیہ حاصل کیا، لیکن یہ حالت چند ہی روز رہی۔ بعد کو نواب جنابِ رام پور نے سیّد گلزار علی کو شکست دیکر امروہہ پر پورا تسلّط قایم کیا۔ ناظر گور سہائے نے اپنے اظہار میں بیان کیا تھا کہ:-

"سیّدوں امروہہ نے امروہہ پر اپنا تسلّط کیا، اپنی منادی پٹوائی اور گشت اپنی رکھی اور حق زمینداری قصبہ امروہہ کا باشندگان امروہہ سے ۱۲ برس پہلے کا وصول کیا۔۔۔۔ دو اہیروں کو مار ڈالا اور روپیہ ان کے چھین لئے، ایک سنار کو اور ایک کھتری کو ان کے گھر پر چڑھ کر مار ڈالا، جو کچھ جھگڑا آتا اس کو فیصل کرتے،۔۔۔۔ اور حویلی میری ان ہی ایام میں اڑوا دی، دو ہزار روپیہ کی لاگت کی تھی۔ اب میں نے وہ حویلی بنوائی ہے۔"[۱]

مولوی کریم بخش عباسی نے جو ایام غدر میں من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ کے کوتوال گشت

---

[۱] بیان ناظر گور سہائے بہ اجلاس مسٹر (بعد کو سر جان) اسٹریچی۔ ۱۲ر فروری ۱۸۵۸ء۔

تھے اپنے اظہار میں جو فروری سنہ ۱۸۵۸ء صاحب مجسٹریٹ کے سامنے دیا بیان کیا کہ :-

"ناظر گورے سہاے کے چلے جانے کے بعد سادات نے اپنے آدمی مقرر کئے اور ہر ایک رعایا کو پکڑوا منگوایا (اور تحصیل زمینداری کی کری - بڑے دربار والوں نے بڑے دربار کی طرف کی تحصیل کری (کی) اور اُسی تحصیل زمینداری میں سنار نے عذر کیا تھا کہ اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر پھونک دیا اور مقدمہ سرکار میں دائر ہوا تھا کہ بسبب نہ بہم پہنچنے ثبوت کے رہائی ہوئی اور طرف محلہ غلام علی والوں کے رمضان علی نے تحصیل کری (کی) اور نگلا والوں نے اپنی طرف سے اپنی تحصیل کری (کی) اور بنگلوں والوں (سید آباد علی سجاد علی) نے اپنی جگہ پر رعایا سے تحصیل کری (کی)[1] اور دس دس بیس بیس برس پہلے کی زمینداری تحصیل کری (کی)، بعد کو سرکار کی طرف سے جب نواب صاحب رام پور نے عمل دخل یہاں کیا تب سب متفق ہو کر وہاں گئے - اول یہ درخواست کری (کی) کہ جو حاکم مقرر ہوں ہمارے اختیار سے ہوں - دوم نذرانہ معاف کر دیا جائے اور باقی جو ہے وہ اگلے سالوں پر ڈال دیا جاوے اور اور بات اسی قسم کی درخواستیں کریں (کیں) ...... بعد کو نواب صاحب (رام پور) نے مجھے یہاں کا تھانہ دار کیا اور (مولوی) محب علی (خان عباسی) کو تحصیلدار کیا - برائے نام تھانہ دار تحصیلدار تھے مگر سب زور سیدوں کا رہا اور برائے نام دخل نواب صاحب کا ہوا اور جیسا دخل چاہئے قرار واقعی نہ ہونے دیا اور اپنا ناظم اور تھانہ دار اوروں کو کرایا - جب نواب صاحب نے گلزار علی کی لڑائی ماری اور علی اصغر خان کو ناظم کیا اور ابن علی کو تھانہ دار کیا اور چھیدے لال کو تحصیلدار کیا تب پورا دخل ہوا - نہیں تو برائے نام دخل تھا اور اس عرصہ میں جب تک بے دخلی نواب صاحب کی رہی بادشاہ (مغل دہلی) کے ساتھ رسل رسائل رہے - ایک فرمان شبیر علی خان کے نام واسطے کرنے نظام

[1] سید محمد نے چبوترہ میں اپنے محلہ کے چاروں اور رعایا سے زمینداری تحصیل کیا (بیان میر عنایت علی)

کے آیا۔ اس کی نقل میں نے نواب صاحب (رام پور) کے پاس بھیج دی ہے مگر سنا ہے کہ سوائے اس کے اور بھی فرمان بنام شیخ محمد افضل اور شیخ بشارت علی خان اور اور کسی کے آیا مگر یہ فرمان ظاہر نہ ہوئے ....

اور شرف علی وغیرہ اقوام سادات اپنے آپ کو نواسہ اور منصب دار بادشاہی کہتے تھے ...

جب حکیم سعادت علی خان جانب سرکار سے واسطے مقابلہ گلزار علی کے آئے اور فرحت علی و یوسف علی خان، محمد حسین خان، مولوی تراب علی جو توپ مانگی تو بپاس خاطر گلزار علی، نہ دی ..... اور ولایت علی خان، مہربان خان اور بشارت علی خان گلال .....

اپنے باپ دادوں کو منصب دار بادشاہی بتاتے تھے اور یہ امر میرے روبرو کہتے تھے کہ دادا ہمارے درویش علی خان وزیر تھے ..... اور نجیب خان باغی بھی ان کے کہنے سننے سے آیا اور فوراً امین پور اور رجب پور میں ان کے اشارہ سے رسد دی گئی۔" [1]

نواب صاحب رام پور کا انتظام

اس کے بعد نواب صاحب رام پور نے ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور امروہہ کی نظامت پر ناظر گور سہائے کو مامور فرمایا۔ یہ امر رؤسائے سادات اولاد دیوان سید محمود کے خلاف منشا ہوا۔ ناظر گور سہائے کا بیان ہے کہ:

"سارے رئیس امروہہ کے مرادآباد میں گئے اور انہوں نے جا کر نواب صاحب کو عرضیاں دیں کہ ہم ناظم ہونا گور سہائے کا نہیں چاہتے اور تھانہ داری افضل علی سے راضی نہیں ہیں۔ ہمارا ہی ناظم ہوئے اور ہمارا ہی تحصیلدار ہوئے اور ہمارا ہی تھانہ دار۔ اور ان ہی ایام میں واسطے معافی منضبطہ کے ادرار دیہات کی عرضی دی تب نواب صاحب (رام پور) نے مصلحتاً ان ہی لوگوں میں سے (سید) شرف علی کا بیٹا ذکی سید

---

[1] بیان مولوی کریم بخش عباسی ۱۹ر فروری ۱۸۵۸ء بہ اجلاس مسٹر اسٹریچی مجسٹریٹ۔

یعقوب الدین (دوست علی والے) تھانہ دار کر دیا اور مولوی) محب علی (خان عباسی) ساکن امروہہ کو تحصیلدار کر دیا مگر ناظم اپنا ہدایت علی خان اپنے سالہ کو کیا[1] لیکن سادات نے ان کو دخل نہ دیا اور نہ تحصیل ہونے دی اور (سید) ظہور حسن کو اپنا ناظم مقرر کر لیا اور اُس وقت میں سیدوں کا قبضہ رہا۔ طرح طرح کی زیادتی سیدوں نے کی اور گلزار علی بھی یہاں رہا اور خفیہ بھرتی فوج کی سب کے اشارے سے گلزار علی نے کرنی شروع کی اور طرف ہلدور سے آدمی لے آیا۔ جب میں نے عرضی مقام حسن پور سے صاحب کمشنر اور نواب صاحب رامپور کے پاس بھیجی اور لکھا کہ دو تین ہزار آدمی گلزار علی نے بھرتی کرلئے ہیں اگر زیادہ زور پکڑ گیا تو فساد ہوگا تب نواب صاحب فوج لائے اور گلزار علی کو شکست دی اور اپنا بندوبست بخوبی کیا۔ اور پھر ناظمی (سید) ظہور حسن کی نہ رکھی اور تھانہ داری بھی سیدوں کی نہ رکھی۔ ابن علی چندوسی سے آیا، تھانہ دار ہوا اور نواب علی اصغر خان ناظم رہے۔"[2]

سید گلزار علی کے فوج بھرتی کرنے کی تائید عبدالعلی خان کے مندرجہ ذیل خط موسومہ سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) مورخہ ۱۲ نومبر ۱۸۵۷ء سے بھی ہوتی ہے:-

"خان صاحب مشفق مہربان دوستان سید علی مظفر خان صاحب رئیس امروہہ تسلیمات ابلاغ پروانہ حضور پرنور نواب صاحب بہادر بجواب عرضی سید ظہور حسن ناظم امروہہ جو مشعر پہنچنے سید گلزار علی مع خواجہ حسن سابق تھانہ دار رڑکی اور بھرتی کرنے سوار اور پیدل اور تیار کرنے بارود اور اظہار اس بات کے کہ مارے خان[3] آنچہ سامان استظہار کرو رام پور

---

[1] اور (سید) ظہور حسن ناظم ہوئے اور (سید) رمضان علی (کٹکرہ والے) اور (سید) غلام سجاد اور فرحت علی رسالدار ہوئے پانچ چھ سو آدمی کا گروہ اکٹھا ہو۔ سب ایک تھے اور پندرہ سو روپیہ مہینہ نواب صاحب سے کئی مہینے تک لیا اور سید محمود والوں میں محمد علی مختار اور سلطان علی بھی انکے ساتھ رہے (بیان میر جنیاد علی ۱۲ فروری ۱۸۵۸ء) [2] مقدمہ بیان ناظر گورنمنٹ بر بمقدمہ بغاوت باجلاس مسٹر رچرڈ (کو سر جان) اسٹریچی مجسٹریٹ مراد آباد واقع ۱۴ فروری ۱۸۵۹ء بمقام امروہہ [3] مارے خان باغی

بھیجی گئی تھی' اس ارشاد سے ورود ہوا کہ غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کو مع ایک ہزار پیادہ اور دو سو سوار موجودہ مراد آباد اور در صورت موجود نہ ہونے دو سو سواروں کے مراد آباد بھیجئے ایک سو سوار اور دو ضرب توپ امروہہ کو اس واسطے کہ خان مذکور سید گلزار علی کو فہمائش کرکے ان حرکات سے باز رکھیں اور کہہ دیں کہ امروہہ میں فساد نہ کریں اور جو موی الیہ فہمائش خان موصوف سے باز نہ آوے تو تدارک مشار الیہ کا کریں اور تم سب صاحبوں کو لکھا جاوے کہ تم بھی ممد و معاون خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے رہو ورنہ بعید خیر خواہی تمہارے سے متصور ہوگا اس واسطے غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ امروہہ کو بھیجے گئے آپ کی خدمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ آپ اس امر میں شریک اور ممد اور معاون غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے رہیں اور در صورت عدم اشتراک بعید خیر خواہی تمہاری سے متصور ہوگا فقط

المرقوم ۱۲ ار نومبر ۱۸۵۷ء۔

مہر عبد العلی خان

انگریزی حکومت کا دوبارہ تسلط

موسم سرما میں کوئی خاص واقعہ قابل تذکرہ پیش نہیں آیا۔ امروہہ اور حسن پور کی تحصیلوں میں البتہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تنازعات ہوتے رہے۔ ۲۱ ر اپریل ۱۸۵۸ء میں شہزادگان دہلی میں سے فیروز شاہ دہلی کا ایک شہزادہ معہ کچھ فوج کے' جو خان بہادر خان بریلی کے برائے نام حکمراں نے مہیا کی تھی' مراد آباد میں آ داخل ہوا۔ تمام فوج متعینہ امروہہ باغیان نجیب آباد کے ہمراہ معہ اپنی توپوں کے شہزادہ مذکور سے مراد آباد جا ملی[1] اس سے اس کی قوت میں اضافہ ہو گیا' یہ خبر سنکر جنرل جونس' کرنل کک نے دستہ فوج انگریزی کے ساتھ مراد آباد کو کوچ

(بقیہ صفحہ ۷۵) نواب محمود خان نجیب آبادی کے ساتھیوں میں بہت شورہ پشت شخص تھا۔

[1] تحریر نواب یوسف علی خان بہادر موسومہ نواب کاظم علی خان بہادر۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے مسٹر ولسن نے ابتدائے ایام غدر میں ناظر گور سہائے کو امروہہ کا ناظم مقرر کیا تھا لیکن چند ہی ہفتہ بعد جب غدر کی شورش نے زیادہ زور پکڑا اور انگریزی عملداری شہر سے جاتی رہی تو ناظر گور سہائے بھی امروہہ سے گجرولہ چلے گئے وہاں وہ مع دیگر خیرخواہان حکومت انگریزی کچھ عرصہ مقیم رہے۔ جاٹوں کی کچھ جمعیت بھی ان کے ساتھ تھی۔ امروہہ میں جو لوگ خیرخواہان حکومت تھے وہ برابر حالات سے انہیں مطلع کرتے رہتے تھے۔ اس زمرہ میں سید محمد حسن خان (دانشمند)، پیر امین الدین[1] اور اس خاندان کے دوسرے اشخاص خاص طور سے قابل تذکرہ ہیں۔ یہ حضرات اور بالخصوص سید محمد حسن خان باغیوں کے نقل و حرکت کی ناظر گور سہائے کو برابر اطلاع دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ناظر موصوف کی حسب ذیل تحریر موسومہ سید محمد حسن خان (دانشمند) کا اس موقع پر نقل کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا:-

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے بیکران سید محمد حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد ما وجب و شوق ملاقات واضح باد۔ خط تمہارا آیا اور حال مندرجہ اس کا معلوم ہوا جو تم نے لکھا ہے کہ خبر جانے فیروز شاہ کی مع جمعیت چار ہزار آدمیان کے طرف دارانگر کے ہے۔ یہ خبر جھوٹ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس قدر جمعیت اُس کے ساتھ نہیں، فقط آٹھ سو سات سو آدمی ہمراہ اُس کے سنے جاتے ہیں اور باغی لوگ حقیقت میں ادھر اُدھر کو بھاگتے ہیں اور جو در بارۂ علالت طبیعت عارضہ زکام وغیرہ لکھا ہے آپ کو چاہیے کہ معالجہ اُس کا کراکے صحت حاصل کیجئے، اور آئندہ کو جو خبر راست اور درست آپ کو معلوم ہو لکھتے رہو گے فقط المرقوم ۱۲ اپریل ۱۸۵۸ء۔

الراقم گور سہائے

و از طرف خادم علی تھانہ دار بچھراؤں و علی جان جمعدار چوکی گجرولہ سلام نیاز قبول باد۔"

۳۲۸۱۲

11

[1] یعنی پیر محمد علی جان بن پیر امین الدین جو اپنے زمانہ میں رؤسا و عمائد شہر میں سے تھے۔ موصوف ایام غدر میں ناظر

امروہہ میں بہت سے لوگ جرم بغاوت میں گرفتار ہوئے اور مرادآباد میں باغیوں کی گرفتاری کے لئے کرنیل کک[1] کو متعین کیا گیا جنہوں نے شہر کی ناکہ بندی کرکے خانہ تلاشی شروع کی۔ نواب مجو خان گرفتار ہو کر گولی مار دیئے گئے اور ان کی بہت بڑی جاگیر اور وسیع مکانات ضبط کرلئے گئے۔ اسی طرح اور بھی متعدد سرغنہ لوگوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ان کو سزائے موت دی گئی۔ ۱۴۔ رمضان ۱۲۷۴ھ کو انگریزی فوج حدود ضلع مرادآباد میں داخل ہوئی اور ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء کو مسٹر آر الگزنڈر شیکسپیر[2] کمشنر بریلی مرادآباد میں تشریف لائے۔ حکومت انگریزی کے دوبارہ تسلط پر چراغان کیا گیا اور ضلع کا چارج ۲ مئی ۱۸۵۸ء سے ولایت حسین خان سابق ڈپٹی کلکٹر کو دیا گیا۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک زمانہ تھا۔ اکثر انگریزی حکام کی نظروں میں ہر مسلمان باغی تھا۔ ذرا سے شبہ پر مسلمان گرفتار ہوتے اور معمولی ضابطہ کی کارروائی کے بعد سخت سے سخت سزائیں پاتے تھے ایسے نازک زمانہ میں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کے جہاں اور اسباب کارفرما تھے وہاں شیعہ و سنی کے اندوہناک جھگڑے بھی تھے۔

(بقیہ صفحہ ۷۷)

(بعد میں راجہ گورسہائے کے ساتھ گجرولہ میں مقیم تھے۔ وہ منصفی کے ڈپلومہ یافتہ تھے۔ غدر سے پہلے بریلی میں وکالت شروع کی تھی۔ بغاوت شروع ہونے پر وطن آئے اور اس نازک زمانہ میں اپنی خدمات انگریزی حکومت کی تائید و خیرخواہی میں ناظر موصوف کو پیش کیں۔ اور تا اختتام غدر برابر ان کے ساتھ رہے۔ اور ایام شورش میں مختلف خدمات انجام دیں جس کی تصدیق پروانہ مرقومہ ۲۱ اکتوبر ۱۸۵۸ء سے ہوتی ہے جو ناظر گورسہائے نے اعتراف خدمات میں عطا کیا تھا۔ اس میں ناظر موصوف تحریر کرتے ہیں کہ۔ "یہ شخص ابتدائے غدر یعنی ماہ جون ۱۸۵۷ء سے آج تک میرے ہمراہ و بمرافقت میرے بمقام گجرولہ وغیرہ حاضر رہا اور خیرخواہی سرکار بہادر کی کرتا رہا اور چلن رویہ اس کا بہت اچھا رہا۔ جس کام کو میں نے تفویض اس کے کیا بجاں فشانی انجام دیا۔ اس شخص سے میں بہت رضامند ہوں" میرے نزدیک قابل ترقی ہے۔ اور یہ میرا امین الدین کہ جس کے مکان پر میں مقیم ہوں، اس کا بیٹا ہے۔

Col. Coke. [1]   Mr. R. Alexander Shakespear. [2]

ولایت حسین خان نے جو شیعہ و سنی کے جھگڑوں میں نمایاں حصہ لینے کی وجہ سے ملازمت سرکاری سے برخاست کر دیئے گئے تھے، اس بغاوت کے موقع پر اپنی خدمات پیش کیں لیکن باغیوں کی سراغ رسانی اور گرفتاری میں ان کی خدمات مذہبی جنبہ داری سے آزادانہ نہیں! رشوت کے الزامات بھی ان پر لگائے گئے۔

باغیوں کو عبرتناک سزائیں

۲۲ر مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹر ولسن اسپیشل کمشنر ہو کر مراد آباد آئے۔ امروہہ سے بہت سے لوگ گرفتار و محبوس کئے گئے اور صدہا ناموں کی ایک فہرست بہ عنوان "باغیان امروہہ" مرتب کی گئی، سادات محلہ دربار کلاں کے بعض افراد کو نیز شیوخ گذری میں سے درویش علی خان مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد افضل بن شیخ رمضان علی کو بلوہ و بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور، ضبطی جائداد اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ سید محمد حسین خان و سید شرف علی کو جو بہ علت جرم بغاوت قید میں تھے رہائی ملی، لیکن سید شبیر علی خان (ساکن دربار کلاں) کو مسٹر رابرٹ ہنری ڈنلاپ مجسٹریٹ نے بذریعہ روبکار عدالت فوجداری مورخہ ۱۸ر نومبر ۱۸۵۸ء سپرد محکمہ صاحب سشن جج بہادر و اسپیشل کمشنر کیا۔

ایام غدر کے بعض حالات پر چونکہ اس روبکار کے مضمون سے خاص روشنی پڑتی ہے اسلئے اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

نقل روبکار عدالت فوجداری

نقل روبکار بہ عدالت فوجداری ضلع مرادآباد - بہ اجلاس مسٹر رابرٹ ڈنلاپ مجسٹریٹ

تاریخ ۱۸ر نومبر ۱۸۵۸ء - نوعیت جرم سرغنہ ہونے اور ترغیب دینے بغاوت -

سرکار مدعی

بنام

شبیر علی خان ساکن امروہہ مدعا علیہ

واضح ہو کہ ان سب اشخاص کو، جو زیادہ تین ہزار سے ہونگے، بہ سبب ہونے ذات سید

کے بہت پہلے سے[1] (املاک) معافی وغیرہ بعد وضع محصول سرکاری سابق سلطنت اسلامی سے ملے تھے، جو (املاک) خیرات میں ملے تھے بالکل معاف تھے اور جو خدمت میں ملے تھے ان پر بیس ہزار روپیہ نذرانہ کا لگایا گیا تھا، لیکن کل سرکاری جمع، جو ان کے حق میں معاف ہوئی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوگی۔ یہ سب برحست معافی وغیرہ جو سلطنت سابق سے تھے کی سرکار انگریزی نے بھی بجنسہٖ بحال رکھی۔ (لہٰذا) عذر فسخ معافی کا واسطے عذر بغاوت کے جو بعض اوقات مسلمان باغیوں نے پیش کیا اس کا ان سادات کے مقدمہ سے مطلق تعلق نہیں۔ (لیکن) باوجود اس کے (سوائے امروہہ کے) کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں جہاں سرکار انگریزی کی نسبت اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا یا رعایا اس قدر زیادہ رضامندی سے بغاوت کرنے کو مستعد ہوگئی۔ اوّل غدر میں (باغی) تھانہ اور تحصیل سرکاری پر چڑھ گئے اور تحصیل کو لوٹ لیا اور سات ہزار روپیہ لے لیا اور تھانہ دار اور جمعدار کو مار ڈالا۔ پھر کل سید معافی داران امروہہ اکٹھے ہو کر معہ اپنے سرگروہ یعنی سید علی مظفر خان[2] اور سید محمد حسین خان[3] کے مرادآباد آئے اور نواب صاحب (نواب

---

[1] اس روبکار کی عبارت جا بجا سے مغلق ہے اسلئے توضیح مطلب کے لئے خطوط وحدانی میں خاکسار مؤلف نے بعض الفاظ اپنی جانب سے درج کر دیے ہیں۔ [2] یعنی سید علی مظفر خان بن سید امان علی خان بن سید علی اعظم خان گھڑیال والے (ایام غدر میں حکومت انگریزی کے وفادار رہے ہز ہائی نس نواب محمد یوسف علی خان والیٔ رامپور نے حسب ذیل پروانہ خوشنودی بصلہ خدمات ایام غدر مرقومہ ۱۹ رجب ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۸ء) ان کو عطا فرمایا تھا:۔

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد شوق ملاقات بہجت آیات واضح خاطر محبت مآثر باد۔ مستفسار بطبق ملاحظہ عرضی آں مہربان کہ بہ خلاصہ ماندن خود خیر خواہ سرکار از ابتدائے غدر و ہم فہمانیدن گلزار علی باغی دربارہ باز ماندن از حرکات کوتاہ اندیشی بعد حصول سند خوشنودی مزاج وصول یافتہ بود کیفیت خیرخواہی و شریک ماندن آں مہربان ہمراہ

یوسف علی خان بہادر کو ایک عرضی اپنے معاملہ میں دی جس میں عبارت بدواسطے سرکار انگریزی کے لکھی تھی جو انہوں نے واپس دے دیا، پھر دوسری عرضی داخل کی جو مسل میں موجود ہے اور عبارت بدنسبت انگریزان کے اس میں سے نکالی گئی اور دوسری عرضی میں، جو شامل مسل ہے، نواب صاحب کو اس طریق پر لکھا ہے کہ نواب صاحب موصوف سرکار انگریزی کی طرف سے گویا منصرم نہ تھے، نواب صاحب موصوف کو آزاد اور ہمیشہ کا حاکم سمجھا کہ بعد عملداری نصرانیہ کے گویا نواب صاحب موصوف نئے طریق پر حاکم ہوتے۔ پھر سید شبیر علی خان اور سید محمد سجاد علی مفرور نے اپنی عرائض بادشاہ دہلی کے پاس بھیجیں جن میں سرکار انگریز کو کافران، ظالمان لکھا ہے اور یہ دو عرائض بھی مع اور چند عرائض ساکنان امروہہ کے بہ تصدیق خیر خواہی بادشاہ کے دفتر سے ملیں جو شامل مسل رکھی گئیں اور بجواب عرضی سید شبیر علی خان ایک فرمان (رشقہ) بادشاہ سے واسطے انتظام کرنے بطور افسر علاقہ کے آیا۔ واضح ہے کہ شبیر علی خان اور محمد حسین خان اور شرف علی تینوں افسر (سرگروہ) من جملہ معافی داران کے کلی بدنسبت

(بقیہ صفحہ ۸۰)

فوج ایں سرکار در ہنگام شورش گلزار علی وغیرہ بدمعاشان از حکیم محمد سعادت علی خان بہادر طلب شدہ بود چوں بہ ملاحظہ حکیم صاحب موصوف حال خیر خواہی و اطاعت و اشتراک فرماں پذیری ہر گونہ آں مہرباں نسبت والی ایں سرکار بوجوہ انجا سید و از سابق نیز مراتب خیر خواہی و راسخ الاعتقادی آں مہرباں منقوش خاطر است لہٰذا بہ ملاحظہ کیفیت مذکور بالا موجب رضامندی و خوشنودی مزاج ایں جانب گردید۔ لازمہ محبت ہا آں است کہ ہمیں نمط بتقدیم مراتب خیر خواہی و اطاعت معروف بودہ خط ہذا را سند خوشنودی مزاج ایں جانب تصور نمایند۔

باقی خیریت زیادہ سرور باد۔"

سلہ سید محمد حسین خان بن سید انور علی خان ساکن محلہ دربار کلاں عم بزرگوار سید شبیر علی خان۔

واسطے اجرائے اس فرمان (شقہ) کے بہ تجویز جمع کرنے روپیہ کے بنیوں اور مہاجنوں سے کرنے کے سب انتظام اچانک بسبب فتح دہلی کے بند ہو گیا۔ جب اشتہار بہ حکم معافی عام معافی جرم بغاوت بہ استثنائے جرم افسران کے ملکہ معظمہ کے ہاں سے پہنچا تو ہم نے حوالاتی سے سب کو بہ استثنائے شبیر علی خان اور محمد حسین خان اور شرف علی کے چھوڑ دیا اور پھر احکام سرکار نسبت اس اشتہار معافی کے پہنچے جن میں تاکید ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کل مرتکب بغاوت کے معاف کئے جاویں تو ہم نے کل مسل پھر دیکھی ہمارے نزدیک باوجودیکہ جرم شرکت اس میں نسبت اجرائے شقہ کے شرف علی اور محمد حسین خان پر بھی پایا جاتا ہے لیکن انہوں نے اول فرمان (شقہ) طلب نہیں کیا اور نہ کوئی عرضی بادشاہ کو دی اس سبب سے چھوڑنا ان کا مطابق ہدایت اشتہار کے ممکن ہے۔ اس واسطے حکم ہوا کہ محمد حسین خان اور شرف علی چھوڑ دئے جاویں اور شبیر علی خان بہ علت افسر رہنے بغاوت کے سپرد محکمہ صاحب سشن جج بہادر مختار با اختیار اسپیشل کمشنر کے ہوئے اور فہرست باغیان امروہہ کی جو انگریزی میں ہے وہ بھی شامل اس روبکار کے کی جاوے۔

اس مقدمہ کی سماعت مسٹر الیگزنڈر اسپیشل کمشنر نے کی اور حسب ذیل روبکار کے ذریعہ جس کی نقل مسل مقدمہ سید شبیر علی خان سے خاکسار مؤلف کو دستیاب ہوئی، سزائے دائم الحبس بہ عبور دریائے شور و ضبطی جائداد دی گئی۔

نقل روبکار عدالت سشن جج

نقل روبکار عدالت سشن و اسپیشل کمشنر (علاقہ و مقام مراد آباد)

بہ اجلاس مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر قائم مقام سشن جج و اسپیشل کمشنر واقع [illegible] ۱۸۵۹ء

سرکار — مدعی

بنام

شبیر علی خان — سید امروہہ — مدعا علیہ

(۱) بتاریخ ساتویں جنوری ۱۸۵۹ء کو یہ مقدمہ ہمارے سامنے پیش ہوا تھا ہم نے مدعا علیہ کی

نسبت بہ ثبوت جرم ترغیب دینے اور سرغنہ ہونے بلوہ کے دائم الحبس کرکے بعبور دریائے شور معہ ضبطی جائداد حسب ہدایت و خط سرکار گورنمنٹ نمبر ۳۲۲ مجوزہ کرکے چٹھی نمبر ۳ مورخہ [illegible] روانہ استدعائے منظوری کے حسب وجوہات مندرجہ ذیل گورنمنٹ سے کی گئی۔

تصریح وجوہات

دفعہ نمبر (۲):- مدعا علیہ منجملہ بڑی جماعت سیّدوں کے ہے، جو قصبہ امروہہ میں سکونت رکھتے ہیں اور جن کے حق میں منجملہ زر مالگذاری ہر سال قریب ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے بطور عطائے معافی یا نذرانہ کے معاف ہوتا ہے، یہ سب عطیات شاہان سابق دہلی کی طرف سے ان کو مرحمت ہوئے تھے اور سرکار انگریزی نے بدستور سابق ان عطیات کو بحال و برقرار رکھا مگر باوجود ایسی مرحمتوں کے امروہہ کے سوائے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں ایسی زیادہ دشمنی اور زیادہ مستحکم تمرد نسبت عملداری سرکار انگریزی کے ظہور میں آئی ہو جیسی کہ سادات کی جانب سے امروہہ میں ظاہر ہوا، غدر کے اوائل ہی مہینہ میں جبکہ ضلع افسران انگریزی کے قبضہ میں تھا امروہہ کے تحصیل و تھانہ پر حملہ ہوا اور سترہ ہزار روپیہ سرکاری باغیوں نے بہ سرداری گلزار علی[۱] ایک سیّد کے لوٹا اور کوتوال و جمعدار پولیس کو قتل کیا، جولائی ۱۸۵۷ء میں ایک بڑی جماعت ان سید معافی داروں کی مرادآباد میں آئی اور نواب رامپور کو، جو اس زمانہ میں منصرم ضلع تھے، عرضی گذرانی۔ منجملہ ان کی گذارشوں کے ایک

---

[۱] یعنی سیّد گلزار علی بن سیّد اکبر علی بن سیّد قرب علی بن سیّد عبد الواجد بن سیّد عبد الباری بن دیوان سیّد محمود ابتداءً کثیر جائداد کے مالک تھے، عیاشی اور فضول خرچی میں جب سب جائداد ضائع کر بیٹھے تو مختاری کا امتحان پاس کیا اور غدر سے پہلے مرادآباد میں عدالت ہائے فوجداری و کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے۔ ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو جب مرادآباد میں غدر ہوگیا تو اسی شب میں ایک جماعت کے ساتھ یہ امروہہ آگئے اور یہاں بغاوت میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا جس کے حالات اوپر بیان ہوچکے ہیں۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے۔ ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی پریشان حالی میں بسر کیے اور آخر عالم جلاوطنی [illegible] کو سدھارے۔ خلقتاً بہت وجیہ و شکیل اور طبعاً فیاض طبع، جری و جواں مرد تھے۔ ان سے کوئی عقب نہیں رہا۔

یہ بھی کہ نذرانہ جان سے لیا جاتا ہے ان کے حق میں معاف کیا جاوے سیّدوں کا نذرانہ نام ایسا تھا کہ نواب نے ان کی درخواستیں قبول کرنے کو اپنی رضامندی ظاہر کی -

دفعہ نمبر (۳) :- ہر چند اُس عرضی میں دو ناموں کی تشریح ہے (یعنی علی ظفر خان و محمد حسین خان) مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قریب دو سو سیّدوں کے مراد آباد میں آئے پس اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ مدعا علیہ بھی اس گروہ میں شامل تھا کیونکہ عرضی مذکور کل سادات امروہہ کی جانب سے گذرانی گئی تھی -

دفعہ نمبر (۴) :- علانیہ کھلی ہوئی بغاوت جو شبیر علی خان سے سرزد ہوئی یہ تھی کہ اُس نے معزول بادشاہ دہلی کو ایک عرضی، جس کی تاریخ تحریر مطابق ہوتی ہے ۲۳ / جولائی ۱۸۵۷ء سے، بھیجی اُس میں شورش و فساد کا سبب مذہبی و رہبی علاوہ (دکفر ظلم) یعنی عملداری سرکار انگریزی کے لکھا ہوا ہے -

دفعہ نمبر (۵) :- اس عرضی کے جواب میں ایک شقہ جس کی تاریخ تحریر ۹ اگست ۱۸۵۷ء سے مطابق ہوتی ہے، بادشاہ معزول دہلی کی طرف سے پہنچا اُس کے پہنچنے کا جو اثر علاقہ میں ہوا کیفیت اس کی بالتشریح رپورٹ مرسلہ تحصیلدار امروہہ مورخہ ۲۷ / ماہ مذکور موسومہ نائب والی رامپور متعینہ مراد آباد میں مندرج ہے - تحصیلدار اُس میں لکھتا ہے کہ بہ سبب پہنچنے شقہ کے شبیر علی خان نے واسطے تیاری اشت فوج کے شاہ دہلی کے لئے مہاجنوں سے زر کثیر طلب کرنا شروع کیا ہے جو تدبیر کہ واسطے امن و امان کے پیش ہوئیں اور اُن میں سے جن پر قدرے اثر بھی مترتب ہوا وہ شقہ کے آنے سے باطل ہو گئیں اور یہ بھی کہ فوج مع توپ کے ضرور یہاں آوے -

دفعہ نمبر (۶) :- یہ عرضی شبیر علی خان متذکرہ بالا موسومہ بہ شاہ معزول دہلی کے دفتر میں دستیاب ہوئی جبکہ فوج انگریزی نے دہلی کو فتح کیا - جو کہ مدعا علیہ نے بہ سبب حاصل ہونے شقہ کے علانیہ مفسدہ میں شرکت کی کہ تحصیلدار امروہہ کی کیفیت سے جو بلا شبہ صحیح ہو ثابت اور اس میں شرکت بھی فی الواقعی ظاہر ہے کہ مدعا علیہ ترغیب دہندہ اور سرغنہ بلوہ کا مرتکب

انگریزی کے مقابلہ میں تھا اور خاص حیثیت مدعا علیہ کی یعنی وہ سرکار کی طرف سے معافی دادہ
اُس کے جُرم کو زیادہ سنگین کرتی ہے اسلئے پھانسی سے درگزر کر سب سے بڑی سزا جو اس کو
دینی چاہئے حسب تشریح بالا تجویز کی گئی۔"

سید شبیر علی خان کے اقربانے ان کی بے گناہی ثابت کرنے اور قید سے رہائی دلانے کی تمام ممکن کوششیں کیں، درخواست اور میموریل حکام بالادست کو ارسال کئے مگر افسوس کہ سب کوششیں رائگاں گئیں۔ مسماۃ خاتون دولت زوجہ سید مذکور کی درخواست (بزبان انگریزی) موسومہ ہزایکسی لنسی ارل کیننگ بہادر گورنر جنرل ووائسرائے کی نقل بطور ضمیمہ نمبر (۱) شامل کی جاتی ہے جس سے ایام غدر کے بعض تاریخی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

مسلمانوں کی تباہی کی دردناک داستان

غدر ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ سیکڑوں بڑے بڑے خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو گئے۔ ہزاروں لاکھوں گھر صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ روہیلکھنڈ میں سب سے زیادہ تباہی ضلع مرادآباد کے مسلمانوں پر آئی، خاص مرادآباد میں نواب مجو خان مرحوم کی، جو ضلع کے سب سے بڑے تعلقدار تھے اور امروہہ میں بھی دو ایک رؤسا علی الخصوص سید شبیر علی خان، شیخ محمد افضل صدیقی اور درویش علی خاں مرحوم کے خاندان کی جائدادیں واملاک ضبط ہو گئیں۔ اس کے علاوہ اور متعدد نامور خاندان تباہ ہو گئے۔ غدر کا سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا تھا اور بقول سر سید مرحوم :-

"کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانہ میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی گو وہ دام زمین اور ما زمین نے ہی کی ہو۔ کوئی بلا آسمان سے نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈھا ہو۔

"ہر بلائے کز آسماں آید | گرچہ بر دیگرے قضا باشد"
"بر زمیں نارسیدہ می پرسد | خانۂ مسلماں کجا باشد"

ایسی حالت میں سر سید خاں مرحوم و مغفور کا اپریل ۱۸۵۸ء میں صدر الصدور کے عہدہ پر بجنور سے مراد آباد تبدیل ہو کر آنا مسلمانان ضلع کے حق میں بہت کچھ بہتری کا باعث ثابت ہوا۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں :-

"وہ (یعنی سر سید) بجنور میں مسلمانوں کی تباہی اپنی آنکھ سے دیکھ کر آئے تھے، جب مراد آباد پہنچے تو ان کی تباہی و بربادی کا اس سے بھی زیادہ عبرت انگیز نقشہ ان کی نظر سے گذرا جس سے ایک اور چوٹ اُن کے دل پر لگی۔ گورنمنٹ کا غصہ خاص کر مسلمانوں کے حال پر بدستور چلا جاتا تھا۔ ہندو خیر خواہی کی آڑ میں مسلمانوں سے دل کھول کر بدلے لے رہے تھے اور اگلے پچھلے بغض نکال رہے تھے۔ مسلمانوں کو مجرم قرار دینے کے لیے کوئی ثبوت درکار نہ تھا، ان کا مسلمان ہونا ہی ان کے مجرم ٹھہرانے کے لیے کافی تھا، مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کی رعایت یا ہمدردی کا کرنا سرکاری عہدہ داروں کی قدرت سے باہر تھا اس لیے سر سید اپنے منصب کے لحاظ سے کوئی سلوک اُن کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے اگرچہ ان کے مراد آباد میں آنے سے کسی قدر ان ناگفتہ بہ بے اعتدالیوں کا انسداد ہوا جو خاص مراد آباد میں بعض ناخدا ترس لوگ سرکاری خیر خواہی کے پردہ میں کرتے تھے کیونکہ حسن اتفاق سے انہیں دنوں میں اسٹریچی صاحب مراد آباد کے کلکٹر و مجسٹریٹ مقرر ہو گئے تھے اور اُن کو سر سید کی رائے اور مشورہ پر پورا اعتماد تھا۔"[1]

"باغیان امروہہ" کے عنوان سے جو مطوّل فہرست مرتب ہوئی تھی اس کے لحاظ سے یہاں کے بعض رئیسوں کی جائدادیں معرض خطر میں تھیں۔ سر سید مرحوم نے اپنے ایک لکچر میں ضلع مراد آباد کے متعلق فرمایا تھا کہ ایک بڑا غمکدہ ہماری قوم کے رئیسوں کی بربادی کا تھا[2]۔ ان الفاظ ہی سے یہاں کی تباہی کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے۔ ۱۸۵۹ء میں باغیوں کی جائداد منضبطہ کی تحقیقات کے متعلق جو اسپیشل کمیشن بیٹھا اس میں دو یورپین ممبر ایک کمشنر دوسرا جج

---

[1] حیات جاوید صفحہ ۸۱ [2] حیات جاوید صفحہ ۹۷۔

اور دوسرے جج مرادآباد کے علاوہ ایک ہندوستانی ممبر یعنی سر سید مرحوم مقرر ہوئے۔ مولانا حالی حیاتِ جاوید میں فرماتے ہیں :-

"جائدادیں ادنیٰ ادنیٰ شبہ پر ضبط ہو گئی تھیں اور انگریزی حکام نیچرل طور پر ہندوستانیوں کی طرف سے عموماً بدگمان اور نہایت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ خصوصاً ضلع مرادآباد پر گورنمنٹ کا سخت عتاب تھا اور انگریز افسروں کا یہاں اعتدال پر رہنا دشوار تھا۔ مرادآباد کے معتبر اشخاص سے سنا گیا ہے کہ سر سید کی شرکت کے سبب یہاں کے کمیشن سے غدرواریوں کی تحقیقات نہایت اعتدال اور انصاف کے ساتھ کی اور صوبہ شمال مغرب میں ضبط شدہ جائدادیں جس قدر ضلع مرادآباد میں واگذاشت ہوئیں ایسی کسی اور ضلع میں نہیں ہوئیں۔"

خیر خواہانِ حکومت کو انعامات

ذیل میں اُن لوگوں کے نام معہ تفصیل صلہ خدمات درج کئے جاتے ہیں جو ایام غدر میں سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام میں کارکن رہے، نیز امروہہ و ضلع کے دیگر مقامات پر مختلف خدمات انجام دینے کے صلہ میں انعامات حاصل کئے۔

نمبر	نام	تفصیل خدمات و انعامات
۱	گور سہائے	امروہہ کے ساکن، قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے کچھ زمینداری بھی ان کے پاس تھی۔ جب میرٹھ کے غدر کی خبر امروہہ پہنچیں تو اُن کو مع جاٹوں کی ایک کثیر تعداد کے انتظام قائم رکھنے کے واسطے امروہہ بھیجا گیا۔ بعد میں یہ امروہہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ پھر نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام میں جنوبی حصہ مرادآباد کے ناظم رہے۔ ایام غدر میں حکومت انگریزی کی عمدہ خدمات انجام دیں۔ جملہ

نمبر	نام	تفصیل خدمات و انعامات
		خدمات میں راجہ کا خطاب اور گیارہ مواضعات انعام میں دئے گئے۔
۲	منشی امام الدین کمبوہ امروہوی	مرادآباد کے کوتوال نے سوالی منّو کے فتنہ و فساد کو دفع کرنے کے صلہ میں ایک گاؤں ضلع بریلی میں ایک ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کا انعام ملا۔
۳	افضل علی	ان کے باپ مدد علی امروہہ میں تھانہ دار تھے اور ابتدائے ایام غدر میں مارے گئے تھے، خود انہوں نے بھی باغیوں کی گرفتاری میں عمدہ خدمات انجام دیں اور پانچ گاؤں انعام میں حاصل کئے۔
۴	وارثان شہامت خان	شہامت خان جمعدار مدد علی کے ساتھ امروہہ میں مارا گیا تھا۔ اس کے ورثا کو شاہ پور موضع انعام میں دیا گیا۔
۵	سید علی مظفر خان و سید علی منتظم خان (گھڑیالی والے)	امروہہ میں ۱۱ رمئی کو ۱۸۵۷ء کو جب باغیوں نے تھانہ و تحصیل پر حملہ کیا انہوں نے بہ معیت اپنے اعزا اور ملازمین وغیرہ سعادت اللہ خاں[1] منصف امروہہ کی جان بچائی۔ ان کو مع کاغذات عدالت منصفی اپنے مکان پر لاکر ٹھہرایا۔ شہر کے بقالوں اور مہاجنوں کو بھی لوٹ کھسوٹ سے بچایا۔ شہر کی حفاظت میں مستعدی سے مدد کی، صاحب کمشنر سے جو نینی تال میں مقیم تھے برابر خط و کتابت جاری رکھی۔ شہزادہ فیروز شاہ کا مقابلہ جب ناظم امروہہ کی فوج سے ہوا انہوں نے ناظم مذکور کی اعانت کی۔ پروانہ خوشنودی و اعتراف خدمات مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۸۵۸ء عطا ہوا۔
۶	سید محمد حسن خان (دانشمند)	امروہہ میں انتظام قائم رکھنے اور یہاں کے حالات سے حکام بالخصوص ناظر گور سہائے کو اطلاعات دینے میں مدد کی۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔

[1] سعادت اللہ خاں، منصف بعد میں۔ نواب محمود خاں باغی کے شریک کار ہوئے۔

نمبر	نام	تفصیل خدمات وانعامات
٧	پیر امین الدین (پیرزادہ)	بہ شرح صدر۔ ناظر گورنر صاحب کے قیام امروہہ کے زمانہ میں کچھ عرصہ ان کے مکان محلہ قریشیان میں مقیم رہے۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
٨	پیر محمد علی جان (پیرزادہ)	جون ۱۸۵۷ء سے اکتوبر ۱۸۵۸ء تک بارہا ناظر گورنر صاحب کے ساتھ رہے۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
٩	سید ظہور حسن (دوست علی والے)	ابتدا میں کچھ عرصہ امروہہ کے ناظم رہے۔ ان کے دونوں فرزند سید منظور حسن و سید نور حسن اور ان کے بھائی سید ظہور حسن بھی معین و مددگار رہے۔
١٠	مولوی محبت علی خان (عباسی)	نواب صاحب رامپور کی جانب سے امروہہ کے تحصیلدار رہے۔ بدامنی کے زمانہ میں انتظام قائم رکھنے میں خدمات لائقہ انجام دیں۔ اعتراف خدمات میں خطاب "خانی" من جانب نواب صاحب رامپور اور پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
١١	مولوی کریم بخش (عباسی)	نواب صاحب رامپور کے عہد انتظام میں گرگشت یعنی انسپکٹر پولیس رہے۔ اعتراف خدمات میں پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
١٢	حکیم امجد علی خان (کمبوہ)	ایام غدر میں شاہجہان پور میں تحصیلدار اور انگریزی حکومت کے بڑے خیر خواہ تھے۔ شاہجہان پور اور امروہہ میں خدمات لائقہ انجام دیں۔ صلہ خدمات میں ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملا۔
١٣	سید فرحت علی (دوست علی والے)	ابتداءً ریاست رامپور میں بہ عہدہ رسالداری مامور تھے۔ ایام غدر میں دو سو سواروں کے افسر کی حیثیت سے من جانب نواب صاحب رامپور امروہہ میں تعینات رہے۔ آپ کے فرزند سید ابراہیم علی و ریحان علی شریک کار رہے۔
١٤	سید یعسوب الدین (دوست علی والے)	من جانب نواب صاحب رامپور امروہہ میں کچھ عرصہ تھانہ دار رہے۔ خدمات مفوضہ کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے

سنہ ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے زمام حکومت کلیتاً نکل کر عمال سلطنت برطانیہ کے ہاتھ میں آگئی۔ اس وقت سے سوائے اس کے کہ کبھی کبھی بعض فرقوں کے تنگ خیال اور گندہ ذہن لوگوں کی شرارتوں اور عدم رواداری کی وجہ سے مذہبی تنازعات ہوتے رہے اور کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا جو شہر کے امن وامان میں خلل انداز ہوتا۔ بدقسمتی سے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے اس بیان میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ امروہہ کے شیعہ و سنی فرقے ایک دوسرے کے خلاف مذہبی منافرت و عداوت کے جذبات رکھتے ہیں اور بہت معمولی سی بات پر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ غدر سے کچھ عرصہ پہلے شیعہ و سنی لڑ پڑے تھے۔ ایک اور ہنگامہ میں بھی جو بعض ساکنان محلہ دربار کلاں و محلہ مولانہ کے مابین واقع ہوا تھا ایک دو جانیں ضایع ہوئی تھیں لیکن اس زمانہ میں ایسے مآل اندیش مخلص اور بارسوخ بزرگ فریقین میں موجود تھے کہ باوجود قتل و خونریزی کی سنگین وارداتیں ہو جانے کے صرف رات کی رات میں تمام نزاعات باہمی کا آپس میں مل جھل کر خود فیصلہ کر لیا۔ عمال پولیس اور حکومت کو دست اندازی اور مداخلت کا مطلق موقع نہ دیا۔ حکومت نے زائد پولیس کے اخراجات کا ٹیکس مبلغ پچیس ہزار روپیہ کا جرمانہ باشندگان شہر پر عائد کیا تھا جس کے خلاف اسی زمانہ میں صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی۔ موقع واردات جامع مسجد محلہ مولانا کا وہ مقام تھا جہاں اب بھی آٹھویں محرم کو تعزیوں کے جلوس کے ساتھ شاید پچھلی مخالفتوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے فریقین کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دل آزار کتابوں کی اشاعت اور مذہبی مناظرے بھی فریقین کے ناعاقبت اندیش لوگوں کی بدولت ہوتے رہے۔ کتاب ناصر الایمان پر جو حکیم امجد علی خان کے نام سے غالباً مولوی سید رافت علی کی تصنیف پر لکھی گئی تھی امروہہ کے شیعہ سنیوں کے درمیان سنہ ۱۳۱۰ھ میں سخت ہنگامہ رہا۔ بالآخر اس کتاب کے نسخے بحکم صاحب کمشنر بریلی تلف کئے گئے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں سنہ

اور مسلمانوں کے درمیان ایام عشرۂ محرم میں بلوہ ہوگیا تھا جس کے فرو ہونے پر مقدمات قائم کئے گئے، بعض لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور عمائدین شہر میں سے بھی بعض آنریری مجسٹریٹوں کو معطل کیا گیا۔ اب کچھ عرصہ سے شیعہ وسنی کے اختلافات کے ساتھ ساتھ سنی اور وہابی کے جھگڑے شروع ہو گئے ہیں۔ بیرونجات سے کرایہ کے واعظ بلائے جاتے اور دھوم دھام سے جلسے ہوتے ہیں، مجالس وعظ اس وقت تک کامیاب نہیں سمجھی جاتیں جب تک کہ فریق مخالف پر سب وشتم اور لعن طعن کی اچھی طرح بوچھاڑ نہ ہو اور فریقانہ بغض وعناد کی چنگاریاں زور وشور سے بھڑک کر اتحاد واخوۂ اسلامی کی حبل متین کو جلا کر خاک سیاہ نہ کریں اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ اے کاش ان مدعیان علم کی حقیقت سے اہل شہر واقف ہوں اور ان کے زہریلے اثر سے محفوظ رہ کر اتحاد قومی کے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دیں۔

بعض "جاہل" جنھیں دعوی ہے کہ ہم عالم ہیں — گھر سے نکلے ہیں کہ دیں قوم کو درس اخلاق
مگر اطوار ہیں ایسے کہ ہر اک محفل میں — بات جو منہ سے نکالی ہے تھی کان پہ شاق
اختلاف ان سے جنھیں ہو انھیں گالی دیں گے — ان لفنگوں کا کچھ اس وقت ہے بیہودہ مذاق
گالیاں دیکے پھر اس پہ تو کر دی تکفیر — اس پہ گستاخی تو جاری ہوا فتوائے طلاق
کیوں نہ اسلام ہو ایسے علما سے بیزار — جن کی ہر بات سے پیدا ہو شقاق اور نفاق
ان مشاغل سے یہ ہے ان جہلا کا مطلب
کہ نہ چھن جائے ہمارا کہیں حلوے کا طباق

آثار قدیمہ

آثار قدیمہ عہد ہنود

شائقین آثار قدیمہ کے نکتۂ خیال سے نہایت افسوس ہے کہ امروہہ میں ہندوں کے عہد کے آثار قدیمہ میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اول تو فاتحین نے ہی مفتوح قوم کی تمام یادگاروں کو مٹا دیا اور کچھ دستبرد زمانہ کے ہاتھوں پردۂ خفا میں پوش

ہوگئیں، راجہ کے محلات، قلعہ، پرانے مندر اور بتخانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ بڑے بتخانہ کی بجائے خانۂ خدا تعمیر ہوا (مسجد کیقبادی (صندوقی مسجد) اس کی یادگار ہے۔ بتخانہ کے کچھ پتھر مسجد کے صحن اور دروازہ کے نیچے تہ خاک گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں ؎

بہ ہیں کرامت بتخانۂ مرا ای شیخ کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

پختہ فصیل مسلمانوں کی آمد کے چند صدیوں بعد تک باقی تھی۔ شہر کی آبادی جب بڑھنے لگی تو یہ بھی کھد گئی، اس کے دروازے البتہ اس عرصہ تک قائم رہے۔ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے محلہ بتخانہ میں کسی تعمیر کے لئے بنیاد کھودی گئی تو ایک دو برج بڑی بڑی اور موٹی اینٹوں کی برآمد ہوئی تھی جو اتنی گہری تھی کہ ان ہی اینٹوں سے کئی مکانات تعمیر ہو گئے اور برج کا کچھ حصہ پھر بھی باقی رہ گیا یہ اسی پرانے قلعہ کے ایک برج کی بیخ تھی۔ اور بھی مختلف مقامات سے اس وضع کی اینٹیں برآمد ہوتی رہی ہیں جو بلاشبہ ہندو راجاؤں کے قلعے اور محلات کی بنیادوں کی اینٹیں ہیں ؎۱

باہیں کا کنواں

شہر سے باہر بسمت گوشۂ شمال و مغرب دو میل کے فاصلہ پر ایک باؤلی البتہ ہندوؤں کے عہد کی یادگار بتائی جاتی ہے جو عرف عام میں "باہیں کا کنواں" مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باؤلی راجہ کرپا ناتھ کے باغ کی ہے جو کاشتوں کے سورج ونشی خاندان کا راجہ تھا۔ لیکن طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی عہد کی تعمیر ہے یا اس عہد میں اس کی ترمیم کی گئی ہے۔ یہ باؤلی بہت وسیع اور قدیم طرز کی کنکر کے پتھر سے بنی ہے۔ سیڑھیاں نیچے پانی تک چلی گئی ہیں جن کے جانبین دالان بنے ہوئے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں اس کی مرمت ہوئی تھی۔ ہر سال یہاں چھڑیوں کا میلہ لگتا ہے ؎۲

؎۱ ڈسٹرکٹ گزیٹیر۔ ص۹۵ ؎۲ بابو سیتو رام بتخانی نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے میں ضمناً اس کا اظہار کیا ہے کہ باہیں کا کنواں ان کے مورث لالہ سر ہلم قانون گو عہد جہانگیری کا مقررہ ہے اور اسی اراضی میں واقع ہے جو ان کو حسب فرمان جہانگیری مرقومہ یکم اردی بہشت ماہ الٰہی سنہ جلوس مطابق ۲۵ سنہ ۱۰۲۵ھ میں موازی یک صد بیگہ زمین یک

آثار قدیمہ عہد ہنود متعلق صفحہ ۹

ہندوؤں کے عہد کی کوئی عمارت شہر میں موجود نہیں لیکن اُس عہد کی عمارتوں کی اینٹیں بعض مقامات سے وقتاً فوقتاً برآمد ہوتی رہی ہیں۔

محلہ شیخ جابین کی مسجد کے دوبارہ تعمیر کے وقت بنیادوں کے لئے جو زمین کھودی گئی اس میں سے ایسی اینٹیں برآمد ہوئیں جن پہ نقش و نگار اور مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔

ذیل میں بعض اینٹوں کی تصویریں درج کی جاتی ہیں۔

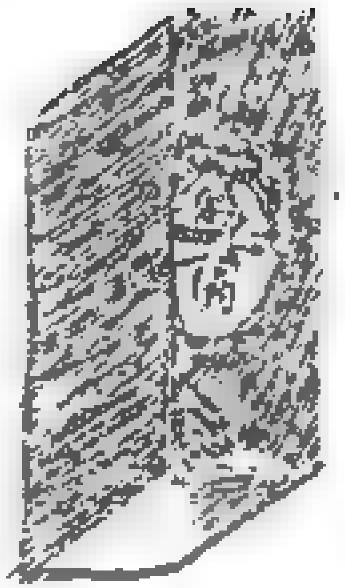

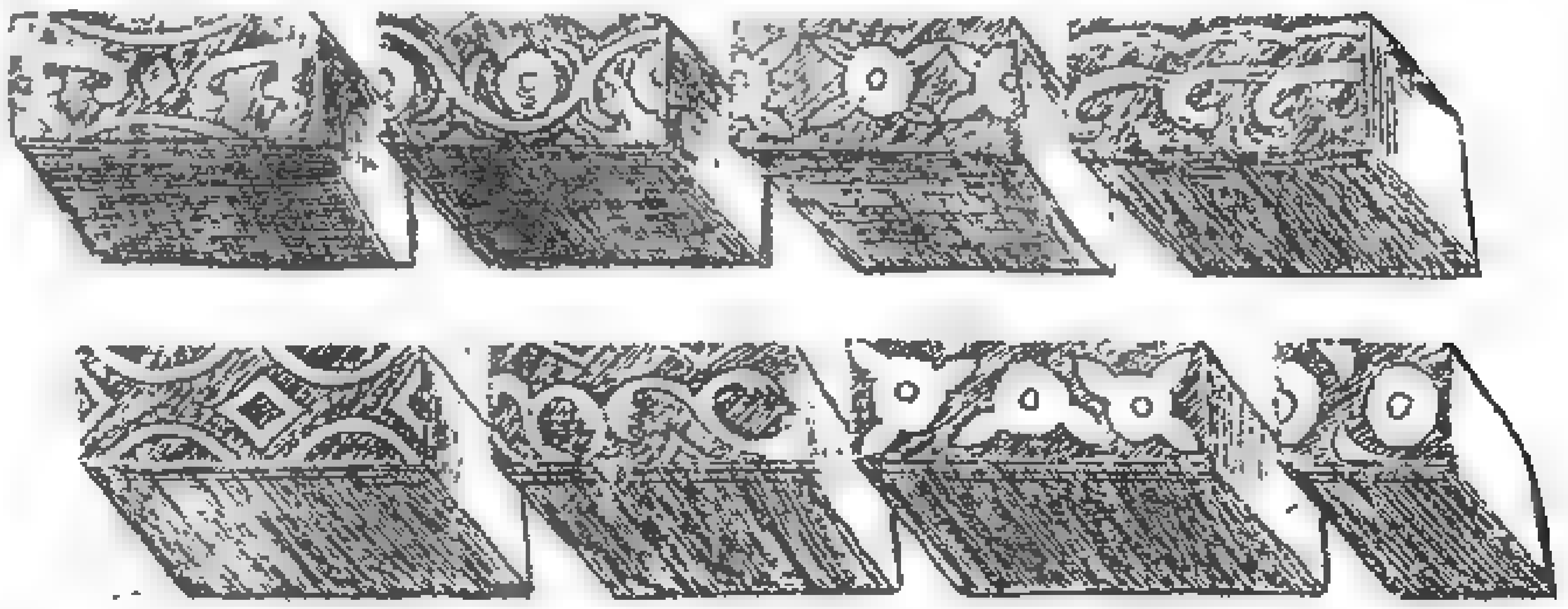

بابل کا کنواں متعلق صہ

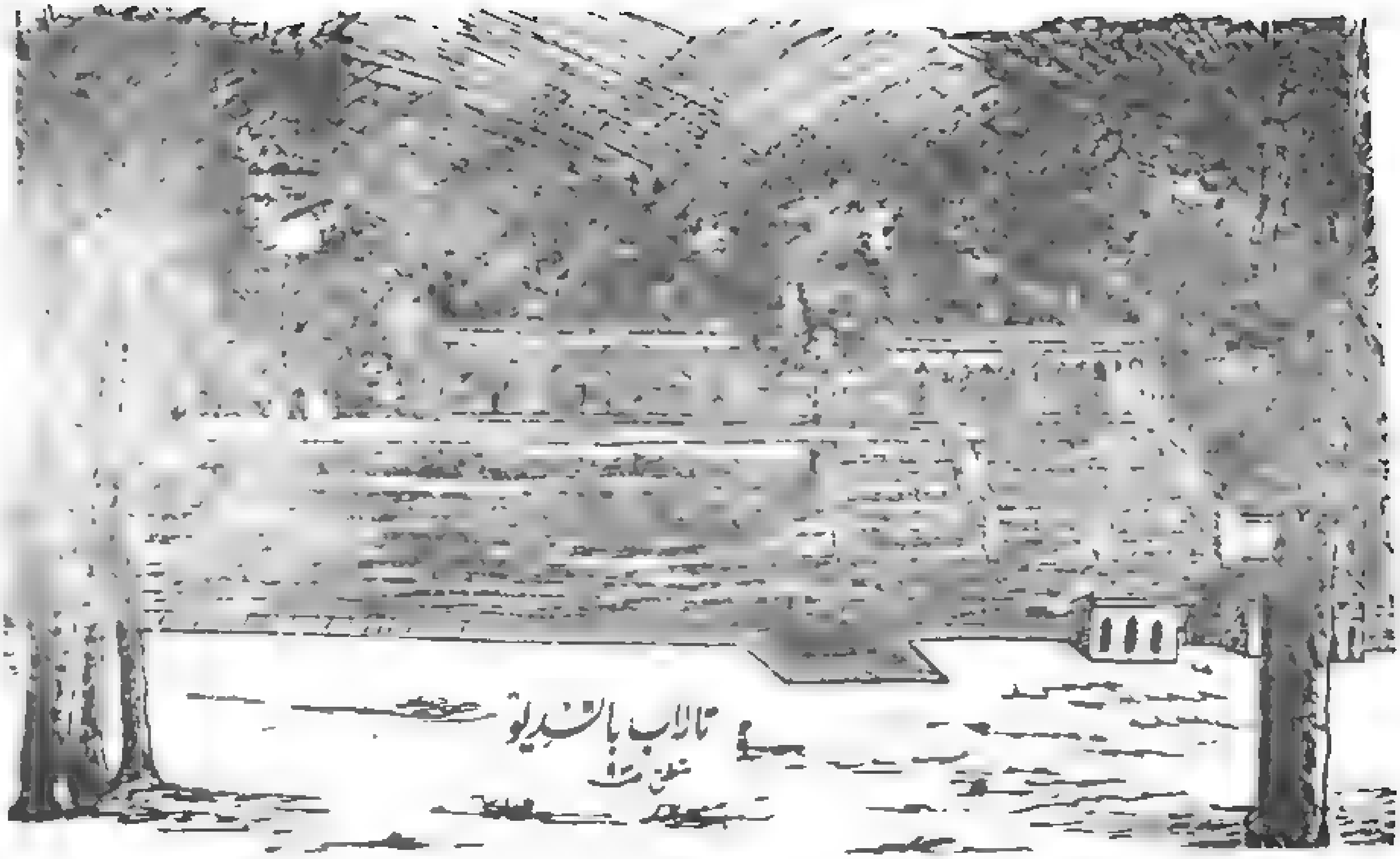
تالاب

بانسدیو تالاب — یہ تالاب بھی امروہہ میں بہت قدیم ہے۔ بعض لوگ سے بانسدیو نام ایک ہندو فقیر کا بنایا ہوا بتاتے ہیں اور بعض خیالی رام کھتری ساکن محلہ کالا کنواں کا۔ غالباً یہ تالاب ہندوؤں کے عہد کی یادگار ہے۔ بعد میں یہاں چند مندر اور شوالے بھی تعمیر ہو گئے ہیں۔

اس کے علاوہ سکندو والے باغ کے پاس قدیم کنوئیں بھی ہیں جو اسی عہد کی یادگار سمجھے جاتے ہیں

آثار قدیمہ عہد اسلامی

۱۔ مسجد کیقبادی — یہ مسجد جو اب "صندوکی مسجد" کے نام سے مشہور ہے امروہہ کی قدیم ترین عمارت ہے۔ سنہ ۶۸۶ھ میں ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ نے اس کو تعمیر کرایا تھا

(بقیہ صفحہ ۹۲)

حصہ مزروعہ حصہ، قاعدہ از موضع ستر رام پور بادشاہ کی جانب سے مدد معاش میں عطا ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ حال۔ لیکن خود اس کنوئیں کا نام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس عہد سے قبل کی تعمیر ہے۔ اس قسم کے زینہ دار کنوئیں کو ہندوؤں کے عہد میں "بائین" کہتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں بابر نے ایسے کنوئیں بنوائے اس وقت انہیں باؤلی کہنے لگے۔ اس قسم کے کنوؤں یا باؤلیوں کا رواج ہندوستان میں بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ خود بابر بادشاہ نے لکھا ہے کہ "در ہندوستان چاہ کلانے زینہ دار را "وائین" می گویند"۔ باؤلی کا لفظ بھی اصل میں "باہولی" تھا۔ باہد اس چشمہ کو کہتے ہیں جو فوارہ کی مانند زور سے زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔ "بائیں" کا لفظ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ میں استعمال کیا ہے اس لئے امروہہ میں بائین کا کنواں منشی ستر رام قانون گوئے عہد جہانگیری کا معمرہ خیال کرنا صحیح نہیں۔ اغلب یہی ہے کہ یہ کنواں شروع اسلامی عہد کی یادگار ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ وہ اراضی جس میں یہ باؤلی تھی پہلے سے موجود تھی من جانب سلطنت اسلامی منشی ستر رام کو عنایت ہوئی ہو۔

تعمیر عمارت کا حسب ذیل کتبہ بخط ثلث اندرون مسجد شمالی چوترہ بر دو سطروں میں کندہ ہے:

امر ببناء هذه العمارت المسجد المبارکة فی عهد دولة السلطان
المعظم ظل الله فی العالم معز الدنیا والدین المخصوص بعباد
رب العالمین القائم بتائید الرحمٰن ابو المظفر کیقباد
السلطان خلد الله ملکه وسلطانه العبد الضعیف الراجی الی
رحمة الله تعالی عنبر سلطانی فی العشرة من شهر المبارک
رمضان سنه ست وثمانین وستمائة

ملک عنبر نے قرآن پاک کی آیات بھی پتھروں پر کندہ کرا کے مسجد کی محراب اور دروں پر نصب کرائی تھیں۔ ان آیات کے چند ٹکڑے اب بھی مسجد کے دروازہ کے اندرونی رخ پر نصب ہیں۔ ایک میں "واولئک هم الفائزون" پڑھنے میں آتا ہے۔

سنہ ۷۶۳ھ میں جب یہ عمارت کسی صدمہ سے شکستہ ہو گئی تھی تو **قطب الدین قناق خان** نے جو اس زمانہ میں امروہہ کے حاکم تھے، اس کی مرمت کرائی۔ اس کی تصدیق حسب ذیل کتبہ سے ہوتی ہے جس کے تین شعر مسجد مذکور کے جنوبی در کی پیشانی پر اور دو شعر دروازہ مسجد کے شمالی پایہ پر منقوش ہیں:

در عہد عدل خان زمان فلک جناب — کز فیض عدل اوست جہان خلد جاودان
کان سخا و خواجۂ دنیا و قطب دین — عالی تبار قافلہ سالار راستان
از بہر خاص و عام جہان ساخت مسجدے — کز مسجد الحرام دہد در صفا نشان
وز شمسۂ برد و شئ و شرافت چو آفتاب — سقفش بہ سادگی و لطافت چو آسمان
تاریخ این خجستہ بنا بر رواق چرخ — کلک قضا نوشت بنا قناق خان

۹ ھ ۹۴

اس کے بعد سنہ ۱۰۸۱ھ میں یہ مسجد پھر شکستہ ہو گئی۔ اس وقت سید محمد میر عدل امروہوی نے

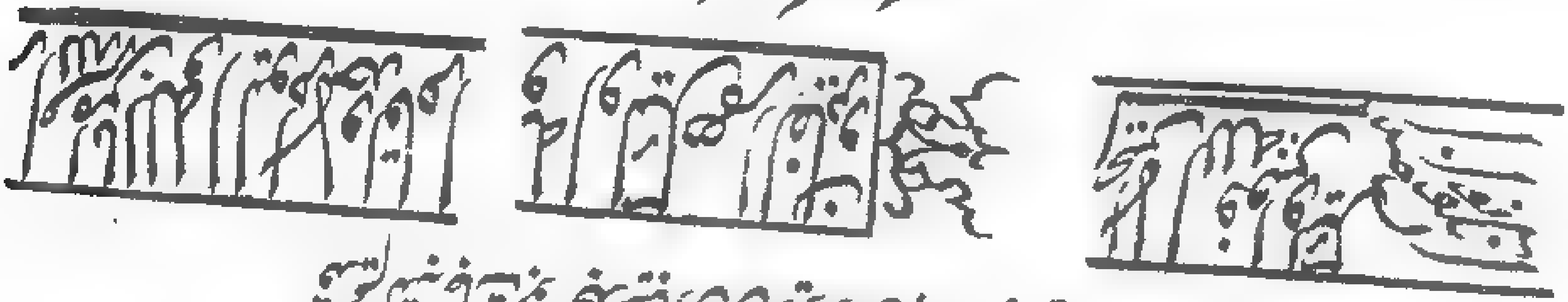

مسجد کیقبادی (محلہ صفّو)

نہ صرف اس کی مرمت کرائی بلکہ اس کی تعمیر میں اضافہ بھی کیا۔ ابتداءً مسجد کے صرف تین گنبد تھے سید محمد میر عدل نے ان پر دو گنبدوں کا اور اضافہ کیا۔ حسب ذیل کتبہ اندرون مسجد جنوبی چوترہ پر کندہ ہے۔

بہ عہد اکبر غازی جلال دولت و دین — مدار ملک و ملل بادشاہ ظل اللہ
زمانہ خادم درگاہ او ست بی تکلیف — ستارہ بندہ میزان او ست بے اکراہ
بنا نمود در امروہہ مسجد جامع — معز دین محمد امیر خلق پناہ
سپہر مرتبہ سید محمد عادل[۱] — کہ وصف او شدہ ورد زبان خلق ہر گاہ
دلم چو گشت تاریخش از خرد جوید — جواب داد روان خرد خوش و دلخواہ
مگو زہائے اخیر و بگو ئے تاریخش — بنائے میر عدالت پناہ عالی جاہ

قائلہ و کاتبہ عارفی ۹۸۱ھ

تیسری مرتبہ جب پھر یہ مسجد قابل مرمت ہو گئی تو ۱۲۶۳ھ میں مسلمانان امروہہ نے اس کی مرمت کے لئے اہل شہر سے عام چندہ کی اپیل کی۔ اس اپیل کی نقل جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "صورت حال" کہا جاتا تھا، تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ اس پر تقریباً نوے اشخاص کے دستخط ثبت تھے۔ دستخط کنندگان میں نصف تعداد سادات کی ہے اور نصف دیگر شرفاء امروہہ کی۔ مثلاً میر اسد اللہ خان عرف میر کالو، سید علی اعظم خان (گھڑیال والے)، سید تاج محمود خان (دانشمند)، سید شجاعت علی (دربا مجد) سید معظم حسین (محلہ گذری)، سید محمد صلابت، سید محمد کفایت و سید محمد امانت (شفاعت پوتہ)، سید علی حسن خان (دربار کلاں)، خواجہ خیر اللہ خان (محلہ بخشی)، مولوی محمد سعید عباسی، مولانا غلام مصطفےٰ عباسی، مولانا نواز محمد عباسی، ابو المکارم عباسی، نظام الدین عباسی (محلہ مولانا) وغیرہ۔

نقل صورت حال مطلبی چندہ مرمت جامع مسجد امروہہ مرقومہ ۱۱ شوال ۱۲۶۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لہ الحمد و بہ نستعین و الصلوٰۃ

---

[۱] یعنی سید محمد میر عدل۔ ... [illegible]

علیٰ رسولہٖ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ در قرآن مجید
در فرقان حمید می فرماید۔ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ
الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰی
اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ۔ معنی آیۂ کریمہ این است کہ بنا
نمی کند مسجد ہائے خدائے تعالیٰ را مگر آن کس کہ ایمان آوردہ است بخدا تعالیٰ
و ایمان آوردہ است بہ روز قیامت و کسے کہ قائم کردہ است نماز او دادہ است زکوٰۃ را
نمی ترسد مگر از خدائے تعالیٰ و اقدس پس زود است کہ آنہا یعنی تعمیر کنندگان مساجد
باشند از ہدایت یافتگان و فرمودہ است رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔
مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ ۔ معنی حدیث شریف این است
کہ آن کس کہ بنا کند مسجد را بنا کند خدائے تعالیٰ برائے آن کس خانہ در بہشت۔
بر ہر یک از سادات عظام و مشائخ کرام و جمہور انام سکنۂ قصبہ امروہہ روشن و
مبرہن است کہ مسجد جامع قصبۂ مذکور در عہد سلطان معز الدین کیقباد بنا شدہ
قریب پانصد سال بر تعمیر این مسجد منقضی گشتہ چنانچہ تاریخ بنا کہ بر سنگے از آن مسجد
منقوش است غرۂ رمضان المبارک سنہ ۶۸۶ھ است و ہمت بزرگان اسلاف بر مرمت
و تعمیر این مسجد مبارک معروف ماندہ چنانچہ مغفرت پناہ میر سید محمد عادل[۱] مرحوم در
سنہ ۹۹۱ ہجری مرمت نمود و چند گنبد بر سر قدیم زیادہ بنا فرمودہ حالا مسجد مذکور بسبب
کہنگی شکستہ شدہ و نوبت بہ آن رسیدہ کہ از پا افتد و باز بنائے این چنین مسجد
عالی شان از سر نو خیلے دشوار است پس چون ثواب بنائے مسجد بموجب ارشاد خدائے
تعالیٰ و رسول او صلی اللہ علیہ وسلم ثابت است لہٰذا بر ذمۂ ہمت کافہ انام و جمہور اہل اسلام

---

[۱] یعنی میر سید محمد میر عدل امروہوی ۔ سنہ ۹۹۱ یہ کتاب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اصل کتبہ میں سنہ ۹۷۶ھ کندہ ہے۔

لازم و واجب است کہ سعی بلیغ نمودہ ترتیب و مرمت ایں مسجد نمایند چوں بلیغے خطیر می باید

تا ایں مسجد درست شود و یک کس طاقت سر انجام آں ندارد بنا برآں تدبیر سراخ مسیح مطلوب

بہ ایں وضع ست کہ ہر یک از سادات و شرفا و اہل حرفہ یک تنکہ شاہجہانی فی نفر از ذات خود و عیال

و اطفال خود بدہند و جاگیرداراں فی لک دام پنج روپیہ و دہقان و لات دو روپیہ سر دسیہ آباد و یک

روپیہ سر دسیہ پاہی کاشت سر انجام نمایند تا ثواب یابند و حق سبحانہ تعالیٰ در عوض آں و اولاد ہا

خیر و برکت دہد و ہندوان مطیع الاسلام کہ ربقہ اطاعت اسلام در رقبہ جان دارند در جب امر نیک

انجام با متوسلین موافقت نمایند تا در زمرۂ اہل اسلام یکنام باشند۔

خیاں زاہداں بری خورند بخیلاں غم سیم و زری خورند

تحریر فی التاریخ یازدہم شہر شوال المکرم ۱۱۶۴ہجری از یک صد و شصت و چہار ہجری۔"

چندہ فراہم ہوا، مرمت بھی ہو گئی لیکن افسوس اسی زمانہ میں صندوق کے میلے سے جلب منفعت و کسب زر کے لالچ نے مہتمم و متوسلین مسجد اور بعض اہل محلہ کو خانۂ خدا کے اصلی مقصد سے بے پرواہ کر دیا، مسلمانان شہر نے دوسری مسجد واقع محلہ مولانہ کو آباد کیا۔ اور یہ نہایت قدیم مسجد جامع اور تاریخی متبرک عمارت چند لوگوں کی حرص و آز اور عام مسلمانوں کی غفلت اور مداہنت کا شکار ہو گئی۔

عزیزوں نے بس سے توجہ اٹھالی عمارت کا ہے اس کی اللہ والی

یہ مسجد جو پانچ صدیوں سے زیادہ مدت تک امروہہ کی مسجد جامع رہی، جہاں مسلمانان امروہہ کے اسلاف کرام، علماء و فضلاء، مشائخ و اولیاء خالق معبود کی عبادت میں مصروف رہتے تھے جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ میں مس کرتیں آہ وہ متبرک مقام اب مشرکین کا جولانگاہ بنا ہوا ہے، جس مقام پر کلام پاک کی تلاوت، تفسیر و حدیث کا درس ہوتا تھا، جہاں علماء و طلباء کا ہجوم رہتا تھا وہاں مکانات مسکونہ تعمیر ہو گئے، مسجد کا کنواں تک میٹل اہل کے چبوترہ میں شامل کر لیا۔ مسجد کے دو گنبد و مینار ٹوٹے پڑے ہیں، نہ فرش و فروش ہے اور نہ روشنی و صفائی کا انتظام، نہ بانگ و صلوٰۃ کا اہتمام۔ اب یہ خانۂ خدا مسلمانان امروہہ کی غفلت اور

بے تحقیقی کا مرثیہ خواں ہے۔

"وہ کن کا خدا ہے کہ جس کا یہ گھر ہے!!"

۲- مسجد جامع کلاں معمرہ شیخ عمر حسین بن شیخ پیرک۔ یہ مسجد محلہ کنکوئی میں تحصیل کے محاذ میں ہے۔ کوئی کتبہ مسجد میں نصب نہیں تاہم متعدد فرامین و پروانجات شاہی سے جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد ابتدائے عہد اکبری میں اس زمانہ کی تعمیر ہے جب مسجد کیقبادی کی شکستگی کی وجہ سے امروہہ میں نماز جمعہ کے لئے کوئی دوسری وسیع مسجد باقی نہ تھی۔ اوائل عہد مغلیہ میں اس مسجد کے مصارف کے لئے بیس بیگہ بیسوہ زمین 'من جانب حکومت اسلامی' موضع شاہ پیر سرائے (جسے غلطی سے لوگ "پیلک سرائے" کہتے ہیں) دی گئی تھی۔

۳- مسجد عباسیان معمرہ مولنا محمد عباسی علیہ الرحمۃ۔ یہ مسجد محلہ مولانہ میں خاکسار مؤلف کے جد اعلیٰ مولنا محمد عباسیؒ نے اواخر عہد اکبری میں اپنے اس مکان کے متصل، جواب قاضی ابن عباس صاحب عباسی کی ملکیت ہے، تعمیر کی تھی۔ مولانائے موصوف جب آخر عمر میں شاہی خدمات سے سبکدوش ہو کر وطن چلے آئے اسی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ اس مسجد کے مصارف بھی حکومت اسلامی کی جانب سے ادا ہوتے تھے۔ شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہ کا فرمان محررہ ۲۲ شہر ذیقعدہ سنہ جلوس مطابق ۱۰۷۵ھ خاکسار مؤلف کے پاس ہے جس میں "مبلغ شش و نیم تنکہ یومیہ بلا قصور از محصول پرگنہ امروہہ" اس مسجد کے مصارف کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ بعد میں بعوض یومیہ ایک ملک تعدادی پچاس بیگہ (ص بیگہ) بموجب پروانہ نواب جعفر خان محررہ شعبان ۱۰۷۳ھ مصارف مسجد کے لئے وقف ہوگئی جس کا اہتمام مولنا عبد الرشید عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان کرتا رہا۔ حال میں اس مسجد میں کچھ ترمیم ہوگئی ہے۔

۴- چلہ کی مسجد ۱۰۱۹ھ میں زوجہ سید ابوالقاسم ولد سید محمد میر عدل نے تعمیر کرائی۔

تاریخ تعمیر کا کتبہ حسب ذیل ہے:-

در عہد ابو الفتح نور الدین جہانگیر بادشاہ غازی عصمت پناہی بی بی زینب زن سید ابو القاسم الحسینی والدہ سید محمد منعم این مسجد را بنا ساخت۔ قطعہ

چو از فضل حق و ز مدد مصطفےٰ	بنا مسجد خوب در خوب شد
چو تاریخش از عقل کردم طلب	بگفتا بگو "مسجدے خوب شد"

اہل محلہ کی کوشش سے ۱۲۸۸ھ میں اس کی مرمت اور استرکاری ہوئی۔ منشی قادر علی رہ بکر (؟) نے اس کی کیا خوب تاریخ نکالی ہے:-

چو تاریخ بنا شد مسجدے خوب	مرمت خوب، تاریخ مرمت
۲۹ ھ ۱۰	۸۸ ھ ۱۲

۵- مسجد درگاہ ملک الشہداء حاجی سلیمان

واقع محلہ شاہی چبوترہ۔ یہ مسجد ۱۰۶۶ھ میں شیخ منصور بن شیخ پیرو متبائے شیخ تاج نے تعمیر کرائی تھی۔ اس سے پہلے بھی اس مقام پر ایک قدیم مسجد تھی جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں بتخانہ کو مسمار کرکے بنائی گئی تھی۔ بتخانہ کے پتھر اب بھی صحن مسجد میں دبے پڑے ہیں اور ایک پتھر مسجد کے دروازہ کے پاس اُلٹا نصب ہے۔ مسجد کے اندر محراب میں ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے:-

اللہ محمد رسولہ

بانی مسجد بعالم از ہمہ منصور شد

قائلہ کاتبہ عبداللہ حلیم سنہ ۱۰۶۶ھ

مسجد کے بیچ کے در پر حسب ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے:-

"ھو اللہ۔ در عہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ"

چو منصور بن پیرو را شیخ تاج	پسر کردہ پروردہ با خویشتن
[1] زبعد این وہ دو در چو منصور کرد	بنا مسجدے خلد ساں خوب روشن

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصرعہ غلط کندہ ہو گیا۔

دو تاریخ از سال، وگفت طبع | اگر نیک دارند اہل سخن
کے گفت بنا کرد منصور تاج | منصور بیرو نو کرد مسجد کہن[۱۰]
۹۶ ـ ۱۰ | ۹۹ ـ ۱۰

(ذالک تاریخ مسجد اور حسین ؒ)

کچھ عرصہ ہوا اس مسجد کی مرمت ہو کر صحن وسیع کیا گیا اور کچھ اور بھی ترمیم ہوئی۔

۹۔ مسجد جامع امروہہ یہ عالی شان اور خوبصورت مسجد محلہ بوآنہ میں متصل تالاب پانہاڑی مرتفع مقام پر واقع ہے۔ اس کے پیچھے تالاب اور باغات کے پُر فضا منظر نے مسجد کی زیبائش کو دوبالا کر دیا ہے۔ موسم برسات میں بالخصوص جب مسجد کے پشت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں تو کچھ عجب دلآویز اور پُر بہار منظر ہوتا ہے۔

ابتداً تو یہ مسجد صرف ایک چھپّر کی اور مختصر سے صحن پر مشتمل تھی، اسے سید عبدالخالق بن دیوان سید محمود بن سید عبدالماجد بن سید عبدالخالق بن سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل نے غالباً ۱۱۸۵ھ میں اپنے خاندانی قبرستان سے متصل تعمیر کرایا تھا۔ مسجد سے جانب شمال سید شاہ ابوالحسن ؒ اور ان کی اولاد میں دیوان سید محمود اور دوسرے اشخاص کی قبریں تھیں۔ اس خاندان کے قبرستان کے علاوہ اس مقام پر، جہاں اب صحن کا شرقی حصہ اور حوض وغیرہ ہے، دوسرے قدیم خاندانوں کے افراد کی بھی کچھ قبور تھیں۔ سید عبدالخالق مذکور نے قبرستان کی خدمت اور مسجد کی جاروب کشی کے لئے ایک نقارچی کو مقرر کیا تھا، اسے کچھ اراضی بھی خدمت کے معاوضہ میں دی تھی، اب اس کی اولاد مسجد سے متصل شمالی مغربی گوشہ میں رہتی ہے۔

مسجد کیقبادی میں جو ابتداء سے امروہہ کی جامع مسجد تھی شہر کی آبادی کے بڑھنے سے اوّلاً تو کافی گنجائش نہیں رہی تھی پھر صدو کے میلے کے ہنگامے بھی نمازیوں کی تکالیف کا موجب ہونے لگے۔ اسلئے سید عبدالخالق کی ہمشیرہ اس مسجد کو جو چھپّر کی گرنے کے حادثہ کی وجہ سے

۱۰۔ یہ الفاظ اسی طرح کندہ ہیں

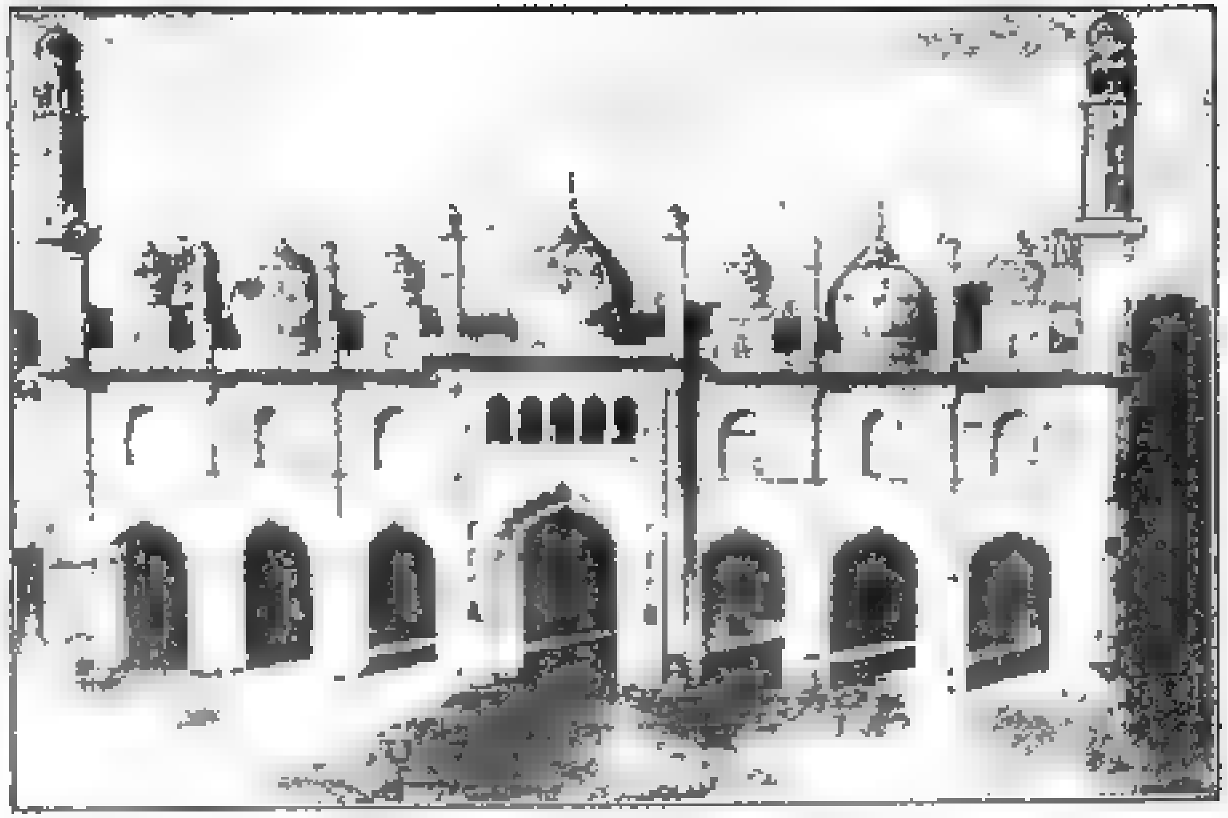

مسجد جامع امروہہ (محلہ مولانا)

بہت شکستہ اور غیر آباد ہو گئی تھی حضرت قبلہ گاہی کے نانا صوفی خدا بخش عباسیؒ نے سنہ ۱۲۷۳ھ میں از سر نو درست کرایا، حسب ذیل قطعہ تاریخ مسجد کی اندرونی گہ میں محراب کے پاس کندہ ہے، مصرعۂ تاریخ بھی بے نظیر ہے:۔

ترمیم شکستگیٔ مسجد — از رونق دیں خبر برآورد
ایں مسجد پاک بعد صد سال — از سجدۂ شکر سر برآورد

۷۳ ھ ۱۲

اس سے تقریباً بیس برس بعد جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدثؒ مراد آباد کے مدرسہ مسجد شاہی سے مستعفی ہو کر سنہ ۱۳۰۱ھ میں امروہہ تشریف لائے، مدرسہ اسلامیہ کا اس مسجد میں اجراء ہوا، مولانا موصوف بجائے حافظ سید مہربان علی کے امام جمعہ مقرر ہوئے اور جمعہ و جماعت کو ترقی ہوئی تو مسجد کی یہ ایک گہ نمازیوں کے ہجوم کی وجہ سے ناکافی ہونے لگی اس لئے بعض اکابرین شہر و منشی حکیم الدین تحصیلدار وقت نے دوسری گہ کی تعمیر کی تجویز کی، چنانچہ خود مولانا موصوف، حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی، نواب وقار الملک مرحوم، مولوی نادر شاہ خان، قاضی نبی بخش عباسی، مولوی امجد علی عباسی، میر غلام جیلانی، سید امتیاز علی منصف کی کوششوں اور دیگر عمائدین محلہ دربار کلاں، گنگوئی، قریشیان، صدو و محلہ چلہ کی اعانت سے باہتمام مستری حیات بخش سنہ ۱۳۰۱ھ میں زر تفریق سے کار تعمیر کا آغاز ہوا، شیخ گلزار علی (قوم کلال) نے لکڑی اور روپیہ سے بہت کچھ مدد کی اور دو سال کی مدت میں بہ ہزار جد و جہد اس عالی شان تعمیر کی تکمیل ہوئی۔ سید ظہور حسن ثاقب (محلہ چلہ) نے حسب ذیل قطعہ تاریخ لکھا جو اگلی گہ کے بیچ کے در پر باہر کی جانب کندہ ہے:۔

چوں بہ پیش مسجد اہل سنن — خوب شد تعمیر نو خاطر پسند
گفت ثاقب مصرعۂ تاریخ او — گشت صحن مسجد جامع دو چند

۲ ۰ ۳ ۱ ھ

مسجد کا موجودہ عالی شان اور خوشنما دروازہ بھی اسی زمانہ میں تعمیر ہوا۔ خاکسار مؤلف کے برادر بزرگ مولوی محمد داؤد عباسی بی۔اے (علیگ) مرحوم نے قطعہ تاریخ لکھا جو دروازہ کی پیشانی پر کندہ ہے۔

وہ زدروازۂ ہمایوں شاں | کہ برفعت شدہ زچرخ قریب
یافت داؤد از سروش فلک | سال تعمیر او عجیب و غریب

۱۳ ۰۲

اس سے تقریباً تیس سال بعد ۱۳۸۲ھ میں مہتمان مسجد نے شمالاً و جنوباً مسجد کی توسیع کی۔ یہ واقعہ سلطان ابن سعود کے انہدام مقابر کی کارروائی سے بہت پہلے کا ہے تاہم امروہہ کی تاریخ میں یاد رکھنے کی قابل ہے کہ توسیع مسجد کی بنا پر پرانی مسجد اور ان کے اہل خاندان کی جو قبور شمالی قطعہ میں صدیوں سے موجود تھیں وہ مسمار کر دی گئیں۔ صوفی خدا بخش عباسی مرحوم کی قبر البتہ مسمار نہیں کی گئی جو آگلی گہ کے شمالی مینار کے پاس اب تک موجود ہے۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کی قبر بھی صحن مسجد کے جنوبی مشرقی گوشہ میں موجود ہے۔

صحن مسجد کے شرقی کنارہ پر متصل دروازہ قدیم مدرسۂ اسلامیہ کی وسیع عمارت ہے، جس میں درس تدریس کے متعدد کمرے ہیں، مدرسہ کا کتب خانہ و دفتر بھی اسی عمارت میں ہے۔ دار الاقامہ کے متعدد کمرے صحن مسجد کے جانب جنوب اور دروازہ کے متصل ہر دو جانب ہیں۔ اب کچھ اور عمارت ایک قطعہ زمین خرید کر جانب شمال تعمیر ہونا تجویز ہوئی ہے۔

۷۔ شیرنی کی مسجد | یہ مسجد متصل کٹرہ غلام علی واقع ہے۔ ۱۱۴۲ھ میں کمال خان مختار عام سید ابراہیم و سید عاقل نے کارواں سرائے کے قریب تعمیر کی تھی کوئی کتبہ تو موجود نہیں لیکن طرز تعمیر یقیناً قدیم ہے۔

۸۔ مسجد سید ابدال محمد | یہ خوشنما مسجد بیرون شہر متصل محلہ لکڑہ واقع ہے۔ سید ابدال محمد بن سید محمد متوفی نے ۱۱۰۱ھ میں تعمیر کرائی تھی حسب ذیل قطعہ تاریخ جو

مسجد مقبرہ سید ابدال محمد رحمۃ اللہ علیہ

متعلق صـ ۱۰

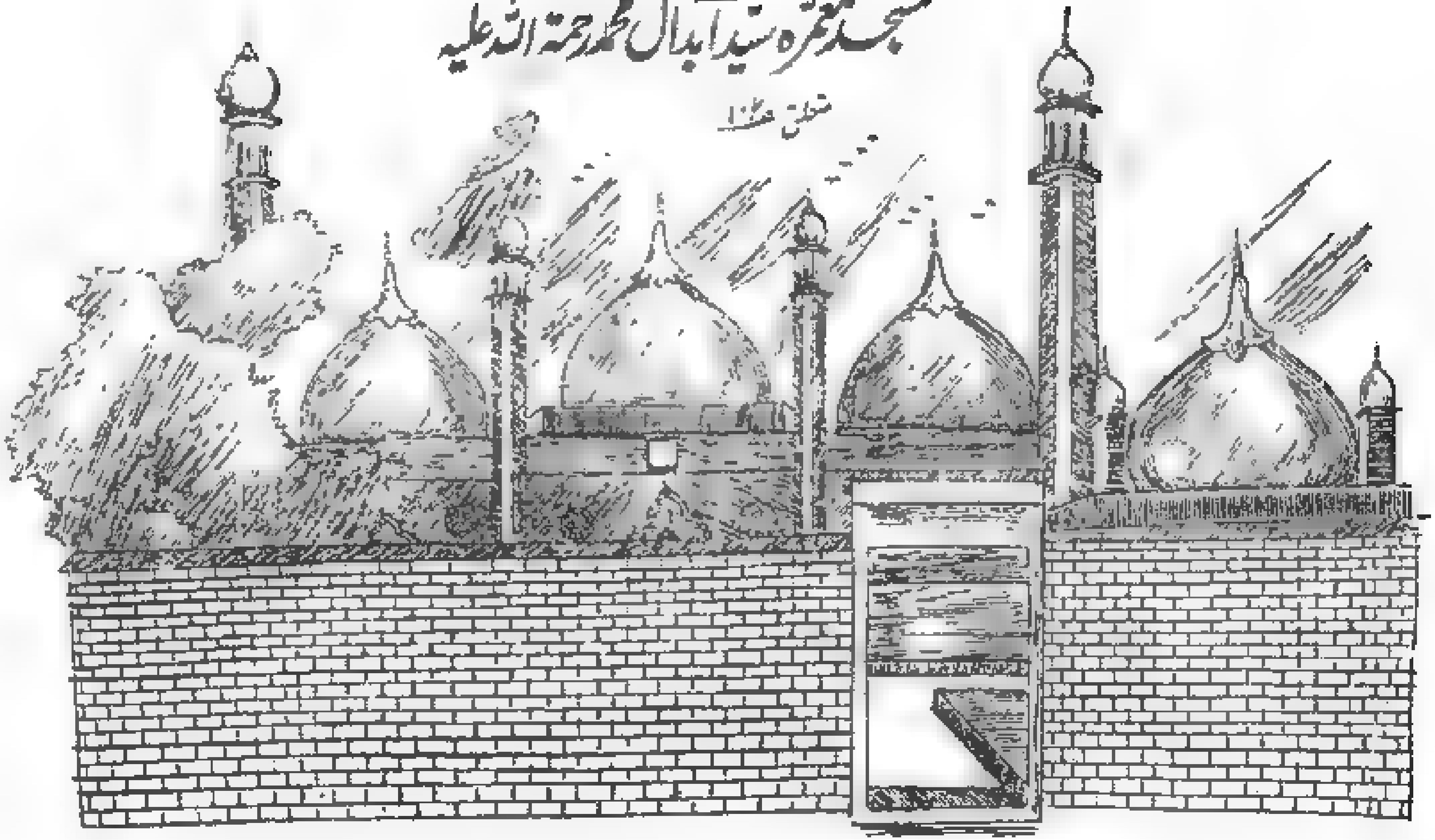

پر کندہ ہے :-

سید ابدال حامی اسلام — مسجدے ساخت عرش مماس

سال تاریخ از خرد گفتند — خانۂ کعبہ را نہاد اساس

۱۲۱ ۱۱

احاطۂ مسجد کے شرقی و شمالی گوشہ میں شاہ عبدالرسول قادریؒ کا مقبرہ ہے جو سید ابدال محمدؒ کے پیر طریقت تھے۔ سید ابدال محمدؒ سنی المذہب، عابد، زاہد، صوفی منش بزرگ تھے۔ صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں :-

"سید ابدال محمد منصب دار شاہی تھے۔ نواب دوندے خان کے عہد میں بڑی عزت اور توقیر پائی۔ نواب ممدوح ان کو اپنا پیر کہتے تھے۔ سید موصوف نے ایک مسجد تعمیر کی اور کنواں بنایا اور شاہ عبدالرسول کا مقبرہ جن کو دہلی سے اپنے ہمراہ لائے تھے مسجد مذکور کے احاطہ میں بنوایا جس کا گنبد نہایت خوب صورت ہے۔ موضع جلال پور وغیرہ جائداد معافی بنام مسجد وقف کر کے اپنے بیٹے سید فیض احمد کو اس کا متولی کیا۔ پھر تعلقات دنیاوی ترک کر کے اسی مسجد کے ایک مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی اور چالیس برس عبادت میں مصروف رہے۔ قرآن شریف حفظ تھا۔"

اصل دستاویز وقف نامہ خاکسار مؤلف کو دستیاب نہیں ہوئی۔ تاہم سید ابدال محمدؒ اور نواب دوندے خان کی بعض تحریرات سے جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں، نیز سید ابدال محمدؒ کے فرزند سید فیض احمد کے وصیت نامہ کی عبارت اور بعض دیرینہ کاغذات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ سید ابدال محمدؒ سنی حنفی، مشائخ کے معتقد و مرید اور صاحب حال بزرگ تھے۔ ان کے اخلاف میں ان کے فرزند و جانشین سید فیض احمد اور سید قائم علی بن سید فیض احمد مذکور جو یکے بعد دیگرے جائداد موقوفہ کے متولی ہوتے رہے اپنے آبائی مذہب کے پابند تھے۔ سید بشیر علی بن سید قائم علی مذکور نے البتہ آخر عمر میں شیعیت کا اظہار کیا تھا۔

تھا کہ بانی مؤلف کو اس مبحث سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں کہ اس وقف کے بانی سنی تھے یا شیعہ لیکن جہاں تک تاریخی حالات اور واقعات کا تعلق ہے حقیقت حال کا اظہار لازم ہے۔ تاریخی شواہد و آثار اور دیرینہ کاغذات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ بانی وقف اور ان کے جانشین مسلک سنی المذہب تھے جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا گیا تھا ان کا اجمالی تذکرہ وصیت نامہ سید فیض احمد متولی بن سید ابدال محمد مرقومہ دوم شہر رجب المرجب سنہ ۱۲۱۰ھ میں درج ہے جس کی نقل تاریخی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

نقل وصیت نامہ سید فیض احمد متولی

" باعث تحریر این سطور آنکہ سید ابدال محمد مرحوم والد این عبد ضعیف سید فیض احمد بتائید الٰہی مسجد بنا کردہ برائے وجہ کفاف امام و خدمت و خرچ مسافرین وغیرہ متعلقہ آں موازی ہشت صد و شصت ہفت بیگہ تمام زمین زراعی املاک در رقبہ موضع جلال پور و کنج و محمود پور و نصیر نگلہ وغیرہ وجیدہ پرگنہ امروہہ مملوکہ خود و محصول موازی دو صد و بست و پنج بیگہ زمین تمام زمین در رقبہ موضع جلال پور مذکور بہ موجب وقف نامہ وقف نمودہ بندۂ درگاہ را متولی و سرانجام کار آں مقرر ساخت و قطعہ تولیت نامہ علیحدہ بنام من نوشتہ جملہ کاغذ مذکور متعلقہ وقف مذکورہ بہ تحویل من بندہ داد چنانچہ مطابق آں تا حال بندۂ درگاہ محاصل اراضی موقوفہ را حصول کردہ تصرف مصارف متعلقہ مسجد بموجب وقف نامہ و تولیت نامہ کردہ آمدہ حالا بندۂ درگاہ برخوردار سید قائم علی را متولی و سرانجام کار مسجد و اراضی موقوفہ از طرف خود مقرر نمودہ بجائے خود قائم مقام گردانیدہ تمامی اسناد متعلقہ مسجد را حوالہ برخوردار مذکور نمودم باید کہ برخوردار مذکور اسناد مذکورہ را بجنسہ پیش خود داشتہ بدیانت و احتیاط سرانجام کار متعلقہ مسجد نمودہ محاصل اراضی مذکورہ را در وجہ کفاف موذن و امام و جاروب کش سقان مسجد و خرچ مسافرین و آب و چراغ وغیرہ صرف می کردہ باشد و مدام بہ مرمت شکست و ریخت مسجد و مکانات آں خبر گیراں باشد

عکس وصیت نامہ سید فیض احمد ولد سید ابدال محمد رح

متعلق صفحہ ۱۰۷

وانچہ از مصارف متعینہ فرودی آن باقی ماند آن را بہ امانت نزد خود نگاہ داشتہ بہ استواری مسجد و تیاری مقبرہ و دالان مقابل خرچ نمایند و عزل و نصب مؤذن و امام وغیرہ خدمت مسجد بہ اختیار او ست و مرخود شناسند۔"

تحریر فی التاریخ دوم شہر رجب المرجب ۱۲۱۱ھ

سند مندرجہ بالا وصیت نامہ میں "امام" کا لفظ متعدد جگہ تحریر ہے۔ یہ لفظ کسی شیعہ کے قلم سے اصطلاحاً بجائے "پیش نماز" کے لئے نہیں نکل سکتا۔ اس وصیت نامہ کی عبارت سے صاف واضح ہے کہ اصل دستاویز وقف نامہ و تولیت نامہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ تحریر ہیں۔ واقف اور ان کے جانشین متولی اگر شیعہ مذہب ہوتے تو "امام" کی بجائے "پیش نماز" تحریر ہوتا اور ایسی وسیع و خوشنما مسجد کے بجائے کوئی امام باڑہ تعمیر کرتے یا وقف کے مصارف میں مجالس تعزیہ داری کی مدات کو بھی شامل کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے پیشتر امروہہ میں کوئی ایک مسجد بھی شیعہ حضرات کی موجود نہیں تھی۔ اور نہ حضرات شیعہ میں جمعہ یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام امروہہ تو کیا اس زمانہ میں شمالی ہند کے کسی مقام پر موجود تھا[1]۔ اس لئے نہ مساجد تعمیر ہوتی تھیں اور نہ اس زمانہ میں شیعوں کے لئے تعمیر مسجد کی کوئی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں موجودہ متولی اور مہتمم کے انتظام سے پیشتر یعنی غالباً ۱۲۵۰ھ سے شروع ہوا اس مسجد میں باوجود سابقہ متولی کے شیعی مذہب ہونے کے امام و مؤذن سنی المذہب مقرر ہوتے رہے[2]۔ مولانا عبدالعزیز جو پچھلے زمانہ میں سنی علماء میں شان امتیاز رکھتے تھے یہاں درس دیتے رہے۔ مسجد کی امامت بھی ان ہی سے متعلق رہی۔ مولوی عبدالعزیز صاحب

---

[1] تاریخ عماد السعادت مطبوعہ نول کشور صفحہ ۱۲۳۔ [2] مؤلف تاریخ واسطیہ کا یہ بیان کہ "اس مسجد میں ہمیشہ حفاظ وغیرہ مذہب شیعہ سے رہے ہیں" ہرگز صحیح۔ خاکسار مؤلف کی نظر سے سابقہ متولیان کے جو کاغذات گذرے ہیں ان سے بخوبی ثابت ہے کہ اس مسجد میں امام مؤذن حفاظ و دیگر متوسلین ۱۲۵۰ھ سے پہلے سب سنی مذہب ہوتے تھے

انبہٹہ ضلع سہارنپور مولوی عبدالعزیز ساکن بجنور جو سنی حنفی مذہب تھے ۱۳۲۲ھ تک اس وقف سے تنخواہ پاتے رہے صوفی عبدالرزاق (ساکن محلہ پچدرہ) کے والد شیخ عبدالقادر اور خادمان درگاہ شاہ ولایت بن شیخ ہدایت بخش اور ان کے فرزند پیرجی عبدالرشید یکے بعد دیگرے اس مسجد میں متولیان جدید کے عہد سے قبل تک موذن مقرر ہوتے رہے۔

تاریخی حالات کے سلسلہ میں صداقت بیانی مجبور کرتی ہے کہ اس کا اظہار بھی کر دوں کہ عہد انتظام میں حضرت شاہ عبدالرسول قادری کے مرقد منور اور احاطہ مسجد میں اور قبور کی ہیئت کو جو سنیوں کے طریقہ پر تعمیر تھیں، تبدیل کر دیا گیا مسجد جامع محلہ مولانہ کے مہتممین نے توسیع عمارت کے بہانہ سے بانی مسجد اور ان کے اہل خاندان کی قبور کو منہدم کر دیا تھا۔ جو تاریخی نقطۂ نظر سے سخت معیوب ہے لیکن اس سے معیوب تر یہ کارروائی ہے جو یہاں ان بزرگوں کے خواہ مخواہ شیعی مذہب ثابت کرنے کے لئے کی گئی۔ لیکن طرفہ تر ماجرا یہ ہے کہ خود بانی مسجد سید ابو آل محمد اور ان کے فرزند سید فیض احمد کا مرقد اور چونکہ درگاہ شاہ ولایت کی چہار دیواری اور سجادہ درگاہ کی جائے نشست سے قریب ہے ان کی ہیئت کو اب تک تبدیل نہ کیا جا سکا۔ قدیم کتبہ کے علاوہ مسجد میں جدید کتبہ بھی نصب کرائے گئے ہیں۔

۹۔ مسجد میر کلو — ۱۲۲۲ھ میں یہ وسیع اور خوشنما مسجد مع عمارت مدرسہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلو نے اپنے مکانات کے متصل محلہ گذری میں تعمیر کرائی اور ایک موضع جبھرن اس کے اخراجات کے لئے وقف کیا۔ سید ابو آل محمد کی طرح میر کلو بھی اپنے آبائی مذہب اہل سنت والجماعت کے پیرو تھے۔ عدالت نے بھی اس وقف کو سنیوں ہی کا وقف قرار دیا۔ متولی اگرچہ شیعہ مذہب ہیں لیکن مسجد آباد ہے اور اس میں سنیوں کا ہی قبضہ ہے جو اچھی حالت میں ہے۔

۱۰۔ مسجد بصری بیگم — یہ وسیع اور خوشنما مسجد متصل مرادآبادی دروازہ واقع ہے سید فیض علی بن سید افضل علی بن سید محمد فاضل نبیرۂ دیوان سید محمود کی زوجہ

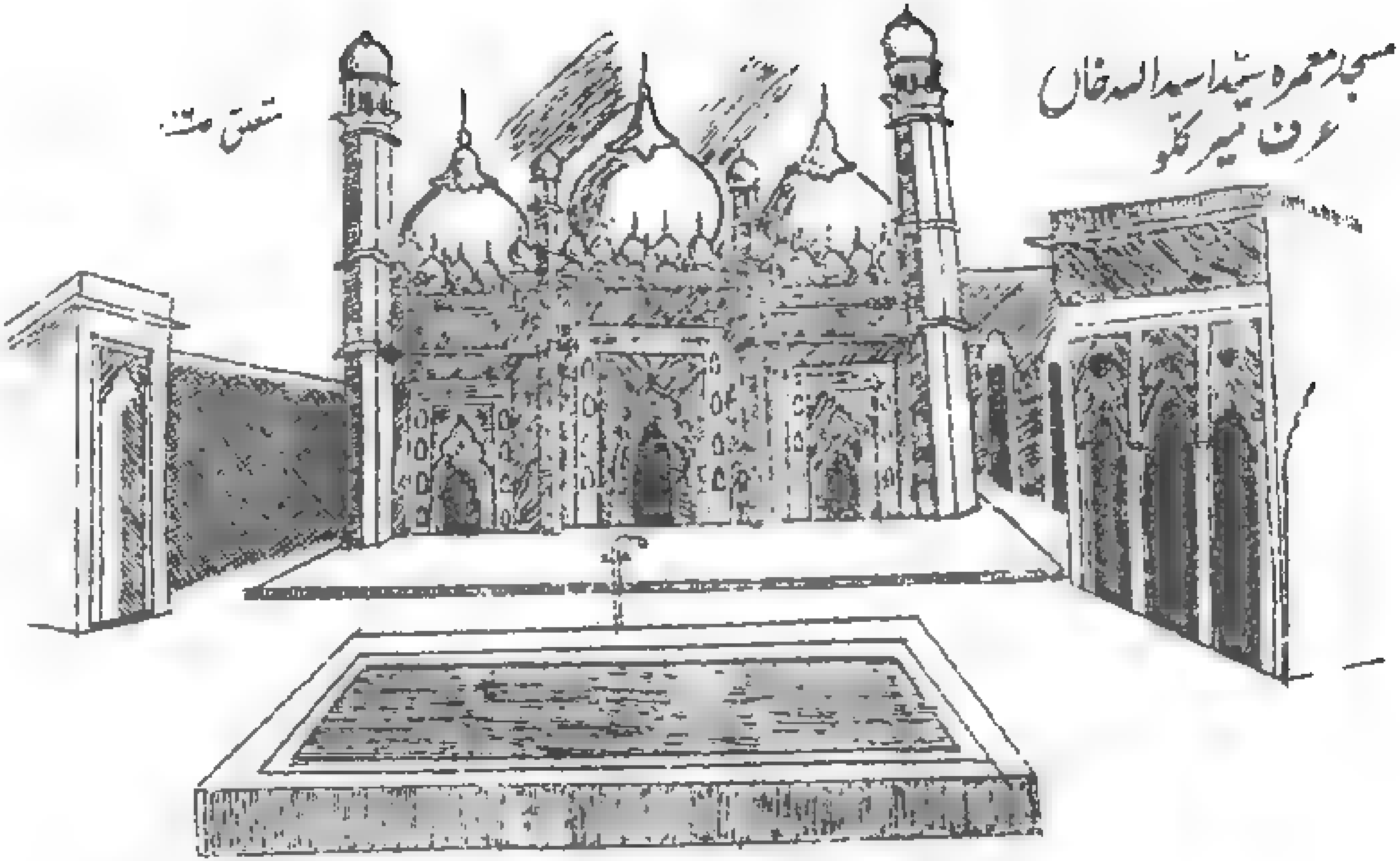
مسجد معمرہ سیّد اسد اللہ خاں
عرف میر کلو

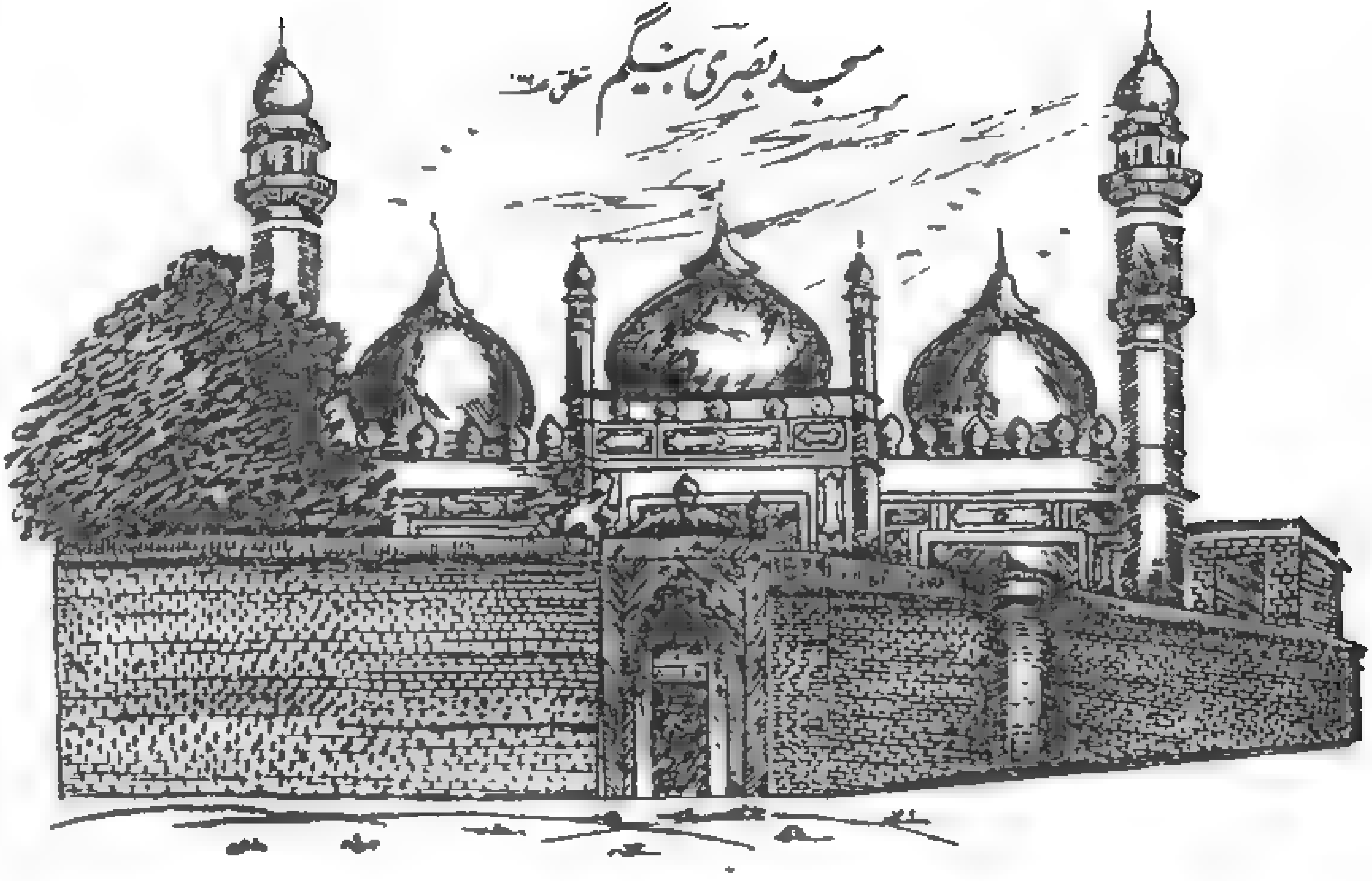

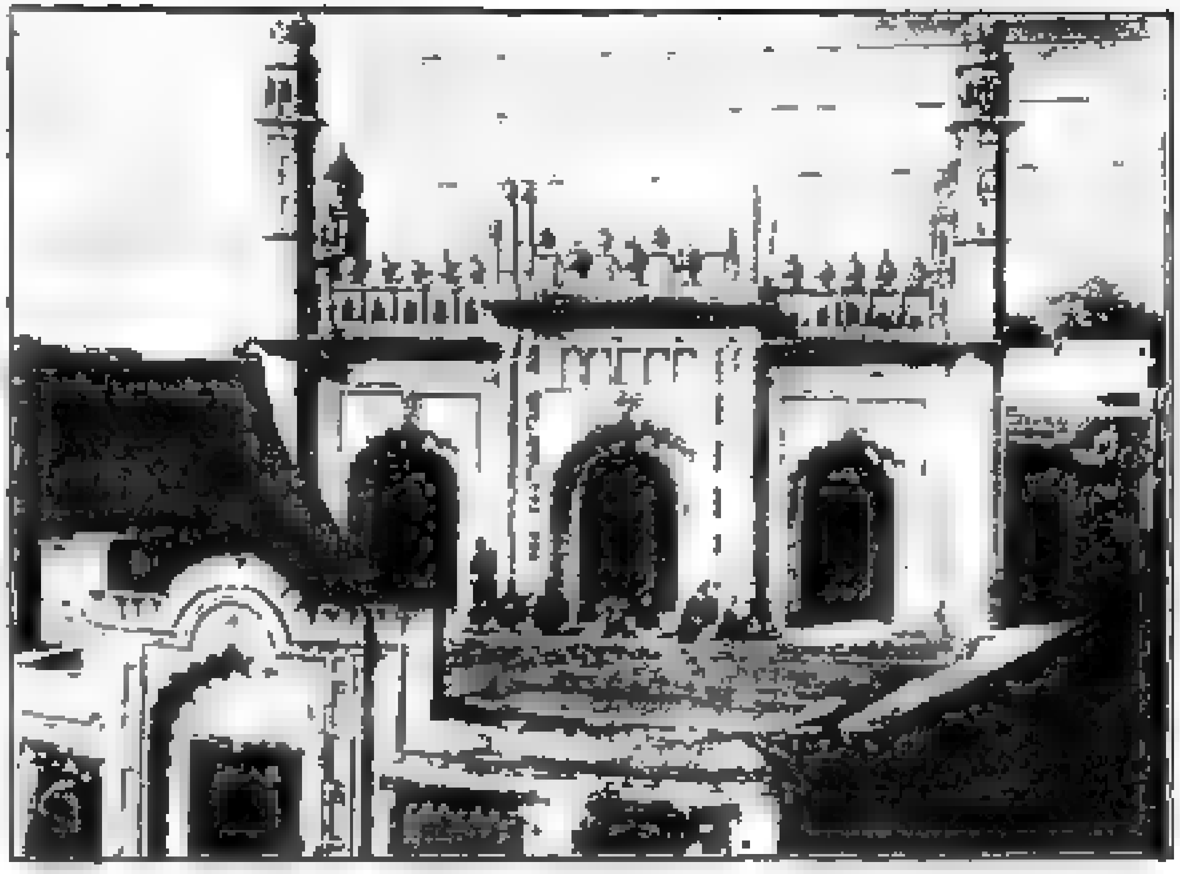

مسجد حافظ عباس علی خاںؒ

بصری بیگم ہمشیرہ سید غلام حسین خان نائب ریاست رامپور نے سنہ ۱۱۸۱ھ میں یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔ احاطہ مسجد کے اندر بصری بیگم کی قبر بھی ہے۔ اسی نمونہ کی ایک اور مسجد انہوں نے شیر خان سرائے شہر سنبھل میں تعمیر کرائی تھی جہاں ان کے مرشد میرن شاہ کا مقبرہ ہے۔ مسجد کے لئے کوئی جائداد وقف نہ تھی۔ شیخ حسین بخش نے سنہ ۱۲۳۳ھ میں ڈھائی سو روپیہ سالانہ کی ایک جائداد وقف کی۔

۱۱۔ مسجد حافظ عباس علی خانؒ

ابتداءً یہ ایک مختصر سی مسجد تھی۔ عہد شاہجہان بادشاہ میں شیخ بایزید نے تعمیر کی تھی۔ ناتمام و شکستہ حالت میں تھی۔ غدر سنہ ۵۷ء سے چند سال قبل اس مسجد کو سالگ رام ولد گھنشیام داس تبارزی[1] نے اس پر قبضہ کر کے منہدم کر کے مندر قرار دے دیا تھا۔ حافظ عباس علی خانؒ نے سنہ ۱۸۵۲ء میں اس مسجد کی دخلیابی کا تبارزی مذکور کے خلاف عدالت ججی مرادآباد میں دعویٰ دائر کیا۔ دعویٰ ڈگری ہوا۔ تبارزی مذکور نے ولسن صاحب جج کے یہاں اپیل کیا، جو کامیاب ہوا۔ حافظ صاحب نے ہائی کورٹ آگرہ میں اپیل کیا وہاں سے فیصلہ حافظ صاحب کے موافق ہوا لیکن ہنوز دخل نہ ملنے پایا تھا کہ سنہ ۱۲۷۳ھ میں غدر ہو گیا۔ مسلمانوں نے بطور خود مسجد پر قبضہ کر کے عمارت تعمیر کی۔ جب بعد غدر کے انگریزی عملداری شروع ہوئی ناظر گورسہائے امروہہ کے ناظم و حاکم مقرر ہوئے ان کی اعانت سے تبارزی مذکور کو انہدام مسجد کا موقع خوب ہاتھ آیا۔ اس نے مسجد کو کلیتاً مسمار کر دیا۔ سنہ ۱۲۷۸ھ مطابق سنہ ۱۸۶۳ء میں حافظ عباس علی خان نے عدالت سب ججی مرادآباد میں پانچ ہزار روپیہ خرچہ اور دخل یابی کا دعوے کیا جو ڈگری ہوا۔ بالآخر سنہ ۱۲۷۹ھ مطابق سنہ ۱۸۶۵ء میں مسلمانوں کو دخل ملا اور مسجد از سر نو تعمیر ہوئی۔ آپ کے فرزند مولوی احمد حسین خان صاحب نے قطعۂ تاریخ کہا:—

---

[1] عوام غلطی سے تواڑی کہتے ہیں۔ اصل میں لفظ تبارزی ہے اور "تبرید" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں میدان میں جا کر جنگ۔

شکستہ چو بتخانہ را اہل دین | پئے مسجد اب سحب غریب
بنا حافظ عباس علی خان نمود | بہ نصر من اللہ و فتح قریب

۱۲۔ مسجد ننھے خان یہ خوبصورت و خوشنما مسجد بیرون شہر جانب جنوب ننھے خان والے باغ میں واقع ہے۔ "ننھے خان" جو حیات خان حاکم سنبھل کے خسر تھے، امروہہ میں ساکن تھے۔ اپنے زمانہ میں نامور اور متمول شخص تھے۔ یہ مسجد اور ایک کنواں بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں انہوں نے تعمیر کرایا تھا اور ایک باغ بھی نصب کیا تھا۔ مسجد جا بجا شکستہ ہوگئی ہے۔ یہ کنواں "خونی کنویں" کے نام سے مشہور ہے۔

۱۳۔ مسجد محلہ شفاعت پوتہ یہ مسجد اگرچہ عہد اسلامی کی تعمیر نہیں ہے لیکن اپنی زیبائش وسعت اور مسلمانوں کے ایک فرقہ کی عبادت گاہ ہونے کے لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ ابتداءً یہاں ایک مختصر سی مسجد تھی جسے حاجی شیخ اشرف علی عظیم آبادی نے جو امروہہ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، ۱۲۳۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی وجہ صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھی ہے کہ جناب مولوی سید محمد عباس صاحب (پیش نماز شیعان امروہہ) بسبب نہ ہونے مسجد کے نماز جماعت امام باڑہ میں پڑھا کرتے تھے لہذا حاجی صاحب نے یہ مسجد مختصر بنائی لیکن بہ سبب کثرت نمازیوں کے ہمیشہ اہل جماعت کو ایذا کشمکش کی ہوتی تھی تو حاجی صاحب نے مسجد کو وسعت دینی چاہی اور کچھ سامان تعمیر بھی فراہم کیا مگر آغاز تعمیر کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ اس لئے امروہہ اور بیرونجات کے شیعہ حضرات نے چندہ جمع کرکے اس مسجد کو وسیع کیا۔ پانچ سال میں یہ عالی شان اور خوشنما مسجد تعمیر ہوئی۔ سال تکمیل تعمیر ۱۲۴۲ھ ہے اور نام اشرف المساجد۔ مسجد کے بیچ کے در پر یہ مصرعہ و تاریخ جدا گانہ پتھر دن پر کندہ ہیں مصرعہ "ظہور عام بہ تعمیر کل جماعت شد"

مسجد اشرف بنا گشتہ چو از فضل اللہ | مقتدایان را تبرکیش بمساجد وکلاست
سال تاریخش چو پرسیدم ز ہاتف فرقتی | گفت ہشتاد و چہار و یکہزار و دو صد است

۱۲   ۲۰۰   ۹۴۲

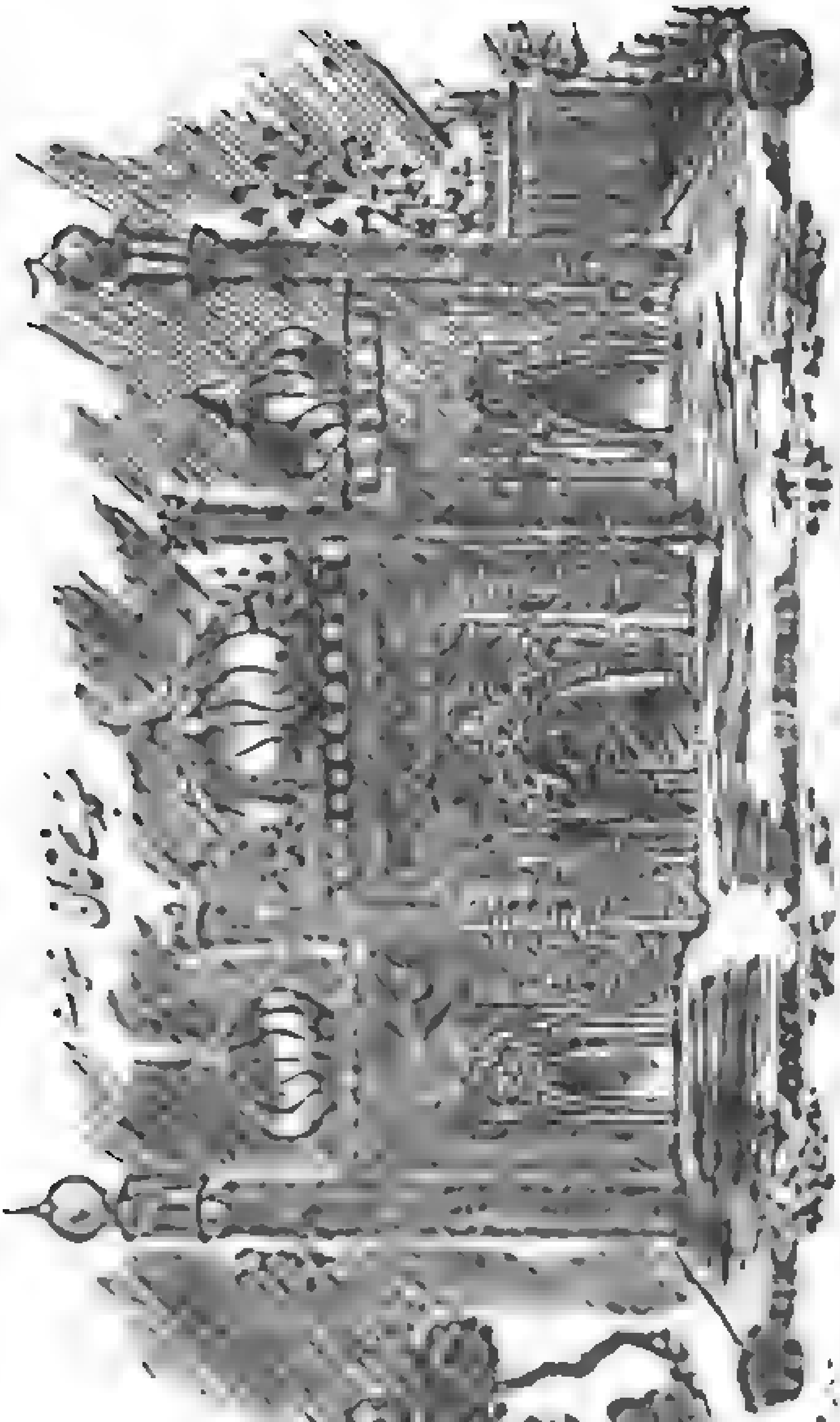

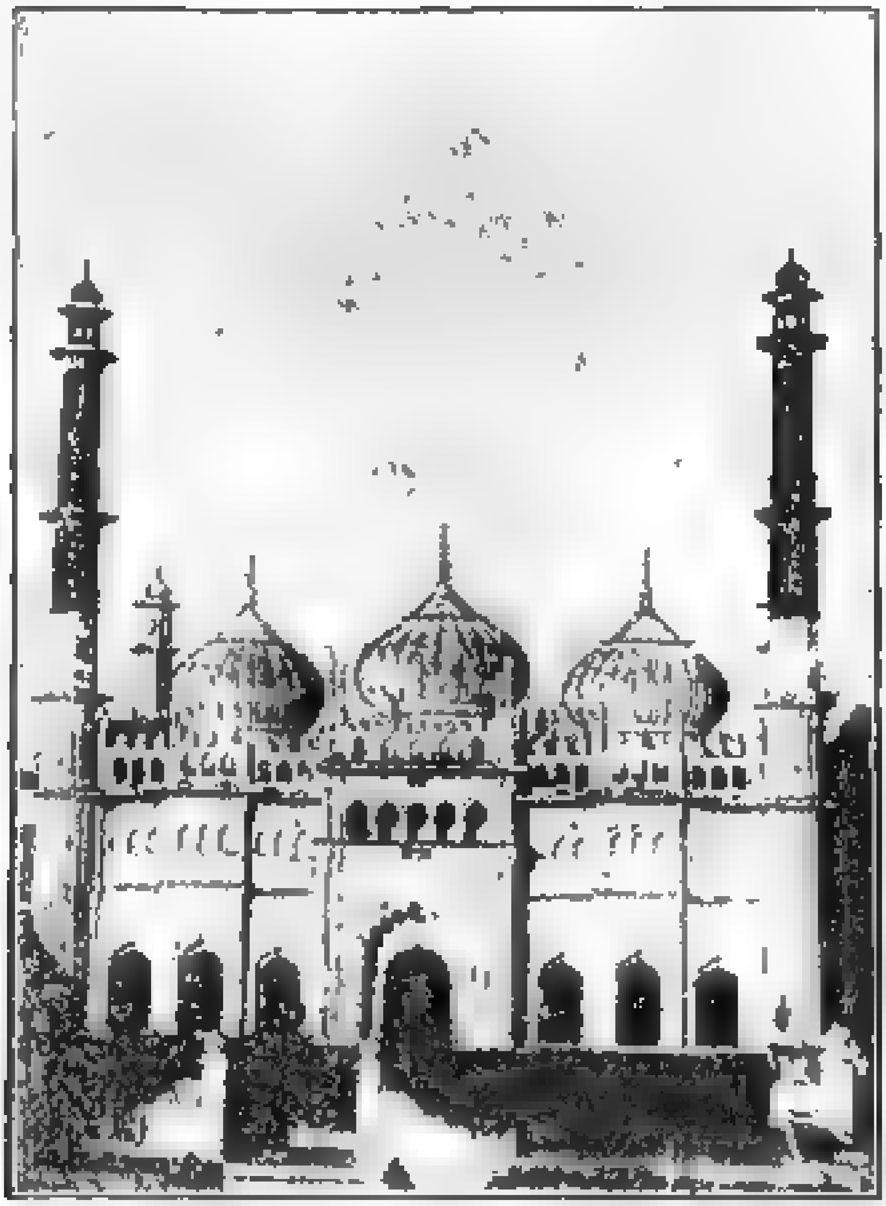

اشرف المساجد مسجد جامع شیعان (امروہہ)

مسجد کے جنوبی گوشہ میں شیعہ میاں کتبخانہ کے کمرے ہیں اور اس سے متصل تید المدارس کی خوشنما اور وسیع عمارت ہے۔

مزارات خانقاہیں اور مقبرے

ا۔ مزارات شہدائے متقدمین شہدائے متقدمین کے مزارات جابجا اندرون و بیرون شہر واقع ہیں ان میں اکثر وہ غازیان اسلام ہیں جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں یہاں کے معرکہائے جنگ و جدال میں شہید ہوئے۔ یہ مزارات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں مسلمانان شہر کو ان مزارات سے عقیدت ہے۔ ہر پنجشنبہ کو اکثر مزارات پر لوگ فاتحہ خوانی کے لئے جاتے اور چراغ روشن کرتے ہیں۔ ان میں چند ان بعد کے شہدار کے مزارات بھی شامل ہیں جن سے لوگوں کو عقیدت ہے۔ مزارات کی تفصیل یہ ہے:۔

سیدنا ابراہیم شہید: شہر کے گوشہ شمال و مغرب میں بہ فاصلۂ ایک میل لب سڑک تاجپور۔ ان کا مقبرہ احمد شاہ درانی کے وقت میں تعمیر ہوا **حسن شہید:**۔ جانب شمال محاذی عیدگاہ۔ **محمد شہید:**۔ جانب غرب شہر سے دو میل کے فاصلہ بر موضع بنجو سرائے میں۔ **حامد شہید:**۔ محلہ قریشیان میں۔ (وزیر سنگھ امیر سنگھ کایستہ نے تخمیناً پچاس سال قبل یہ مزار از سر نو بنوایا تھا۔) **عثمان شہید:**۔ متصل رام تالاب۔ **شمس شہید:**۔ جانب شرق **مبارک شہید:**۔ جانب جنوب شہر سے ایک میل لب سڑک ڈھکہ۔ **شمس شہید ثانی:** واقع محلہ چیکلی۔ **ماکم شہید:**۔ واقع محلہ کوزہ گران۔ **جھنڈا شہید:**۔ واقع محلہ شیخ زادگان (اب یہ محلہ اسی نام سے موسوم ہے) **کھورے خان شہید:**۔ جانب شرق متصل جلال و جوش و خروش ہیں۔ **جہانگیر شہید:**۔ واقع محلہ جزدویہ **عبد الحکیم عباسی شہید:**۔ متصل تکیہ ساہو جانب جنوب۔ **کنوارے شہید:**۔ متصل روضہ شاہ گھاسی

جہانگیر شہید ثانی: محلہ مواڑہ متصل پوانخانہ قاضی ابن عباس عباسی ہدایت اللہ شہید: مزار شاہی چبوترہ اندرون مکان مولوی احسان الحسن تھے خان شہید کا

۴۔ مزاراتِ اولیاء

امروہہ میں مشائخ و اولیاء کے مزارات یوں تو بہ کثرت ہیں لیکن یہاں صرف ان مزارات کی تفصیل درج کیجاتی ہے جنھیں کوئی تاریخی اہمیت حاصل ہے

۱۔ درگاہ حاجی سلیمان و حاجی عبداللہ

یہ مختصر سی درگاہ محلہ شاہی چبوترہ میں متصل مسجد واقع ہے۔ صاحبان مزار کا مفصل حال معلوم نہیں۔ البتہ امروہہ میں یہ مزارات بہت قدیم ہیں۔ روایت ہے کہ غازیان متقدمین میں یہ دونوں صاحب نسبت بزرگ تھے یہاں کے بتخانہ کو انھوں نے ڈھایا۔ شوق جہاد میں جامِ شہادت نوش فرمایا اور اسی مقام شہادت پر مدفون ہوئے۔ ۱۰۶۷ھ میں عہد شاہجہان میں شیخ منصور ولد شیخ بیرو متنائے شیخ تاج نے اس درگاہ کو تعمیر کرایا تھا۔ احاطۂ درگاہ میں حاجی سلیمان اور حاجی عبداللہ کے مزارات پہلو بہ پہلو ہیں۔ احاطہ کی دیوار پر جو پتھر نصب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم در عہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ۔ شیخ منصور روضۂ ملک شہدا حاجی عبداللہ و حاجی سلیمان بنا ساخت

شیخ منصور روضۂ شہدا ۔۔۔ نذر بستہ کرد و بخشش ایزد بود
پیشتر از تولد آن پور ۔۔۔ نام منصور کرد بلوز سعود
بوفائے نذر چو کرد بنائے ۔۔۔ از جان کرد در طاعتش آن بود
چون بجستم زعقل تاریخش ۔۔۔ سال او شد عمارت منصور
از دست احقر ۔۔۔ ۱۰۶۷ فاکلہ کاتبہ شیخ ملا"

اس درگاہ کا تیل خرچ بھی اور درگاہوں کی طرح منجانب حکومت مقرر تھا۔

۲۔ مزار سید نظام گنج رواں:

سید صاحب کا مزار محلہ نوبتخانہ میں لب سڑک مسجد کی پشت

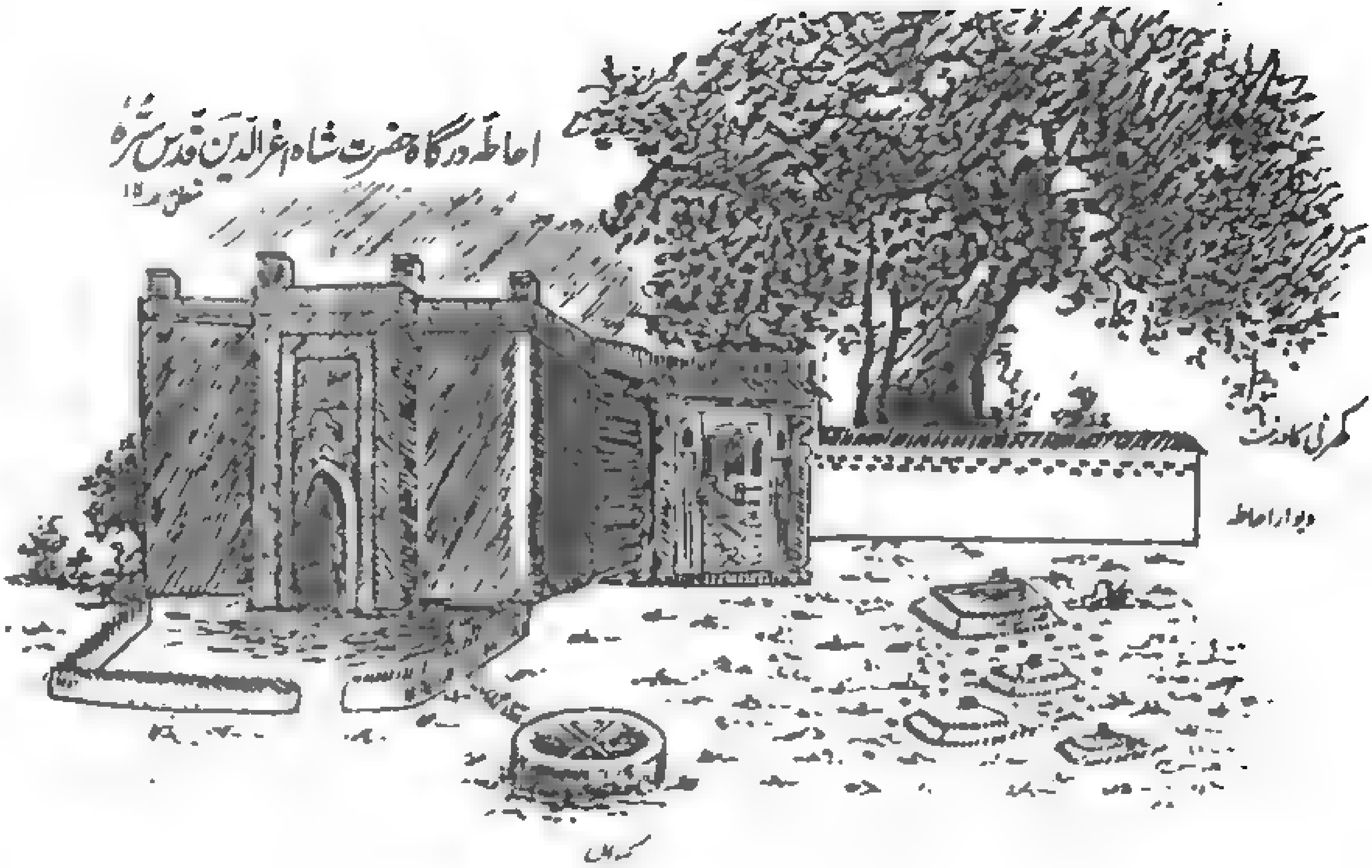
احاطہ درگاہ حضرت شاہ عزالدین قدس سرہٗ
شکل نمبر ۱۵
کھرنی کا درخت
دیوار احاطہ

پر مختصر احاطہ میں واقع ہے۔ امروہہ کے اولیاء میں ان کا زمانہ سب سے زیادہ قدیم ہے۔ گنڈا شاہ مجذوب کی قبر بھی آپ کے جوار میں ہے۔

۳۔ درگاہ شاہ اعز الدین سہروردی رح

شاہ صاحب اولیائے متقدمین میں ہیں۔ حضرت شاہ ولایت کے زمانہ سے تقریباً ایک صدی پہلے آپ امروہہ تشریف لائے آپ کی درگاہ حضرت شاہ ولایت رح کی درگاہ سے جانب جنوب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مزار پُر انوار کے پاس کھرنی کا جو درخت اب تک موجود ہے غالباً اس سے زیادہ کوئی پرانا درخت امروہہ میں نہیں۔ درگاہ کے سامنے برگد کا درخت بھی اپنی قدامت زبان حال سے بتلا رہا ہے۔ اس نواح میں بعض شکستہ چبوتروں اور قبروں کی اینٹیں آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو میں وقتاً فوقتاً خاکسار مؤلف کی نظر سے گذریں جن کی ساخت و ضخامت ہی ان کی قدامت کی دلیل ہے۔ انہیں سے بعض ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ لمبی چوڑی اور دو دو تین تین انچ موٹی تھیں جو یقیناً مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ ولایت رح کی درگاہ یا کسی اور قدیم مزار کے پاس اس ساخت و ضخامت کی اینٹیں یا آثار قدیمہ مؤلف کی نظر سے باوجود تلاش و جستجو نہیں گذرے۔

امتداد زمانہ کی وجہ سے جب یہ مزار شکستہ و بے نشان ہو گیا تھا تو سنہ [illegible]ھ میں شیخ جمّن نامی ایک شخص نے اسے درست کرایا۔ نبو شاہ اسی درگاہ میں رہا کرتے تھے، ان کی قبر بھی احاطہ درگاہ جنوبی مشرقی گوشہ میں ہے اسلئے عوام میں یہ درگاہ "نبو شاہ کی درگاہ" مشہور ہو گئی۔ اس درگاہ میں بھی درگاہ شاہ ولایت رح کی طرح غیر نیش زن بچھو پائے جاتے ہیں[1]۔ بڑھ تلے والے کایستہ خاندان کو اس مزار سے موروثی عقیدت ہے۔ وزیر سنگھ و امیر سنگھ کایستہ نے اس درگاہ کی چہار دیواری وغیرہ از سر نو تعمیر کرائی تھی۔ ہر سال ۲۹ و ۳۰ رمضان کو آپ کا عرس ہوتا ہے جس کا اہتمام اسی کایستہ خاندان کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ حکومت اسلامی کی جانب سے تیل چراغ کا خرچ ملتا تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو حصہ دوم

۴۔ مزار حاجی حسین سہروردی

شاہ اعز الدین سہروردی کی درگاہ کے محاذ میں ایک چبوترہ پر جانب شرق واقع ہے۔ آپ کی والدہ معظمہ کی قبر بھی پہلو میں ہے۔ آپ کی مرقد منور پر ایک کتبہ پتھر پر کندہ ہے جو صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ شیخ عبدالحکیم سورتی[۱] خاندان شیوخ الملقب بہ "داڑھی رنگے" کو اس مزار سے عقیدت تھی، بعد وفات وہ اسی کے قریب دفن ہوئے، اسی وجہ سے ان کے اخلاف کے قبرستان بھی یہاں ہیں۔ اس مزار کے تیل چراغ کے مصارف بھی اسلامی حکومت کی جانب سے مقرر تھے۔

۵۔ درگاہ حضرت شاہ ولایت

امروہہ کی یہ مشہور معروف درگاہ مرجع خاص و عام ہے۔ حضرت شاہ ولایت کی بہت سی ان کرامتوں اور تصرفات کے منجملہ جو عوام میں مشہور ہیں، ایک یہ کرامت بھی خاص شہرت رکھتی ہے کہ احاطہ درگاہ میں بچھو ڈنک نہیں مارتا اور فی الواقع یہاں غیر نیش زن بچھو پائے جاتے ہیں جنہیں مجاورین بچے پکڑ لاتے اور زائرین کو دکھایا کرتے ہیں۔ اسی قسم کے غیر نیش زن بچھو اس نواح کے پرانے قبرستانوں اور بالخصوص درگاہ حضرت قطب عالم سید عبدالعزیز الملقب بہ شاہ اعز الدین قدس سرہٗ وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ مولانا آل حسن نخشبی مؤلف نخبۃ التواریخ لکھتے ہیں کہ:—

"کرامات و تصرفات حضرت سید عبدالعزیز قدس سرہٗ مشہور است کہ عقارب اندرون درگاہ بہ کسے نیش نمی زنند روزے محرر اوراق باچندے رفقائے بہ درگاہ عالی جاہ حاضر شدہ عقربے چند خورد و کلاں زیر خشت ہائے دیوار احاطہ نشستہ دیدہ بدست خود گرفتم و گشت بر انگشتہائے نہادم ہیچ یک اثر آنہا نیافتم[۲]"

حضرت سید عبدالعزیز قدس سرہٗ یعنی شاہ اعز الدین سہروردی کی کرامتوں اور تصرفات میں سے یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی درگاہ کے اندر بچھو کسی کے ڈنک نہیں مارتے۔ ایک دن راقم یعنی مولانا آل حسن نخشبی مرحوم چند دوستوں کے ساتھ درگاہ عالی جاہ میں حاضر ہوا۔ چند چھوٹے بڑے بچھو احاطہ کی دیوار کی اینٹوں کے نیچے بیٹھے دیکھے ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا ان کے ڈنک پر انگلی بھی رکھی لیکن کسی قسم کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا۔

---

[۱] ملاحظہ ہو حصہ دوم۔ [۲] نخبۃ التواریخ صفحہ۔

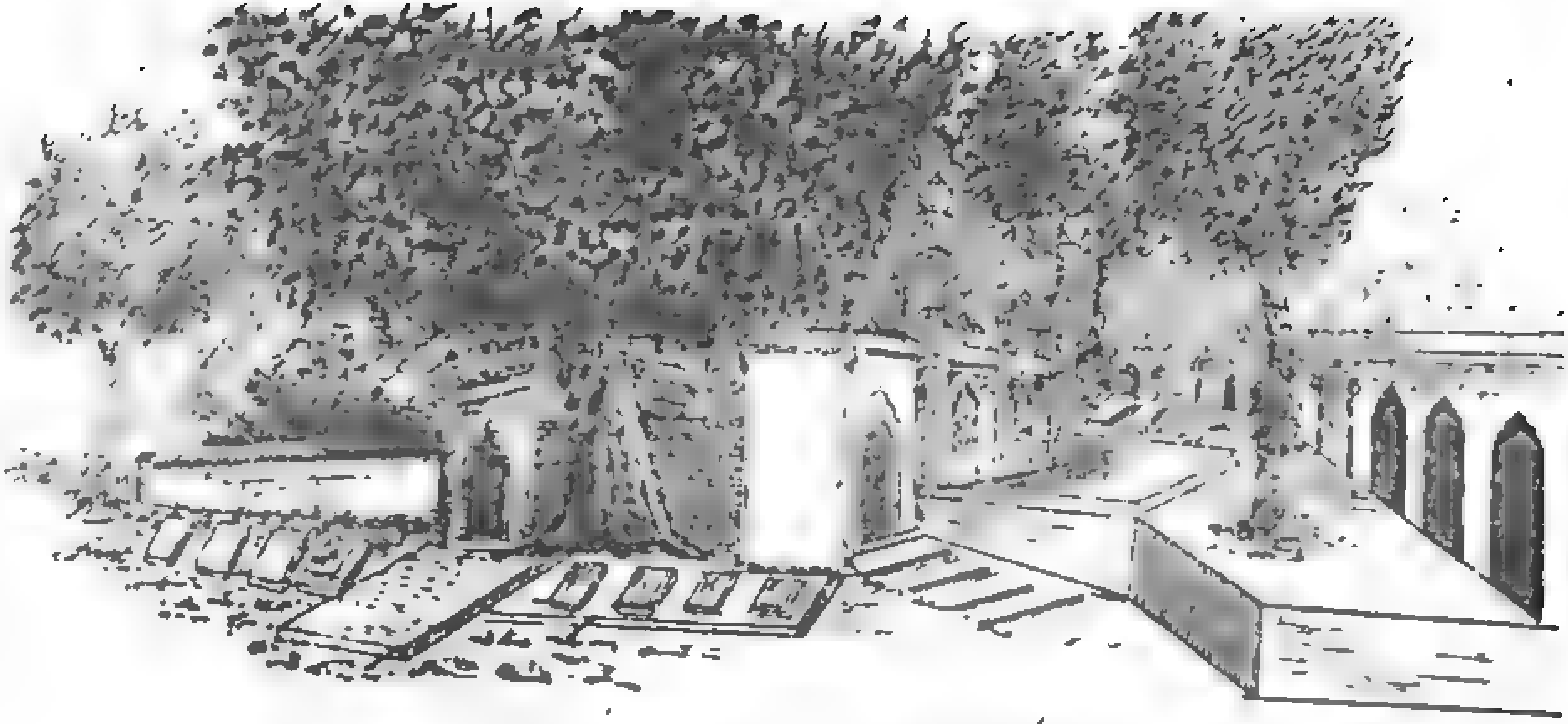

احاطہ درگاہ حضرت شاہ ولایت متعلق ص ۱۱۲

درگاہ کے مجاور اور بعض عوام بیان کرتے ہیں کہ درگاہ عالی جاہ کے بچھوؤں کو اگر احاطۂ درگاہ سے باہر لیجایا جائے تو اپنے "نیش عقرب" کا بمقتضائے فطرت استعمال شروع کردیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سید کمال بن سید جمل مؤلف اسرار یہ جو نسباً حضرت شاہ ولایتؒ کی نسل میں تھے اور خود بھی صاحب حال بزرگ تھے، عوام کے اس خیال کے خلاف اپنا ذاتی تجربہ جو انہوں نے تقریباً تین سو برس پہلے کیا تھا، اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں جو یقیناً دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

"راقم الحروف (یعنی سید کمال بن سید جمل مؤلف اسرار یہ) گزدمہائے آنجا (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ) را بہ سنبھل آوردہ دست وہم دریں جا کس را نمی گزند، مردمان ہم جا بجای بعد نیش نمی زنند"[1]	راقم الحروف (یعنی سید کمال بن سید جمل مؤلف اسرار یہ) (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کے) بچھوؤں کو سنبھل تک لے آیا۔ یہاں بھی وہ کسی کو نہیں کاٹتے، لوگ جگہ جگہ لے جاتے ہیں مگر کہیں ڈنک نہیں مارتے۔

زمانۂ حال میں بھی متعدد حضرات کا تجربہ صاحب اسرار یہ کا مؤید ہے۔[2]

درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ میں عہد مغلیہ سے قبل کی سوائے قدیم چہاردیواری اور بعض گنبدوں کے اور کسی عمارت کے آثار موجود نہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں شیخ غلام محمد نے، جو قوم کلال کے ایک متمول شاہی اہلکار اور مشائخ کے معتقد تھے، درگاہ کی موجودہ چہاردیواری، بارہ دری اور مسجد اپنے صرف سے تعمیر کی تھی۔ بعد میں جنوب رویہ دروازہ شیخ گلزار علی نے اور شرق رویہ دروازہ سید اعجاز حسین (محلہ گندی) نے تعمیر کرایا اور مسجد کی مرمت بھی انہوں نے کرائی۔ دروازہ سے متصل ایک حجرہ مولوی محب علی خاں عباسی کا اور ایک دالان متصل مزار منور شاہ صاحب شیخ گلزار علی کا مقبرہ ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے پہلو میں آپ کی زوجہ معظمہ کی قبر ہے اور پائین مزار آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی اور ان کی زوجہ کی اور دونوں کی پائین شاہ ولایتؒ کے فرزند اصغر سید

---

[1] اسرار یہ قلمی۔ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

عبد العزیز[1] (جن کو سید عزیز الدین و عزیز اللہ بھی کہا جاتا ہے) اور ان کی زوجہ کی اور ان کے بائیں مسماۃ مجنوں بی دختر شاہ ولایتؒ کی قبور ہیں۔ ان ہی قبور سے متصل جانب شرق سید اشرف جہانگیر چشتیؒ نبیرہ حضرت شاہ ولایت کا جو شرف الدین کے نام سے بھی موسوم ہیں، مرقد منور ہے اور اس سے متصل اور اہل خاندان کی قبور ہیں۔ جانب غرب متصل دیوار حضرت شاہ ولایتؒ کے مرشد زادہ اور خلیفہ شیخ معین الدین ناگوری قدس سرہٗ کا مزار پر انوار ہے، درگاہ کے شمالی مغربی گوشہ میں سید محمد ابدال الملقب بہ دودھ دھاری نبیرۂ شاہ ولایتؒ کا مزار ہے جس کا احاطہ سید علی مظفر خان بن سید امان علی خان (گھڑیال والے) نے تعمیر کرایا تھا۔

احاطۂ درگاہ میں حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ بعض اور قدیم قبور بھی ہیں۔ خاندان قاضی زادگان کے دو ایک بزرگوں کی قبریں بھی اندرون احاطہ ہیں۔ حجرہ سے متصل بہ جانب شرق ایک قبر قاضی الہدیہ کی ہے[2]۔ بیرون احاطہ حضرت شاہ صاحب کی اولاد، خاندان قاضی زادگان، خاندان شیخ معین الدین ناگوری اور سادات و شرفا کے چند اور خاندانوں کے قبرستان ہیں۔ انہی قطعات آراضی میں درگاہ کے سجادہ کچھ رقم لیکر عوام الناس کے مردے بھی دفن کرا دیتے تھے جس کی بنا پر بعض دھنوں، قسائیوں اور دوسری پیشہ ور اقوام کے دو ایک قبرستان بھی کچھ عرصہ سے ان اطراف میں ہو گئے ہیں۔

---

[1] صاحب تاریخ دستگیہ نے ان قبور کے متعلق کچھ عجب خلط ملط کیا ہے۔ حضرت شیخ معین الدین ناگوریؒ کے مزار پر انوار کا اول تو ذکر ہی ایسے الفاظ میں کیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کا دل یہ پسند نہیں کرتا کہ حضرت ممدوح کا مزار بھی یہاں بتایا جائے پھر آپ کے مرقد منور کو سید راجے بن سید عبد العزیز کی قبر لکھا ہے، حالانکہ ان کی قبر اپنے پدر بزرگوار کے متصل جانب شرق ہے۔ حجرہ کے متصل جس قبر کو حضرت شیخ معین الدین ناگوری کا مزار بتایا جاتا ہے وہ حقیقتاً حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم شیخ نظام کی قبر ہے جن کی اولاد میں خادمان درگاہ کا خاندان ہے۔

[2] ان کا نام نامی مؤلف واسطیہ نے قاضی خداد کے عرف سونہ بر سن لکھا ہے، یہ ہرگز صحیح نہیں۔ (اصل نام "الہدیہ" ہے۔ جو سید خداد کے فرزند تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ دوم)۔

انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے۔ ۱۲۱۵ھ میں ۲۳ بیگہ زمین موضع داود سرائے میں بموجب پروانہ مہری احمد علی خان عرس درگاہ شاہ ولایت کے لئے وقف تھی۔ ابتداءً شاہ ولایتؒ کی اولاد عرس کا انتظام کرتی تھی' اب پہلی تاریخ میں درگاہ کے مجاور' دوسری تاریخ میں بڑھ تکے والے کا لبستہ اور تیسری تاریخ میں شہر کے قسائی، تیلی وغیرہ روشنی اور عرس کا انتظام کرتے ہیں۔

انتزاع سلطنت اسلامی تک تیلچراغ کے مصارف کے لئے ایک ٹکہ اور خادمان درگاہ کو ۲ روپیہ ملتا تھا' چند بیگہ زمین بھی خادمان درگاہ کو ملی ہوئی تھی۔

گورِ غریباں عیدگاہ سے لیکر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ اور اس کے اطراف وجوانب میں دور دور تک قبروں کا ایک شہر خموشاں بسا ہوا ہے' خدا معلوم کون کون عالمانِ باصفا' صاحبان حشمت وجاہ' یہاں منتظر نفخ صور ہیں ؎

عطرِ مٹی کا جو نہ ملتے تھے ؛ نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے ؛ استخواں تک بھی انکے خاک ہوئے

بڑے بڑے سنگین چبوترے وحظیرے شکستہ اور ہزاروں قبریں ٹوٹی پڑی ہیں۔ صدہا قبروں کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں۔ مرنے کے بعد کس شان سے مقبرے تعمیر ہوئے' آج کوئی نام لیوا بھی موجود نہیں۔ تعویذ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ عجب حسرت کا مقام ہے ؎

تھے جو مشہور قیصر و فغفور ؛ باقی ان کے نہیں نشان قبور
تاج میں جنکے ٹکتے تھے گوہر ؛ ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر

عہد اسلامی کے آثار قدیمہ کی تلاش وجستجو میں خاکسار مؤلف کا شہر کے قبرستانوں میں بارہا گذر ہوا' گھنٹوں گور غریباں کی ایک ایک اینٹ کو دیکھتا پھرا۔ کہنہ کاغذات میں جن کے جاہ وحشم کا حال پڑھا تھا' شہر خموشاں میں آکر ان کا کچھ عجب حال پایا۔ بیکسی کے عالم میں منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں' حسرتیں بادل بن بن کر ان کی ٹوٹی قبروں پہ چھائی ہوئی ہیں' ابر نیساں کے

سوا نہ کوئی آنسو بہانے والا ہے اور نہ تنہائی و بیکسی کے سوا کوئی ہمدم وانیس ہے۔ سید غلام علی کٹرہ والے جیسے امیر کبیر کا مزار مرقع عبرت ہے۔ جن کے دیوانخانوں اور محلسراؤں میں پر فضا پائیں باغ موجود تھے آج اُن کی لحد کے پاس سرو، بید و چنار کے درخت تو کجا، گلاب و چنبیلی کے خشک پھول بھی نہیں، سبزہ تک افسردہ نظر آتا ہے۔ مزار کی اینٹیں بکھری پڑی ہیں ؎

خشک گل، افسردہ سبزہ، شمع چپ بالیں اُداس
جی بھر آیا عالمِ گورِ امیراں دیکھکر

میں اس مرتفع اور شکستہ چبوترہ پر کھڑا تھا، چاروں طرف آسودگانِ عدم کی خواب گاہوں اور شہر خموشاں کی قبروں کا ایک سلسلۂ نامتناہی چلا گیا تھا، اس منظر نے خیال کو تحریک دی سوچنے لگا کہ یہ مٹی اور اینٹ و چونہ کے ابھرے ہوئے ڈھیر جن میں سے ہزاروں صدمات بارش سے زمین دوز ہوگئے ان میں کس کس کی تمنائیں اور کیسی کیسی آرزوئیں مایوسی سے دست و گریبان ہوکر عالم سکوت میں متحیر پڑی ہوئی ہیں، خدا جانے ان میں کتنے مدبرانِ ملک اور وزیرانِ سلطنت ہونگے، کتنے بہادر و جانباز شعراء و انشا پرداز ہونگے، وہ بھی ہونگے جو عین عنفوانِ شباب میں چل دیئے اور وہ بھی جو عمر طبعی کو پہنچکر مرے سکیا آج ان میں کسی کو دنیاوی عیش و لطف کے کچھ مزے یاد ہیں۔ وہ دولت و تمول کے کھیل، وہ ساز و سامانِ آرائش، وہ عیش و عشرت، وہ حسن و عشق کے چرچے، وہ شب ماہ کی دلفریبیاں، وہ نسیم سحر کی عطر بیزیاں، وہ احباب کے جمگھٹے، یعنی وہ تمام دنیاوی مشاغل جن میں سے ایک ایک بات کا زندگی میں کیا کچھ اہتمام تھا کیا اب بھی ان کی یاد دل میں باقی ہے۔ یہ سوچتا ہوا ذرا آگے قدم بڑھایا تھا کہ ایک ضعیفہ کی دل ہلا دینے والی اور درد بھری آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اپنے اکلوتے اور جواں مرگ بیٹے کی قبر سے لپٹی ہوئی آہ و بکا میں مصروف تھی، بڑھاپے میں ایک ہی سہارا تھا جسے موت کے ظالم ہاتھ نے اس سے چھین لیا تھا۔ یہاں سے تھوڑی دور چلا تھا کہ مٹی کا ایک تازہ ڈھیر سامنے آیا۔ یہ اُن مولوی صاحب کی قبر ہے جو ابھی چند مہینے ہوئے وہابی و بدعتی کے ہنگامہ آرائیوں میں نمایاں حصہ لیا کرتے تھے۔ آج عالم بیکسی میں خاموش پڑے ہیں۔ جلسوں میں فریق مخالف پر کیسی کچھ

بوچھاڑ کرتے تھے اب ان کے سرہانے کیسا ہی شور مچاؤ، چیختے چیختے مرجاؤ، یہ ہوں ہاں کچھ نہیں کرسکتے۔ غرضیکہ اس شہر خموشاں کے عبرت افزا نظارے، لق و دق میدان کے سنّاٹے، شکستہ و بوسیدہ قبروں کی حالت، قبرستان کے درختوں کی الم انگیز سنسناہٹ نے دل پر خیالات کا ایک ہجوم طاری کردیا اور میں اس عبرت انگیز کلام کو پڑھتا ہوا مُردوں کی نگری سے زندوں کے رین بسیرے کی طرف لوٹا۔؎

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے — خوب مُلکِ روس ہے اور سرزمینِ طوس ہے
گر میسّر ہو تو کیا عشرت سے کیجیے زندگی — اُس طرف آوازِ طبل اِک سو صدائے کوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے — چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز میں محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف — جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین بتلا کے لگی کہنے مجھے — یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے
یہ وہی ہینگے جو دعوائے خدائی کر گئے — یہ فلاطوں ہے یہ ارسطو اور یہ جالینوس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دنیا سے آج — کچھ بھی انکے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

۶۔ درگاہ شاہ نصیر الدین چشتیؒ

شاہ صاحب کی درگاہ بیرون شہر جانب شمال و مغرب متصل بالنٹد گو پارک واقع ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے آخر تک یہ درگاہ بارونق اور آباد تھی، عرس بھی ہوتا تھا، لیکن اب ویران و سنسان ہے، عرس بھی نہیں ہوتا۔ ان کی اولاد میں اب کوئی مذہب آبائی پر نہیں، جو چند لوگ ہیں وہ دو دو چار چار پشت سے شیعی المذہب ہیں۔ جن کو عرس وغیرہ سے قدرتاً کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔

۷۔ درگاہ شاہ نظام الدین سہروردیؒ

آپ کا مزار محلہ دستار سیاہ میں واقع ہے۔ مدت دراز سے شکستہ پڑا تھا۔ مولانا سید عبدالرحمن مکی نے ۱۳۲۷ھ میں از سرِنو بنوایا اور احاطۂ درگاہ کو، جس کی کچھ اراضی بہ مرور ایام قرب و جوار کے بعض مکانات میں شامل

؎ (متعلق صفحہ ۱۱۶) اصل شعر میں بجائے "غریباں" کے "امیراں" کی لفظی ترمیم کی گئی۔

ہوگئی ہے، پختہ کرایا۔ ایک کمرہ بھی بنوایا۔ اب یہ مقام بارونق ہے۔ مولانا کا قیام بھی یہیں ہے۔

۸۔ مزار عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادریؒ

حضرت عارف باللہ شاہ شکر اللہ قادری قدس اللہ روحہٗ عہد جہانگیر کے خدارسیدہ اور قادریہ سلسلہ کے صاحب کمال بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلۂ بیعت کئی پشتوں تک امروہہ میں جاری رہا۔ مشائخ امروہہ کی بعض قدیم دستاویزات پر "سید قطب بن سید محمد افضل صاحب سجادہ حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری" کے دستخط ان ہی الفاظ کے ساتھ تحریر ہیں سنہ ۱۱۰۴ھ یعنی عہد عالمگیر" تک اس خاندان کے بزرگوں کا تذکرہ کاغذات میں ملتا ہے۔ خاکسار مؤلف کو امروہہ کے قبرستانوں اور مزارات میں اکثر بزرگوں کی قبروں اور مزارات کی کسمپرسی کے نظارہ نے بارہا متألم کیا ہے لیکن جس وقت ایک صوفی منش دوست کی معیت میں حضرت ممدوح کے مزار کی تجسس میں اس مقام پر پہنچا جو آپ کا آرام گاہ ہے زبان قلم سے نکلے ہوئے الفاظ قلب کی اس اذیت اور دل کی اس بیتابی کا اظہار نہیں کر سکتے جو اس منظر کے دیکھنے سے پہنچی۔ محلہ کالی پگڑی (دستار سیاہ) میں، جس کا نام ہی حضرت ممدوح کی خاندانی خصوصیت کا آج بھی اظہار کر رہا ہے، امام باڑہ کے سامنے، جو کسی زمانہ میں حضرت ممدوح کی خانقاہ تھی مٹی کا ایک اونچا ڈھیر پڑا ہے اس کی چہاردیواری کی بنیادوں کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں یہیں حضرت کا مزار پرانوار تھا، ایک قبر کی کچھ اینٹیں بھی بکھری پڑی ہیں۔ یہ نظارہ ہی کسی قبر پرست کے لئے نہیں آثار قدیمہ کے مجھ جیسے شیدائی کے لئے کچھ کم اذیت دہ نہ تھا۔ مگر آہ! اے امروہہ کے اسلاف پرست مسلمانو! سنو، اس بزرگ، اس ولی اللہ کا مرقد منور محلہ کے یکہ والوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو رہا ہے، یہاں گھوڑے بندھتے ہیں، جس مقام پر اس بزرگ کی ہڈیاں دفن ہیں وہاں گھوڑوں کی لید اور پیشاب کی عفونت آرہی ہے!!

خانقاہ کی اینٹیں تو خیر امام باڑہ ہو جانے کی وجہ سے سلامت ہیں، لیکن یہ امام باڑہ یا بالفاظ صحیح خانقاہ جس واجب الاحترام بزرگ کی یادگار ہے کیا اس کا مزار اس کا بھی مستحق

نہیں کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی زد سے تو اسے محفوظ کر دیا جائے ! یہ سچ ہی کہ حضرت کی نسل میں اب ایک دو اشخاص جو باقی ہیں ان میں سے کوئی فرد امروہہ میں موجود نہیں، امام باڑہ کے متولی منشی اظہر علی عرائض نویس جو کسی عدالتی کارروائی کی بنا پر متولی ہو گئے ہیں، اگر اختلاف عقائد کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہیں تو کیا امروہہ کے اور مسلمانوں اور بالخصوص شیخ صدیق علی خاں وغیرہ اہل محلہ یا مولوی احسان الحسن اور مولوی صبغۃ اللہ صاحبان کا بھی کوئی فرض نہیں ؟

نام نیک رفتگاں ضایع مکن　　　تا بماند نام نیکت یادگار

۹۔ روضۂ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح

یہ بہت مشہور و معروف روضہ شہر سے جنوب و مشرق میں ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ مرقد منور ایک مرتفع چبوترہ پر ہے پہلے اس پر سرخ پتھر کی بارہ دری تھی جو پیر بنجارہ[1] کی معرفت بیان کیا گیا ہے

---

[1] یعنی پیر بنجارہ بن شاہ مسعود بن شاہ قاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح۔ آپ کا نام نامی حضرات پیرزادگان کے مطبوعہ شجرہ میں "محمد مقصود" درج ہے، آپ کے دستخط متعدد قدیم دستاویزات خاندانی بایں الفاظ میں ملے ہیں "فقیر بنجارہ ابن شیخ مسعود" معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بنجاروں کی قوم کو عقیدت تھی، شاید ان کے پیر ہونے کی وجہ سے "پیر بنجارہ" مشہور ہو گئے ہوں اور بوجہ کسر نفسی اپنے نام کی بجائے "فقیر بنجارہ" لکھتے رہے ہوں۔ بہرحال اس لقب کی کوئی وجہ بھی صحیح ہو بنجاروں کی قوم کو، جس کی بڑی تعداد اس زمانہ میں تانڈہ (متصل مرادآباد) رہتی تھی اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے ان میں مال و دولت بھی کافی تھا، حضرت شاہ ابن بدر رح کے روضۂ منورہ کی سنگین بارہ دری کا سامان تعمیر فراہم کیا جو انہی پیر بنجارہ کے انتظام میں بعہد شاہجہاں بادشاہ تقریباً ۱۰۳۵ھ میں تعمیر ہوئی۔ یہ بارہ دری کس شان کی تھی اس کا اندازہ صرف ان چند پتھروں سے ہو سکتا ہے جو چبوترہ کی سیڑھیوں پر نصب ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے واقعات کو دوہراتی رہتی ہے، چنانچہ ۱۳۴۰ھ میں پہلی تعمیر سے تقریباً تین سو برس کے بعد انہی پیر بنجارہ کی ساتویں پشت میں محبی پیر رئیس الدین احمد اسی مقام

کسی صدمہ سے مسمار ہوگئی تھی پھر دوبارہ تعمیر نہ ہو سکی اُس کے بعض خوبصورت نقش ونگار سے مزین پتھر جو اپنے صناعوں کی صناعی اور کاریگری کے زبان حال سے شاہد ہیں چبوترہ کی سیڑھیوں پر نصب ہیں، احاطۂ درگاہ کی پختہ چہار دیواری تھی جس کے آثار بھی اب تک باقی ہیں۔ آپ کے فرزندان باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین قدس اللہ اسرارہم اور دوسرے بیٹوں پوتوں کے مزارات بھی متصل مرقد منور واقع ہیں۔ سید جلال کا مزار بھی جن سے رشتہ کا تعلق تھا اور جن کو آپ سے عقیدت بھی تھی احاطۂ مزار سے متصل ہے نیز خاندان پیرزادگان کے قبرستان بھی احاطۂ روضۂ منورہ میں ہیں۔ جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر کے عہد سلطنت میں آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ بیرونجات سے بڑی تعداد میں لوگ آتے تھے۔ فقراء و مشائخ اور مریدین کے

(بقیہ صفحہ ۱۱۹)

پر سنگین عمارت زر خرید سے تعمیر کر رہے ہیں۔ ؎ بنجارہ۔ یہ لفظ سنسکرت زبان کے لفظ "بنج" (वणिज) سے مشتق ہے جس کے معنی بیوپار اور سوداگری کے ہیں۔ بعض لوگ اس کو فارسی کے لفظ "برنج آر" کی بگڑی ہوئی شکل کہتے ہیں جس کے معنی چاولوں کے حمّال کے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ سنسکرت کی ایک بہت قدیم کتاب "دس کمار چرترا" کے ایک حصّہ میں "بنجارہ" کا لفظ موجود ہے۔ اس صوبہ میں جو بنجارے آباد ہیں وہ ہمیشہ سے یہی کاروبار کرتے رہے ہیں کہ مقام سے دوسرے مقام کو تجارتی اشیاء لیجاتے تھے۔ نظیر اکبرآبادی فرماتے ہیں "سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاویگا جب لاد چلے گا بنجارہ"۔ انگریزی سلطنت میں ذرائع باربرداری کے وسیع ہونے کی وجہ سے ان کے آبائی پیشہ میں بھی خلل واقع ہو گیا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے جو ضابطۂ تجارت اور نرخ اشیاء کے قائم کئے تھے ان میں ان بنجاروں کے بھی فرائض متعین کئے گئے تھے۔ اس زمانہ کی تاریخوں میں ان کا اکثر ذکر آتا ہے۔ بعض جگہ انہیں لفظ "ملتانیاں" سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اس صوبہ کے بنجارے بھی اپنا نکاس ملتان سے بتاتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابتداءً یہ ہندو بھاٹوں کی ایک شاخ "چارن بھاٹوں" میں سے تھے، اپنا پیشہ ترک کر کے تجارت کا کاروبار کرنے لگے۔ ان کی چار بڑی قسمیں ہیں۔ ترکیا بنجارے، بید بنجارے، لبانا بنجارے، مکیری بنجارے اور بہروپ۔ بجز ان سب میں بہت سی شاخیں ہیں صرف ترکیوں میں ہی ۳۶ فرقے ہیں۔ اوّلاً تذکرہ میں ان کی خاص بولی

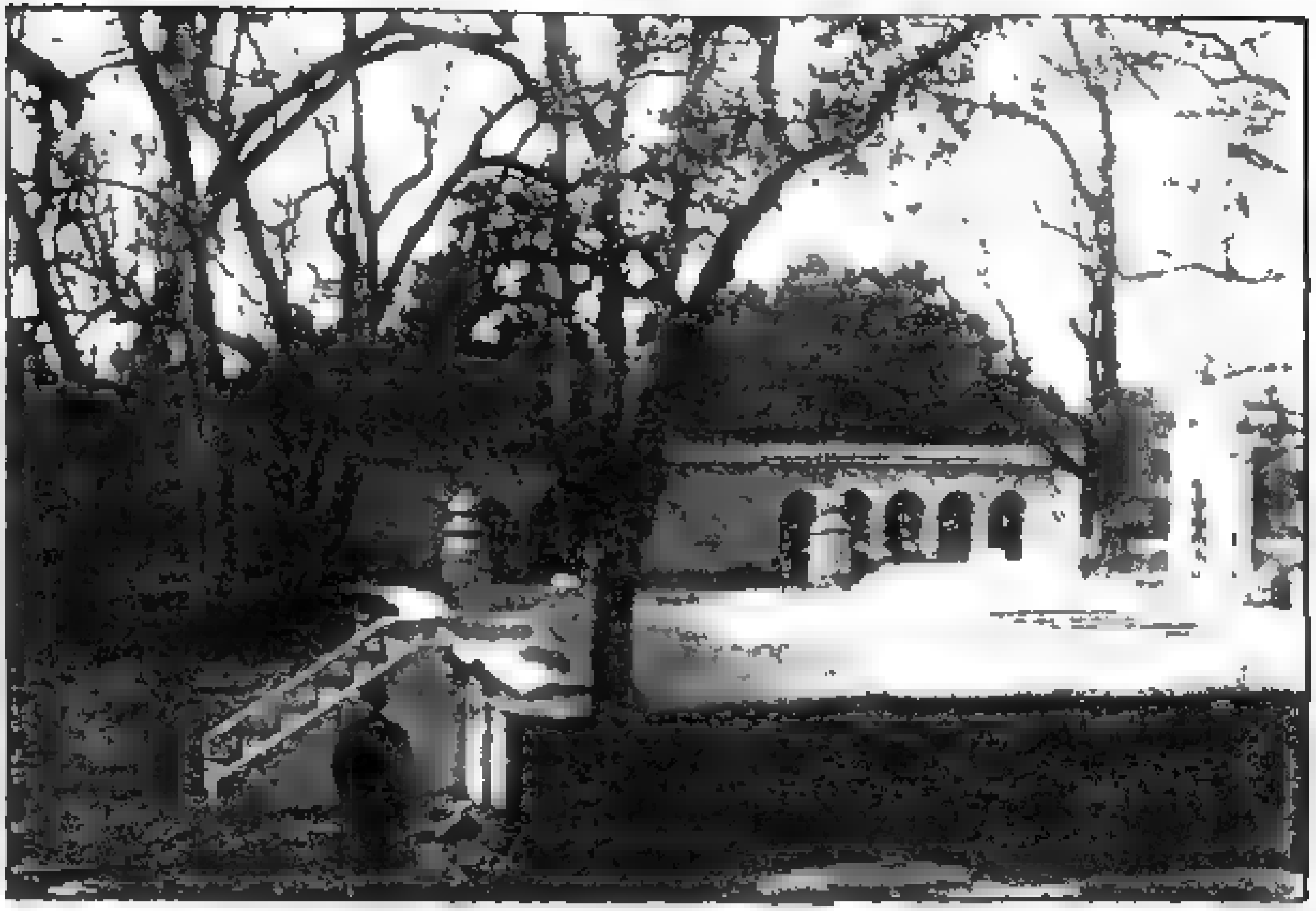

روضہ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح

قیام کے لئے روضہ سے متصل مکانات بھی تھے۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بیگہ اراضی سلطنت کی عطا کردہ تھی۔ یہاں اب ایک مسجد اور بارہ دری بھی ہے۔ ماہ ذی الحجہ میں گیارہ سے پندرہ تک پانچ دن عرس ہوتا ہے جس کا انتظام آپ کی اولاد کرتی ہے۔ ان کے علاوہ عرس کی ایک شب دکھنی جولاہے بھی کرتے ہیں جن کو حضرت سے موروثی عقیدت ہے۔ ان کے قبرستان بھی روضۂ منورہ سے متصل ایک قطعہ اراضی میں ہیں۔

۱۰۔ مزار شیخ چاہن فاروقیؒ

متصل آبادی جانب شرق تالاب پانباڑی۔ اس محلہ کا نام ہی محلہ شیخ چاہن پڑ گیا ہے جس کو عوام غلطی سے محلہ "شیخ چانیاں" کہتے ہیں۔ اس مقام پر مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں ایک بڑا بتخانہ تھا یہ بتخانہ قدیم شہر کے باہر اس تالاب کے کنارے تھا۔ بتخانہ کے بت بہ تعداد کثیر اس ڈھیر میں دبے پڑے ہیں۔ تقریباً بیس برس ہوئے گلاب شاہ ساکن مرادآباد نے زر تفرق سے اس مزار اور مسجد کی مرمت کرائی تھی۔

۱۱۔ مزار حضرت شیخ پیر کرکؒ

واقع محلہ نیاز یاں یہ مزار ایک وسیع احاطہ میں ہے جو پہلے تکیہ شیخ پیر کرکؒ کے نام سے موسوم تھا۔ اس احاطہ میں مختصر سی مسجد بھی ہے۔

۱۲۔ مزار شاہ ضیعف اللہ کاظمیؒ

آپ کا مزار محلہ کنگوئی میں ہے، آپ مشائخ متاخرین میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مرید، عالم باعمل اور صاحب نسبت بزرگ بزرگ تھے۔ سنہ ۱۲۳۰ھ میں بوقت نماز عصر بحالت سجدہ واصل بحق ہوئے۔

۱۳۔ مزار شاہ گدا قادریؒ

آپ کا مزار شہر سے جانب جنوب متصل تالاب کینٹیا واقع ہے۔ یہاں علاوہ اہل خاندان کی قبور کے شیخ جان محمد اور شاہ گدا قادریؒ کے مرید شاہ عبدالواحد کے مزارات بھی ہیں، کسی زمانہ میں بارونق مقام تھا۔ اس درگاہ

(بقیہ صفحہ ۱۲۰)

تھی وہاں سے بلاسپور، رچھا وغیرہ مقامات پہ جا بسے۔ بہر حال عہد ماضیہ میں یہ خوشحال اور متمول تھے۔

کے لئے اراضی بھی سلطنت کی جانب سے مقرر تھی، خدام درگاہ کو وہبہ ملتا تھا، ان خدام کی نسل میں محلہ بتوال کے فقیر ہیں، جنکا پیشہ اب گداگری ہے۔

۱۴۔ درگاہ شاہ عبدالمجید علوی رحمۃ اللہ علیہ

پختہ چہار دیواری کے اندر متصل عیدگاہ واقع ہے۔ مرقد منور پر خوبصورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جواب جابجا سے شکستہ ہو گیا ہے۔ آپ کے بھائی اور جانشین شیخ فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر بھی پائین مزار ہے جواب اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے۔ احاطہ درگاہ میں عالی شان مسجد ہے جس کے خوشنما گنبد جابجا سے شق ہو گئے ہیں، سامنے کا ایک مینار گر گیا، کنگرے ٹوٹے پڑے ہیں، گنبدوں پر خودرو درخت اگ آئے ہیں۔ تاریخ تعمیر کا حسب ذیل کتبہ سنگ مرمر پر خوشنما حروف میں کندہ تھا یہ پتھر کسی صدمہ سے گر کر ٹوٹ گیا جسکے ٹکڑے بڑی تلاش سے دستیاب ہوئے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

یافتہ بنا از مدد ذوالجلال — مسجد و گنبد خلق رسی بکمال

خادم در اقم عبدالواحد — سنہ ۱۱۲۲ھ (اے عہد کی سطر پر صنعت بیاں)

مسجد کے متصل شاہ صاحب کے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ ہے جو طرز تعمیر میں آپ کے مرشد کے مقبرہ کے مشابہ ہے۔ یہ بھی جابجا سے شکستہ ہو گیا ہے۔ سابق میں آپ کا عرس بھی خوب دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بگیہ اراضی کی ایک ملک سلطنت کی عطیہ تھی۔ آخر عہد سلطنت اسلامی تک تیل چراغ کا خرچ اور درگاہوں کی طرح مقرر تھا۔ اس خاندان کے لوگ جب امروہہ میں باقی نہ رہے عرس بھی موقوف ہو گیا اور مقبرہ کی مرمت اور خدمت کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ مسجد اور مقبروں کی عمارتوں کی حالت نہایت درجہ زبون ہے۔ یہ تاریخی عمارتیں مسلمانان امروہہ کی غفلت اور بے حسی کا اپنی زبان حال سے مرثیہ خواں ہیں۔

ع۔ حسرت برس رہی ہے یہ کس کا مزار ہے

خانہ خالی را دیو می گیرد، خدا معلوم وہ کون لوگ ہیں جو اس متبرک مقام یعنی مسجد اور مقبرہ کا اپنے کو "مالک یا قابض" سمجھکر اس متبرک زمین میں جہاں ان بزرگوں کے جسم خاکی دفن ہیں ہل چلاتے

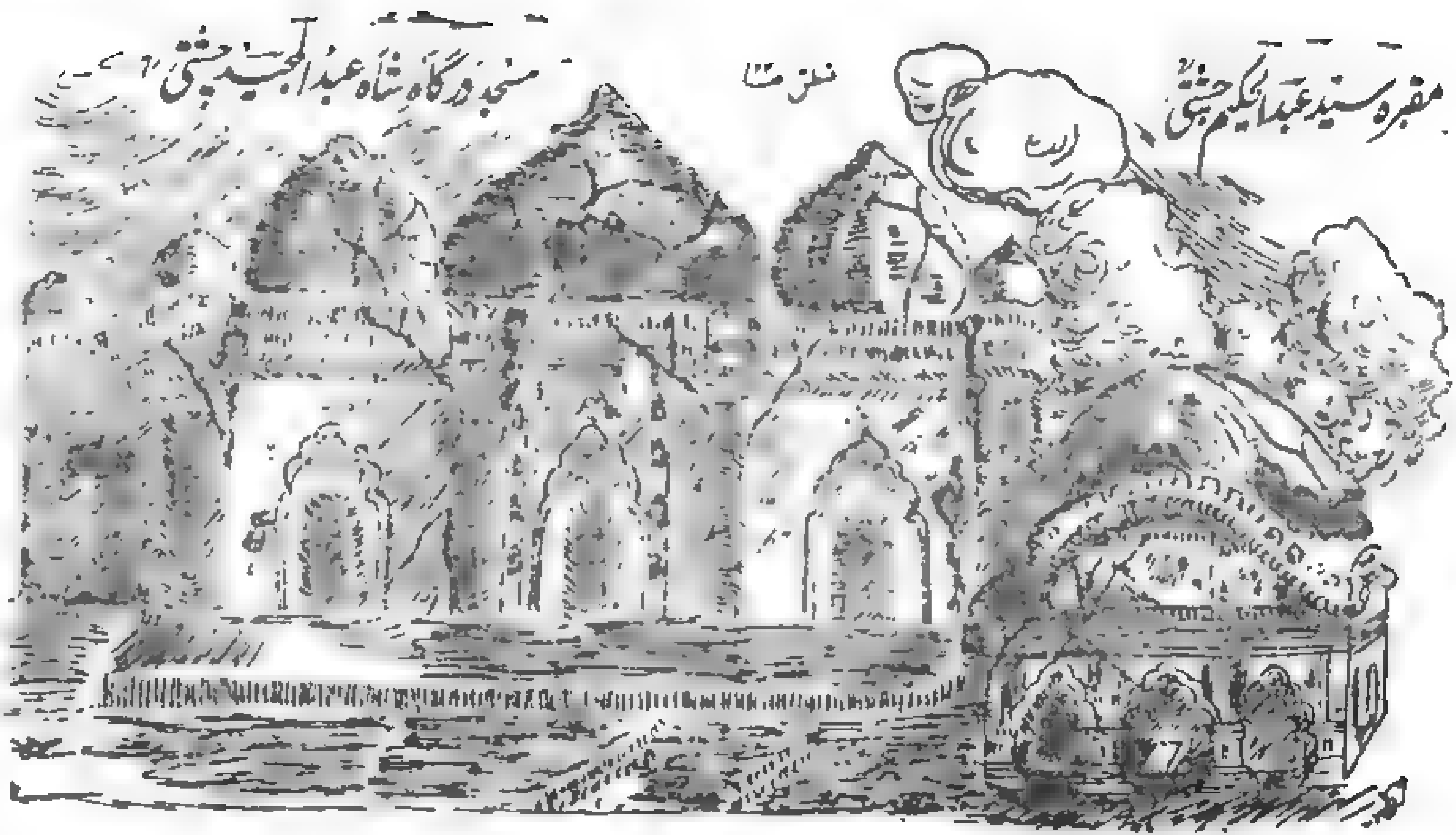

مقبرہ سید عبدالکریم چشتی
نمبر ۱۳۳
مسجد درگاہ شاہ عبدالمجید چشتی

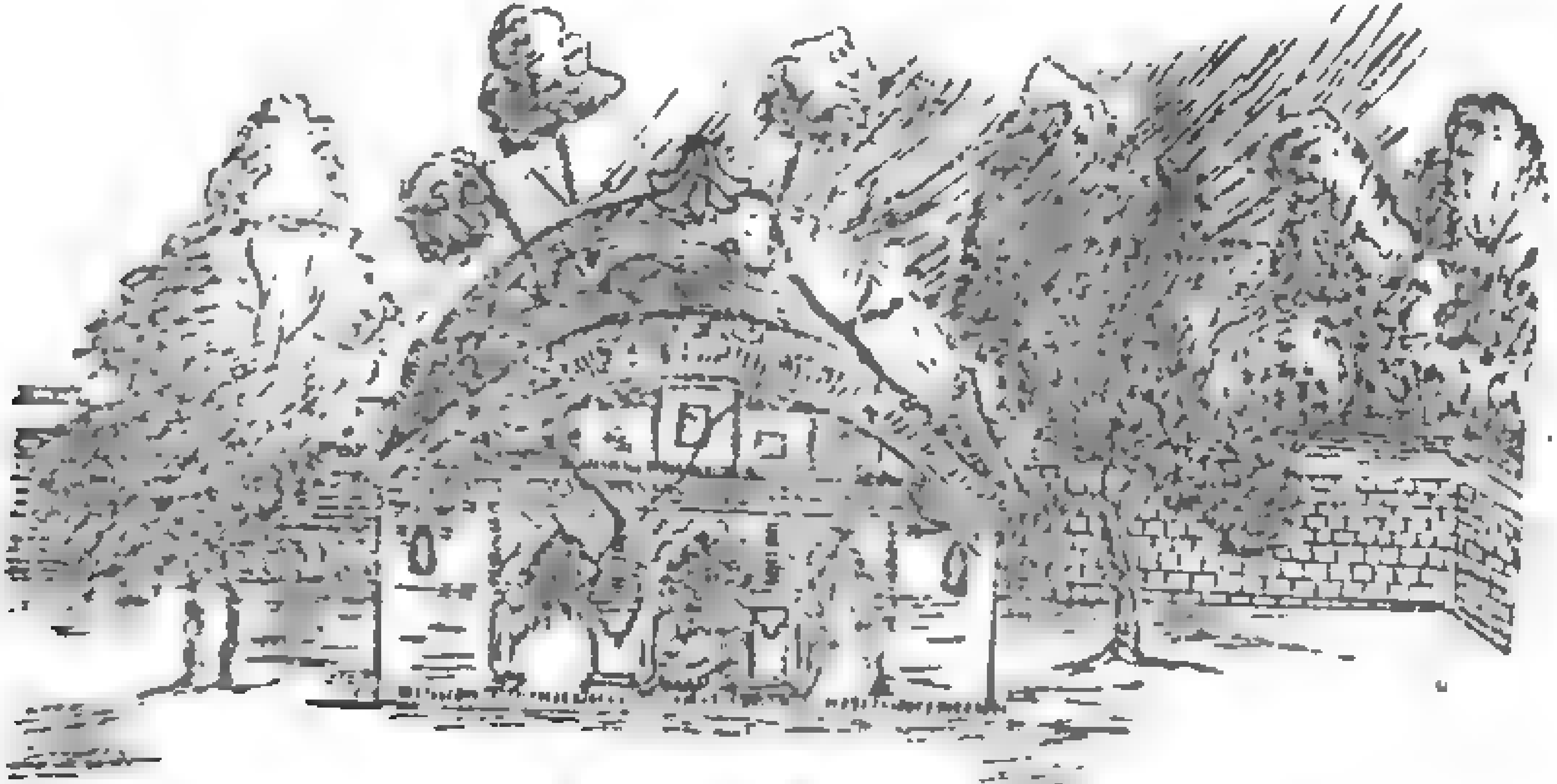

۱۲ روضہ منورہ حضرت شاہ عبد المجید علوی رحمۃ اللہ علیہ

متعلق ص ۱۳۲

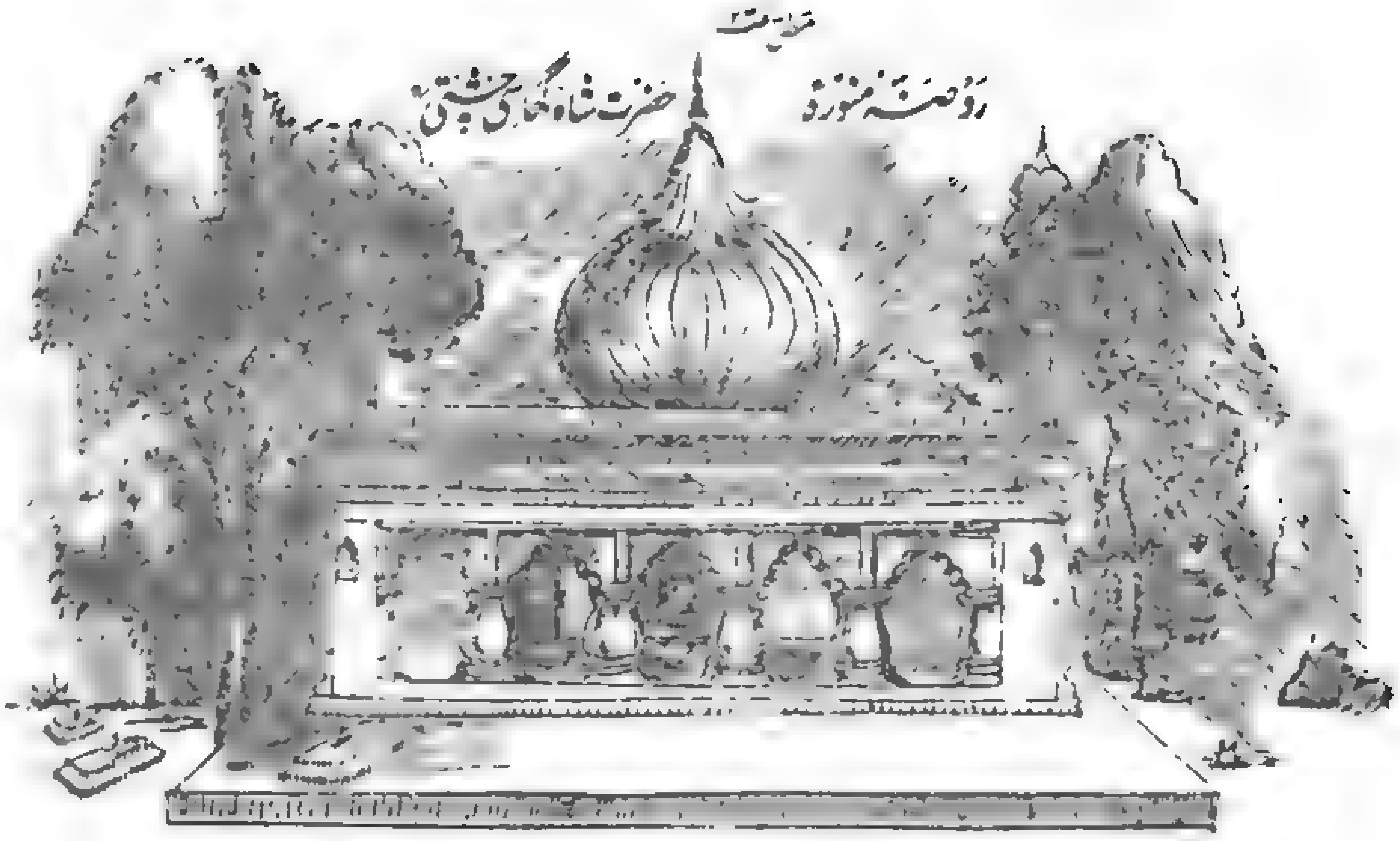
روضۂ منورہ

کاشت کرتے اور باغ اور درختوں سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں لیکن مسجد یا مقبرہ یا کسی قبر کی مرمّت میں ایک حبّہ صرف کرنا ناجائز سمجھتے ہیں سخاکسار مؤلف جب ان عمارتوں کی تصویر کشی کے لئے ایک مصوّر کو ساتھ لیکر محبّی شاہ علاء الدین صاحب کی معیّت میں یہاں پہنچا تو ہماری نظر نے یہ دردناک منظر بھی دیکھا کہ کسی نالائق نے سید عبد الحکیم قدس سرہٗ کے مقبرہ کی متصل بعض قبروں کے چبوترہ کے پتھر اور اینٹیں نکالنا شروع کی ہیں غالباً اس غرض سے کہ ان کو فروخت کر کے چند ٹکے وصول کرے آہ! اے امروہہ کے مسلمانوں! تمھاری بے حسی اور بے حمیتی اس سے کیا زیادہ ہوگی کہ ایسے متبرک اور تاریخی عمارتوں اور قبروں کو درست کرنا در کنار تمھیں ایسے نابکار بھی ہیں جو ان کی اینٹیں تک بیچ بیچ کر اپنا دوزخ بھر رہے ہیں لیکن نہ تمھاری غیرت کو کوئی تحریک ہوتی ہے اور نہ تم اس کا کوئی درد اپنے دل میں محسوس کرتے ہو!!

امروہہ کے مسلمانوں کو اگر یہ توفیق نہیں کہ ان آثار قدیمہ اور بزرگوں کی یادگاروں کو برباد و مسمار ہونے سے محفوظ رکھیں تو کاش حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ ہی کی توجہ اس طرف منعطف ہو عہد شاہجہاں کی یہ تاریخی عمارتیں ہیں سو جن کی درستی و حفاظت اس محکمہ کا فرض اولین ہے۔

۱۵۔ روضہ شاہ گگا سی چشتیؒ یہ روضہ تالاب بانباڑی کے قریب سید اعز الدین سہروردیؒ کی درگاہ سے جانب شرق و جنوب میں ہے۔ مرقد منوّر پر خوشنما مقبرہ ہے جو اچھی حالت میں ہے۔ چہار دیواری البتہ جابجا شکستہ ہوگئی ہے۔ ۱۱۴۲؁ھ میں یہاں خانقاہ و حجرہ کی عمارتیں آپ کی زندگی میں تعمیر ہوگئی تھیں بعد وصال آپ یہاں دفن ہوئے۔ یہ روضہ مولانا عبد الرشید عباسی قدس سرہٗ نے تعمیر کرایا؟ اس کا باغ ان ہی کا نصب کردہ ہے۔ مولانا کا مزار بھی اپنے مرشد کے جوار مزار چبوترہ پر واقع ہے۔ اور زیر چبوترہ جانب جنوب شیخ عبد المناف کی قبر ہے۔ اسلامی حکومت سے اس روضہ کے تیل چراغ کا خرچ بھی ملتا تھا اور کچھ اراضی بھی مصارف روضہ کے لئے وقف تھی۔ ۲۹۔ رمضان کو عرس ہوتا ہے۔

۱۶۔ مزار شاہ علاء الدین چشتیؒ ۔ آپ کا مزار پر انوار درگاہ شاہ عبد المجید علویؒ سے بجانب شرق نصف

فرلانگ پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ مقام ویران حالت میں تھا۔ خاکسار مؤلف کے جد امجد حضرت مولانا احمد علی شاہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے بجائے قدیم خاندانی قبرستان کے شاہ علاؤل رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں اپنے تدفین کی وصیت فرمائی تھی حضرت قبلہ گاہی نے بھی اپنے لئے جوار بزرگوار کو پسند فرمایا۔ برادر عزیز حکیم مقصود احمد عباسی مرحوم کا جنازہ بھی دہلی سے لایا گیا اور حسب وصیت یہیں دفن ہوئے۔ عزیزہ سلیقہ بیگم عباسی مرحومہ کی میت بھی دہلی سے امروہہ آئی اور وہ بھی یہیں دفن ہوئیں۔ ابھی حال میں اصغری بیگم مرحومہ کا جسم خاکی دہلی سے لاکر یہیں سپرد خاک کیا گیا' ایک اور عزیزہ کو بھی یہیں جگہ ملی غرضیکہ یہ قطعات اراضی خرید کر آپ کے مزار کی اور چبوترہ کی سنگین فرش سے درستی کی گئی ہے' باغ و چمن بندی سے اس مقام کو بارونق کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

۱۷۔ درگاہ شاہ عضد الدین جعفری رحمۃ اللہ علیہ

جانب جنوب متصل آبادی محلہ نوگزہ۔ یہ درگاہ عوام میں آپ کے فرزند و جانشین حضرت شاہ معز الدین المعروف بہ "شاہ موج رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ قیام الدین علیہ الرحمۃ اور اس خاندان کے بزرگوں کے اکثر مزارات یکجا و پہلو بہ پہلو ہیں۔ درگاہ میں مختصر سی مسجد بھی ہے اور اسی سے متصل سکونتی مکانات بھی ہیں ۲۸ رجب کو شاہ عضد الدین رحمۃ اللہ علیہ اور ۸ شوال کو شاہ موج رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہوتا ہے۔ جلسۂ سماع بھی ہوتا ہے۔ امروہہ و دیگر دیہات میں اس خانوادے کے مرید اور عقیدت مند پہلے بکثرت تھے' اب بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔

۱۸۔ درگاہ شاہ عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ

بیرون شہر جانب شمال نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ شاہ عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سنہ ۱۱۹۱ھ میں مقام کھائی کھیڑہ ضلع بریلی میں ہوئی تھی جہاں سے تابوت امروہہ لایا گیا اور خاندانی باغ میں دفن کر کے وسیع و خوشنما عمارت مزار و درگاہ کی تعمیر کی گئی۔ کچھ حصہ منہدم ہو چکا ہے لیکن بڑا حصہ باقی ہے۔ ماہ شوال میں ۱۷ سے ۱۸ تک ہر سال عرس ہوتا ہے جس کے مصارف موضع بہاپی کی ملک موقوفہ نواب محب اللہ خان سے ادا ہوتے ہیں۔ شاہ عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ' شاہ رحمن بخش رحمۃ اللہ علیہ و شاہ غلام مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اور خاندانی قبرستان

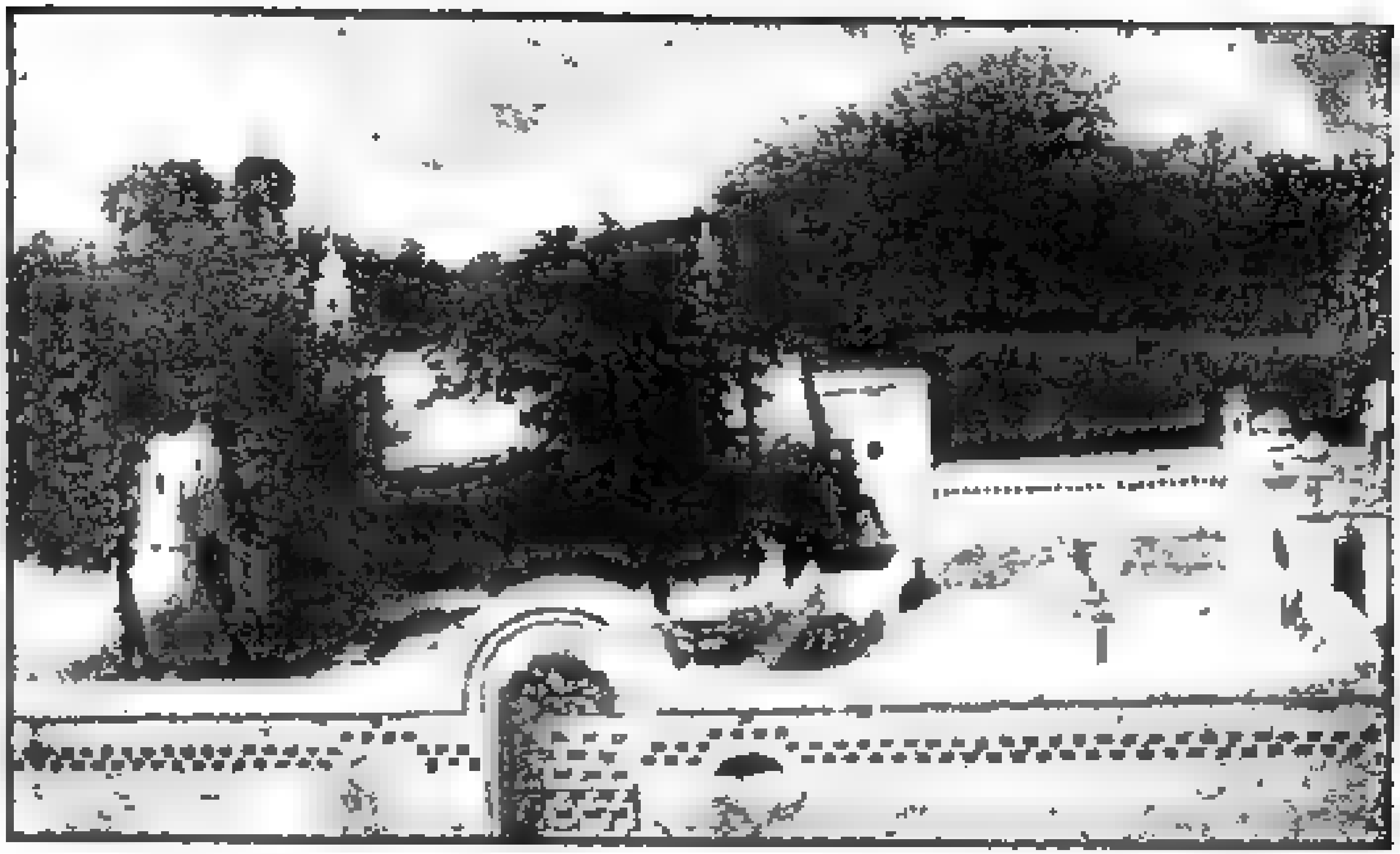

درگاہ حضرت شاہ عضدالدین جعفریؒ دمیان مچھ

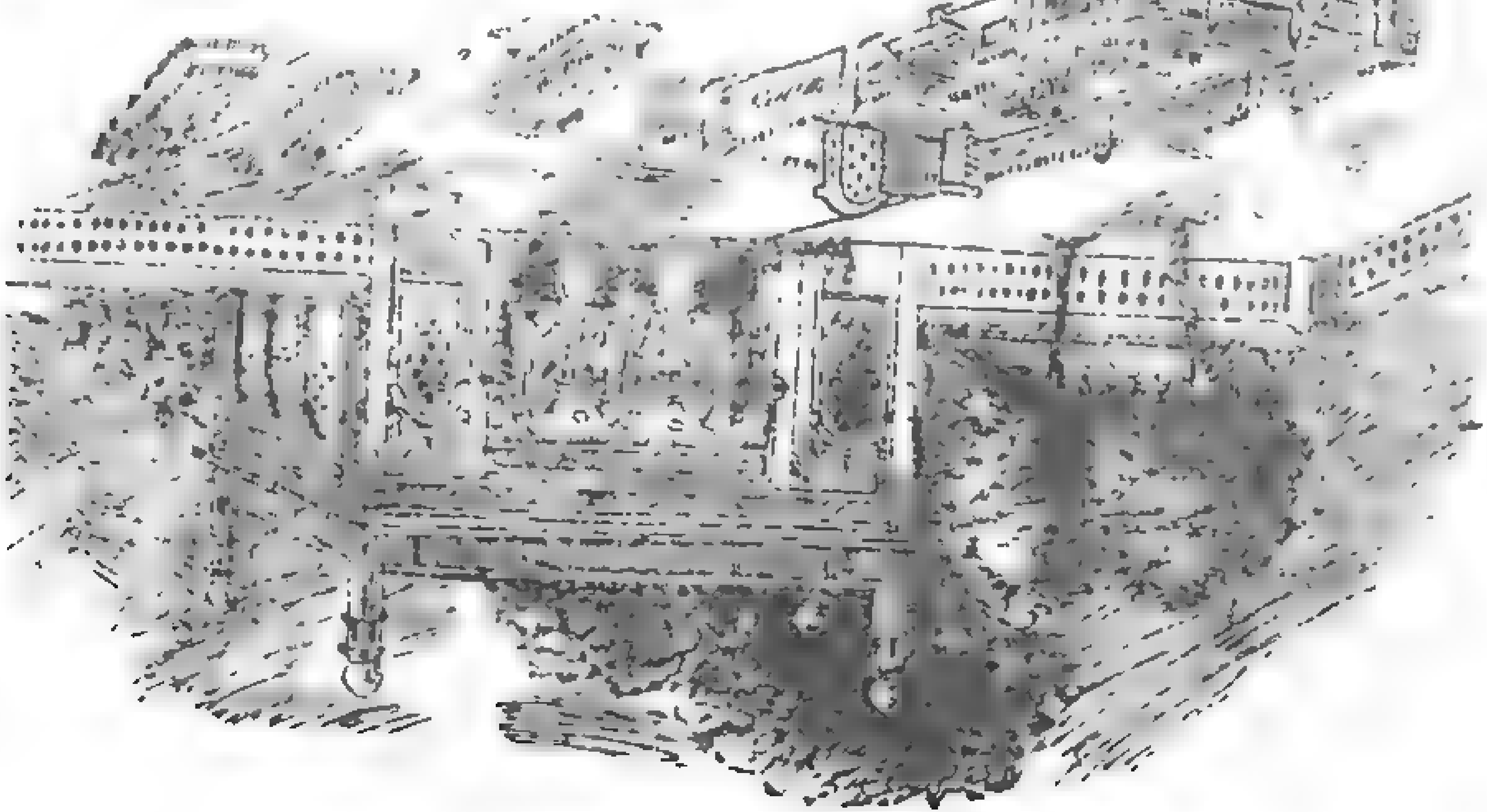

روضہ حافظ عباس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

بھی یہیں ہے۔

۱۹۔ **شاہ رحمت اللہؒ** — مزار متصل محلہ قریشی میں چبوترہ پر واقع ہے۔ ۱۵/ شعبان کو عرس ہوتا ہے۔ آپ کی زوجہ کی قبر بھی پہلو میں ہے۔

۲۰۔ **مزار شاہ پیر بخشؒ** — متصل مرادآبادی دروازہ بیرون شہر ایک مرتفع چبوترہ پر واقع ہے۔ سابق میں عرس بھی اچھے پیمانہ پر سادات دربار کلاں کی جانب سے ہوتا تھا جن کو آپ سے موروثی عقیدت تھی۔

۲۱۔ **حاجی غلام علی شاہؒ** — مزار محلہ چلہ میں لب سڑک دہلی۔ احاطہ میں ایک چھوٹی مسجد اور دالان ہے۔

۲۲۔ **مزار رحیم شاہؒ** — جانب غرب درگاہ شاہ ولایتؒ لب سڑک داؤد سرائے۔ مرتفع چبوترہ پر مختصر سی چہار دیواری میں واقع ہے۔

۲۳۔ **مزار سید عبدالغنیؒ** — محلہ نل میں لب سڑک دہلی۔

۲۴۔ **مولانا سید امانت علیؒ** — مزار متصل مزار شاہ عبدالغنیؒ جانب غرب ایک مرتفع چبوترہ پر ہے۔

۲۵۔ **روضہ حافظ عباس علی خاںؒ** — متصل روضہ درویش علی خان۔ آپ کے لائق فرزند مولانا احمد حسین خان نے سنہ ۱۳۳۱ھ میں خانقاہ و مسجد بنوائی ہے جس کے دو درجے اور چار کمرے بازو میں ہیں۔ ایک وسیع باغ بھی نصب کیا ہے۔ ہر سال ماہ بیساکھ میں آپ کا عرس ہوتا ہے، سالانہ عرس کے علاوہ معمولی جلسہ بھی ہر مہینہ میں ۵ تاریخ کو سالانہ عرس کے نمونہ پر ہوا کرتا ہے۔ درگاہ و مسجد کے لئے چار قطعات باغ بھی وقف ہیں جن کی مجموعی آمدنی تقریباً ستمار سالانہ ہے۔

خانقاہیں

امروہہ کی خانقاہوں میں اب معدودے چند کا صرف نام باقی ہے۔ شہر سے ذرا باہر بنگلہ مرجہار

طرف خانقاہوں، فقیروں کے تکیوں کے کھنڈر اور آثار ملیں گے، کسی زمانہ میں یہ سب آباد تھے۔ وارد، صادر اور مسافر کے قیام اور طعام کا انتظام تھا۔ ان میں بعض کے متعلق اوقاف کی اکثر واراضیات بھی تھیں، جن میں سے بعض پر لوگ غاصبانہ قابض ہو گئے، کچھ فروخت ہو گئیں۔ ظالموں نے اینٹیں تک بیچ کھائیں۔ اب نہ خانقاہیں باقی ہیں اور نہ تکیے، حضرت شاہ اجمل چشتی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ کے علاوہ جو ترمیم و مرمت کے بعد اچھی حالت میں ہے کسی کا کھنڈر باقی رہ گیا ہے اور کسی کا صرف نام ؎

پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں   وہ درویش و سلطاں کی امید گاہیں
کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں   فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں

کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

۱۔ خانقاہ حضرت شاہ ولایت

اس خانقاہ کا نہ اب وجود باقی ہے اور نہ آثار۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ آباد تھی۔ سید محمد ابدال دودہ دھاری، شیخ معین الدین ناگوری اور سید اشرف جہانگیر قدس اللہ اسرارہم کا یہاں افادہ جاری تھا۔

۲۔ خانقاہ شاہ نصیر الدین

یہ خانقاہ محلہ نوگیاں میں واقع تھی، اب اس کا وجود بھی نہیں۔ اسی کے کسی حصہ میں اب امام باڑہ بن گیا ہے۔ آٹھویں و نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ خوب آباد تھی، اس کے بعد عرصہ دراز تک باقی رہی۔

۳۔ خانقاہ عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادری

یہ خانقاہ محلہ کالی پگڑی میں واقع تھی۔ عہد جہانگیر بادشاہ سے عہد عالمگیری کے بعد تک خوب رونق پر رہی۔ کچھ عرصہ سے اہل محلہ نے علم وغیرہ یہاں رکھ لئے تھے پھر ایک صاحب نے عدالتی کارروائی میں اس خانقاہ کو امام باڑہ ظاہر کر کے اس کی تولیت بھی حاصل کر لی۔ اب سے یہ باضابطہ امام باڑہ ہے۔

۴۔ خانقاہ حضرت شاہ امینؒ

یہ خانقاہ بہ تبدیل ہیئت موجود ہے اور اسی نام سے اب ایک محلہ بھی موسوم ہو گیا ہے۔

۵۔ خانقاہ حضرت شاہ محمدی فیاض جعفریؒ

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفریؒ گیارہویں صدی ہجری کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ ہرگانو (اودھ) کے رہنے والے تھے۔ آپ نے امروہہ میں سکونت اختیار کی۔ "سرائے محمدی" آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ محلہ لکڑہ کے متصل جانب شمال جن قطعات زمین میں اب کاشت ہوتی ہے یہاں آپ کے مکانات، خانقاہ و مسجد تھی۔ اس میں بیس ہزار پانسو پندرہ گز رقبہ شامل تھا۔ حویلیات کے علاوہ خانقاہ کی عمارت کا ذکر کہنہ دستاویزات میں ان الفاظ میں تحریر ہے "یک ایوان و دو حجرہ بابت خانقاہ از خشت پختہ مسقف بہ چوب و خانہائے خام چھپر پوش بابت سرائے آبادانی"

حضرت ممدوح کا مرقد منورا گرہ میں ہینگ کی منڈی متصل مندر آریہ سماج لب سڑک واقع ہے۔ آپ کے فرزندان باکمال سعد محمدی درویش محمد مدنی تک یہ خانقاہ خوب آباد رہی لیکن اب نہ یہ خانقاہ باقی ہے اور نہ حویلیات و سرائے آبادانی۔ بے نام اللہ کا۔ درویشی کا سلسلہ آپ کے بھائی شاہ حامد جعفری کی نسل میں جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ حضرت شاہ عضد الدین جعفریؒ آپ کے پر اولادہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ جن کے مرید و خلیفہ حضرت شاہ عبدالہادی صدیقیؒ ہوئے شاہ عضد الدین نے محلہ لکڑہ سے جانب جنوب اقامت اختیار کی۔ اب اس خاندان مشائخ میں بھی شاہ علاء الدین جعفری سجادہ پدری پر متمکن ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

خانقاہ محلہ چلہ

ابتداءً یہ شاہ گدا کی اولاد کا دیوان خانہ تھا، بعد میں اسی جگہ شاہ غلام علیؒ اور دوسرے مشائخ کا یہاں قیام رہا اس وجہ سے یہ مقام خانقاہ مشہور ہو گیا۔ شاہ غلام علیؒ کے مزار کے متصل بھی ایک دالان اور مسجد حکیم حکمت اللہ خان کے خاندان نے تعمیر کرائی تھی جو خانقاہ کے نام سے موسوم ہے۔

مقبرے

مقبرہ قطب الدین خان

یہ مقبرہ قطب الدین خان امروہہ کے ایک حاکم کا ہے جو عوام میں مقبرہ قطب شاہ سے موسوم ہے[1]۔ اور لکڑی کے جنگل میں شہر سے متصل واقع ہے۔ بہت خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے۔ دو مینار منہدم ہوگئے دو باقی ہیں گنبد کی چھت میں پلاسٹر کے خوشنما بیل بوٹے بنے ہوئے تھے جس کے چند حصے باقی رہ گئے ہیں وسط گنبد میں اندر کی جانب پیتل کا بڑا قل لگا ہوا تھا کسی ظالم نے اس کو بھی نکال لیا۔ امروہہ میں اس سے زیادہ خوشنما کوئی عمارت نہیں لیکن افسوس بڑا حصہ اس کا شکستہ ہوگیا ہے۔ کبوتروں کی بیٹ اور کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ مقبرہ میں دو قبریں ہیں جن کی اینٹیں تک لوگ نکال کے لے گئے۔ عجب حسرت کا مقام ہے۔

دیدم چغدے نشستہ در وقت پگاہ — بر کنگرۂ مقبرۂ نوشیرواں شاہ
فریاد کناں ز روئے عبرت می گفت — کو آں ہمہ حشمت و منال و آں ہمہ جاہ

اہل شہر کو اس کی مرمت و درستی کا خیال نہیں۔ یہ ایک اہم تاریخی یادگار ہے کاش محکمہ آثار قدیمہ کی توجہ اس طرف مبذول ہو!

مقبرہ درویش علی خان

یہ مقبرہ درویش علی خان منصب دار پنجہزاری فرخ سیری کا ہے جو سنہ ۱۱۳۱ھ کا ہے جو سنہ ۱۲۰۰ھ کے بعد کی تعمیر ہے مقبرہ کے اندر ایک پتھر پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے:-

"مرقد انور نواب محمد درویش علی خان بہادر است کہ بعہد بادشاہ غازی محمد فرخ سیر و محمد شاہ بہادر بہ منصب پنجاہ و دو ہزاری سرفراز و بہ خدمت عرض مکرری و نیابت میر بخشی رسالۂ والاشاہی بالاشاہی ممتاز بود و تمامی پرگنہ امروہہ بہ صرف طلبش جاگیر گردید و بتاریخ ۱۳ محرم سنہ ۱۱۳۱

---

[1] طرز تعمیر زیادہ قدیم نہیں۔ وسط عہد مغلیہ کی تعمیر ہے۔

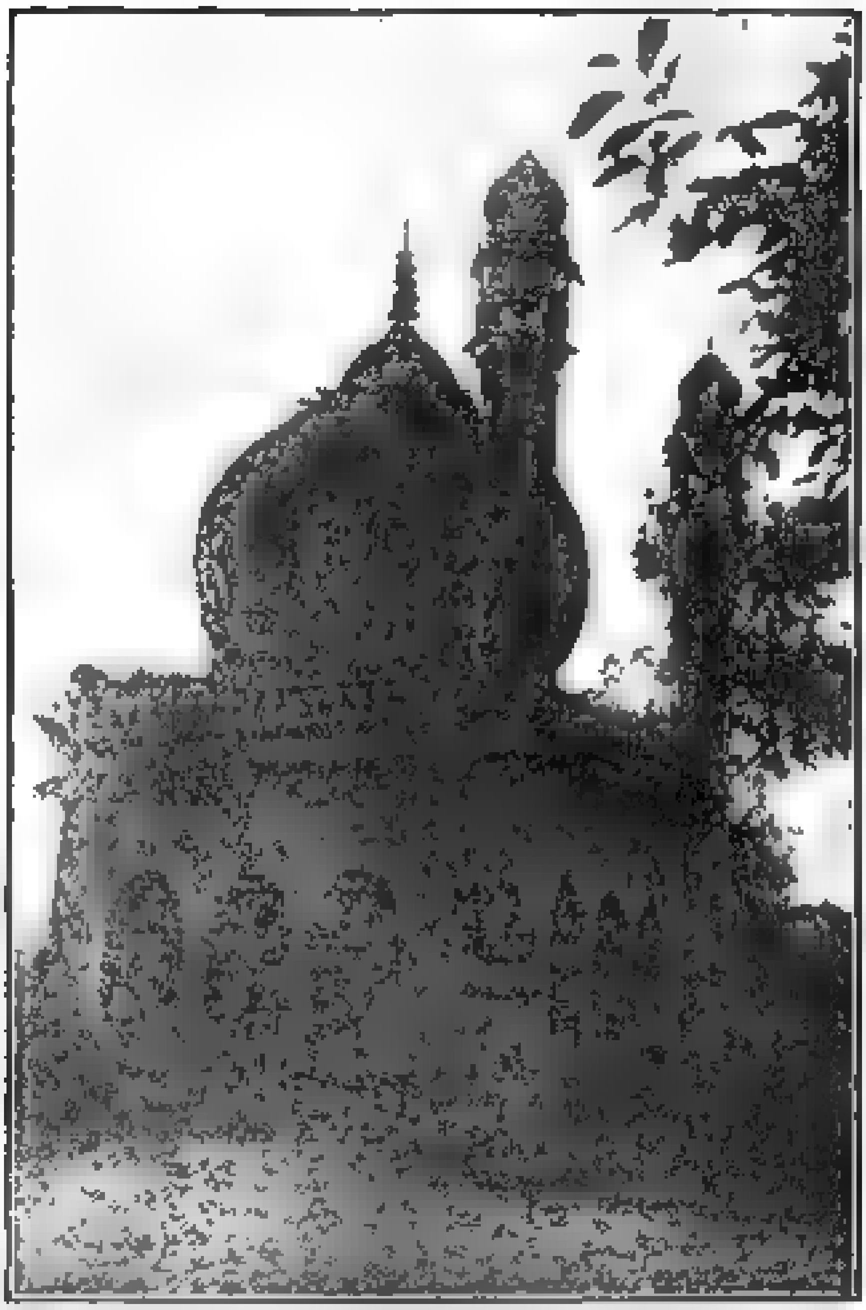

مقبرہ قطب خاں

روضہ درویش علی خاں

در جنگ بارہہ شہید شد۔ بہ پہلوئے راست فرزند اکبر غلام محی الدین خان المخاطب بہ دلیر علی خان ثانی است و بہ پہلوئے چپ فرزند اوسط محمد فخر الدین خان است۔ ہر دو بتاریخ ۵ ذی قعدہ ۱۱۵۲ھ در معرکہ نادر شاہی شہید شدند۔ و پائیں مرقدش بیرون مقبرہ قبر فرزند اصغر محمد شمس الدین خان است کہ بتاریخ ۱۳ شوال ۱۲۰۵ھ وفات یافت۔

مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلو

یہ مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلو منصبدار پنجہزاری عہد عالمگیر ثانی کا ہے جو ان کی تعمیر مسجد (محلہ گوذی) کے صحن میں بنا ہوا ہے۔ ۱۱۹۴ھ میں تعمیر ہوا۔ کوئی کتبہ نصب نہیں ہے۔

متفرق عمارتیں

دروازہ گھیر مناف

یہ دروازہ ۹۸۵ھ میں شیخ ابو المناف بن شیخ داؤد مورث شیوخ صدیقی الملقب بہ مناف پوتہ نے اپنے مکانات و حویلیات کا تعمیر کیا تھا۔ مصرعہ تاریخ ہے:-

زد احاطۂ اعلی البلد شان داد (۹۸۵ھ)

اصلی تعمیر منہدم ہو کر موجودہ دروازہ بعد میں تعمیر ہوا۔

مرادآبادی دروازہ قلعہ معمورہ سید عبد الماجد

یہ دروازہ سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق بن سید شاہ ابو الحسن بن سید محمد میر عدل کے قلعہ کا شرقی دروازہ ہے۔ یہاں سے خام راستہ

لہ (متعلق صفحہ ۱۲۸) ان کا منصب باون ہزاری نہیں بلکہ پنج ہزاری تھا جیسا کہ خود ان کے نبیرگان مولوی بشارت علی خاں وغیرہ کی عرضی موسومہ شاہ دہلی میں بیان کیا گیا ہے۔ نواب کا خطاب بھی نہیں تھا۔ نواب صمصام الدولہ جن کی فوج میں یہ عہدہ دار تھے خود ڈھائی ہزاری منصب رکھتے تھے ایسی حالت میں ان کے ایک ماتحت اور متوسل کا باون ہزاری منصبدار اور نواب کے خطاب سے مخاطب ہونا اور تمام پرگنہ مرادآباد کا ان کے باورچی خانہ کے خرچ میں بطور جاگیر عطا ہونا ان افسانوں میں سے ہے جو خاندانی کے لئے گھڑ لئے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو حصہ دوم تذکرہ و دلیر علی خان) یہ کتبہ بھی قدیم نہیں ۱۲۰۰ھ کے بعد کا ہے۔

مرادآباد کو جاتا ہے اسلئے عوام میں "مرادآبادی دروازہ" مشہور ہو گیا۔ قلعہ کے مکانات منہدم ہو کر بے نشان ہو گئے۔ کہیں کہیں اس کی فصیل کے آثار اب تک باقی ہیں۔ دروازہ کے شمالی پایہ پر ایک پتھر لگا ہوا ہے جس پر یہ عبارت اور قطعۂ تاریخ کندہ ہے :-

"اللہ اکبر"

"در عہد سلطان عالی شان صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ"

"ملک سیادت مآب میراں سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود۔"

"شد چو این قلعہ خوش افزائے — خوب و مضبوط و خاص مستحکم"

"خواستم سالش از خردمند — گفت بشمار قلعۂ خرم"

"بہ اہتمام بندہ کمال خان خانہ زاد۔ شہر رمضان المبارک سنہ [illegible] ھ [illegible]"

میراں سید عبدالماجد عہد شاہجہانی کے نامور منصب دار تھے[1]۔ یہ قلعہ انہوں نے اپنی سکونت کے لئے اپنی عمر کے آخری ایام میں ایک گڑھی کی وضع پر بنانا شروع کیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند دیوان سید محمود نے اس کی تکمیل کی۔ تقریباً چار سال میں تعمیر کا کام ختم ہوا۔ اس کی شرقی حد یہ دروازہ تھا جو اب مرادآبادی دروازہ کے نام سے مشہور ہے۔ کٹ گھر تالاب[2] کے کنارے دور تک فصیل چلی گئی تھی۔ غربی حد وہاں تھی جہاں اب مردانہ شفاخانہ ہے۔ اس فصیل کے اب تک کچھ آثار باقی ہیں۔ تکیہ شیخ برکت کی شرقی حد پر جو دیوار ہے اور رائے بہادر شیو راج آنجہانی کے مکانات سے

---

[1] تاریخ اصغری میں ان کے منصب کی مقدار چہار صدی لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ان کا منصب ہشت صدی تھا جو آخر عہد مغلیہ کے ہشت ہزاری کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

[2] کٹ گھر لفظ "کوشک" سے بگڑ کر کٹ گھر بنا ہے۔ اس قلعہ کے ابواب اور کوشک کی تعمیر کے لئے مٹی اس مقام سے کھودی گئی تھی اس سے یہاں ایک بڑا گڑھا ہو گیا جسے بعد میں برسات کے پانی نے تالاب کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ چونکہ دیوان سید محمود کا کوشک یعنی محل اس کے محاذ میں بنا ہوا تھا اس لئے اس کا نام تالاب کوشک پڑ گیا جو اب کٹ گھر کے نام سے موسوم ہے۔

مرادآبادی دروازہ
متعلق صفحہ ۱۳۳

مصورہ
دیوان سید عبدالماجد

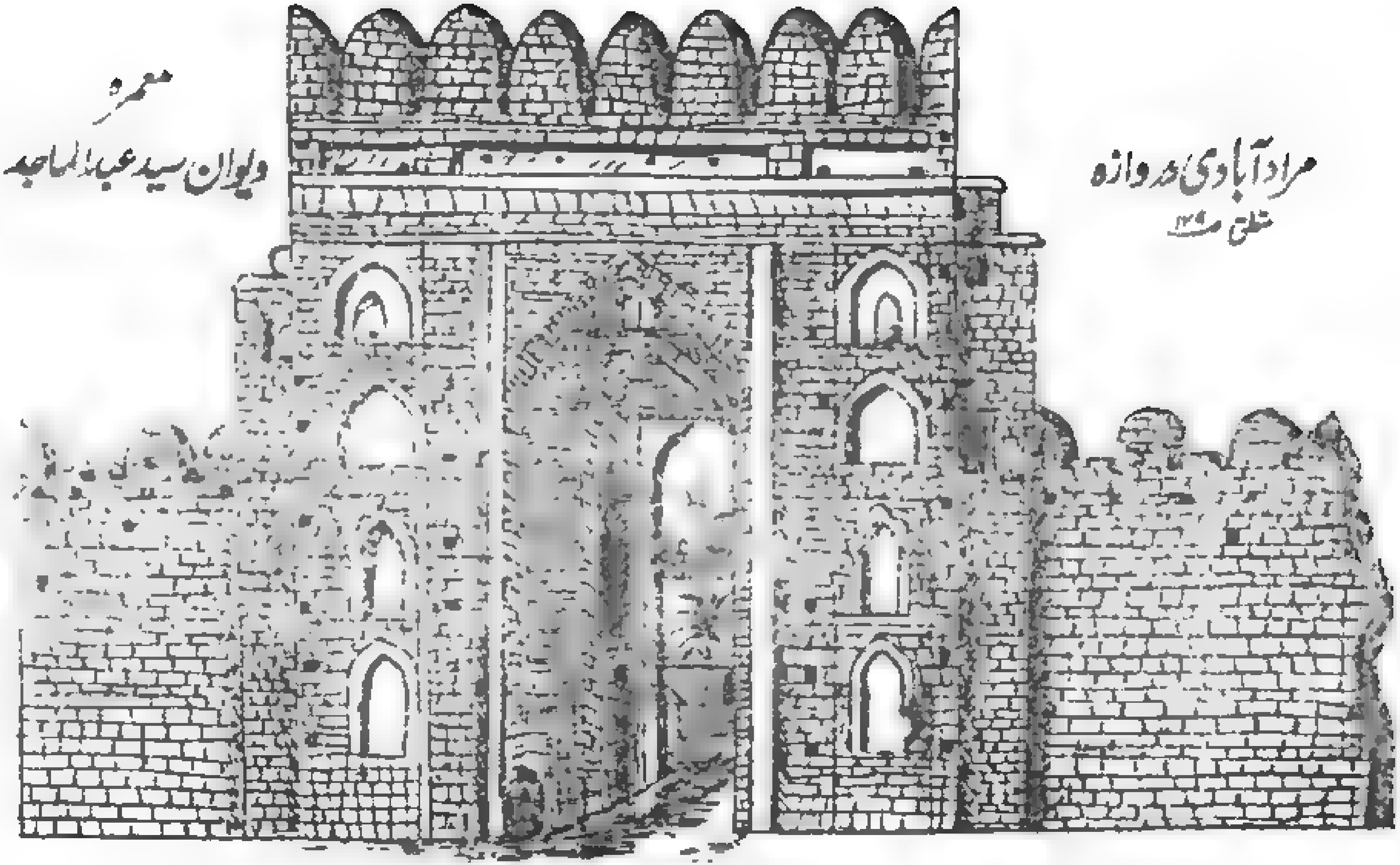

متصل چلی گئی ہے وہ اسی قلعہ کی دیوار ہے۔ جنوبی فصیل کا پتہ سرائے مچھر ٹہ کی شکستہ دیواروں سے چلتا ہے۔ شمالی فصیل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ چھنگا دروازہ بھی اسی قلعہ کی فصیل کا دروازہ سمجھئے۔ سنہ ۱۰۶۷ھ میں میراں سید عبد الماجد کے فرزند دیوان سید محمود نے اس قلعہ کے اندر بہ اہتمام کمال خان ایک فراخ و کشادہ بازار بنوایا جو اب "بڑے بازار" سے موسوم ہے۔ تاریخ تعمیر کا مصرعہ بھی کسی نے کمال کا موزوں کیا ہے۔ ع

کمال آراستہ بازار محمود

اس قلعہ کے آثار کی تلاش و جستجو میں ایک دن خاکسار مؤلف چلتا پھرتا تالاب کٹ تک پر جا نکلا شکستہ بارہ دری میں آکر کھڑا ہوا تھا کہ چشم تصور نے ایک پر بہار منظر سامنے پیش کر دیا جو کبھی عہد شاہجہانی و عالمگیری واقعتاً یہاں ہوگا۔ عالی شان دیوان خانے، وسیع محلسرائیں، پر فضا پائیں باغ، آراستہ بازار، ہر طرف چہل پہل، خوشی و خرمی۔ وجیہہ و شکیل باشندے، زہد و باوقار مجلسیں، سنجیدہ مذاق، علم و عمل کا چرچا، اذان کا شور، تکبیر کی آوازیں، پھر یکایک پردہ ہٹا، ایک نیا منظر سامنے آیا۔ مکان بھی وہی اور مکین بھی وہی لیکن نہ وہ متانت و سنجیدگی، نہ وہ علمی چرچے، دن رات عیش و عشرت کے جلسے، یاران بادہ پیما کے جمگھٹے، طبلہ و سارنگی کے شور، قہقہوں کی آوازوں سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ ابھی اس منظر کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ ایک اور مرقع سامنے آیا اس کو دیکھ کر تو انسانیت شرمانے لگی اور شرم و حیا نے بھی نظریں نیچی کر لیں۔ اتنے میں نہ وہ منظر تھا اور نہ وہ سماں۔ میں تھا اور قلعہ کے شکستہ کھنڈر۔ ؎

امروہہ کا باغ تھا کبھی یہ — فردوس کا داغ تھا کبھی یہ
ہر غم سے فراغ تھا کبھی یہ — پُر نور چراغ تھا کبھی یہ
اب تو فقط اک کھنڈر پڑا ہے
اس گھر کو فلک بھی رو رہا ہے

یہاں سے آگے بڑھا، چند شکستہ مکان نظر پڑے جو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا گلزار بنے ہوئے تھے مگر آج

ہیں مکاں صورت شکستہ دلاں ۔ در کھلے مثل دیدۂ حیراں

غرضکہ قلعہ کے آثار قدیمہ میں اب صرف دو دروازے اور فصیل کے چند ٹکڑے باقی رہ گئے

ہیں جو درد مندوں کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتے اور سرائے فانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے

پیش کر دیتے ہیں۔ کل جس جگہ نوبت بجتی تھی آج وہاں زاغ و زغن کا بسیرا اور بوم کا پہرا ہے

کل جہاں پر تھا بلبلوں کا ہجوم ۔ آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم
کل جہاں پر شگوفۂ گل تھے ۔ آج دیکھا تو خار بالکل تھے

اب تک تو قلعہ کا نام باقی ہے آئندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے۔ ؎

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر ۔ مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

جھنگا دروازہ اسکو بھی قلعۂ سید عبدالماجد کا شمالی دروازہ بتایا جاتا ہے۔ اب اس نام سے ایک محلہ موسوم ہو گیا ہے۔ وجہ تسمیہ محقق نہ ہو سکی۔

عیدگاہ بیرون شہر جانب غرب متصل درگاہ شاہ عبدالمجید علویؒ ایک مرتفع مقام پر واقع ہے۔ ابتداءً یہ عمارت مختصر تھی۔ شیخ غلام احمدؔ[1] "شاہی گماشتہ و وقائع نگار و ہرکارۂ بادشاہی" نے سنہ ۱۱۰۰ھ میں اسکو از سر نو تعمیر کرایا جس کا حسب ذیل قطعۂ تاریخ وہاں کندہ ہے

---

[1] صاحب تاریخ اصغری و واسطیہ نے لکھا ہے کہ "عیدگاہ شہر سے غرب کی جانب بہت وسیع بنائی ہوئی شیخ غلام احمد کارندہ سید غلام اسد اللہ خان عرف میر کلو کی ہے" لیکن یہ بیان محض غلط اور شاید نسلی تعصب کا ثبوت ہے۔ شیخ غلام محمد شاہی عہدہ دار اور متمول و باوسوخ شخص تھے۔ امروہہ میں خدمات وقائع نگاری پر مامور تھے۔ وہ سید اسد اللہ خان کے زمانے سے بہت پیشتر سنہ ۱۲۳۰ ہجری گماشتہ تھے اور سالہا سال تک ذات شاہی کی خدمات بھی ان سے متعلق تھیں۔ وہ اگر سید اسد اللہ خان کے، جن کا نام بھی صاحب اصغری نے صحیح نہیں لکھا، کارندہ ہوتے اور اس حیثیت سے عیدگاہ کی تعمیر کرتے تو کتبہ میں جو آج تک عیدگاہ کی دیوار پر نصب ہے "کارندہ" کے بجائے "آقا"

ساخت بہرِ خدا غلام احمد | این مبارک اساس نیک بنا
بہرِ تاریخ این سروش زغیب | عیدگاہِ خجستہ داد ندا

امروہہ میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کے نتیجہ میں سنہ ۱۹۵۶ء سے شیعوں کو عیدگاہ جانے کی حکومت نے ممانعت کر دی ہے۔ عیدین کی نماز قاضی شہر پڑھاتے تھے۔ عہد سلطنت اسلامی میں "مبلغ پچاس روپیہ بہائے خلعت عید الضحیٰ منجانب فوجدار امروہہ" قاضی صاحب کو ملتا تھا۔ انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد بھی قاضی شہر نماز پڑھاتے رہے لیکن جب سے اس خاندان کے افراد نے بھی شیعہ مذہب اختیار کر لیا یہ سلسلہ موقوف ہو گیا اور اس وقت سے امام اہلسنت وجماعت نماز پڑھاتے ہیں۔ عہد اسلامی میں عیدگاہ کے لئے ایک خادم جاروب کشی کے لئے مقرر تھا۔ سنہ ۱۱۸۸ھ میں حسب سند جاروب کش کو ۱۲ [illegible] ملتا تھا۔ اب نہ جاروب کشی کا انتظام ہے اور نہ پوری طرح مرمت ہوتی ہے۔ برجوں کے جو کلس شکستہ ہو گئے ہیں ان کو بھی درست نہیں کرایا جا سکا۔ فرش بھی جابجا شکستہ ہو گیا ہے۔

شیخ صدّو[۱]

امروہہ کے تاریخی حالات یقیناً نا تمام و نامکمل تصور ہوں گے اگر ان میں اُن بزرگوار کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے جو شمالی ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بعض دور دراز صوبوں میں شیخ صدّو کے نام سے مشہور ہیں مگر افسوس جس قدر شہرت شیخ صدّو کے نام کو حاصل ہے اُن بزرگوار کے تاریخی اور صحیح حالات اتنے ہی زیادہ تاریکی میں مستور ہیں۔ زبانی روایتوں سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کے سنین میں امروہہ کی قدیم جامع مسجد یعنی مسجد کیقباد کی

(بقیہ صفحہ ۱۳۲)

کا نام درج ہوتا۔ کتبہ کی عبارت ہی ان "مورخین" کے بیان کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔

۱؎ اکثر لوگ "صدّو" کو "سدّو" لکھتے ہیں۔ "صدّو" چونکہ "صدر الدین" کا عرف تھا اس لئے قدیم تحریرات میں یہ نام "ص" سے لکھا جاتا تھا نہ "س" سے۔

ایک موذن شیخ صدر الدین[1] عرف شیخ صدو تھا۔ اس کے باپ کا نام تو معلوم نہیں، ماں کا نام البتہ آسیہ یا عائشہ مشہور ہے۔ اس شخص کو عملیات کا بہت شوق تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ زین خان نام ایک موکل اُسکے تابع تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زین خان موکل نے شیخ صدو کی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے بہ حالت ناپاکی قابو پاکر اسے مار ڈالا۔ اس وقت سے اس کی روح آوارہ پھرتی ہے اور یہ بزرگوار خصوصاً عورتوں پر اپنا عمل کرتے ہیں اور جس طرح پنجاب میں اکثر بیمار عورتوں پر "سخی سرور" آجاتے ہیں اسی طرح اس صوبہ میں خصوصاً اضلاع ایٹہ، متھرا، علی گڈھ وغیرہ کے ادنیٰ اور جاہل طبقے کے ہندو اور مسلمانوں میں شیخ صدو بدنام ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں شیخ صدو کے میلے نے خاصی رونق حاصل کر لی تھی، لوگ دور دور سے آنے لگے تھے۔ اس سنہ میں امروہہ کے ایک کائستھ لالہ دولت رائے ایک تحریر میں لکھتے ہیں کہ:-

لالہ جے سنگھ رائے مع قبیلاں برائے	لالہ جے سنگھ مع اپنے اہل خاندان میراں (رفا با
ذات میراں (رفا با میاں) صدو در امروہہ	میاں) صدو کی ذات دینے امروہہ آئے تھے۔ مجھ
آمدہ بودند، ملاقات فدوی کردند...... الخ	سے بھی ملاقات ہوئی...... الخ

شیخ صدو کے معتقدین اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اس عامل کی زندگی میں اس کے موکل خوبصورت اور جوان عورتیں اس کے پاس لایا کرتے تھے اس لئے مرنے کے بعد سے اس کی روح خوبصورت اور جوان عورتوں پر آجاتی ہے، اس سے گلو خلاصی کی تدبیر یہ ہے کہ امروہہ کی اس نہایت قدیم

---

[1] صدو والے مشہور اپنا سلسلہ نسب شیخ صدر الدین تک منتہی کرتے ہیں جنہیں وہ امام مسجد جامع بتاتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس مسجد کے امام حاجی مولوی محمد امین بن محمد حسینی آسی متوطن صوبہ بہار تھے جن کا افادہ درس یہاں مدتوں جاری رہا اور بعد انتقال وہ اسی مسجد کے پیش دروازہ چبوترہ پر مدفون ہوئے۔ ان کی مدد معاش کے لئے ایک ملک محمود پور علاقہ پرگنہ سرسی سنبھل سلطنت اسلامی سے عطا ہوئی تھی۔ ان کی نسل کو امروہہ میں کوئی خاندان نہیں۔ انکے خادم کا نام شیخ عبدالقادر و شیخ مصطفیٰ تھا

مسجد کے اندر، جو ۶۸۹ھ سے ۱۲۰۰ھ کے بعد تک یعنی تقریباً پانسو برس مسلسل امروہہ کی مسجد جامع تھی اور اب عوام الناس میں "سدّو (صدّو) کی مسجد" یا شیخ سدّو (صدّو) کی خانقاہ کے نام سے شہرت رکھتی ہے، اس میں لوہے کی جو زنجیر[1] بیچ کے گنبد میں لٹکی ہوئی ہے اور جو یقیناً فانوس کے آویزاں کرنے کی زنجیر ہے اور اب "مُراد کی زنجیر" کہلاتی ہے، اُسے ہاتھ سے مس کر لیا جائے، نیز شیخ صدّو، اس کی ماں مسماۃ عائشہ اور اسکے موکل زین خان کے نام پر چڑھاوا چڑھایا جائے جس کا تناسب یہ قرار دیا گیا ہے کہ شیخ صدّو کے طاق پر اگر پانچ روپے چڑھائے جائیں تو سوا روپیہ زین خان کے طاق پر اور پانچ آنہ مسماۃ عائشہ کے طاق پر۔ ان لوگوں کے گمان میں شیخ صدّو کا مقام اس خانۂ خدا کے اندر وسط مسجد کا پیش طاق، اس کی ماں کا شمالی پیش طاق اور موکل زین خان کا جنوبی پیش طاق ہے، ان مقامات پر علاوہ زرِ نقد کے بکرا، مرغ، کپڑا اور مٹھائی وغیرہ کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے جس کو ان کی اصطلاح میں "میاں کی جات (ذات) دینا" کہتے ہیں۔ چڑھاوے میں ایک صحنک، ایک کوزہ اور "میاں" کا رومال بھی ہوتا ہے۔ جو معتقدین "میاں کی جات" دینے آتے ہیں، "حاشتی" یعنی حاجتی کہلاتے ہیں۔

تقریباً بیس پچیس سال پیشتر تک ہزارہا ہندو اور مسلمان، جن میں غالب حصّہ ہندوؤں کا ہوتا تھا، دور دراز مقامات سے "میاں کی جات (ذات) دینے" ہر چہار شنبہ کو امروہہ آتے اور ہزارہا روپیہ نقد اور چڑھاوے کی چیزوں کی قیمت کی مجموعی رقم تین چار ہزار روپے تک پہنچتی تھی۔

صدّو کی آمدنی پانچ مساوی حصوں میں تقسیم کی گئی تھی جن میں سے تین حصے

---

[1] اس زنجیر کو قدیم بتخانہ کی زنجیر بتایا جاتا ہے لیکن اس کی ساخت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ یہ زنجیر مسجد جامع کے فانوس کی زنجیر ہے۔

سیدوں کے اور دو حصے صدو والے شیخوں کے قرار دے گئے۔ یہ خاندان، جو صدو کی آمدنی کے مالک و مختار بنے، یقیناً امروہہ کی شاہی مسجد جامع کے متولیین و ملازمین یعنی اُس زمانہ کے امام و مؤذن و جاروب کش وغیرہ کی نسل سے ہیں۔ سادات کے بعض خاندانوں علی الخصوص نبیرگان سید محمد میر عدل اور سید مبارک کو شہنشاہ اکبر کے زمانے سے خالصہ کا حق زمینداری عطا ہوا تھا جس سے مراد یہ تھی کہ علاوہ دیگر سادات و شرفاء کے، جو معافیدار تھے، باقی جملہ اجلاف و پیشہ در اقوام باشندگان امروہہ سے، جو بطور رعیت خالصہ کی اراضی میں آباد ہوں، نیز سراؤں، بازاروں، میلوں وغیرہ کی آمدنی سے حق زمینداری ان سادات کو حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں صدو کے میلہ کی آمدنی کا ایک حصہ بھی بطور حق زمینداری ان سادات کو ملتا رہا۔ آمدنی جب وافر ہونے لگی تو وہ ایک ایسی جائداد بنگئی جس کو ان لوگوں نے "معافی" کے لفظ سے تعبیر کرنا شروع کردیا۔ چڑھاوے کی اشیاء کا نام "ابواب" قرار دیا گیا۔ حصے سہام پر منقسم ہوئے، جو بطور وراثت و ترکہ تقسیم ہونے لگے۔ ان حصص و سہاموں کی بیع و شراء بھی مثل دیگر املاک و جائداد کے ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ بعض خاندانوں کی معاش کا انحصار کلیتاً اسی آمدنی پر ہوگیا۔ اور کچھ افراد اس کی بدولت صاحب جائداد اور رئیس بن گئے۔

سوا سو برس تک شیخ صدو کے میلہ کا ہنگامہ خوب رونق پر رہا، اسلامی عبادتگاہ میں مشرکانہ رسمیں دھڑلے سے ادا ہوتی رہیں، لیکن امروہہ کے دیندار، غیرتمند مسلمان، جو مساجد کے سامنے باجا بجائے جانے، رام ڈول کے جلوس کے کسی شرک پر گزر جانے یا ایام عشرۂ محرم میں کسی برات کے باجے کی آواز تک سننے کے متحمل نہیں، ان باتوں پر جو مارنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، وہ حمیت دینی کا دم بھرنے والے مسلمان، خانۂ خدا کی بےحرمتی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جس مشرک مقام پر کبھی امروہہ کے ان ہی سیادت و مشیخت مآب مسلمانوں کے آبائے کرام کی پیشانیاں معبود حقیقی کی عبادت میں جھکتی تھیں، جہاں

کبھی حضرت شاہ ولایت، حضرت شاہ نصیر الدین چشتی، حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس اللہ اسرارہم نے بلکہ یہاں کے مختلف خاندانوں کے مورثوں نے نمازیں پڑھی ہونگی، جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ کی حالت میں مس کرتی ہونگی آہ! ثم آہ! اسی متبرک مقام کو مشرکوں، نیچ ذات کے ہندؤں حتی کہ بھنگی چماروں کے گرد آلود پیروں کی خاک نجس و ناپاک کرتی رہی اور بعض مسلمان تانبے، چاندی کی چند ٹکلیوں کے حصول کے لئے ہاتھ پھیلائے ان کے پیچھے دوڑتے رہے!! خدائے قدوس کی عبادت اور تکبیر کی آوازوں کی بجائے شیخ صدو موکل زین خان اور مساۃ عائشہ کی علانیہ پرستش ہوتی اور ان کے نام کی جے پکاری جاتی رہی اور باوجود ان تمام مشرکانہ افعال و اعمال کے یہ "مسلمان" مسلمان ہی رہے اور دین و ایمان کے مدعی بھی! ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھیرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو قبلہ اپنا تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

امروہہ کے مسلمان تو حمیت دین کی آزمائش میں پورے نہ اترے، علانیہ شرک پرستی کے سد باب کے لئے انھیں کسی عمل کی توفیق نہ ہوئی، غیرت دین اور جوش ایمان کے اظہار کا زریں موقع انہوں نے غفلت اور مداہنت کی بدولت اپنے ہاتھ سے کھو دیا بالآخر خود غیرت حق کو حرکت ہوئی اور خانۂ خدا کو شرک و بدعات سے پاک کرنے کا ذریعہ پیدا ہوا۔ اترولی کے صنم شناسوں نے امروہہ کے صدو والوں کو شکست فاش دی۔ صدو کے معتقدین نے امروہہ آنا چھوڑ دیا، اب شاید کوئی بھولا بھٹکا ادھر آنکلتا ہو ورنہ کثیر تعداد اترولی (ضلع علی گڈھ) جاتی ہے۔

امروہہ کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک قیمتی موقع ہے کیا وہ اب بھی اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہونگے؟ یاد رکھو اسلام کے نزدیک شرک سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۝	اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں سے درگذر کرسکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کرسکتا کہ تم اُسکی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

ہاں، اے امروہہ کے مسلمانو! اے صدو والے شیخو اور سیدو!! اور آہ، اے غارتگران دُزدانِ حقیقت توحید اسلامی!!! اسلام تم سے تمہارے ادائے فرض کا طالب ہے، خدائے ابراہیم و محمد علیہما السلام کی شریعت شرک کی نجاست سے توحید کی حفاظت چاہتی ہے، قرآن کریم اسی کو حقیقت اسلامی بتاتا ہے، تمہارے بزرگوں کی، بانیان مسجد کی روحیں بےچین و بیقرار ہیں، خدارا اب بھی اپنا فرض پہچانو! اٹھو اور اسی خانۂ خدا کو مشرکانہ رسموں کی نجاست سے پاک کرو!! الخ

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝	اُن لوگوں کی طرح مت ہو، جنھوں نے خدا کو بھلا دیا! نتیجہ یہ نکلا کہ خود اپنے کو بھول گئے۔ وہ یقیناً فاسقوں میں سے تھے۔

اسلامی مدارس

عہد اسلامی میں موجودہ زمانہ کی طرح مدارس کے لئے جداگانہ عمارتیں بنانے کا دستور نہ تھا، مسلمانوں کا پہلا مدرسہ حقیقت میں وہ مسجد نبوی تھی جس کو حضور سرورِ کائنات ﷺ نے مدینہ منورہ میں بنایا تھا، مسجد نبوی کے بعد سے دنیا میں جتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں انہیں اسلامی عبادتگاہ ہونے کے علاوہ آپ اسلامی مدارس سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ امروہہ کے اسلامی مدارس بھی زیادہ تر یہی مساجد تھیں، طریقہ تعلیم بھی سادہ تھا، استاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد پیش شاگردوں کا حلقہ بندھ جاتا۔ علماء پڑھانے کے لئے نہ کسی مزد کے طالب ہوتے اور نہ

جنیں کے بعض خانقاہیں درس دیتے۔ اسلامی سلطنت ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ ان ہی مدارس کے تعلیم یافتہ چٹائی کے فرش پر جھک کر پڑھنے والے وہ علمائے عظام ہوئے جن کے فضائل و کمالات سے تذکروں اور تاریخوں کے صفحات پُر ہیں لیکن افسوس نہ وہ مدارس باقی رہے اور نہ وہ خانقاہیں تعلیم دینے والے استاد اور نہ وہ علم کے سچے شیدائی شاگرد۔ جو چند دینی مدارس اب موجود ہیں کافی سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیمی و انتظامی حالت قابل اطمینان نہیں۔

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں ــــــ مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں

وہ ارکان شرع مبیں کے کہاں ہیں ــــــ وہ وارث رسولؐ امیں کے کہاں ہیں

رہا کوئی امت کا ملجا نہ ماوا

نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ مُلّا

۱۔ مدرسہ معزیہ مسجد کیقبادی کی تعمیر کے ساتھ یہ مدرسہ بھی اسی مسجد میں جاری ہوا جو غالباً امروہہ کا سب سے پہلا مدرسہ تھا، لیکن افسوس سوائے نام کے مدرسہ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا۔ دیرینہ کاغذات کے مطالعہ سے البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ مسجد کے جنوبی و شرقی حصہ میں، جہاں اب بعض لوگوں کے مسکونہ مکانات و عمارتیں ہیں، طلبہ کے رہنے کے حجرے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ جنوبی حصہ کے متصل حضرت شاہ نصیر الدینؒ کی خانقاہ تھی وہاں آج کل محلہ تولگیان کے مکانات ہیں۔ سنہ ۱۳۰۹ھ تک اس مدرسہ میں علماء کا افادۂ درس جاری رہا۔ مدرسہ کے غالباً آخری مدرس حاجی مولوی محمد امین بن مولوی محمد علی متوطن صوبہ بہار کے انتقال کے بعد جو مسجد جامع کے پیش دروازہ مدفون ہوئے اس مدرسہ کی تعلیمی حالت اچھی نہیں رہی۔ بعد میں سید اسد اللہ خان عرف میر کلو نے اسی ضرورت کی وجہ سے اپنا مدرسہ جاری کیا۔

۲۔ مدرسہ مولوی دوست محمد مولوی دوست محمد بن شیخ محمد شاکر بن شیخ نور محمد بن شیخ کبیر بن شیخ گدائی نے یہ مدرسہ ابتدائے عہد عالمگیری میں غالباً

متصل محمد قریشی جاری کیا تھا جو عرصہ تک جاری رہا۔ مولوی دوست محمد[1] کے بعد ان کے شاگرد رشید مولوی شیخ سلطان الدین محمد بن شاہ قیام الدین محمد درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس زمانہ میں مدارس کے ہونہار اور غیر مستطیع طلبہ کو اسلامی حکومت کی جانب سے وظائف بھی ملتے تھے۔ ذیل میں اس مدرسہ کے ایک ہونہار طالب علم شیخ فیض محمد برادر زادہ مولوی سلطان الدین محمد کے موسومہ ایک پروانہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے خیال سے درج کی جاتی ہے۔

بادشاہ غازی

حضرت ظل سبحانی

چوں بوضوح پیوست کہ یک روپیہ ماہ بہ بام فیض محمد طالب علم از تلامذہ شیخ سلطان الدین

بموجب اسناد حکام سابق بر محصول سایر قصبہ امروہہ از قدیم مقرر است و سوائے

آں ہیچ ممر وجہ معیشت ندارد بنا بر آں بتصدق فرق مبارک بندگان حضرت قدر قدرت

قضا صولت خدیو گیہاں خداوند زمین و زمان بحال داشتہ شد

باید کہ دریاہہ مذکورہ ماہ بہ ماہ مشار الیہ می رسیدہ باشد کہ صرف ما یحتاج خود نمودہ بہ

دعائے دولت ابد مواصلت مواظبت لزوم باشد۔

بتاریخ بستم شہر ذی قعدہ سنہ جلوس والا نظمی سنہ نہم۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی فیض محمد کو بموجب پروانہ مہری "عظمت اللہ خان بہادر فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی" دو روپیہ یومیہ بطور مدد معاش ملتے رہے۔ اس کے بعد اس مدرسہ کے حالات دریافت نہ ہوسکے۔

مولوی فیض محمد کے کوئی عقب نہیں آپ کے بھائی شیخ بشارت اللہ عرف شیخ بساون کے تین بیٹے ہوئے۔ ایک تبارک علی جن کی اولاد میں شیخ محمد اختر بن شیخ احمد علی بن نیاز علی محرر کوریا

(متعلق صفحہ ۱۳۹)

[1] مولوی دوست محمد کے خاندان کا شمار قوم کولال میں ہوتا ہے لیکن ایک دستاویز مورخہ حال عہد عالمگیری میں اس خاندان کو شیخ صدیقی بھی لکھا ہے۔

دوسرے ولایت علی جن کی اولاد میں منشی عبدالقیوم عطار بن حکیم عبداللہ و عبدالسلام و عبدالحکیم و عبدالقدیر و عبدالعزیز بن حافظ سعداللہ بن ولایت علی مذکور ہیں۔ تیسرے حکیم منور علی جن کے پوتے شیخ نور محمد بن حکیم برکت اللہ ہیں۔

۳- مدرسۂ میر کلو میر اسد اللہ خاں عرف میر کلو منصب دار چہاری عہد عالمگیر ثانی نے، جو سُنّی المذہب تھے، اپنے مکانات سے متصل سنہ ۱۱۷۲ھ میں ایک وسیع مسجد تعمیر کی۔ اسی میں یہ مدرسہ بھی جاری کیا۔ سنہ ۱۱۷۳ھ میں موضع جھجرن کے بیس بسوے مسجد و مدرسہ کے مصارف کے لئے وقف کئے۔ وقف نامہ مرقومہ ۸ رشعبان سنہ ۱۱۷۳ھ میں مصارف وقف کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

"در وجہ کفاف مؤذن و امام و مدرّس و علما و طلبا و حفاظ جہت اذان و اقامت و قیام نماز و درس و تدریس علوم دینی و اشتغال حدیث۔"

اسلامی حکومت کی جانب سے بھی ایک روپیہ یومیہ مدرسہ کو امداد ملتی تھی۔ میر کلو کی وفات (سنہ ۱۱۹۳ھ) کے بعد بھی عرصہ تک یہ مدرسہ اسی عمدگی کے ساتھ جاری رہا لیکن بعد میں متولّی صاحبان کے تبدیلی عقائد کی وجہ سے مدرسہ کے انتظامات میں کچھ خلل پیدا ہو گیا تھا، اب سنہ ۱۳۴۳ھ سے عزیزی محبوب احمد عباسی کی کوششوں کی بدولت مدرسہ کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے۔

۴- مدرسۂ خورشید جاہی سید سعید حسن بن سید ظہور حسن نبیرۂ سید دوست علی (محلہ کنگوئی) کی تحریک سے سنہ ۱۲۹۹ھ میں یہ مدرسہ جاری ہوا۔ نواب خورشید جاہ بہادر اس زمانہ میں حیدر آباد دکن سے شمالی ہند کی سیر و سیاحت کے لئے تشریف لائے تھے۔ کسی تقریب سے ان کا مرادآباد بھی آنا ہوا اور وہاں سے امروہہ تشریف لائے اور ان ہی کے نام سے یہ مدرسہ بھی موسوم کیا گیا۔ سید سعید حسن مرحوم نے اجراء مدرسہ کے متعلق ایک پمفلٹ لکھا، جس میں پرانے طرز کے مکاتب کی تعلیم کے نقائص اور طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر بحث کی گئی تھی اور اہل شہر سے مدرسہ کے اجراء، مقاصد و اغراض، نصاب تعلیم و نظم و نسق مدرسہ کے متعلق مشورہ بھی طلب کیا گیا تھا۔

جو جوابات موصول ہوئے ان کو بھی ایک رسالہ کی صورت میں طبع کرا کے شایع کیا گیا۔ غرضکہ بڑے اہتمام سے یہ مدرسہ ابتداءً سید مرتضیٰ علی کے مکان (محلہ گذری) میں جاری ہوا لیکن افسوس صرف چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

۵۔ تاج المدارس

مدرسہ خورشید جاہی کے ساتھ ہی ساتھ یہ مدرسہ بھی بعض اکابر شہر کی تحریک پر ابتداءً مولوی سبحان علی (پیرزادہ) کے مکان (محلہ چاہ شور) میں جاری ہوا۔ حکیم زین العابدین منتظم اور شیخ عبداللہ و شیخ عظیم اللہ (قوم کلال) سکریٹری تھے۔ چند سال تک یہ مدرسہ بہت اچھی حالت میں جاری رہا۔ کسی اختلاف کی وجہ سے شیخ عبداللہ نے انتظامات سے دستکشی اختیار کر لی تو مولوی نادر شاہ خان مرحوم مدرسہ کے سکریٹری ہوئے بعد میں اس مدرسہ کا الحاق جامع مسجد محلہ مولانا کے مدرسہ سے ہو گیا۔

۶۔ تاج المدارس ثانی

شیخ عبداللہ نے پہلے مدرسہ سے دستکش ہو جانے کے بعد منشی امام الدین (کمبوہ) کے مکان (محلہ شاہی چبوترہ) پر یہ مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسہ کو نواب **وقار الملک** مرحوم و مغفور کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ اس وقت سے اس مدرسہ نے اچھی ترقی حاصل کی، انگریزی کی تعلیم کا بھی اس مدرسہ میں اجراء ہوا۔ امروہہ گورنمنٹ اسکول کی حالت جب ایسی خراب ہو گئی کہ سررشتہ تعلیم نے اس کی اعلیٰ جماعتوں کے بند کرنے کا قصد کیا تو نواب صاحب ممدوح نے اس مدرسہ کا الحاق بھی سرکاری اسکول سے کر دیا اور اس زمانہ میں نواب صاحب کی مساعی جمیلہ کی بدولت سرکاری اسکول میں مسلمان طلباء کی مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست کیا گیا جس کے اخراجات ممدوح ہی ادا کرتے رہے۔

۷۔ مدرسہ اسلامیہ مسجد جامع (واقع محلہ مولانا)

۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کے کچھ عرصہ بعد جب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امروہہ تشریف لائے تو آپ کی تحریک پر مسجد جامع میں مدرسہ قائم ہوا جس کا نام "قاسم العلوم" رکھا گیا۔ اس کے مہتمم مولوی محب علی خان عباسی اور مولوی رافت علی (دربار کلاں) تھے اور مولانا آل حسن بخشی اور مولوی

محمد حسین جعفری اس کے اساتذہ میں سے تھے۔ چند سال بعد یہ مدرسہ بند ہو گیا۔ ۱۳۱۱ھ میں جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدث امروہوی مراد آباد کے مدرسہ اسلامیہ واقع شاہی مسجد سے مستعفی ہو کر امروہہ تشریف لائے اور اپنے مکان پر طلبہ کو درس دینا شروع کیا تو مولوی نادر شاہ خان مرحوم حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی مرحوم کی تحریک پر مدرسہ قاسم العلوم کا پھر احیا کیا گیا۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کے علم و فضل کی شہرت اور آپ کی زبردست شخصیت نے اس مدرسہ کو چند ہی روز میں اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی شہرت دور دور پہنچی، بنگال و بہار، پنجاب، صوبہ سرحدی بلکہ بیرون ہند سے طلبا جوق جوق آنے لگے اور امروہہ کے فیضِ علم کا سر چشمہ جو حوادثِ روزگار سے خشک ہو گیا تھا پھر جاری ہوا۔ اہلِ شہر نے بھی مسافر نوازی و علم دوستی کا ثبوت دیا، طلبا کے قیام و طعام کا بھی بحسن و خوبی انتظام کیا۔ مسٹر نویل، مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر اس مدرسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ مدرسہ عربیہ ہمیشہ سے مرکزِ علم رہا ہے اور اس میں ہندوستان کے ہر حصہ سے طلبہ کھنچ کر آتے ہیں"۔ مدرسہ کے انتظامات کا بار شروع زمانے سے زیادہ تر مولوی نادر شاہ خان مرحوم کے ذمہ رہا، درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے منشی عبد الحمید عباسی بھی مہتمم رہے، سید امتیاز علی منصف مرحوم اور بعض دیگر حضرات نے بھی وقتاً فوقتاً مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا لیکن جب بعد میں اس قدیم مدرسہ کی کشتی اختلافات کے بھنور میں جا پھنسی تو پھر اسی محسن مگر جواں ہمت بزرگ مولوی نادر شاہ خان نے باوجود پیرانہ سالی اور معذوری کے انتظامات کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا لیا لیکن افسوس بعض ترفع پسند اور کوتاہ اندیش لوگوں نے اختلافات کو یہاں تک ہوا دی کہ بالآخر ایک کے بجائے اور دو کے بجائے تین مدرسے اسی ایک شہر میں قائم ہو گئے۔ متعدد مدرسوں کا قائم ہونا اور اجتماعی کوششوں کا انتشار بجائے خود باعثِ ضعف و اختلال ہے لیکن رقیبانہ چشمک اور تفرقہ اندازی اس سے بھی بدتر۔ تینوں مدرسوں کی مالی اور انتظامی حالت خراب ہے۔

پڑے ہیں جا بجا ٹوٹے ہوئے اطرافِ عالم میں　　کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار ایک

مولوی نادر شاہ خان مرحوم کے انتقال کے بعد سے اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولوی حاجی سید معظم حسین صاحب مہتمم ہیں اور مولانا حافظ عبد الرحمن صاحب شاگرد رشید مولانا محدث امروہوی صدر مدرس۔ تعداد اساتذہ ۱۱، تعداد طلبا ۲۵۰، اخراجات ماہانہ تقریباً صہ۔

۸۔ مدرسۂ محمدیہ یہ مدرسہ اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ تھا، ایک بڑا کتب خانہ تھا جسے حکیم عبد السلام صدیقی مرحوم نے محلہ قریشی میں ۱۳۰۱ھ کے قریب جاری کیا تھا۔ نصاب تعلیم وہی طرز قدیم کا تھا۔ حافظ محمد حسین جو بعد میں مدرسہ "قاسم العلوم" میں پڑھاتے تھے اس کے مدرس تھے۔ چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

۹۔ سید المدارس سید المدارس کی بنیاد بطور ایک معمولی اردو مکتب کے محض چند مت بتحریک حکیم مجید علی خان ۱۴؍ اگست ۱۸۹۲ء کو قائم ہوئی۔ ۱۸۹۴ء میں علاوہ اردو کے فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی جاری ہو گئی، عربی تعلیم کا بھی اضافہ ہوا اور اس طرح یہ مکتب ایک مستقل عربی مدرسہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور صرف ماتحت دفعات میں اثنا اردو نصاب باقی رکھا گیا جس سے طلبہ نکلکر اگر گورنمنٹ مدارس میں داخل ہونا چاہیں تو ان کو سہولت و آسانی ہو۔

شیعان امروہہ کے لئے یہ سب سے پہلا مبارک موقع تھا کہ اپنی زبان اور مذہبی تعلیم کی درسگاہ سرزمین امروہہ پر صورت پذیر ہوئی۔ مولوی سید نذر حسین مرحوم ساکن محلہ مجاپوتہ نے بتحریک اپنے لائق داماد مولوی سید اعجاز حسن مرحوم اپنی کل منقول جائداد مدرسہ کے حق میں وقف فرما دی پھر ایک وقف مسماۃ ناجرہ خاتون زوجہ علی ابن الحسین ساکنہ محلہ شفاعت پوتہ کی طرف سے مکمل ہوا اور اس طرح مدرسہ کے دائمی بقا کے اسباب فراہم ہو گئے۔

۱۹۰۳ء میں مدرسہ کی موجودہ عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالی گئی جو چھ کمروں اور ایک وسیع ہال اور دو برآمدوں پر مشتمل ہے اس کی تعمیر حکیم سید محمد صاحب اور ان کے خاندان کی عالی توجہ کا نتیجہ ہے۔

اس عمارت کا افتتاح ۱۹۰۵ء میں سر جیمس لیٹوش بہادر سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے فرمایا اور اسی موقع پر یہ حکم نافذ ہوا کہ سادات امروہہ کی تعلیم گاہ سے آٹھ لڑکے ہر سال گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ میں بلا فیس تعلیم پا سکتے ہیں۔

عرصۂ دراز تک مدرسہ میں عربی کا نصاب قدیم جاری رہا۔ اب چند سال سے علاوہ درس نظامی کے الہ آباد یونیورسٹی کا مجوزہ نصاب درجہ مولوی و عالم و فاضل بھی جاری ہے اور انتہائی درجہ بخطاب سید الافاضل قائم ہے۔

مدرسہ کی مستقل آمدنی میں علاوہ جائداد موقوفہ کے سرکاری امداد، میونسپل بورڈ امروہہ کی امداد اور ہز ہائینس نواب صاحب بہادر رامپور کی کافی اعانت بھی ہے۔

مدرسہ میں دس مدرس اور ایک سو انیس طلبہ ہیں۔ اس مدرسہ سے صوبہ بہار، پنجاب و بمبئی وغیرہ کے بہت سے تشنگان تعلیم سیراب اور اجازت سے مشرف ہوئے۔ جناب مولانا سید محمد صاحب مجتہد جو وسیع الاخلاق اور روشن خیال عالم ہیں صدر مدرس ہیں۔

۱۰۔ نور المدارس اصل میں اس مدرسہ کا نام "اشرف المدارس" تھا۔ ۱۳۰۶ھ میں یہ مدرسہ حضرات شیعہ نے محلہ دانشمندان میں جاری کیا تھا۔ ۱۹۰۳ء میں حاجی سید نور الحسن محلہ دانشمندان کے ایک شیعہ بزرگ نے اپنی اور اپنی زوجہ کی کل جائداد بذریعہ وقف نامہ مورخہ ۲۸ ؍ ۲۹ دسمبر ۱۹۰۳ء مدرسہ کے لئے وقف کر دی اس لئے اس مدرسہ کا نام بھی ان کے نام پر "نور المدارس" رکھا گیا۔ مذہب اثنا عشری کی دینیات کے علاوہ سررشتۂ تعلیم کے فارسی و عربی امتحانات کے لئے طلبہ کا تیار کرنا اس مدرسہ کی خصوصیت ہو گیا۔ مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسن صاحب نے اپنا تمام وقت عزیز طلبا کی درس تدریس میں صرف کیا، ان کی محنت و جانفشانی سے مدرسہ نے خوب ترقی کی متعدد طلبہ امتحانات میں کامیاب ہو کر برسر روزگار ہوئے۔ سررشتۂ تعلیم نے بھی مدرسہ کی پوری امداد کی لیکن افسوس کچھ عرصہ سے باہمی اختلاف کی بنا پر مولانائے ممدوح نے مدرسہ سے اپنا تعلق علیحدہ کر لیا اور اب مدرسہ کی تعلیمی حالت بھی پست ہو گئی ہے۔

۱۱ امام المدارس

ابتداءً تو یہ مدرسہ امامیہ مذہب اثنا عشریہ کی دینی تعلیم کی غرض سے سنہ ۱۹۰۱ء میں قائم ہوا۔ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب مجتہد نے افتتاح کیا۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں بیادگار جشن تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم انگریزی تعلیم کے درجے بھی کھولے گئے۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں آٹھویں جماعت تک تعلیم دی جانے لگی۔ سید تقی حسن مرحوم کی کوششوں کی بدولت جو اس زمانہ میں تاحیات مدرسہ کے منیجر رہے سنہ ۱۹۱۶ء میں مدرسہ کا سررشتہ تعلیم سے الحاق ہو گیا اور سنہ ۱۹۱۸ء سے مبلغ لعہ ماہوار مدرسہ کو سرکاری امداد ملنا شروع ہوئی، رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اب دو سو دس روپیہ ماہوار امداد ملتی ہے۔ یہ مدرسہ اپنی تعلیمی اور انتظامی حالت کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے۔ اس کا اجراء، قیام و استحکام اور ترقی سب کا دار و مدار ساداتِ محلہ آزرانی پوتہ (بنگلہ) کی مآل اندیشی اور تعلیمی دلچسپی کی بدولت ہے۔ مدرسہ کے بانیوں میں حاجی سید مقبول احمد، حکیم مولوی سید مصطفیٰ اور سید محمد باقر کے نام خصوصیت سے قابلِ تذکرہ ہیں۔ موجودہ مہتمم مولوی سید محمد مجتبیٰ معروف بہ مولوی سید چاند ہیں اور ہیڈ ماسٹر سید محمد تقی بی اے (علیگ) ایل ٹی ہیں۔ فی الحال مدرسہ کا کچھ حصہ امام باڑہ کی عمارت اور کچھ کرایہ کے مکانات میں ہے۔ لیکن اس کی شدید ضرورت ہے کہ مدرسہ کی اپنی عمارت ہو جس کے لئے غالباً زمین پہلے سے موجود ہے۔ کیا مسلمانانِ امروہہ کبھی خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنے بچوں کی تعلیم کا معقول بندوبست کرنے پر آمادہ ہوں گے؟

امروہہ میں ایک ہندو اسکول ہے اور ایک یہ مسلم اسکول لیکن دونوں اسکولوں کی مالی حالت ان کی رفتار ترقی دونوں قوموں کی ذہنیت، ان کے قول و عمل، ان کے غفلت و بیداری کا عبرتناک اور سبق آموز ثبوت پیش کر رہی ہے۔ ہندو اسکول اس مسلم اسکول سے تقریباً بارہ برس بعد قائم ہوا ہے، آج اس کی عمارت کی تعمیر شروع ہو رہی ہے، اس کے لئے اسکول کے پاس تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی مجموعی رقم اسکول فنڈ اور گورنمنٹ کی امداد کی موجود ہے۔ مسلم اسکول کے پاس عمارت تو الگ تعمیر فنڈ میں بھی کچھ ہے؟ اس کا جواب اور حسرتناک جواب ذرا

اسکول کے مہتمم مولوی سید محمد مجتبیٰ کے پاس جاکر ان کی زبان سے سنئے !! واحسرتا !!!

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا — ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

کیا امروہہ کے تیس ہزار مسلمان، جن میں بعض ایسے دولتمند اور ایسے ایسے تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل ہیں جو آج اس بیسویں صدی میں بھی شادی کی تقریبات کے موقع پر دور دور سے رنڈیاں بلواکر ناچ کرانے اور ان خرافات میں سیکڑوں روپیہ صرف کردینے میں تامل نہیں کرتے آئے دن ڈپٹی صاحب اور جنٹ صاحب اور کوتوال صاحب اور نہ معلوم کن کن صاحب کی دعوتوں، ٹی پارٹیوں، ڈراموں اور ناٹکوں میں بیدریغ خرچ کرنے کو موجود ہیں، تو کیا یہ مسلمان دولتمند، تعلیم یافتہ، ضروریات زمانہ سے باخبر مسلمان، چند ہزار روپیہ اسکول کی عمارت کے لیے جمع نہیں کرسکتے؟ (ان سطور کے لکھے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ اسکول کی عمارت کی سنگ بنیاد رکھنے کا اہتمام ہو رہا ہے)

مسلم اسکول سنہ ۱۹۱۲ء میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم، جو اُس زمانہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری جائنٹ سکریٹری تھے، انجمن سادات امروہہ کے جلسہ کی صدارت کے لئے امروہہ تشریف لائے۔ خاکسار مؤلف بھی جناب ممدوح کی معیت میں حاضر ہوا۔ اس وقت اپنے وطن کی تعلیمی پستی کا جو احساس مجھے ہوا اس سے متاثر ہوکر ایک رسالہ "مسلمانان قصبہ امروہہ کی خدمت میں انکے تعلیمی حالات اور ضروریات کے متعلق ایک ضروری التماس" کے عنوان سے لکھا جسے کانفرنس نے اپنے صرفہ سے شائع کرکے مارچ سنہ ۱۹۱۳ء میں امروہہ میں تقسیم کیا۔ رسالۂ مذکور کے آخر میں مسلم اسکول کے قائم کرنے کی تحریک کی گئی تھی۔ رسالہ کی اشاعت کے بعد اسکی کوشش کی گئی کہ امام المدارس کو ترقی دی جائے اور اس کے انتظام و اہتمام میں مسلمانان شہر کی کافی نیابت ہو۔ اس سلسلہ میں خاکسار مؤلف بارہا علیگڑھ سے امروہہ حاضر ہوا، لیکن افسوس مسلمانان شہر کو متفقہ و متحدہ کام کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اسلئے مئی سنہ ۱۹۱۳ء میں بہ سرپرستی نواب وقار الملک مرحوم "مسلم اسکول" کا آغاز ہوا۔ رفتہ رفتہ اسکول نے اچھی ترقی کی۔ شیخ کریم بخش پنشنر انسپکٹر سکریٹری اور منشی رئیس الدین احمد و حکیم اسرار الحق

معاون سیکرٹری تھے۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں ہز آنر سر جیمس ملسٹن لفٹننٹ گورنر صوبہ پنجاب متحدہ جب بہ تقریب دورہ امروہہ تشریف لائے اس اسکول کے جلسہ میں بھی شرکت فرمائی اور جیب خاص سے چندہ بھی عنایت کیا۔ اسکول کے معاون سیکرٹری رئیس الدین احمد صاحب نے ایک مکان بھی اسکول کے لئے وقف کیا، طلبہ کی تعداد بھی بہت کافی ہوگئی، مڈل کلاس تک تعلیم کا انتظام تھا اساتذہ بھی قابل اور سند یافتہ تھے، اہل شہر کو اسکول کے ساتھ دلچسپی بھی، چندہ کے علاوہ سرکاری امداد بھی کافی ملتی تھی لیکن افسوس مدرسہ کے منتظمین کے آپس کے لا یعنی جھگڑوں اور کش مکش نے بالآخر اسکول کا خاتمہ کردیا اور چند سال جاری رہ کر یہ مدرسہ بھی بند ہوگیا۔ واحسرتا!

ہزاروں باغ ویراں ہوگئے آپس کے جھگڑوں میں   پلٹ کر بھی نہیں آئی جہاں فصل بہار اک بار

۱۳۔ ہندو اسکول اس مدرسہ کا پورا نام "تیج رام جارج کارونیشن ہندو اسکول" ہے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں جاری ہوا۔ لالہ تیج رام قوم ویش مہیسری جو لالہ جھبالال کے چچا تھے لاولد انتقال کیا۔ لالہ جھبالال نے پنڈت لال گوپال وکیل کے مشورہ سے دان (خیرات) کی رقم بجائے پنڈتوں کے دینے کے ایک مدرسہ کے قایم کرنے میں صرف کی۔ ابتداءً پنڈت لال گوپال سیکرٹری اور لالہ جھبالال منیجر رہے۔ ملک معظم کی تخت نشینی کے زمانہ میں یہ اسکول جاری ہوا تھا اس لئے "جارج کارونیشن اسکول" سے موسوم کیا گیا۔ فی الحال اسکول میں مڈل کلاس تک تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ کی عمارت کے لئے بھی پندرہ بیس ہزار روپیہ جمع ہے۔ کل عمارت کی لاگت کا اندازہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے جس میں سے نصف رقم کے عطیہ کا گورنمنٹ نے وعدہ کیا ہے۔ زمین بھی حاصل کرلی گئی ہے۔ آج کل ڈاکٹر بریم ناتھ سیکرٹری اور لالہ جھبالال منیجر ہیں۔ طلبہ کی تعداد تقریباً سو ہے۔ تعلیمی و انتظامی حالت قابل اطمینان ہے۔

۱۴۔ گورنمنٹ ہائی اسکول یہ اسکول سنہ ۱۸۹۳ء میں ابتداءً اینگلو ورنیکلر اسکول کے طرز پہ قایم ہوا، پھر ہائی اسکول کے درجہ تک ترقی ہوئی۔ عرصہ دراز تک

یہ اسکول اس عمارت میں رہا جہاں اب منصفی کی عدالت ہے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں موجودہ عمارت متصل ریلوے اسٹیشن تعمیر ہوئی۔

امروہہ کی مصنوعات

مٹی کے برتن امروہہ کی یہ بہت مشہور اور قدیم صنعت ہے۔ چکنی مٹی سے جسے "گوال چپا" کہتے ہیں یہ برتن بنائے جاتے ہیں۔ یہ مٹی تالابوں کی تہ میں سے نکلتی ہے جو بہت باریک اور ہلکی اور رنگ میں سیاہی مائل اور پکنے کے بعد سرخ ہو جاتی ہے۔ یہ صنعت ہندو کوزہ گروں کی مخصوص صنعت ہے۔ طرح طرح کی چیزیں بنانے اور طلائی و نقرئی کام ان پر کرتے ہیں۔ صاحب "مرات آفتاب نما" لکھتے ہیں[۱]

امروہہ شہریست مجموع است، اکثر قوم سادات درانجا	امروہہ ایک اچھا شہر ہے، سادات کی اکثر قوموں نے وہاں
سکونت پذیرفتہ اند۔ ظروف گلی بغایت نازک و	سکونت اختیار کی ہے۔ مٹی کے برتن نہایت نازک اور باریک جن پر
باریک منقش بہ نقوش گوناگون و مذہب	طرح طرح کے نقش و نگار ہوتے اور جنھیں طرح طرح سے
بوقلمون درانجا می سازند حتیٰ کہ حقہ گلی	سجاتے ہیں وہاں بنائے جاتے ہیں حتیٰ کہ مٹی کا حقہ سرپوش
مع سرپوش و چلم و چنبر بہ قیمت یک اشرفی تا دو دو سہ	چلم و چنبر بھی بنتا ہے جس کی قیمت ایک اشرفی سے دو یا تین اشرفی
می رزند، کوزہ و کاسہ ہم بریں قیاس۔	تک بیٹھتی ہے۔ کوزہ اور پیالہ کا اسی پر قیاس کیجئے۔

تقریباً ستر اسی برس پیشتر تک امروہہ کی یہ صنعت خوب رونق پر تھی۔ مٹی کے برتن تحفتہً دور دور بھیجے جاتے تھے حتیٰ کہ خدیو مصر کے محل میں بھی امروہہ کے ان برتنوں کو جگہ دی گئی تھی[۲]۔ شروع عملداری قوم برطانیہ میں امروہہ کے رؤساء "صاحبان عالی شان" کو

---

[۱] مرات آفتاب نما (فارسی)، مصنفہ سید عبد الرحمٰن المخاطب بہ شاہ نواز خان ہاشمی بنبانی ثم الدہلوی در زمان ابو ظفر شاہ عالم بادشاہ غازی۔ [۲] سفرنامہ مولوی سمیع اللہ خان مرحوم۔

یہ برتن تحفہ میں بھیجا کرتے تھے۔ سید امان علی خان (گھڑیال والے) کے موسومہ جنکو اس زمانہ کے انگریز "نواب" کے لقب سے مخاطب کرتے تھے' ایک انگریز عہدہ دار کی فارسی تحریر کا عکس اس موقع پر درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ دیکھئے اعلیٰ طبقہ کا ایک انگریز امروہہ کی اس صنعت کا کن تعریفی الفاظ میں تذکرہ کرتا ہے :-

نرگس دان وغیرہ ظروف سفالی ...... مرسول شدہ ...... مطبوع خاطر افتاد۔ الحق ہر ہمہ قابل تحسین و آفرین اند و در خوش قسمی و سبکی یکے زیادہ از دیگرے بنظر در آمدند و در تعریف صنعت کارستانی کاریگران آنجا از خامہ و زبان نمی تواند گردید۔

نرگس دان وغیرہ مٹی کے برتن جو ارسال فرمائے نہایت پسند آئے۔ سچ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک قابل تعریف اور توصیف ہے۔ عمدگی اور سبکی میں ایک سے ایک بڑھ کر۔ وہاں کے کاریگروں کی صنعت اور کام کی تعریف زبان قلم سے نہیں ہو سکتی۔

افسوس اس صنعت کے قدردان نہ رہے تو یہ صنعت بھی مٹ گئی۔ خاندانی کوزہ گروں میں سے جو چند افراد باقی ہیں وہ اب بھی مٹی کے برتن بناتے ہیں مگر اب وہ بات کہاں!

بقچے کے پلنگ

بقچہ کا پلنگ بھی امروہہ کی قدیم صنعت تھی۔ بنانے والے اب بھی موجود ہیں مگر بنوانے والے کہاں۔ عہد محمد شاہ بادشاہ کے ایک عہدہ دار میر محبوب مراد آباد سے امروہہ کے ایک اہلکار لالہ کشن چند سے ایک تحریر میں آم کے مربہ وا چار کو بھیجنے کے ساتھ "چارپائی بقچہ کلاں" کی فرمائش بھی کرتے ہیں۔ ذرا اس زمانہ کے ہندو مسلمانوں کے رابطہ اتحاد و تعلقات کا اندازہ طرز تحریر سے کیجئے' القاب میں ہندو مسلمان کا کوئی فرق نہیں۔ "در حفظ الٰہی بودہ" کے الفاظ ملاحظہ ہوں اور آج کی تنگ ظرفی بھی ملحوظ خاطر رہے۔

"عزت و خصوصیت دستگاہ لالہ کشن چند در حفظ الٰہی بودہ بعافیت باشند۔ ......

تحریر آنکہ ... وا چار و مربائے انبہ و چارپائی بقچہ کلاں تیار کنانیدہ ارسال حضور نمایند۔ ہر چند بزودی برسد بجائے خود است وبرائے انبہ از حضور بسیار تاکید است باید کہ در خمہائے انبہ کہ قسم اول و کلاں باشند خرید نمودہ در قید خود نگاہ دارند و قیمت آں نقد

خط مسٹر آر۔ بی۔ گیلن

موسومہ

(نواب) سید امان علی خان (گھڑیال والے)

متعلق سنہ ۱۸۰۵

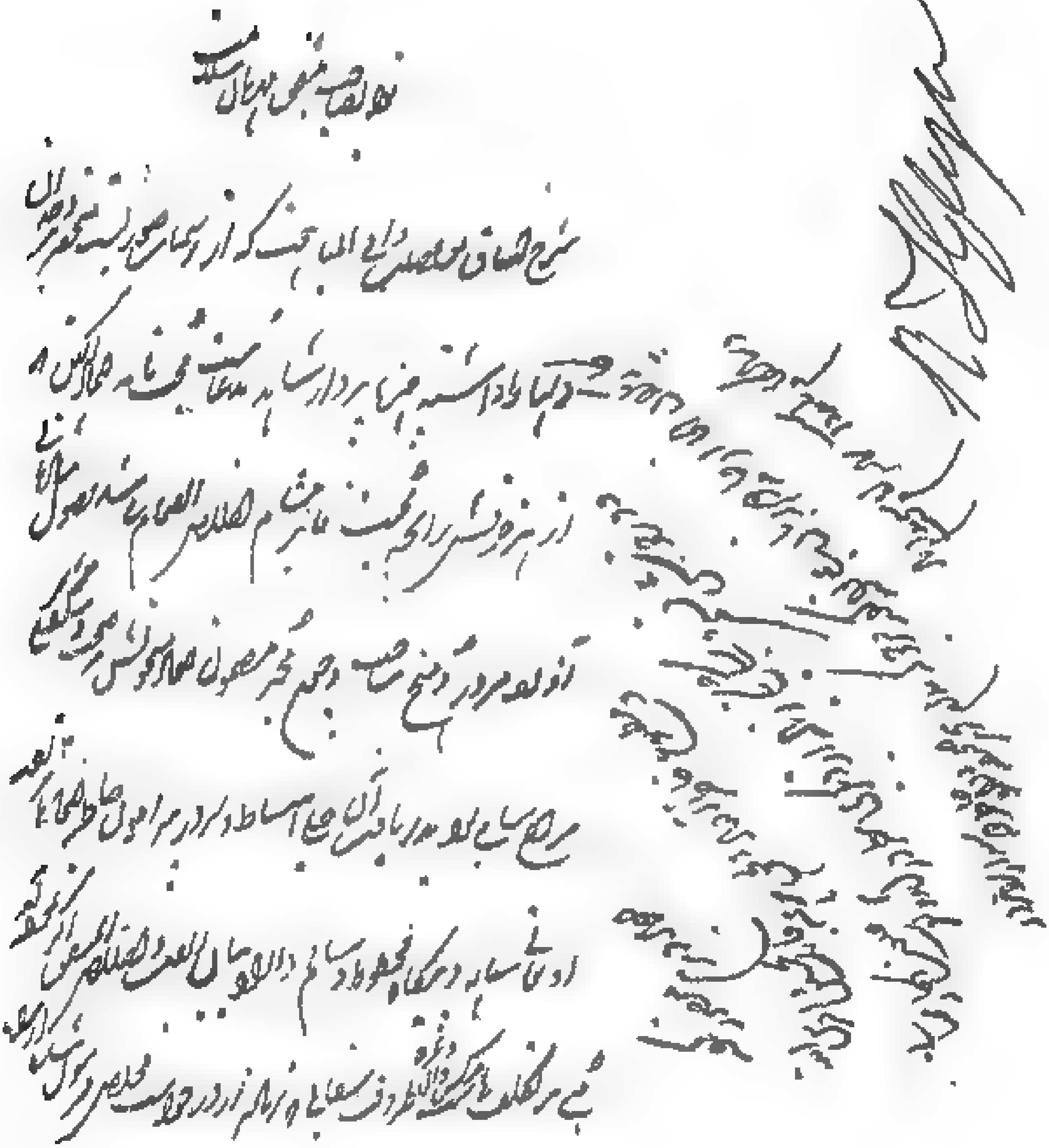
نواب صاحب مشفق مہربان سلامت

[illegible]

بہ ہند - درین خدمت تقاضے نباید کرد"

تحریر فی التاریخ یازدہم شوال سنہ جلوس معلّی (مطابق ۱۱۴۱ھ ۱۷۲۹ء)

بنچ کے پلنگوں کے سوائے اور قسم کے پلنگ نسیجہ اور پچ پیچہ بھی بنتے تھے۔

رتھ اور بہلی رتھ اور بہلی کی صنعت بھی یہاں قدیم سے ہے۔ یہاں کے بڑھئیوں میں بعض خاندان صرف رتھ اور بہلی بنانے کا کام کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خوب بناتے ہیں۔ دور دور کے میلوں میں لے جاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اگرچہ زمانہ حال میں سواری کی دوسری ایجادوں نے اس صنعت پر خاص اثر ڈالا ہے لیکن پھر بھی یہ صنعت بالکل معدوم نہیں ہوئی۔

ڈھولک اور پٹیاں امروہہ میں ڈھولک اور پٹیاں بھی اچھی بنتی ہیں اور دور دور جاتی ہیں۔ آم کی لکڑی ان کی ساخت میں استعمال ہوتی ہے۔

قالین سازی امروہہ میں اس صنعت کے موجد صادق علی تھے جنہوں نے بیکانیر میں مرزاپور کے ایک جولاہے سے اس صنعت کو سیکھا اور امروہہ میں جاری کیا۔ نہایت خوبصورت اور سستے قالین یہاں تیار ہوتے ہیں ان کے لئے اون یہیں تیار کیا جاتا ہے۔ گڈریہ عورتیں اس کو کاتتی ہیں۔

امروہہ کی کشتی نما ٹوپیاں تقریباً پچیس برس پیشتر تک امروہہ میں ریشم اور کلابتون کے کام کی کشتی نما ٹوپیوں کی صنعت خوب رونق پر تھی۔ صدہا اشخاص اور بالخصوص بیشتر بیوہ عورتوں کی معاش کا انحصار اسی کام پر تھا۔ جب سے ترکی وایرانی ٹوپیوں کے نئے نئے فیشن نکلنے لگے اس صنعت پر بھی اوس پڑ گئی۔

امروہہ کے باشندے

عہد قدیم کے باشندگان امروہہ کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنا بہت دشوار ہے، تاہم لشکر اسلامی کی موجودگی سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ موجودہ آبادی سے اس وقت تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ انگریزی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے موجودہ زمانہ تک یہاں کے باشندوں کی جو تعداد مختلف سنین میں رہی ہے اس کا گوشوارہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

سنہ	کل تعداد باشندگان	کمی	بیشی
سنہ ۱۸۴۷ء	۷۱،۶۶۷ ※	۰	۰
سنہ ۱۸۵۳ء	۳۵،۲۸۴	۳۷،۳۸۴	۰
سنہ ۱۸۶۵ء	۳۲،۳۱۴	۲،۹۷۰	
سنہ ۱۸۷۲ء	۳۴،۹۰۴	۰	۲،۵۹۰
سنہ ۱۸۸۱ء	۳۶،۱۴۵	۰	۱،۲۴۱
سنہ ۱۸۹۱ء	۳۵،۳۲۰	۸۲۵	۰
سنہ ۱۹۰۱ء	۴۰،۰۷۷	۰	۴،۷۵۷
سنہ ۱۹۱۱ء	۴۲،۴۱۰	۰	۲،۳۳۳
سنہ ۱۹۲۱ء	۴۰،۴۴۸	۱،۹۶۲	۰

سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے منجملہ کل تعداد باشندگان نصف سے قدرے زائد عورتوں کی تعداد ہے اور نصف سے کچھ کم مردوں کی۔ شہر میں کل مکانات کی تعداد ۹۵۵۴ ہے۔ مختلف مذاہب کے پیرؤں کی تعداد حسب ذیل ہے:-

---

※ معلوم ہوتا ہے یہ اعداد صحیح نہیں ورنہ آٹھ سال میں تقریباً اڑتیس ہزار باشندوں کی تعداد کا کم ہو جانا قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

مجموعی تعداد باشندگان امروہہ		ہندو			مسلمان			آریہ، عیسائی وغیرہ		
مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت
۱۹٬۹۸۵	۲۰٬۳۶۴	۱۰٬۱۶۸	۵٬۲۶۹	۴٬۸۹۹	۲۹٬۵۹۰	۱۴٬۳۶۴	۱۵٬۲۲۶	۷۱۰	۳۹۲	۳۱۸

ہندو باشندے

امروہہ کے ہندو باشندوں کی تعداد ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۱۰٬۱۶۸ ہے، جن میں ۵٬۲۷۹ مرد اور ۴٬۸۹۹ عورتوں کی تعداد ہے۔

اس شہر کے ہندوؤں میں چھ مختلف قوموں کے لوگ ہیں یعنی (۱) برہمن (۲) ویش (۳) کھتری (۴) جاٹ (۵) کائستھ (۶) شودر۔ ان میں سے ہر ایک قوم کے بہت سے گوتر اور آل (خاندان) ہیں۔

برہمن برہمنوں میں یہاں سب سے زیادہ تعداد گوڑ برہمنوں کی ہے، اس کے بعد سارسوت کی۔ سکان کبج، گوتم اور گجراتی برہمنوں کے صرف چند گھر ہیں۔

ا۔ گوڑ برہمن:۔ ان کا نکاس چونکہ ملک گوڑ (نواح بنگال) سے ہے اسلئے اس نام سے مشہور ہوئے۔ امروہہ میں ان کی تعداد تقریباً آٹھ سو ہے۔ ان میں تقریباً آٹھ ہی آل (خاندان) ہیں یعنی جوشی۔ بناری۔ سکل، چترویدی۔ مصر، پوتھیہ۔ پانڈے اور کاتلئے۔ یہ لوگ ہندوؤں کے اکثر محلوں میں ساکن ہیں۔

ان میں زیادہ قدیم خاندان پنڈت بھگوت دت ساکن بھاگیرت ٹولہ کا ہے۔ پنڈت جی کے اجداد میں نتھل داس مصر منجم، طبیب اور مذہبی علوم میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ عہد محمد شاہ بادشاہ میں حسب ذیل پروانہ کے ذریعہ ان کو قوم ہنود ساکنان امروہہ کا عہدۂ چوگرایتی دیا گیا تھا۔

نقل پروانہ

عاملان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل	پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل متعلق صوبہ دار السلطنت شاہجہان آباد
معاملات صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بدانند	(دہلی) کے حکام کو معلوم ہو کہ ہمارے سامنے ظاہر کیا گیا ہے
دریں ولا بظہور پیوست کہ نتھے مل مصر در طریقۂ برہمنی	کہ نتھے مل مصر ہندؤں کے مذہبی علم سے خوب واقف ہے
خیلے خبردار و بحسب نجومی و طبابت بسیار ہوشیار	اور نجومی اور طبابت میں بھی بہت ہوشیار ہے لہٰذا اس کے
لہٰذا نظر بر استحقاق او نمودہ چوکرائی قوم برہمنان	استحقاق کو مدنظر رکھ کر برہمنوں کی چوکرائی کا تیسرا حصہ
قسم حصہ سوم یک تنکہ شادیانہ ہنگام شادی	اور امروہہ کے ہندؤں میں بیاہ شادی کے موقع پر
کتخدائی و کار خیر و تولد فرزند شرفاء و غرباء قوم ہنود	اور کار خیر میں اور ہندؤں کے شرفاء اور غریبوں میں
ساکنان قصبہ مذکور مقرر نمودہ شد باید کہ مشار الیہ	بیٹے کے پیدا ہونے کی تقریبوں کے موقع پر ایک ٹکہ بطور حق جاہا
را در چوکرائی دخل کنانیدہ وجہ مقررہ می دادہ	مقرر کیا گیا لہٰذا چاہئے کہ نامبردہ کو چوکرائی پر دخل کرا کے شرعی
باشند و بوجہے اہمال نسازند۔ دریں باب تاکید	حق دلاتے رہیں اور کسی وجہ سے اس میں دریغ نہ کریں اور
دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔	اس معاملہ میں تاکید جان کر حسب ہدایت عمل کریں۔
تحریر فی التاریخ بست و پنجم شہر صفر سنہ ۵ جلوس مطابق سنہ ۱۱۵۵ھ	مورخہ ۲۵ ماہ صفر سنہ ۵ جلوس مطابق سنہ ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء

نتھے مل داس مصر کے لال من داس مصر، ان کے کیسری مل مصر بیٹے۔ کیسری مل مصر کے پانچ بیٹے ہوئے۔ راجی مل، امر سہائے، رام نرائن، رام پرشاد اور سالگ رام۔ راجی مل کے پوتے پنڈت بھاگوت دت مصر ہیں۔ دوسرے اشخاص کی اولاد میں پنڈت برج بلبھ ولد سندر لال وغیرہ ہیں۔

شاہانِ اسلام کی جانب سے جہاں مسلمان فقراء و مشائخ کو روزینے ملتے تھے وہاں اہل ہنود کے پروہتوں اور پنڈتوں کی بھی مدد معاش مقرر تھی۔ روزینہ کی فہرست میں امروہہ کے متعدد برہمنوں کے نام نظر آتے ہیں۔ مثلاً سنہ ۱۱۴۰ھ میں امروہہ کے حسب ذیل پنڈتوں کو مدد معاش میں اسلامی سلطنت کی جانب سے روزینہ ملتا تھا۔

رام کشن چوبے	مجن سکھ مصر	صاحب بدائے	سندرام گجراتی	اگن برہمن	والی مصر	سکھا مصر
۲۷ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۲۵ دام	۱۲½ دام

اس قسم کی مدد معاش بہت پہلے سے مقرر تھی۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں بھی برقرار رکھی گئی تھی۔ مسلمان بادشاہوں کے ظلم و ستم کے افسانے تراشنے والے ذرا ان باتوں پر بھی نظر رکھیں، سلطنت اور رعایا کے ان تعلقات کو بھی تو دیکھو اور پھر جو دل چاہے کہو۔

جنہیں یہ دے کے ساری داستاں بس یاد ہو اتنا کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

گوڑ برہمنوں میں پنڈت ہررام تیواڑی، بوھٹیہ چیدی لال ساکنان محلہ چوک، چوہڑ مل ساکن محلہ کوٹ، قابل تذکرہ ہیں۔ ان ہی میں جوشی بھی شامل ہیں۔ جوشی حقیقتاً جوتشی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ان میں پنڈت گلاب سنگھ جوشی بی۔اے سب جج پرتاب گڈھ اور ان کے بھائی پنڈت نند کشور جوشی وکیل امروہہ نامور ہیں۔ چترویدیوں میں چوبے بھاگوت داس ولد چوبے موہن لال کا خاندان ہے جو اپنے زمانہ کے بڑے ساہوکار تھے۔ ان کی ہنڈی چلتی تھی۔ ان کی نسل میں چوبے کنج بہاری ہیں جو ملکی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

۲۔ سارسوت برہمن:۔ ان کے بزرگ ابتداً دریائے سرسوتی (پنجاب) کے قریب کے رہنے والے تھے اسلئے سارسوت کہلائے۔ ان میں بھی مختلف آل (خاندانوں) کے لوگ ہیں۔ امروہہ میں ان کے تقریباً سات آل ہیں یعنی سنڈھ، شوہری، کلمہ، پاٹھک، بھارت دواجی، ترویدی اور جوشی۔ ان کی تعداد بمقابلہ گوڑ برہمنوں کے بہت کم ہے یعنی امروہہ میں تقریباً تین سو کی تعداد ہے جو زیادہ تر محلہ کالا کنواں، بڑا بازار اور چوک وغیرہ میں رہتے ہیں۔ محلہ کالا کنواں پر پنڈت کاشی پرشاد اور ان کے فرزند پنڈت گیانا نند اور محلہ جاٹ بازار میں ڈاکٹر چندی پرشاد اور ان کے بھائی حکیم ردیپ کشور ان میں نامور ہیں۔ ڈاکٹر چندی پرشاد ترویدی غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے فرقہ کی قدامت پسندی کے خیالات کے خلاف سمندر پار جاکر انگلستان سے D.P.H. (ڈپلومہ آف پبلک ہیلتھ) کی سند حاصل کی۔ فی الحال کانپور میں ہیلتھ افسر کے

عہدہ پر مامور ہیں۔

۳۔ کان کبج برہمن ان کا نکاس قنوج سے ہے اسلئے کان کبج کہلائے۔ ان کی تعداد امروہہ میں بہت کم ہے۔ ان میں ایک شخص جوگل کشور ساکن محلہ منڈی چوب آیام غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے نامور طبیب تھے۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا مگر شعر ایسا کہتے تھے کہ بہ ظاہر موزوں ہوتا تھا مگر مطلب خبط۔ یہ شعر ان کا مشہور ہے ؎

اس کے غم میں مجکو اک رونا بہانا ہوگیا   اشک جو آنکھوں سے نکلا چنبہ دانا ہوگیا

اس کے علاوہ گوتم اور گجراتی برہمنوں کے بھی چند گھر امروہہ میں ہیں جو محلہ کوٹ و کالا کوئیاں میں ساکن ہیں۔

اس کے علاوہ ڈنڈے بھی امروہہ میں ہیں جو برہمن ہونے کے مدعی ہیں لیکن برہمن ان کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت سے یہ نسل چلی۔ یہ لوگ عام طور سے جوتشی کا پیشہ کرتے ہیں اور خیرات بھی لیتے ہیں۔

ویش ویشوں میں اگروال، گہنی، مہیشری، کھنڈیل وال خاندانوں کے لوگ امروہہ میں ساکن ہیں۔ ان میں کوئی خاندان یہاں زیادہ قدیم نہیں ہے۔ مہاجنی ساہوکاری اور غلہ وغیرہ کی تجارت ان کا عام پیشہ رہا ہے۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے اچھی دولت اور زمینداری و جائداد معافی پیدا کی۔ محلہ کوٹ کے اگروال ویشوں میں چند افراد نے اعلی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

۱۔ اگروال :- ان کا نکاس اگروہہ (علاقہ ہریانہ) متصل ضلع حصار (پنجاب) سے ہے اسلئے اگروال کہلائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں یہ لوگ اپنے قدیم وطن سے منتشر ہوئے۔ ان کی آبادی زیادہ تر محلہ کٹرہ غلام علی، بیگم سرائے، بڑا بازار اور محلہ کوٹ میں ہے۔

کٹرہ غلام علی کے اگروال ویشیوں میں لالہ نند کشور ولد لالہ گنگا رام کا خاندان ہے۔ لالہ میا

ساہو دنکشن پرشاد امروہہ میونسپلٹی کے سب سے پہلے چیرمین اپنے عادات وخصائل کے اعتبار
سے نیک نام و ہر دل عزیز ہیں۔ اسی محلہ میں ڈاکٹر نند کشن سرن، لالہ بدری جی وغیرہ میں حکیم سرائے
میں خزانچی نند کشور اور لالہ بابو لال کا خاندان ہے۔

محلہ کوٹ میں اگروال ونشیوں کے دو خاندان ہیں۔ پہلا خاندان لالہ جوہری مل کا ہے جو ایام
۱۸۵۷ء میں امروہہ کے متمول اور مشہور ساہوکار تھے۔ ان کے فرزند لالہ گوبند پرشاد کے
اولاد صلبی نہ تھی اسلئے ساہو دیو کی نندن کو جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، اپنا متبنیٰ کیا۔
ساہو موصوف کے بھی اولاد پسری نہیں۔ اسی خاندان میں لالہ جگموہن سرن اور لالہ برج
نندن پرشاد میونسپل کمشنر بھی ہیں۔ اگروالوں کے اسی خاندان کی دوسری شاخ میں ساہو
بنواری سرن کا خاندان ہے جن کے لائق فرزند رام ولبھ سرن بی۔اے، بی۔ٹی انجہانی
غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد تھے جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ ۶ مارچ ۱۸۹۱ء میں
پیدا ہوئے۔ اکیس سال کی عمر میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی۔اے۔ کی سند حاصل کی۔
انگریزی علم ادب اور اقتصادیات (Political Economy) کے ساتھ عربی فارسی
ان کے مضامین میں داخل تھی۔ درس و تدریس سے خاص دلچسپی کی بنا پر ہندو اسکول امروہہ
کی ہیڈ ماسٹری کا عہدہ قبول کیا، ایل۔ٹی کا امتحان بھی پاس کیا اور اپنے فرائض کو نہایت
خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ وسیع الخیال اور ہندو مسلم اتحاد کے عملاً حامی تھے۔
افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ عین عالم جوانی میں ۱۷ اگست ۱۹۲۱ء کو عالم آخرت کو کوچ کیا۔
ان کے دونوں بھائی ساہو بابو رام اور ساہو برج موہن بھی اپنے کاروبار میں ہوشیار ہیں۔
اسی خاندان میں ڈاکٹر پریم ناتھ اور بابو سوم ناتھ بی۔اے پسران لالہ بھولا ناتھ اور بابو رام
کشن بی۔اے، ایل ایل بی وکیل امروہہ انکے برادر حقیقی بابو کشوری لال بی۔اے، ایل
ٹی بھی ذی لیاقت ہیں۔ لالہ منا لال اور لالہ بدری پرشاد بھی اسی خاندان سے ہیں۔
محلہ کوٹ میں اگروال کا دوسرا خاندان بابو رام سروپ پروفیسر بچر میں ٹریننگ کالج

لکھنؤ کا ہی انکے بھائی بھی محکمہ جنگلات میں کنسرویٹر کے عہدہ پر مامور ہیں۔

۲۔ گھی:۔ ان کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک روایت یہ ہی کہ گھی کا روزگار زیادہ کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ ویشوں میں گھٹیا ہیں اسلئے گھی کہلائے یہ لوگ زیادہ تر محلہ کالی گھڑی، کالا کنواں اور چوک میں رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض خاندانوں نے دادوستد کے کاروبار کی بدولت جائداد معافی و زمینداری بھی پیدا کرلی ہی۔ ان میں لالہ جھبّا لال ولد لالہ بیچا لال ہیڈ منیجر ہندو ماسکول، انکے برادر زادہ لالہ مدن موہن میونسپل کمشنر، لالہ جوگل کشور ولد لالہ کنہیا لال انکے بھائی لالہ بحث بہاری، لالہ رگھبیر سرن بی اے ایل ایل بی آنریری اسسٹنٹ کلکٹر، لالہ موہن چند پسران لالہ بالک رام، لالہ مہابیر پرشاد ولد لالہ جھاؤ مل و لالہ جگت نرائن مہتا ہیں۔ محلہ کوٹ میں گھی ویشوں کا ایک خاندان لالہ طوبا رام کا ہے جن کی اولاد میں بابو بنارسی لال قانون گو اور بابو رام سیکریٹری آریہ سماج اور لالہ جگدیش سرن ہیں۔

۳۔ جھبیری:۔ ان کا نکاس رہتاس گڑھ سے بتایا جاتا ہی۔ زیادہ تر یہ لوگ نیا بازار اور جاٹ بازار میں رہتے ہیں۔ لالہ نانک چند میونسپل کمشنران میں نامور ہیں

۴۔ کھنڈیل وال:۔ ان کا نکاس بھرت پور سے ہی۔ امروہہ میں ان کی تعداد کم ہی اور زیادہ تر محلہ کوٹ میں ساکن ہیں۔ ان میں ایک نوجوان گریجویٹ ہیں

کھتری

کھتریوں کا شمار بعض لوگ ویشوں میں کرتے ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہی کہ راجپوت مرد اور ویشیہ عورت سے جو نسل چلی وہ کھتری کہلائی[1] یہ لوگ زیادہ تر کوچہ کھتریان، بڑا بازار میں ساکن ہیں، ان میں ٹنڈن وغیرہ گوتوں کے لوگ ہیں۔ مہاجنی کپڑے و غلہ وغیرہ کی تجارت عام پیشہ ہی۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے کافی جائداد بھی پیدا کی ہی۔ لالہ آنند سروپ آنریری مجسٹریٹ اور انکے برادر زادہ لالہ راجہ رام لالہ منگل سین میونسپل کمشنران میں متمول اور نمودار ہیں۔

---

[1] ضمیمہ گلوسری سر ہنری الیٹ صفحہ ۲۹۹۔

جاٹ

اس قوم کے نسب کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض ان کو راجپوتوں کی شاخ سمجھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ غیر آرین ہیں۔ بعض ان کو انڈو سیتھین (Indo Sythian) کہتے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ گڈھ غزنی (کابل) سے ہندوستان آئے۔ غزنی میں یوتی Yu-ti نام ایک قوم کا پتہ چلتا ہے جو قدیم زمانہ میں وہاں سے ہندوستان آئی[۱]۔ عربی تاریخوں میں بھی "زط" یعنی جٹ قوم کا تذکرہ ملتا ہے جو قدیم زمانہ میں جنوبی ایران سے عراق عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے جاٹوں کی خاندانی روایتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نکاس گڈھ غزنی سے ہے۔ بہر حال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی صحیح ہو ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی دیس والے اور پچھاوئے۔ امروہہ اور بہار کے قرب وجوار کے جاٹ زیادہ تر پچھاوئے ہیں یعنی پچھم سے آئے ہوئے۔ پنجاب میں جاٹوں کا زیادہ حصہ مسلمان ہے۔ امروہہ میں پہلے ان کی آبادی زیادہ تر جاٹ بارہ[۲] میں تھی جسے اب جاٹ بالا کہا جاتا ہے۔ یہاں ناظر (سعید میں رامہ) گور سہائے وادھر تپ سنگھ کی سکونت بھی تھی۔ بعد میں یہ لوگ مراد آباد جا بسے۔ اب ان جاٹوں کی آبادی زیادہ تر محلہ قریشی میں ہے۔ ان میں چودھری ہریت رام اور چودھری لگل سین نمودار ہیں۔

کائستھ

کائستھوں کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ منو جی کے قدیم تقسیم اقوام کے مطابق کائستھوں کا شمار ان چار ذاتوں یعنی برہمن، چھتری، ویش اور شودر میں سے کسی میں نہیں ہوتا لیکن جو لوگ ان کا شمار شودروں میں کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں[۳]۔ کائستھ ہندوستان کی شریف قوم ہیں۔ ان میں سے سوج وج خاندان کچھ عرصہ امروہہ پر حکمراں رہا ہے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب پرسرام نے چھتریوں کی نسل کا قلع قمع کر دیا تو ان کی حاملہ عورتیں غنیم کے خوف سے مفرور اور روپوش ہو گئیں اور جو بچے ان سے پیدا ہوئے وہ کائستھ یعنی جسموں کے اندر چھپے ہوئے کہلائے۔

۱ؔ سیوارمس سر ہسٹری آف الیٹ صفحہ ۱۳۳ --- ۲ؔ "جاٹ بارہ" کے معنی ... ۳ؔ کائستھوں کا شمار شودروں ...

کائستھ کا لفظ سنسکرت زبان کے الفاظ काय بمعنی جسم اور स्थ باقی یا پوشیدہ سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ بہر حال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی قابل قبول ہو یہ قوم ذہانت اور علم و دانش میں ایک نامور اور ممتاز قوم ہے۔ مسلمانوں کے عہد سلطنت میں دفاتر اور دارالانشاء کا کام زیادہ تر اسی قوم کے افراد کرتے تھے۔ ان میں صدہا اشخاص فارسی کے خوش استعداد ادیب شاعر اور عالم ہوئے، عربی و فارسی کی تعلیم ان میں عام تھی۔ اکثر کائستھ خاندانوں کے افراد ابتدائی دینیات قرآن شریف وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کرتے، مشائخ اور اولیاء اللہ سے عقیدت رکھتے، اور بعض اسلامی طرز سے عبادت بھی کرتے تھے۔ امروہہ کے بعض کائستھ خاندانوں کو حضرت قطب عالم شاہ اعز الدین اور شاہ ولایت سے خاص عقیدت تھی۔ نصف صدی پیشتر تک یہ لوگ ان حضرات کے عرس کا انتظام بھی اچھے پیمانہ پر کرتے تھے اور بعض اب بھی کرتے ہیں۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے کائستھوں نے علوم مروجہ کی تحصیل اور مغربی طرز معاشرت کے اختیار کرنے میں بہ نسبت اور اقوام کے فوقیت حاصل کی ہے۔ امروہہ کے کائستھوں میں بھی بعض افراد نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور اچھے عہدوں پر مامور ہیں۔

کائستھوں میں بھی ہندوؤں کی اور قوموں کی طرح متعدد شاخیں ہیں جن میں سے خاص یہ ہیں:- ماتھر، بھٹناگر، سکسینہ، سورج دھج، سری باستب، گور، کرن، نگم، بالمیک، اسٹھانہ، کالسرشٹ، ان میں اول الذکر چار خاندانوں کے لوگ امروہہ میں آباد ہیں۔

۱- ماتھر کائستھ:- ماتھر کائستھوں کا نکاس متھرا سے بیان کیا جاتا ہے اسلئے ماتھر کہلائے۔ ان میں بھی یہاں تین خاندان ہیں۔ ایک خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک کا دوسرا

(گذشتہ سے پیوستہ)
کی ہے اور لکھا ہے کہ ایک شودر ہر وقت اپنے فرائض کی بجا آوری میں ایسا ہوشیار اور کارگذار تھا کہ جس شاہزادے کا ملازم تھا اس نے "کائستھ" کا خطاب دے دیا۔ سنسکرت میں "کے" کے معنی "گھر" کے اور "ستھی" کے معنی نو ثمن پذیر ہونے کے ہیں۔ خاکسار مؤلف کو اس توجیہ سے اتفاق نہیں ہے۔ (میموائرس سر جسٹس ری ایلیٹ)

برہ تلے والے کالستھوں کا، تیسرا خاندان ساکنان محلہ کالا کنواں کا۔

خاندان قانون گویان کے مورث لالہ متھرا داس ولد لالہ رام داس بعہد شہنشاہ جلال الدین اکبر دہلی سے امروہہ آئے اور تیرہ مواضعات پرگنہ امروہہ کے عہدہ "چودھرائی وقانون گوئی و مقدمی" پر مامور ہوئے۔ لالہ متھرا داس کے دو فرزند ہوئے لالہ پرمانند اور لالہ سری رام یہ دونوں بھائی بعد وفات اپنے والد لالہ متھرا داس کے حسب فرمان شہنشاہ نورالدین جہانگیر مجریہ ۲۰۔ ماہ ابان سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۱۴ھ خدمت آبائی یعنی "چودھرائی وقانون گوئی و مقدمی" پر مامور رہے۔ لالہ سری رام کو سنہ ۱۰۲۵ھ میں ایک سو بیگہ آراضی معافی حسب فرمان مندرجہ ذیل نسلاً بعد نسل مدد معاش میں عطا ہوئی۔ مختصر:

دریں وقت میمنت اقتران فرمان عالی شان سعادت نشان شرف اصدار و عز ایراد یافت کہ حوازی یک صد بیگہ زمین یک حصہ مزروع و سہ حصہ افتادہ از موضع سری رام پور پیوستہ من اعمال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل از ابتدائے خریف اودئیل در وجہ انعام سری رام با فرزندان حسب الضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات آں را فصل بفصل و سال بسال بوجہ معیشت خود خرچ و صرف نمودہ بدعا گوئی دوام دولت ابد قرین اشتغال نمودہ باشند می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار ایں حکم اقدس والا کوشیدہ آراضی مذکورہ را پیمودہ و چک بستہ بتصرف مشارالیہم بازگذاشتہ اصلاً تغیر و تبدیل بداں راہ ندہند۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ۔

تحریر بتاریخ غرہ اردی بہشت ماہ الٰہی سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۵ھ۔

لالہ سری رام کی اولاد امروہہ میں نہیں ہے ان کے بھائی لالہ پرمانند کی نسل میں قانون گوئی کا

ملہ رائے بہادر بابو شیو نرائن سجہانی نے اپنے خاندانی حالات کے متعلق ایک مطبوعہ تحریر میں بیان کیا ہے کہ لالہ پرمانند کے فرزند برج ناتھ جو اس "آخر زمانہ شاہجہاں اور شروع زمانہ اورنگزیب بادشاہ میں وزیر تھے" - اس عہد کی مستند کتب تاریخ مطبوعہ و قلمی موجود ہیں اور تقریباً تمام کتب خاکسار مؤلف کے زیر مطالعہ رہی ہیں لیکن ان میں

عہدہ متوارث ہوگیا اور اسی وجہہ سے یہ خاندان "قانون گویوں" کا خاندان مشہور ہے۔ ان میں لالہ محکم سنگھ قانون گو تھے جو رائے بہادر بابو شیونراین کے اجداد میں چھٹی پشت میں ہوئے ہیں ان کے نام سے "محکم سرائے" آج تک مشہور ہے۔ لالہ محکم سنگھ کے فرزند لالہ شیام لال ان کے فرزند لالہ جواہر مل اور انکے فرزند لالہ جے گوپال ہوئے تھے جو یکے بعد دیگرے آبائی عہدے پر مامور رہے آخر الذکر ایام غدر ۱۸۵۷ء میں امروہہ کے قانون گو تھے۔ ان کے علاوہ اس زمانہ میں دوسرے قانون گو ہر پرشاد تھے جو خاندان ساکن محلہ کالا کوئیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی شہادت بھی سید شبیر علی خاں کے خلاف مقدمۂ بغاوت میں ہوئی تھی۔ لالہ جے گوپال کے دو لایق فرزند تھے لالہ چھید الال اور بابو جگت نراین۔ اول الذکر ابتداءً شکوہ آباد کے منصف اور بعد میں سب جج رہے۔ ان کے دو ہی فرزند ہوئے یعنی رائے بہادر بابو شیونراین اور بابو دھرم نراین۔ رائے بہادر موصوف حکومت کے خیر خواہ، نیک نام رئیس، درباری، اسپیشل مجسٹریٹ درجۂ اول، چیرمین امروہہ میونسپل بورڈ اپنے عادات و خصائل کے اعتبار سے ہر دل عزیز تھے۔ مفاد عامہ کے کاموں میں اپنے اوقات کا بیشتر حصہ صرف کرتے تھے ان ہی خدمات کے اعتراف میں آپکو سنہ ۱۹۲۰ء میں "رائے بہادر" کا خطاب حکومت نے عطا کیا۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں انتقال ہوا۔ انکے لایق

(گذشتہ سے پیوستہ)

کوئی تذکرہ لالہ ہر جناتھ کی وزارت یا کسی اعلیٰ منصب پر مامور ہونے کا نہیں ملا۔ ایک دوسری مطبوعہ انگریزی تحریر میں بیان کیا گیا ہے کہ رائے بہادر موصوف کے اجداد شاہان مغلیہ کے عہد میں خطاب یافتہ اور جاگیردار تھے۔ اس کا بھی خاکسار مؤلف کو کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملا اور نہ کوئی فرمان دکھلایا گیا۔ "قانون گوئی وجہہ سرائی و مقدمی" کا عہدہ دار تو منصبدار بھی نہیں ہوتا تھا اور خطاب صرف اعلیٰ منصبدار کو عطا ہوتا تھا اور جاگیر بھی منصبدار کو ملتی تھی۔ ملک مدد معاش اور معافی جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "سیورغال" کہتے تھے البتہ ہر قسم کے عہدہ داران کو دی جاتی تھی مثلاً ملک مندرجہ فرمان سو سو سرا لہ سر آم ہندوستان کے اکثر مقامات پر کالستھ خاندان کے افراد عہد حکومت اسلامی میں قانون گوئی کے عہدہ پر مامور رہے ہیں۔ کفایت شعاری و سلامت روی سے اکثر خاندانوں نے اچھی آئی۔

وہونہار فرزند بابو کاشی نرائن بھی ذی لیاقت اور ہر دلعزیز ہیں۔ رائے سیاہ کے برادر حقیقی بابو دھرم نرائن ذی لیاقت و خوش اخلاق ہیں، علی گڈھ کالج کے ابتدائی دور میں تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں کلکٹری مراد آباد میں کچھ عرصہ عہدہ دار رہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ مراد آباد کے چیرمین منتخب ہوئے تین سال تک عمدگی سے ان خدمات کو انجام دیا۔ آپ خانہ نشین ہیں۔ انکے ایک صاحبزادے برج نرائن سلمہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں سنہ ۱۹۲۵ء میں بی۔اے کی سند حاصل کی۔

بابو چھیدا لال کے بھائی بابو جگت نرائن باوجود متمول اور ذی مقدرت ہونے کے محض دلچسپی کے لحاظ سے اپنے موروثی عہدۂ قانون گوئی کا کام بذات خود انجام دیتے رہے۔ امروہہ میں بڑے نیکنام اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کے بھی دو ہی فرزند ہوئے بابو ہر نرائن اور بابو رام نرائن۔ بابو ہر نرائن صاحب سنہ ۱۹۱۳ء میں آنریری مجسٹریٹ ہوئے، سنہ ۱۹۲۵ء سے اسپیشل مجسٹریٹ ہیں۔ میونسپل اور پبلک معاملات سے دلچسپی ہے۔ اپنے اصول کے پابند اور فرض شناس ہیں، امسال رائے بہادر خطاب ملا ہے

دوسرا قدیم اور ذی وجاہت خاندان محلہ ٹیلے والے ماتھر کایستھ صاحبان کا ہے۔ خاکسار مؤلف نے اس خاندان کے دیرینہ کاغذات دیکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مجبوراً صاحب تاریخ اصغری کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں، وہ اس خاندان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:۔ ا

اگرچہ کوئی شجرہ یا فہرست بازماں دستیاب نہیں ہوا مگر بعض اولاد رائے بختاور سنگھ سے سنا گیا کہ میاں رام جن کے باپ صورت سنگھ ملقب بہ کروڑی تھے سہارنپور سے امروہہ میں آئے جس کو تخمیناً ساڑھے تین سو برس کا عرصہ ہوا۔ بیٹے ان کے دولت رائے دفتر بادشاہی کے افسر مقرر ہوئے اور حسن خدمت کے صلہ میں یہ خطاب راؤ سرفراز ہوئے۔ ان کے بیٹے راؤ بختاور سنگھ جن کے نام سے پیکا مشہور ہے، وکیل بادشاہ ہوئے اور رائے کا خطاب پایا۔ ان کے پانچ بیٹے ہوئے، ایک رائے سلامت سنگھ دوسرے راؤ نصرت سنگھ، تیسرے راحت سنگھ چوتھے امانت سنگھ پانچویں ٹیک رائے۔ یہ پانچوں بھائی بادشاہ کی معرفت نوکر ہوئے پیشکش

رسالداری وغیرہ کے مامور رہے۔ نمنت سنگھ کو راؤ کا خطاب ہوا اور عہد نواب وزیر بہادر
میں رائے سلامت سنگھ نے پچیس برس تک چودھری وغیرہ کی تحصیلداری کی اور امانت سنگھ
کو کام سارشتہ کا ملا اور عملداری صاحبان عالی شان (ایسٹ انڈیا کمپنی) میں بھی اکثر آدمی
اس خاندان کے عمدہ عمدہ عہدوں پر ممتاز ہوتے رہے الخ۔[1]

موجودہ زمانہ میں بھی بابو چھیل بہاری لال بی اے۔ عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہے اب کسی ریاست میں دیوان ہیں، پرانی تہذیب کا نمونہ اور با اخلاق شخص ہیں۔ بابو شیو ناتھ سنگھ اور بابو گلشن بہاری مختار عدالت اسی خاندان میں ہیں۔ منشی جگن لال بھی جو کچھ عرصہ سے داد و ستد کا کاروبار کرتے ہیں اسی خاندان سے ہیں۔

تیسرا خاندان ماتھر کائستوں کا محلہ کالا کنواں میں ساکن ہے۔ ان کے مورث لالہ گھنشیام داس[2] عرف ٹھاکر کنہا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابتدائے عہد مغلیہ میں امروہہ کے عہدۂ قانون گوئی پر مامور تھے اور ۲۰۵ مواضعات ان کے حلقۂ قانون گوئی میں شامل تھے[3] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۵۔ [2] ان کا نام تاریخ اصغری نے لالہ کرپن داس عرف ٹھاکر کنہا تحریر کیا ہے۔ [3] بابو بھگوتی پرشاد وکیل امروہہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس خاندان کے مورث ٹھاکر گھنشیام داس نے جو متھرا میں سکونت رکھتے تھے، ہمایوں بادشاہ کو اس وقت کہ شاہ موصوف شیر شاہ سور سے شکست کھا کر سندھ جاتے ہوئے متھرا سے گذرا مدد دی تھی جس کے صلہ میں اس بادشاہ نے ہندوستان پر دوبارہ تسلط کرنے کے بعد ۹۶۲ھ میں ٹھاکر گھنشیام داس کو امروہہ میں ۲۰۵ مواضعات جاگیر میں دئے اور عہدۂ قانون گوئی پر مامور کیا۔ علاوہ جاگیر کا کوئی فرمان نہیں دکھایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضعات جاگیر میں نہیں دئے گئے تھے بلکہ ان مواضعات کی قانون گوئی پر ان کا تقرر ہوا تھا۔ قانون گو کے پروانۂ تقرری میں مواضعات کی تفصیل درج ہوا کرتی تھی، فارسی تحریر سے نا واقفیت کی بنا پر ان مواضعات کو جاگیر سمجھ لیا گیا۔ قانون گو کے کسی عہدہ دار کو ایسی بڑی جاگیر کا دیا جانا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ علاوہ ازیں ۹۶۲ھ میں یہ جاگیر عطا ہونا بیان کی جاتی ہے، مطابق ہوتا ہے ۱۵۵۵ء سے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ہمایوں بادشاہ ایران چلا گیا تھا

بابو بھگوتی سہائے بی۔اے ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اس وقت جبکہ کتاب کی طباعت کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا عہد جہانگیری کا اصل فرمان خاکسار مؤلف کو دکھایا جس کے ذریعہ ان کے اجداد میں سے سندر داس اور بہرائے پسران راگھو داس کو بارہ مواضعات کا عہدہ چودھرائی و مقدمی اور پرگنہ امروہہ کا عہدہ قانون گوئی منجانب سلطنت اسلامی عطا ہوا تھا۔

فرمان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس خاندان کے مورث جو ابتدا آوان عہدوں پر مقرر ہوئے گھنشام داس عرف ٹھاکر کہنا "نہیں تھے بلکہ ان کا صحیح نام راگھو داس تھا۔ نیز عہدۂ چودھرائی و مقدمی کے مواضعات کی تعداد ۲۵ نہیں بلکہ صرف ۱۲ تھی۔ ان بارہ مواضعات کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "پتہ کنہال" سے موسوم کیا جاتا تھا' چونکہ اس فرمان کی عبارت سے خاندان کائستھ صاحبان ساکنان محلہ کالا کنواں کے خاندانی حالات پر یک گونہ روشنی پڑتی ہے اسلئے فرمان مذکور کے اندراج کی بدقت تمام ایک صورت نکالی گئی ہے:-

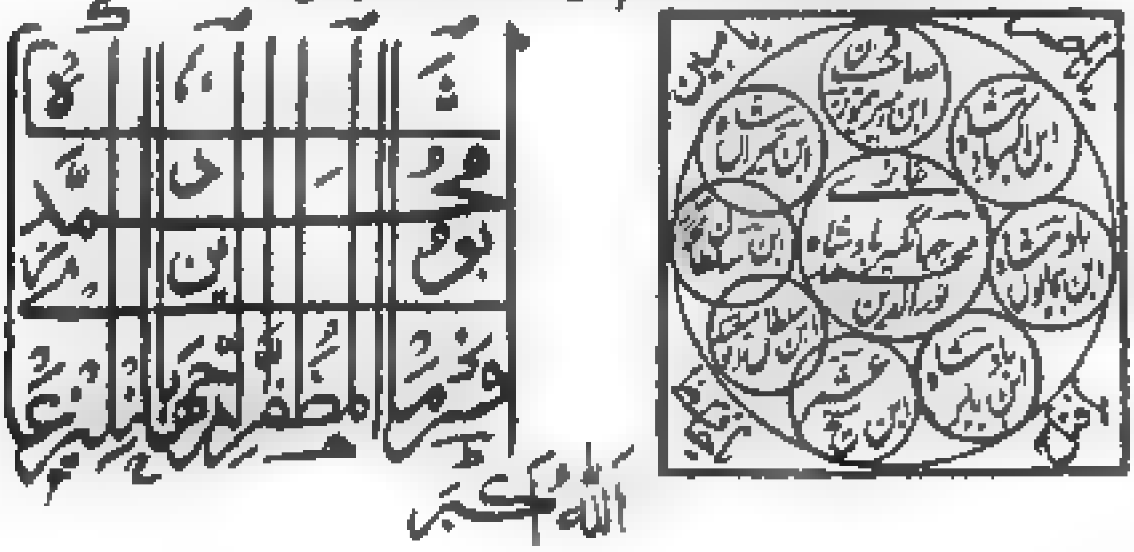

چوں خدمت چودھرائی و مقدمی پتہ کنہال و قانون گوئی پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل کہ دوازدہ مواضع از پتہ مذکور حسب الشرح براگھو داس قانون گوئی متعلق بودہ چنانچہ دریں باب اسناد معتبر فرمانروایان اودست دارند درینولا سندر داس و بہرائے پسران موی الیہ بدرگاہ گیتی پناہ آمدہ منظر اشرف اقدس اعلیٰ

۱۶۴ ب

گذشتند و بعرض مقدس رسید کہ راگھو داس فوت شد حکم جہان مطاع گردون ارتفاع [1] .... بہ پدر آنہا متعلق بودہ بمشار الیہا مفوض و مرجوع بودہ باشد کہ کماینبغی بلوازم مذکور قیام و اقدام نمودہ در آبادانی و [2] .... سعی و دولت خواہی بجا آورند و نگذارند کہ در پتہ مذکور بلیہ دستم شریکی واقع شود - الخ -

پشت فرمان پر حسب ذیل عبارت مع تفصیل مواضعاتؔ پتہ کنہاں درج ہے

بتفصیل مواضع پتہ کنہاں بموجب یادداشت بدستخط جدۃ الملکی مدار المہامی اعتماد الدولہ آنکہ یادداشت چوں مواضع ذیل از اعمال پرگنہ امروہہ را کہ پتہ کنہاں نام است بہ راگھو داس چودہرائی و مقدمی آں مواضع و قانون گوئی امروہہ سرکار سنبھل تعلق داشتہ چنانچہ اسناد معتبر بدست دارند ....

سال بسال .... اعلی اشرف ہمبرین سؤال صورت یافتہ است درین ولا کہ مشار الیہ ودیعت حیات سپردہ سندر داس و ہر رائے فرزندان مشار الیہ بدرگاہ معلی آمدہ حکم شد کہ تعلقات مواضع مذکور بدستور سابق بہ سندر داس و ہر رائے فرزندان موہی الیہ وا گذاشتہ مقرر و مسلم دارند - شرح حاشیہ بدستخط جدۃ الملکی مدار المہامی - اسناد خود را منظور آوردہ بر طبق آن فرمان عالی شان درباب چودہرائی مواضع مذکورہ مرقوم سازند -

دوازدہ مواضع با مزرعہ متعلقہ پتہ کنہاں :-

(۱) گھنسو پور (۲) موہن پور (۳) عسکر پور (۴) راہپور (۵) نصیر پور با مزرعہ شیام پور (۶) محمود پور (۷) شبلہ (۸) مسعود پور (۹) رائے پور (۱۰) داس پور (۱۱) لساتا -
(۱۲) دولہ پور

---

[1] و [2] کاغذ دریدہ -

ٹھاکر کنہیا کے پوتے کی شادی خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک میں ہوئی تھی، وہ اپنا نابالغ لڑکا چھوڑ کر فوت ہو گئے تھے، زمانۂ نابالغی میں تمام کام ننھیال والوں نے کیا، بالغ ہونے پر جب انھوں نے اپنا کام واپس چاہا تو ننھیال والوں نے حق پرورش کا استغاثہ عہد جہانگیر میں کیا اس وقت ننھیال والوں کی خدمت کا لحاظ کر کے قانون گوئی کے مواضعات نصف نصف ان دونوں خاندانوں میں تقسیم کر دئے گئے۔ یہ روایت بابو بھگوتی سہائے بی۔ اے ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے میں قلمبند کر کے بھیجی ہے مگر خاندان قانون گویان کے اس فرمان عہد جہانگیری کے مضمون کے لحاظ سے، جس کا حوالہ کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے، یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی بہر حال واقعات جو کچھ بھی ہوں قانون گوئی کا عہدہ اس خاندان میں بھی عرصۂ دراز تک رہا۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لالہ مہر پرشاد قانون گو اس خاندان کے تھے، ان کے فرزند لالہ سنت پرشاد بھی قانون گو رہے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اسی خاندان میں منشی من موہن لال بوقت ضبطی ملک اودھ لکھنؤ میں سر رشتہ دار تھے، اس خاندان کے اور لوگ بھی حکومت انگریزی کے اچھے اچھے عہدوں پر مامور رہے ہیں موجودہ زمانہ میں بابو گوبند سروپ جج، بابو گوپال سروپ ڈپٹی کلکٹر، رائے صاحب جمنا لال دیوان ریاست ناگود، جن کے چھوٹے بھائی بابو بھگوتی سہائے امروہہ میں وکالت کرتے ہیں، اس خاندان میں نامور ہیں۔

سکسینہ کائستھ :- ان کی آبادی زیادہ تر محلہ منڈی چوب میں ہے۔ ان میں اکثر لوگ پٹواری

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور سلطان فرید خان الملقب بہ شیر شاہ سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے پندرہ سال بعد ہمایوں ہندوستان واپس آیا ہے۔ ٹھاکر موصوف نے ہمایوں بادشاہ کی کوئی بڑی خدمت کی ہوتی جس کے صلہ میں دو سو مواضعات کی جاگیر کے مستحق ہوئے تو قانون گوئی جیسے معمولی عہدہ کی بجائے ان کو کوئی بڑا منصب عطا ہوتا۔ اس اعتبار سے یہ روایت بھی ان روایتوں میں سے معلوم ہوتی ہے جو امروہہ کے ہندو مسلمانوں کے اکثر خاندانوں میں تعزز خاندانی کے سلسلہ میں مشہور ہیں لیکن کوئی تاریخی حیثیت ان کو حاصل نہیں۔

ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جن میں لالہ بھولاناتھ اور لالہ دلواری لال وغیرہ نمودار ہیں۔

بھٹناگر کائستھ :- ان کا نکاس بھٹنیر سے ہوا اسلئے بھٹناگر کہلائے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے سے اس قوم کے لوگ مسلمان بادشاہوں کے دفاتر میں ملازم رہے۔ سلطان موصوف کے فرزند نصیر الدین قراخان کی عنایت اس قوم کے بعض اشخاص پر مبذول رہی۔ صوبہ بنگال کی عنان حکومت جب اس شہزادہ نے اپنے ہاتھ میں لی بھٹناگر کائستھوں کے متعدد اشخاص اس کی ملازمت میں تھے۔ بعض مقامات پر اس قوم کے لوگوں نے قانون گوئی وغیرہ کی خدمات انجام دیں۔ شراب خوری کا رواج ان میں زیادہ تھا۔ امروہہ میں یہ خاندان محلہ جاگیرت ٹولہ میں ساکن ہے۔ ان میں بھی لوگ پٹواری رہے ہیں۔ لالہ روشن لال تھانہ دار ان میں نمودار تھے۔

اہیر :- براہما پُران میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ چھتری مرد اور ویش عورت کی نسل سے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ اہیر راجپوتوں کی اُس یادو بنسی شاخ سے نکلے ہیں جن کا پیشہ مویشی چرانے کا تھا۔ راماین و مہابھارت میں ابھیرا (Abhiras) کا ذکر آتا ہے۔ دریائے تاپتی سے دیوا گڈھ تک قطعات زمین کا اہیرانہ یعنی مویشی چرانے والوں کا ملک کہا جاتا تھا۔ ابتداءً اس قوم کو سیاسی اقتدار بھی حاصل رہا۔ فرشتہ اور خزانہ عامرہ میں قلعہ اسیر گڈھ کو ان کی راجدھانی بتایا اور یہ کہا گیا ہے۔ الغرض ان کی تین بڑی شاخیں ہیں نند بنس، یادو بنس اور گوال بنس۔ امروہہ میں یادو بنسی اہیروں کی آبادی ہے جو زیادہ تر متصل محلہ کوٹ رہتے ہیں اور کچھ اہیر محلہ سرائے وغیرہ میں آباد ہیں۔ روساء اور زمینداروں کے یہاں ملازمت اور بیل بانی کی خدمت کرنا ان کا عام پیشہ رہا ہے۔

کاشتکاری پیشہ اقوام

ہندوؤں کی کاشتکاری پیشہ اقوام میں کاچھی (باغبان) اور لودھ قوم کے لوگ ہیں۔

کاچھی :- یہ قوم نہایت محنتی قوم ہے اور ہندوستان کے بڑے

حصہ میں باغبانی وغیرہ ان کا موروثی پیشہ ہے۔

لودھ:۔ یہ بھی کاشتکاری پیشہ ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں، ایک یہ کہ چھتری عورت اور اہیر مرد کی نسل ہیں دوسرے یہ چھتری مرد اور نیچ قوم کی عورت کی اولاد ہیں۔

شودر اقوام

۱۔ بھڑبھونجا:۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ کہار مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان میں بھی سات کوری یا شاخیں بیان کیجاتی ہیں یعنی کنوجیا، سکسینہ اور راتر آہا وغیرہ امروہہ میں یہ لوگ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ تعداد بھی مختصر ہے۔

۲۔ ہندو حلوائی:۔ ان میں مختلف گوتر ہیں یعنی چھیسلا، بگڑا، دوبے، کنوجیا، مکھیو تجاد وغیرہ امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور اپنا پیشہ کرتے ہیں۔

۳۔ دھوبی:۔ دھوبیوں میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی گہیا، کنوجیا، مگھیا، بیلوار، باتھم سری باتھم، ہیرکا، اجودھیا اور گوسر۔ امروہہ میں دھوبی زیادہ تر نگھیا گوتر کے ہیں۔ ہیرکا گوتر کے تین چوتھائی دھوبی مسلمان ہیں جو زیادہ تر لکھنو وغیرہ میں پائے جاتے ہیں امروہہ میں صرف دو چار دھوبی مسلمان ہیں جو حال ہی میں باہر سے آگئے ہیں ورنہ زیادہ تر ہندو ہیں۔ ان کے عورت اور مردوں کی اخلاقی حالت بھی پست ہے۔ شراب نوشی کا بھی ان میں رواج ہے۔

۴۔ چمار:۔ بدہا، ورانا اور برجھا دیوتا وغیرہ، ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ملاح اور چنڈال عورت سے جو نسل چلی وہ چمار کہلائی۔ ان کی بھی سات گوتر بیان کی جاتی ہیں یعنی جتوا، کسیان، کورل، جیوارہ، جہوسیا، بربیریا اور کوری یا کورچرا۔ آخر الذکر زیادہ تر اودھ میں ہیں اور جولاہہ کا پیشہ کرتے ہیں۔ چماروں کا عام پیشہ چمڑے کا کاروبار ہے جسمانی ساخت کے اعتبار سے یہ قوم سیاہ فام بیان کی گئی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گندمی رنگ چمار اور سیاہ فام برہمن شاذ ہوتا ہے۔

عربی النسل

ان میں بھی تین مختلف شاخوں کے لوگ امروہہ میں ہیں یعنی ہاشمی، قریشی اور انصاری۔ ہاشمیوں اور قریشیوں کے تو یہاں متعدد خاندان ہیں لیکن صحیح النسب انصاریوں کے صرف چند گھر ہیں۔

سادات بنی ہاشم:- امروہہ میں جتنے ہاشمی ہیں وہ سب ایک ہی دادا یعنی جناب عبدالمطلب کی نسل سے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جناب ہاشم کے فرزندوں میں سوائے عبدالمطلب کے اور کسی کی نسل دنیا میں باقی نہیں۔

لیس فی الارض ہاشمی الا من ولد عبدالمطلب بن ہاشم [1]	سوائے اولاد عبدالمطلب بن ہاشم کے دنیا میں اور کوئی ہاشمی نہیں۔

جناب عبدالمطلب کے بھی صرف دو بیٹوں یعنی جناب ابوطالبؓ و حضرت عباسؓ کی نسل میں سے چند خاندان یہاں ہیں یعنی اولاد حضرت **علیؑ** اولاد حضرت **عقیلؓ** اولاد حضرت **جعفر طیارؓ** ابنائے جناب ابوطالب اور اولاد حضرت **عبداللہ بن عباسؓ**۔

باعتبار حسب و نسب اہل عرب میں سے قریش کو، قریش میں سے بنوہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے بنو عبدالمطلب کو جو شرف و فضیلت حاصل ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے:-

خیر العرب مضر و خیر مضر قریش و خیر قریش بنو عبد مناف و خیر بنی عبد مناف بنو ہاشم و خیر بنو ہاشم بنو عبدالمطلب واللہ ما افترق فرقتان منذ خلق اللہ آدم الا کنت فی خیرھما [2]	بہترین عرب کے بنی مضر ہیں اور بہترین بنی مضر کے قریش اور بہترین قریش کے بنو عبد مناف اور بہترین بنو عبد مناف کے بنو ہاشم اور بہترین بنو ہاشم کے بنو عبدالمطلب خداوند کریم نے جب سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور فرقے بنائے مجھکو بہترین فرقوں میں پیدا کیا۔

[1] معارف ابن قتیبہ۔ [2] خصائص کبریٰ صفحہ ۳۲۔

شجرہ نسب خاندان بنی ہاشم

عمرو العلا الملقب بہ ہاشم

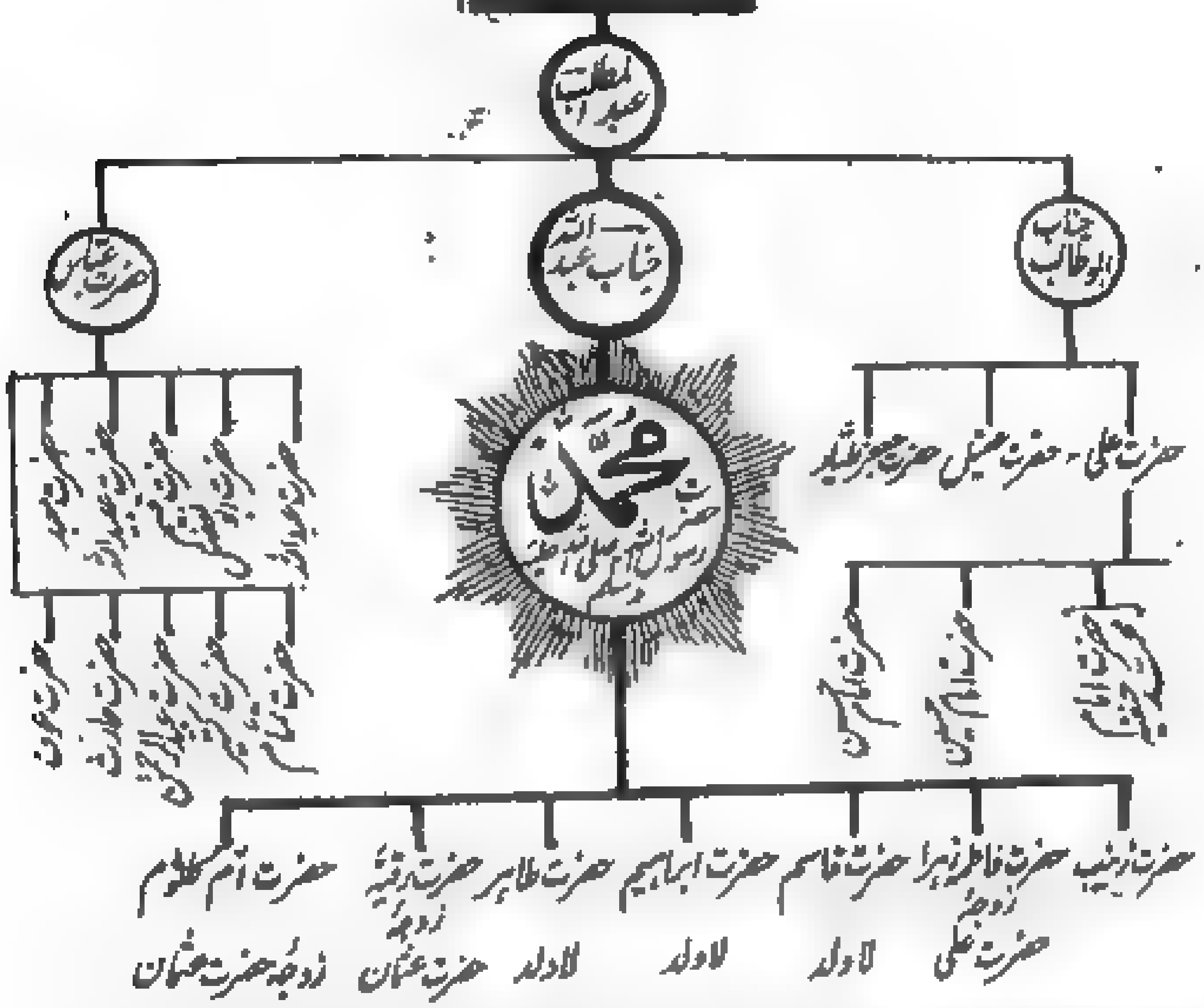

یہی خاندان خاندان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہی لوگ اہل بیت و آل محمد ہیں یہی خمس و ذوی القربیٰ کے مستحق ہیں اور ان ہی پر صدقہ و زکوٰۃ حرام ہے ۔

بسان محمد علیہ السلام   زکوٰۃ است بر آل ہاشم حرام
پسند است ایں قوم را زاں شرف   کہ پاک اند چوں دُر بجوف صدف

ان ہی میں خواجہ کونین حضرت محمد مصطفےٰ امام الثقلین علی مرتضیٰ رض سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رض سید الشہدا حضرت حمزہ رض سید العرب و عم حضرت شفیع الناس حضرت عباس رض ذوالجناحین حضرت جعفر طیار رض افصح العرب حضرت عقیل رض، سید شباب اہل الجنۃ حضرت امام حسن رض و حضرت امام حسین رض

حبر الامۃ سیدنا عبد اللہ ابن عباسؓ تھے۔ اس خاندان کا حسب و نسب بزرگی و شرف اظہر من الشمس ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ؎

نَحنُ اَھلُ البَیتِ شَجرۃُ النُّبُوَّۃِ وَ مُختَلِفُ المَلٰئِکَۃِ وَاَھلُ بَیتِ الرِّسَالَۃِ وَاَھلُ البَیتِ الرَّحمَۃِ وَ مَعدَنُ العِلمِ[1]	ہم اہل بیت خانۂ نبوت کے ستون ہیں ہمارا ہی گھر فرشتوں کی گذرگاہ تھا کہ یکے بعد دیگرے نزول کرتے رہتے تھے۔ ہم رسول اللہؐ کے گھر والے ہیں۔ ہم رحمت و معدن علم کے اہل بیت ہیں۔

شاعر کہتا ہے۔[2]

تعالی اللہ زہے قوم سرافراز — مقیمانِ حریمِ لطف و اعزاز
از ایشاں خانۂ دیں گشت پُرنور — وز ایشاں ملکِ احساں گشت معمور
فلک روشن ز نورِ رائے ایشاں — ملک بوسیدہ خاکِ پائے ایشاں
بود سرخیلِ ایں قومِ مکرّم — وصیِ سرورِ اولادِ آدم
علیِ مرتضیٰؓ کز رفعتِ قدر — سپہرِ شرع را شد چوں مہِ بدر
دگر آں نورِ چشمِ اہلِ بینش — حسنؓ مہرِ سپہرِ آفرینش
دگر از جملۂ ایشاں حسینؓ است — کہ مہرش مومناں را فرضِ عین است
دگر آں سیدِ اہلِ شہادت — کہ عمِ مصطفیٰ ام[3] بود از سعادت
دگر عباسؓ کو عمِ نبی بود — ز اربابِ جبر ہم اجنبی بود
دگر جعفرؓ کہ از غایاتِ اعزاز — نماید در بہشتِ عدن پرواز
دگر اولادِ ایں جمعِ گرامی — کہ ملکِ شرع را بودند حامی
علوئے قدرِ ایں قومِ شرفناک — بود برتر ز وصفِ عقل و ادراک
سلامے عطرساں چوں نافۂ چیں — درودے چوں نسیمِ صبحِ مشکیں

---

[1] معارف ابن قتیبہ [2] خصائص کبریٰ صفحہ ۲۷۰ [3] یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نثارِ تربتِ پُر نورِ ایشاں | قرینِ روضۂ معمورِ ایشاں

لفظِ سید کا اطلاق عربی زبان میں سیّد کا لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سیّد اللہ تعالےٰ کو بھی کہتے ہیں، آقا کو بھی، رئیس و مقدم کو بھی اور حلیم و کریم کو بھی۔

صاحب لسان العرب کہتے ہیں :- [۱]

السیّد یطلق علی الرّب والمالک والشریف والفاضل والحلیم ومتحمل اذی قومہ والزوج والرئیس والمقدم۔	سیّد رب اور مالک کو کہتے ہیں اور شریف، فاضل اور بُردبار کو بھی نیز اُس شخص کو جو اپنی قوم کی تکالیف برداشت کرے اور شوہر، رئیس اور مقدم کو بھی۔

سیّد کے معنی افضل اور سردار کے بھی ہیں، ایک بدوی عرب جو اکثر حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کی نسبت حضور نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :-

ھٰذا سیّد اھل الوبر یعنی یہ جنگل کے لوگوں کے سردار ہیں

اسی طرح یوم جمعہ کی نسبت فرمایا گیا سیّد الایام یوم الجمعۃ (یعنی دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے) یا سیّد الطعام اللحم (یعنی کھانوں میں افضل کھانا گوشت ہے) یہاں سیّد کے معنی افضل کے ہیں۔ سید اور شریف ہم معنی ہیں۔

السّودد والشرف معروفان یعنی سیادت و شرافت مترادف المعنی ہیں

غرضکہ سیّد کا لفظ عربی زبان میں حسب موقع و محل مختلف معنی میں آتا ہے۔ اصطلاحاً تمام بنی ہاشم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر ہاشمی بلاتخصیص الشریف یا السیّد سے ملقب کیا جاتا ہے۔ صاحب ضاحیۃ الطرب لکھتا ہے :- [۲]

اما بعد الاسلام فقد اختص الشریف العربی فی سلالت الھاشمیۃ ویعبّر عنھا باھل البیت راجع مبحث بیعۃ سید الانبیاء	بعد اسلام کے عربی شرف خاندان ہاشم کے لئے مخصوص ہوگیا ہے یہی اہل بیت کے نام سے تعبیر کئے جاتے تھے (یعنی صاحب شریعت اسلامیہ کے گھر والے)۔

---

[۱] لسان العرب [۲] ضاحیۃ الطرب فی تقدمۃ العرب - مطبوعہ بیروت صفحہ ۴۰۔

فلا يعرف الشريف رسمًا ويطلق عليه لقب السيد الا اذا كان نسبه متصلا بأحد من اهل البيت بدون التفات الى حالته ولا الى صنعته —

پس رسمی کوئی شریف نہیں کہلائیگا کہ اس پر لقب سید کا اطلاق ہو، مگر اس وقت کہ اسکا نسب اہلبیت میں سے کسی کے ساتھ متصل ہو بغیر اس کی دنیوی حالت اور اسکے فن و پیشہ کے خیال کے ہوئے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالۂ زینبیہ میں اس کی تصریح کی ہے :-

اسم الشريف يطلق في الصدر الاول على كل من كان من اهل البيت سواء كان حسنيًا ام حسينيًا ام علويًا من ذرية محمد بن الحنفية وغيره من اولاد علي بن ابي طالب ام جعفريًا ام عقيليًا ام عباسيًا ولهذا تجد تاريخ الحافظ الذهبي مشحونًا في التراجم بذلك يقول الشريف العباسي الشريف العقيلي الشريف الجعفري الشريف الزينبي فلما ولي الفاطميون بمصر قصروا اسم الشريف على ذرية الحسن والحسين فقط واستمر ذلك بمصر الى الآن۔[1]

شریف (یعنی سید) کے لفظ کا اطلاق صدر اول میں تمام اہلبیت کے افراد پر ہوتا تھا خواہ وہ حسنی ہوں یا حسینی یا علوی، اولاد محمد بن حنفیہ ہوں یا سوائے ان کے حضرت علی ابن ابی طالب کی دوسری اولاد سے ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی یا عباسی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی میں دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں لوگوں کے حالات میں انکے ساتھ یہ الفاظ کہا جاتا ہے ان کو سید عباسی یا سید عقیلی سید جعفری و سید زینبی لیکن جب بنی فاطمہ کی سلطنت مصر میں قائم ہوئی تو انہوں نے لفظ شریف (یعنی سید) کو منحصر کر دیا اولاد جناب حسن و جناب حسین کے لئے فقط اور یہ دستور اب تک مصر میں جاری ہے۔

ہندوستان میں بھی اہل مصر کی تقلید کی گئی اور سید کا لقب بالعموم بنی فاطمہ کے لئے استعمال ہونے لگا۔ علامہ جلال الدین سیوطی آگے چلکر لکھتے ہیں کہ :-

---

[1] اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر۔

قال الحافظ ابن حجر في كتاب الالقاب الشريف ببغداد لقب كل عباسي وبمصر لقب كل علوي ولا شك ان المصطلح القديم اولى وهو اطلاقه على كل علوي وجعفري وعقيلي وعباسي كما صنعه الذهبي وكما اشار اليه الماوردي من اصحابنا والقاضي ابو يعلى الفراء من الحنابلة كلاهما في الاحكام السلطانية ونحو قول ابن مالك فلا لقبهم [1]

حافظ ابن حجر (عسقلانی) کہتے ہیں کتاب القاب میں کہ شریف (یعنی سید) بغداد میں ہر عباسی کا لقب ہے اور مصر میں ہر علوی کا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قدیم مصطلح بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اطلاق اسم شریف (یعنی سید) کا ہر علوی و جعفری و عقیلی و عباسی پر ہوتا ہے جیسا کہ ذہبی نے تحریر کیا ہے اور جس طرح ماوردی نے کہ ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابو یعلیٰ فرّا نے جو حنبلیوں میں سے ہیں احکام سلطانیہ میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح قول ابن مالک کا۔ نفیہ سے تک تمام بنو عبدالمطلب مساوی الحیثیت ہیں اور باعتبار نسب ایک کو دوسرے پر قطعاً کوئی فوقیت نہیں۔ ان سب پر لفظ شریف اور سید کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے:۔ [2]

بنو عبد المطلب سادات اهل الجنة (عبدالمطلب کی اولاد اہل جنت کی سردار ہے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سید کا لفظ اپنے اہل بیت کے مختلف افراد کے لئے مختلف موقعوں پر استعمال فرمایا ہے مثلاً حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے لئے سیدة النساء اهل الجنة فاطمة یا اپنے عم محترم حضرت حمزہ کے لئے سید الشهداء حمزة یا حضرات حسنین علیہما السلام کے لئے سيدا شباب اهل الجنة الحسن والحسين یا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؑ کے لئے انهما سيد العرب یا حضرت جعفر طیارؓ کے لئے سيد الشهداء جعفر۔ حضرت ابن مسعودؓ سے یہ حدیث مروی ہے اور تقریباً ان ہی الفاظ میں دوسری حدیث حضرت علیؑ سے مروی ہے:۔ [3]

---

[1] اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر [2] ینابیع المودۃ از جامع الصغیر علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۱۵۰۔

قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم امثل بيد العباس بن عبد المطلب قال هذا عمي وصنو ابيه وسيد عمومتي من العرب وهو معي في السنام الاعلى من الجنة۔

فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ حضرت عباسؓ کے ہاتھ کو پکڑ کر اونچا کیا اور فرمایا کہ یہ میرے چچا ہیں، میرے باپ کے مثل ہیں اور میرے اعمام میں عرب کے سید (سردار) ہیں اور یہ میرے ساتھ ہونگے جنت کے درمیانی اعلیٰ حصہ میں۔

صاحب ناسخ التواریخ شیعی مذہب لکھتے ہیں:۔

"عباسؓ ابن عبدالمطلب عم رسول خدا است و سید از سادات اصحاب علی علیہ السلام"[سلہ]

سید شریف رضی برادر علم الہدیٰ سید مرتضیٰ فاطمی جو بغداد میں نقابت الاشراف[سہ] کے معزز عہدہ پر مامور تھے، امیرالمومنین القادر باللہ العباسیؒ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں[سہ]

عطفاً امیر المومنین فاننا — فی دوحة العلیاء لا نتفرق
ما بیننا یوم الفخار تفاوت — ابداً کلانا فی المعالی معرق
الا الخلافة میزتک فاننی — انا عاطل منها وانت مطوق

یعنی اے امیرالمومنین متوجہ ہو کر سن، ہم دونوں نسب کے شجرۂ بلند میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ ہم دونوں میں فخر بیان کرنے کے وقت کسی قسم کی جدائی نہیں ہے۔ خلافت نے تمھیں امتیاز بخشا ہے میں اس سے بے بہرہ ہوں اور وہ تمہارے گلے کی آرائش ہے۔

غرضکہ نسب کے معاملہ میں ایک ہاشمی کو دوسرے ہاشمی پر مطلق کوئی فضیلت نہیں۔ جو شخص کسی عباسی، کسی جعفری، کسی عقیلی، کسی علوی کو کسی فاطمی سے نسبی معاملہ میں جدا کرتا ہے وہ بربنائے جہالت ایسا کرتا ہے۔ ان سب کا نسب قطعاً ایک ہے۔ کتاب حسلہ

سہ (متعلق صفحہ ۱۲۱) ابن النجار از کنز العمال صفحہ ۲۰۹]

سلہ ناسخ التواریخ جلد ۳ از کتاب دوم صفحہ ۹۵ء۔ سلہ نقابت الاشراف کا عہدہ بغداد میں بہت معزز عہدہ خاندان نبوت کی تولیت کے امور سے متعلق تھا۔ سلہ تاریخ تمدن جرجی زیدان۔

حیدری مصنفہ سید مصطفےٰ شیعی مذہب ہیں، جو جناب سلطان العلماء سید محمد مجتہد لکھنؤ کے ایما سے شایع ہوئی اور آپ نے دیباچہ لکھا حضرت عباسؓ عمِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں مختلف اشعار درج ہیں جن میں سید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے [۱]۔

کہ عباس آں سیدِ نامور ۔۔۔ مرا ہست اکنوں بجائے پدر

بخندید حجاج از خشمِ ۔۔۔ بدو گفت ای سیدِ ہاشمی

دگر باعثِ شہرتِ آں خبر ۔۔۔ چنیں گفت کاے سیدِ نامور

بگفتند با خندۂ و خشمی ۔۔۔ کہ اے نامور سیدِ ہاشمی

صاحب عماد السعادت، جو شیعی مذہب فاطمی سید ہیں، ایک عباسی سید، نواب ثابت جنگ میر علی قلی خان عباسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اگرچہ خان مشارالیہ سید عباسی النسب و برادر زادہ حسن قلی خان وزیر شاہ طہماسپ صفوی ثانی است۔" [۲]

خلاصۂ کلام یہ کہ سید و شریف کا لقب ہر ہاشمی کا لقب ہے خواہ وہ حسنی و حسینی ہو یا علوی و عقیلی یا جعفری و عباسی۔ یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے عصبہ و ہم کفو ہیں۔ سلطنت کی رقابتوں اور جھگڑوں نے البتہ بھائی بھائی میں بعد و جدائی پیدا کردی تھی ورنہ پہلے سب ایک ہی خاندان تھا، باہم ارتباط و اتحاد اور محبت و خلوص تھا۔ آج امروہہ کے ایک شیعہ فاطمی اور سنی عباسی میں بدقسمتی سے بعد و مخالفت کی ایک خلیج حائل ہے لیکن پہلے ان ہی کے مورثوں میں باہم کیسی اُلفت

---

[۱] حملۂ حیدری مطبوعہ صفحہ ۴۲ و ۵۰۔ [۲] عمادت السعادت مطبوعہ

وجہ بھی تھی۔ ذرا چچا بھتیجے کے تعلقات محبت کا حال تاریخ میں دیکھئے:۔[1]

عن صهيب قال رأيت عليا يقبل يد العباس ورجله	حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ حضرت عباسؓ کے ہاتھ پیر کو بوسہ دیتے تھے

پھر حضرت عباسؓ کو جو محبت اپنے اس فخر خاندان اور لائق بھتیجے حضرت علیؓ سے تھی اور جس درجہ وہ ان کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اس کا اندازہ آپ کے اُن مقولوں سے ہو سکتا ہے جو کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حضرت عباسؓ کے بعد آپ کی اولاد امجاد بھی خلافت کے جھگڑوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہی حالانکہ حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی حضرت عقیل جناب امیر معاویہ کے ساتھی تھے اور جنگ صفین تک میں اپنے بھائی سے علیحدہ رہے[2]۔ اس زمانہ میں شادی بیاہ بھی صرف اپنے خاندان میں محدود تھا۔

كان ساير بنات علي عند ولد عقيل وولد العباس[3]	حضرت علیؓ کی سب صاحبزادیاں حضرت عقیل اور حضرت عباسؓ کے صاحب زادوں کو منسوب ہوئی تھیں۔

نسب باپ سے لیا جاتا ہے یا ماں سے

علم نفسیات و تشریح الابدان اولان تمام مباحث سے قطع نظر کرکے جو نطفہ و استقرار حمل کے مسائل سے متعلق ہیں محض اقوام عالم کے دستور و رواجات پر اگر نظر کی جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ متمدن دنیا کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس میں نسب باپ سے نہ لیا جاتا ہو۔ انسانوں کے علاوہ جانوروں تک کی نسل بھی نر ہی کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔

اس حقیقت مسلمہ عالم کے خلاف جن اشخاص نے بنو ہاشم یا بنو عبد المطلب میں فاطمی و غیر فاطمی کی تفریق شروع کی تھی انھوں نے اُس زمانہ کی سیاسی ضرورتوں اور مقاصد حالیہ کی بنا پر ایسا کیا تھا اور اس پروپگنڈے کا منشا و مقصد بھی صرف اس قدر تھا کہ ایک

---

[1] کنز العمال از ابن المقری فی الرخصۃ [2] شہید عقیل صفین میں مع معاویہ (عمدۃ الطالب) [3] معارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۰

ہی خاندان کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ کی کوئی وجہ فضیلت قرار دیکر اپنے طرفداروں کی جماعت میں اضافہ کیا جائے۔ اس سیاسی پروپگنڈے کا ثبوت اُن بہت سی موضوع احادیث سے چلتا ہے جو بنو فاطمہ و بنو عباس کی مدائح میں اُس زمانہ میں تصنیف ہوئی تھیں۔

نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کے اصول کو اگر اہمیت دی جائے تو وہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس کا ذکر صاحب عماد السعادت نے کیا ہے' وہ لکھتے ہیں کہ:- ؎

در توران رسمی است کہ سیادت از طرف مادری گیرند	ملک توران میں یہ دستور ہے کہ سیادت ان کی ماں
و بحث ہا بریں دارند، اگر پدر شیخ است باصل	سے لی جاتی ہے۔ وہاں کے لوگ اس کے متعلق بحثیں
و مادر شخص سیدہ باشد سید است، شیخ نیست	کرتے ہیں، مثلاً اگر کسی شخص کا باپ شیخ اصل ہو مگر
بر خلاف اہل ایران کہ آنجا چنیں کس را کہ از	ماں سیدانی ہو تو وہ شخص شیخ نہیں ہوگا بلکہ سید ہوگا
بطن سیدہ متولد است شریف می نامند از	برخلاف اس کے اہل ایران ایسے شخص کو جو کسی سیدانی
ہمیں جہت اکثر تورانیاں در توران و صف	کے بطن سے پیدا ہو شریف کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے توران
جاہیاں و امیر الدین خان در ہند ملقب بہ میر	کے اکثر باشندے اور ہندوستان کے آصف جاہی
اند باآنکہ نسبت شاں منتہی بہ شیخ شہاب الدین	اور امیر الدین خان میر کے لقب سے ملقب ہیں حالانکہ
سہروردی است و شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ	ان کا نسب شیخ شہاب الدین سہروردی پر منتہی ہوتا ہے اور
علیہ از نسل محمد بن ابوبکر بودہ۔ بلکہ بریں	شیخ شہاب الدین سہروردی محمد بن ابوبکر رض کی نسل سے
ہم موقوف نیست کہ مادر شخص سیدہ باشد	تھے۔ جب یہ بات ہے تو اسی پر کیا موقوف ہے کہ ماں سیدانی
غیرا مادرِ مادر و مادرِ پدر نباشد'	ہو بلکہ کسی کی نانی یا دادی بھی سیدانی ہوتی ہے
مانع نیست دعوے سیادت	سیادت کا دعویٰ کرنا چاہئے' اس طرح سید
باید کرد۔	بننے میں آخر مانع کیا بات ہے۔

ہندوستان کے بعض مقامات پر بھی اس مہمل دستور کی تقلید کی گئی اور شاید اب تک کیجاتی

؎ عماد السعادت صفحہ ۲۱۔

ہے کہ کسی شیخ یا مغل نے کسی سیدانی سے نکاح کر لیا' اور اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی سید کہلانے لگی' گویا آباؤ اجداد شیخ یا مغل تھے ان کی اولاد نے نسب مادری کی بنا پر نسب میں ترقی حاصل کی اور شیخ یا مغل سے سید ہو گئے۔ یہ نتیجہ ہے اسی مادری نسب کے اہمیت دینے کا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب نسب کا انحصار ماں پر رکھا جاتا ہے تو سادات کے وہ سینکڑوں خاندان جن کا مادری نسب غیر کفو کی عورتوں حتیٰ کہ کنیزوں سے چلتا ہے وہ کیوں سید کے سید بنے ہوئے ہیں' یہاں کیوں نسب مادری ترک کیا گیا۔ کسی ایک اصول کی پابندی ہونی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول ہی لغو اور مہمل ہے' نسب کی نسبت ماں سے نہیں باپ سے ہے اور یہی اصول مسلمۂ اقوام عالم ہے۔

لیکن اس سے زیادہ لغو اور مہمل دستور یہ ہے کہ بعض لوگ سیادت کا انحصار سلسلۂ نسب پر نہیں بلکہ مذہب پر کرتے ہیں' ان لوگوں کے نزدیک شیعیت اور سیادت مترادف المعنیٰ ہے۔ مثلاً بعض شیعہ حضرات لفظ سید کا اطلاق بنی ہاشم و بنو عبد المطلب میں سے صرف بنی فاطمہ کے لئے مخصوص کرتے ہیں لیکن غیر بنی فاطمہ خواہ بنو ہاشم ہوں یا غیر بنو ہاشم جب شیعی مذہب اختیار کر لیتے ہیں تو محض شیعیت کی بدولت سیادت کا دروازہ ان کے لئے کھل جاتا ہے اور وہ میر صاحب یا سید صاحب سے مخاطب ہونے لگتے ہیں لیکن ان ہی کے ہم جدی' جو شیعیت قبول نہیں کرتے' شیخ صاحب کہلاتے ہیں۔ اس کی ایک مضحکہ انگیز مثال صاحب تاریخ واسطیہ کی تحریر صفحہ نمبر ۳۰ پر ہے۔ بنو عقیل گو فاطمی نہیں اور اسلئے امروہہ کے اکثر شیعہ حضرات کے نزدیک جو بنی عبد المطلب میں سے غیر بنی فاطمہ کو مستحق سیادت نہیں سمجھتے' سید نہیں ہیں لیکن امروہہ کے عقیلی چونکہ اب مذہباً شیعہ ہیں اسلئے صاحب واسطیہ کے نزدیک سید ہیں' سادات امروہہ کی برادری میں شامل ہیں' ان سے ان کے رشتے ناتے ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ صاحب تاریخ واسطیہ نے ان کو سیادت کا سرٹیفکیٹ عطا کیا ہے' ان کا نسب باب سیادت گو وہ غلط ہی ہے' مولف واسطیہ نے جو بقول خود "قدوۂ ارباب محترم' صاحب قلم آل

رسول، عترۃ الزہرا البتول علی ؑ منہ بہ والاحسب الشید رحیم بخش صاحب امروہوی" نے اپنی کتاب میں درج فرمادیا ہے لہٰذا یہ سندی شید ہیں۔ صاحب تاریخ واسطیہ اگر بقید حیات ہوتے تو خاکسار مؤلف اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا کہ جناب کے نزدیک عقیلی اگر نسباً سیّد کہلانے کے مستحق ہیں تو پھر جعفری کیوں نہیں، تو پھر علوی کیوں نہیں یا تو پھر عباسی کیوں نہیں؟ نسباً تو یہ سب ایک ہیں، پھر ان میں یہ تفریق کیوں؟ غالباً وہ یہی جواب دیتے کہ صاحب ہمارے نزدیک ہر شیعہ خواہ وہ شیخ ہو، مراثی ہو، نائی ہو غرض کوئی ہو سیداور ہر سُنّی خواہ وہ ہاشمی و مطلبی کیوں نہ ہو شیخ ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں امروہہ ہی میں متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔

حضرات حسنین علیہم السلام کو جو شرف اور بزرگی جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے متولد ہونے میں حاصل تھی وہ صرف ان ہی حضرات تک محدود تھی، اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے بھی یہ دونوں بزرگ ہستیاں مسلمانوں کے نزدیک محبوب ہستیاں تھیں، وہ بلاشبہ سید الشادات تھے، لیکن نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کو ان کی اولاد امجاد میں بھی اہمیت دی جائے تو پھر سوچیے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟

امروہہ کے ہاشمی خاندان

امروہہ میں حضرت علیؓ کی نسل سے زیادہ تر حسنی و حسینی سادات ہیں، بعض لوگ اپنے کو آپ کے نامور فرزند امام محمد ابن حنفیہ کی اولاد سے بھی بتاتے ہیں، جو اہل ہند کی اصطلاح میں "علوی" مشہور ہیں۔

حسنی:- ان میں بڑا خاندان اولاد سید سراج الدین قادری کا ہے جن کا سلسلۂ نسب حضرت محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ ان کی زیادہ تر سکونت محلہ چلہ میں ہے، کچھ لوگ محلہ شاہ علی سرائے میں بھی ساکن ہیں۔

دوسرا خاندان حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری دستار سیاہ (کالی پگڑی) کا ہے، حضرت

شاہ صاحب کا سلسلۂ نسب شاہ ابوتراب شیرازی قدس سرہٗ سے متصل ہوتا ہے۔ اس خاندان میں اب صرف چند اشخاص باقی ہیں۔

حسینی:۔ ان میں سب سے قدیم، تعداد میں سب سے زیادہ اور معزز و باوقار خاندان اولاد سید العارفین سید حسین الملقب بہ سید شرف الدین شاہ ولایتؒ کا ہے۔ حضرت ممدوح کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی ؑ سے متصل ہوتا ہے۔ ان سادات نقوی کی سکونت شہر کے اکثر محلوں میں ہے۔ آپ کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی کی نسل سے اکثر لوگ محلہ لکڑہ، حقانی میں اور کچھ گھر محلہ قاضی زادہ، محلہ صندو اور محلہ بچھرایوں میں ملقب بہ متولی ہیں۔ ان کے علاوہ موضع اغوانپور، شہر بریلی و دہلی وغیرہ میں ساکن ہیں۔

آپ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کی اولاد سے امروہہ میں اکثر لوگ محلہ دربار کلاں، منڈی گذری، شفاعت پوتہ، مجاپوتہ، ارزانی پوتہ[1] (محلہ بگلہ)، چھیوڑہ، کٹڑہ غلام علی، راجہ سرائے میں ساکن ہیں اور کچھ گھر محلہ سرائے کہنہ، حقانی و گھیر کرم علی خان میں ہیں اور کچھ لوگ امروہہ سے باہر مثلاً سنبھل، فیروزپور و کنوز پور ضلع فتح پور ہسوہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

دوسرا خاندان حسینی سادات کا قاضی زادگان کا ہے۔ تاریخ واسطیہ کی اشاعت سے پیشتر تک اس خاندان کے حضرات اپنے کو حضرت شاہ ولایتؒ کے بھائی کی اولاد بتاتے رہے۔

تا ایں دم سن رسیدہ حضرات قاضی زادہ نیز می گویند کہ ما از اولاد برادر حضرت شاہ ولایت بودیم[2]	اس وقت تک حضرات قاضی زادگان کے بڑے بوڑھے بھی کہتے رہے ہیں کہ ہم حضرت شاہ ولایت کے بھائی کی اولاد ہیں۔

امروہہ کے تاریخی حالات میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف "آئینۂ عباسی" ہے جو اب سے تقریباً ۱۱۰ برس پہلے شایع ہوئی تھی، اس میں مختلف خاندانوں کے نسب کے متعلق وہی روایات درج کی گئی ہیں جو زمانۂ حال کے جدت پسند طبائع کے اختراعات سے

---

[1] اس شاخ کا سلسلۂ نسب مندرجہ تاریخ واسطیہ صحیح نہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ سوم[2] بیاض قلمی مولانا سید حسن مرحوم

بہت پیشتر سے خود ان خاندانوں اور سکنائے شہر میں سلف سے مشہور چلی آتی تھیں۔

قاضی زادہ صاحبان کے نسب کے متعلق صاحب آئینۂ عباسی[1] لکھتے ہیں :-

"ایک گروہ ملقب بہ قاضی زادہ ' ان کے بزرگ پہلے سیّد صاحب (یعنی حضرت شاہ ولایتؒ) یا ہمراہ ان کے یہاں آئے ہیں اور سیّد صاحب سے عقیدت حاصل کی بڑے شریف اور معتقد ہیں۔ ا ح "[1]

لیکن تاریخ واسطیہ کے مؤلف نے " جو خاندان قاضی زادگان میں سے تھے ' اپنے خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ ولایتؒ کے فرزند اکبر قاضی سیّد امیر علی سے جا ملایا ہے جو از روئے تحقیق ہرگز صحیح نہیں ان کی سکونت زیادہ تر محلہ کوچہ قاضی ' محلہ بھوکہ دھوپ تے والا ' مجاپوتہ و چہ بدیع و صندو میں ہے ایک گھر کندر کی ضلع مراد آباد میں ساکن ہے (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم)

تیسرا خاندان ملقب بہ نوگیاں حضرت شاہ نصیر الدین حسینی قدس سرہ کی نسل سے ہے ' جن کا سلسلۂ نسب سیّد عمر اشرف بن امام زین العابدینؓ تک منتہی ہوتا ہے ' امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور زیادہ تر محلہ نوگیاں میں ساکن ہیں شاہ صاحب کے عم محترم سیّد عزیز الدین کی نسل سے ایک بڑا خاندان موضع نوگانوہ میں ساکن ہے ' ان ہی میں سیّد عبد الرؤف بن ڈکہر سیّد خادم علی بھی ہیں جو محلہ نوبت خانہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

حضرات نخشبی[2] کا خاندان بھی امروہہ میں قدیم اور معزز خاندان ہے ' تاریخ اصغری نیز مجلۃ التواریخ میں ' جو اسی خاندان کے ایک ذی استعداد عالم مولانا آل حسن نخشبی کی تالیف ہے ' اس خاندان کا

---

[1] آئینۂ عباسی مؤلفہ مولوی محب علی خان عباسی [2] نخشبی سے مراد ہے "نخشب کا رہنے والا" ساتویں صدی ہجری کا مشہور شاعر شیخ ضیاء الدین نخشبی ہے جس نے بدایوں میں اقامت اختیار کی تھی اپنے اصلی وطن کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے سے زہر شہرے دہر جائے متاع جنسی خیزد ؛ ضیا از نخشب و شکر ز مصر و سعدی از شیراز۔ نخشب کو عرب کے جغرافیہ نویس نسف بھی لکھتے ہیں۔ یہ مقام سندہ کے علاقہ میں بخارا و سمرقند کے مابین واقع ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس مقام پر شہر قرشی بسا ہوا ہے

سلسلۂ نسب حضرت خواجہ مودود چشتی ؒ سے متصل کیا گیا ہے، اور بعض کتب سیرۃ المشائخ میں حضرت خواجہ ممدوح کو امام علی نقی ؑ کی نسل سے بتایا گیا ہے، تقریباً ڈھائی تین سو برس پیشتر اس خاندان کے بزرگ اپنے ناموں کے ساتھ سیّد یا مودودی کا لفظ نہیں لکھتے تھے نیز قدیم کاغذات میں اس خاندان کے بعض اشخاص اپنے ناموں کے ساتھ "شیخ" کا لفظ بھی لکھتے رہے ہیں غالباً اسی وجہ سے مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شمول سادات امروہہ میں نہیں کیا۔ تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصّہ سوم) اس خاندان میں بھی اب صرف چند گھر امروہہ میں ہیں، کچھ محلہ بخشی میں باقی ایک دو محلے بچدرہ و بیگم سرائے میں ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ یہاں حسینی سادات کے چند اور خاندان ہیں جن کے مورث عہد مغلیہ میں وقتاً فوقتاً بیرونجات سے امروہہ میں آکر متوطن ہوئے۔ ان میں بڑا اور معزز خاندان، خاندان **دانشمندان** ہے۔ اس خاندان کے جدالقبیلہ **مولینا سیّد اشرف دانشمند** عہد جہانگیری میں امروہہ آئے، سلسلۂ نسب سیّد موسیٰ مبرقع بن امام محمد تقی الجوادؑ تک پہنچتا ہے۔ سیّد موصوف کی اولاد "رضوی" کہلاتی ہے۔ اس خاندان کی زیادہ تر سکونت

(گذشتہ سے پیوستہ)

نخشب وہی مقام ہے جہاں دوسری صدی ہجری کا مشہور مدعی نبوت المقنع پیدا ہوا۔ اس شخص کا اصلی نام عطا تھا، وہ کوتاہ قد و کریہہ المنظر تھا۔ ابتداءً ابو مسلم خراسانی، خاندان عباسیہ کے مشہور نقیب، کے ساتھیوں میں سے تھا بعد میں ماوراء النہر کا پیغمبر بن گیا، اس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مصنوعی چاند "ماہ نخشب" ہر شب کو "چاہ نخشب" سے نکالتا تھا۔ اسی وجہ سے اہل فارس اس کو "سازندۂ ماہ" کہتے تھے۔ اس کے ماننے والوں کی بڑی کثیر تعداد ہو گئی تھی جو "مقنعی" کہلاتے تھے۔ یہ لوگ چار سال تک خلیفۂ عباسی کی فوج کے مقابل آتے رہے بالآخر امیر المومنین مہدی بن المنصور عباسی نے دو ہزار سواروں کی جمعیت بھیجکر اس مدعی نبوت اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کرا دیا۔ امروہہ کے خاندان نخشبی کے مورث بھی اسی مقام نخشب سے اپنے کو منسوب کرتے تھے اسلئے نخشبی کہلائے اور انکی اقامت گاہ محلہ نخشبیان سے موسوم ہوئی۔

ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۳) ابتدائے عہد مغلیہ میں نیز اس سے پیشتر سے ان علماء و فضلاء کو جنہیں کوئی تبحر علمی حاصل ہو "دانشمند" سے ملقب

محلہ دانشمندان میں ہے۔

اسی طرح خاندان سادات بارہہ ملقب بہ جُڑودیہ' جو حضرت زید بن امام زین العابدینؑ کی اولاد میں ہیں' ابتداءً ان کی سکونت اس مقام پر تھی جو ان کے نام سے جُڑودیہ[۱] مشہور ہوا۔ ان کی ایک شاخ کی سکونت عرصۂ دراز سے محلہ بچھرتھہ میں رہی' ان ہی میں بخشی والے بھی ہیں جن میں سے ایک خاندان اب محلہ نرگیان میں ساکن ہے۔ ان کے مورث مقام جُڑودہ سے آئے اسلئے جُڑودیہ مشہور ہوئے[۲]۔ ان کے علاوہ خاندان سادات کاظمی ساکن محلہ کنگوئی اولاد سید محمد اشرف ہے جن کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظمؑ سے متصل ہوتا ہے۔ نیز خاندان ہمدانی ساکن محلہ دانشمندان جو اپنے کو اولاد سید علی ہمدانی بتاتے ہیں' نیز خاندان سادات سامانہ ساکن محلہ صابون گران گولی والے سید' نگلی والے سید وغیرہ وہ خاندان ہیں جن کا شمول علیٰ وجہ الشہرۃ امروہہ کے سادات فاطمی میں ہوتا رہا ہے' ان کے علاوہ بعض اور خاندان مثلاً دھمنی سید جن میں سید محمد الطاف وغیرہ ہیں نیز دلی والے سید ساکنان محلہ دربار کلاں' نیز خاندان حفاظ ساکنان محلہ مولانہ بھی اپنے کو فاطمی سید بیان کرتے ہیں لیکن ان کا شمار مندرجہ بالا گروہ سادات میں نہیں ہوتا۔

اوّل الذکر خاندانوں کی باہم قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں اور عرف عام میں انکے مجموعہ پر "سادات" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ خاندان بخشی کا شمار البتہ تقریباً دو ڈھائی سو برس سے اسی گروہ سادات میں ہونے لگا ہے' اس سے پیشتر ان کا قبیلہ ایک جداگانہ تھا جو "قبیلہ بخشیان" سے معروف و مشہور تھا اور ان کی قرابتیں بھی دوسرے قریشی شرفا میں ہوتی تھیں۔

رگذشتہ سے پیوستہ تھا

کرتے تھے۔ اسے زمانہ حال کے ایم۔ اے کی ڈگری کے مساوی سمجھئے۔ مولانا موصوف کی اولاد اسی لقب کی بنا پر خاندان دانشمندان سے مشہور ہوئی اور ان کا اقامت گاہ بھی اسی نام سے موسوم ہوا۔]

[۱] یہ مقام سادات بارہہ کی بستیوں میں ہے۔

[۲] اس خاندان کے علاوہ سادات بارہہ میں سے چند اور اشخاص بعض محلوں میں ساکن ہیں' تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ سوم میں محلہ شاہی چبوترہ

مندرجۂ بالا خاندانوں کے علاوہ یہاں چند خاندان ایسے بھی ہیں جو باوجودیکہ مختلف زمانوں اور وقتوں سے اپنے کو سادات فاطمی کہتے ہیں لیکن جو عرصۂ دراز سے باستثناء چند بہت قدیم قرابتوں کے جو ان موخر الذکر خاندانوں میں سے بعض کی متقدم الذکر فاطمی سادات سے ہو گیا اور جن کا علم بھی اب کسی کو نہیں لیکن جنکے ثبوت میں بعض قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں' ان کے تمام تر تعلقات رشتہ داری و برادری یہاں کے ہاشمی غیر فاطمی اور قریشی خاندانوں سے ہوتے رہے اور اب تک ہوتے ہیں اور انکا شمار مروجہ "طبقۂ شرفاء" میں کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر اور بعض دوسری وجوہ سے جنکی تفصیل دوسرے موقع پر کی گئی ہے ان خاندانوں کی سیادت و فاطمیت میں عام طور سے تردد اور متقدم الذکر فاطمی خاندانوں کی طرف سے اظہار انکار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ تردد اور انکار کہاں تک صحیح اور تاریخی واقعات و حالات پر مبنی ہے اسکے متعلق حصہ سوم ملاحظہ ہو۔

موخر الذکر خاندانوں میں سب سے بڑا خاندان حضرت پیرزادگان اولاد قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن چشتی بدہنی قدس سرہ العزیز کا ہے۔ یہ حضرات اپنے کو فاطمی النسب کرمانی الاصل سید کہتے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب حضرت امام علی الرضا تک پہنچاتے ہیں۔

حضرت شاہ ابن اور آپ کی اکابر اولاد کے جو تذکرے اور حالات مختلف کتب تاریخ اور مشائخ کے تذکروں میں ملتے ہیں انمیں ان حضرات کے ناموں کے ساتھ عموماً لفظ شیخ پایا جاتا ہے حتی کہ خود یہ تمام حضرات بھی تقریباً دو صدی تک اپنے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ کا اور بعد میں لفظ پیر کا بذات خود استعمال کرتے رہے بعض فرامین منصب میں قوم شیخ اور چشتی بھی تحریر ہے لیکن برخلاف اسکے ملا عبد القادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ نے حضرت شاہ ابن کے تذکرے میں سید مشار الیہ تحریر کیا ہے اور اسی کتاب کے ایک قلمی نسخہ میں سید ابن بھی تحریر ہے نیز ایک قدیم پروانہ کی نقل میں اس خاندان کو ایک

(گذشتہ سے پیوستہ) میں کچھ اور لوگ بھی اپنے کو دلی والے سید کہتے ہیں' مشہور ہے کہ ان کے بزرگ خاندان مغلیہ کے ساتھ دہلی سے آگرہ آئے تھے

بزرگ کے نام کے ساتھ لفظ سید کا بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امر واقعی ہے کہ سلسلۂ طریقت و مشیخت چند پشتوں تک اس خاندان میں متوارث رہا اس بنا پر ناموں کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال اگر اسکے علاوہ دوسرے شواہد موجود ہوں منافی و قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا۔ بہر حال خاکسار مؤلف نے حصۂ سوم میں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی ہے کہ اس خاندان کا دعویٰ سیادت و فاطمیت کہاں تک صحیح اور تاریخی شواہد اور واقعات پر مبنی ہے اور یہ خاندان نسباً کس شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا قدیم خاندان حضرات دستار کلاں ذریت ساکنان محلہ مولا دچاہ ملا امان کا ہے۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب حضرت سید جلال اعظم گل سرخ بخاری تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ سیادت بھی تقریباً نصف صدی یعنی مخبۃ التواریخ کی تصنیف و اشاعت کے زمانہ سے ہے۔ اس گروہ میں حسب اعتقاد دو جداگانہ خاندان شامل ہیں جو نسباً مختلف ہیں یعنی ایک خاندان اولاد شیخ داؤد ذریت ان میں مولانا حکیم محمد حسن مرحوم کا خاندان ہے اور دوسرا ملا امان اللہ کی اولاد کا جس میں منشی ابراہیم علی مرحوم کا خاندان ہے۔ تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ سوم۔

علوی:۔ سابق میں یہاں سادات علوی اولاد حضرت امام محمد حنفیہ بن حضرت علی ابن ابیطالب میں حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ کا ایک خاندان تھا لیکن اس خاندان کا کوئی فرد اب عرصہ دراز سے امروہہ میں موجود نہیں۔ حضرت شاہ بہاء الدینؒ کے خاندان والے البتہ اپنے کو علوی کہتے ہیں۔ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں:۔ [1]

> "ایک گروہ ملقب بہ سرگروہ علوی حنفی کہتے ہیں۔ ان میں شاہ جی بہاء الدین، خلیفہ صاحب علی، خلیفہ بخشش علی وغیرہ ہیں۔"

صاحب مخبۃ التواریخ نے اور مولوی شاہ ضیاء الدین ابن حضرت شاہ بہاء الدینؒ نے اس خاندان کو بھی حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ کے خاندان کی دوسری شاخ ظاہر کیا ہے لیکن دیگر کاغذات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں مولوی شاہ ضیاء الدین نے اپنی تالیف "مرآۃ الانساب" میں جو بڑے اہتمام کے ساتھ سنہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی تھی یوں تو دنیا بھر کے نسب ناموں کی تحقیق کی ہے لیکن خود اپنے خاندان کا جو نسب نامہ درج کیا ہے اس میں

---

[1] آئینہ عباسی۔

نہایت شدید غلطیاں کی ہیں مثلاً اپنا سلسلۂ نسب اُنھوں نے حضرت امام محمد حنفیہ کے صاحبزادہ امام ابو ہاشم عبد اللہ سے متصل کیا ہے حالانکہ تمام قدیم کتب انساب میں ابو ہاشم کو غیر معقب بتایا گیا ہے، معارف ابن قتیبہ جیسی مستند اور قدیم ترین کتاب میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ لا عقب لہٗ[۱] یعنی ان کے کوئی مُعقب نہیں تھا، پھر اس سے زیادہ شدید غلطی یہ کی ہے کہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کو ابو ہاشم عبد اللہ کی اولاد میں ظاہر کر کے ان سے اپنے خاندان کا نسب جا ملایا ہے حالانکہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہیں۔ ہندوستان کے عوام بھی اس سے واقف ہیں کہ نوعمری میں انہوں نے شہادت پائی، اس وقت تک انہوں نے نکاح بھی نہیں کیا تھا، بعض مقامات پر تو وہ "بالے میاں" کے نام سے موسوم ہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت غازیؒ کی شادی ہونے والی تھی کہ انہوں نے شہادت پائی اسلئے شادی کی یادگار کے طور پر بعض مقامات پر یہ رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔ مجھے شاہ غضنفر اللہ صاحب کی علویت سے انکار نہیں لیکن جو نسب نامہ انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔

یہ خاندان، جیسا کہ صاحب آئینۂ عباسی نے لکھا ہے، عرف عام میں "سنگرگو" مشہور ہے۔ صاحب تاریخ اصغری سنگرگو کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:[۲]

"مورث اعلیٰ ان کے شاہ خداوند غازی مقام سنگرہ علاقہ پنجاب سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہٰذا سنگرشہ کہلائے"۔

لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا البتہ سنگرہ[۳] ہندو راجپوتوں کی ایک شاخ کا نام ضرور ہے

۱؎ معارف ابن قتیبہ ۲؎ تاریخ اصغری صفحہ ۱۰۲ ۳؎ سنگرہ۔ یہ راجپوتوں کی مشہور قوم ہے، قدیم زمانہ میں وسط ہند و دریا تک ان کا راج رہا ہے۔ یہ لوگ اپنا مورث اعلیٰ شرنگی یا سرنگی رشی کو بتاتے ہیں جس کی شادی قنوج کے راجہ

ممکن ہے کہ کسی علوی بزرگ نے، جیسا کہ ایک روایت بھی مشہور ہے، سنگڑہ قوم کے کسی بزرگ کو دین اسلام میں داخل کیا ہو اور بطور والدہ "سنگڑہ علوی حنفی" مشہور ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

جعفری حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب کی اولاد میں یہاں کئی خاندان ہیں۔ پہلا اور مشہور و معروف خاندان حضرت شاہ محمد فیاض قدس سرہ کا خاندان ہے۔ حضرت ممدوح کے صلب سے تو کوئی فرد امروہہ میں باقی نہیں البتہ انکے برادر زادہ اور مرید و خلیفہ حضرت شاہ عضد الدینؒ کی نسل سے خاندان میاں شاہ موجؒ ہے۔ ان میں یہاں اب صرف مجتبیٰ شاہ علاء الدین جعفری کی یکتا ذات ہے، خدا سلامت رکھے۔

دوسرا خاندان مولوی محمد حسین جعفری ساکن محلہ چاہ شورکا ہے، ان کی اولاد میں مولوی سید علی زینبی وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان چودھری صاحبان ساکنان محلہ چاہ شورکا ہے جو آخر عہد اکبری میں قصبہ ہنکیشت سے آکر امروہہ میں آباد ہوئے اسلئے سکیتی مشہور ہیں۔ اگرچہ اس خاندان کا کوئی قدیم

(گذشتہ سے پیوستہ) کی بیٹی سے ہوئی تھی جس سے پدم رشی پیدا ہوا۔ اس کا بیٹا پورن دیو تھا جس نے دکھن میں ایک زبردست سلطنت قائم کی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دو پشتوں تک سنگڑوں کی سلطنت دکھن میں رہی۔ اس کے بعد یہ لوگ مقام دھار میں آئے یہاں بھی کافی عرصہ دھار تک رہے۔ ان کے ایک مورث سنگھ دیو کی شادی قنوج کے راٹھور راجہ جے چند کی بیٹی راجکماری دیو کلا سے ہوئی۔ اسی جے چند کو سلطان شہاب الدین غوری نے سنہ ۱۱۹۳ء میں شکست دی۔ اس قوم کے لوگ اضلاع اناں وغیرہ میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ اس میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے ہیں۔ (دیہوارس مرہزری ایلیٹ)

۱؎ صاحب تحفۃ التواریخ نے محلہ قاضی زادگان میں اولاد سید مظہر علی و نیاز علی و جناب علی کو شاہ موجؒ کا ہم جد بھی لکھا ہے، خاکسار مؤلف کو اس کی پوری تحقیق نہ ہو سکی، ورنہ کاغذات سے سوائے شاہ موجؒ کے ایک شاخ کے اور کسی شاخ کا پتہ نہیں چلتا۔

ان حضرات میں منشی اکمل علی عرف پیرا کا خاندان ساکن محلہ قاضی زادگان کا ہے۔

شجرۂ نسب باوجود جستجو کے خاکسار مؤلف کو حاصل نہیں ہوا تاہم یہ اپنے کو جعفری کہتے ہیں۔
صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ :۔ [1]

"اور کچھ اشخاص جعفری بھی اسی محلہ (یعنی محلہ بخشی) کے ایک حصے میں سکونت پذیر ہیں۔
جن کے مورث مقام سکیت سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہٰذا ان کو سکیتی کہتے ہیں۔
یہ لوگ خاندان شاہ صدیق کے ہم جدی ہیں۔ محمد اکبر اور جان محمد اور عبد الحی بن مبارک
اور مبارک ولد عبد القادر اس گروہ میں نامور شخص اور معزز عہدہ دار شاہی گذرے ہیں الخ"

صاحب تحفۃ التواریخ اس خاندان کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :۔ [2]

"سیادت جعفری زینبی این جماعت بدرجۂ (اس گروہ کی سیادت جعفری زینبی شہرت معتبرہ کے
شہرت معتبرہ رسیدہ است و از قدیم بزرگان ایشان معزز و ممتاز بودہ اند" (درجہ پر پہنچی اور ان کے بزرگ قدیم سے معزز اور ممتاز رہے ہیں)

ان میں منشی سبط علی آنریری مجسٹریٹ، چودھری غلام صادق، چودھری سعید حسن اور
منشی انوار الحق وغیرہ کا خاندان ہے۔

عقیلی :۔ ابتداءً ان کی سکونت محلہ مولانہ میں تھی، سابق میں اس خاندان میں نامور طبیب
ہوتے رہے، نوشاہ جن کا مزار درگاہ شاہ اعز الدین میں ہے اسی خاندان سے تھے۔ کچھ عرصہ سے
ان کے بزرگ محلہ شفاعت پوتہ میں ساکن ہوگئے اب صرف چند افراد اس خاندان میں ہیں۔
اس خاندان کی سیادت عقیلی علیٰ وجہ الشہرت مسلم ہے لیکن صاحب واسطیہ نے جو شجرۂ نسب
صفحہ ۲۲ پر درج کیا ہے اس میں اس خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت عقیل کے مشہور
صاحبزادے حضرت مسلم سے ملایا ہے جو صحیح نہیں۔ حضرت مسلم غیر معقب ہیں۔ حضرت عقیل کا
عقب صرف انکے ایک صاحبزادے محمد سے باقی رہا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ سوم)
مشہور ہے کہ ابتداءً امروہہ میں اس خاندان کے مورث آگرہ سے آئے جہاں ان کی سکونت
محلہ نائی کی منڈی میں تھی۔

عباسی | امروہہ میں صرف دو بھائیوں کی اولاد سے عباسیوں کے تقریباً پچاس گھر ہیں۔

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۰۰ [2] تحفۃ التواریخ صفحہ ۹۲

زیادہ تر محلہ مولانا، سرائے کہنہ اور محلہ قلعہ میں ہیں۔ اس خاندان کے تاریخی حالات تاریخ اصغری وغیرہ میں بتفصیل مذکور ہیں، بجائے اس کے کہ اپنے خاندان کے حالات میں خود اپنے قلم سے لکھوں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی غیر شخص نے جو لکھا ہے اسے نقل کردوں مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول، آئی۔ سی۔ ایس، مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر امروہہ کے خاندان عباسیہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔ ؎1

"سنہ ۱۲۶۱ء (مطابق سنہ ۶۵۹ھ) میں امیر المومنین مستعصم باللہ آخری خلیفہ عباسی جب مغلوں کے ہاتھ سے شہید ہوگئے تو اس خاندان کے صرف چند افراد باقی بچے، ان میں سے ایک فرزند احمد نامی بھاگ کر مصر گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے پھر خلافت و سلطنت قائم کی۔ دوسرے شخص محمد شاہ یوسف براہ ہمدان ملک سندھ میں آئے، یہاں (سلطان) غیاث الدین بلبن نے (امیر المومنین) ہارون الرشید اعظم کے پوتے کی حیثیت سے ان کا بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا۔ ان کے فرزند ملک تاج الدین عباسی نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ ان کے بیٹے ملک حسین الدین ہوئے جن کے فرزند مخدوم زادہ شرف الدین عباسی کو سلطان محمد بن تغلق نے عمدۃ الملک اور مخدوم زادہ ؎2 کے خطابات سے سرفراز کیا۔ ان کے بیٹے شمس الدین ہوئے جو سلطان فیروز شاہ کے ارکین میں سے تھے لیکن سنہ ۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملہ کی وجہ سے جب دہلی کے بہت سے اعلیٰ خاندان وہاں سے منتشر ہوگئے تو یہ بھی مع اپنے صاحبزادوں کے امروہہ آئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ ان کے خاندان میں متعدد اشخاص نامور اور مشہور علماء و فضلاء میں سے ہوئے مثلاً مولانا رکن الدین بزمانہ ہمایوں.. .... الخ"

؎1 مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹر طبع سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰۹۔ ؎2 اس زمانہ میں ہر عباسی کو مخدوم زادہ کے لقب سے ملقب کرتے تھے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ لکھا ہے "دراں عصر ہر کہ از خاندان خلفائے عباسی بود بمخدوم زادہ ملقب می گشت" صفحہ ۱۳۵۔

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے اس بیان میں غلطی کی ہے کہ مخدوم زادہ شمس الدین عباسی بذات خود امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے[1] فتنۂ تیمور کے بعد وہ مع دیگر اعزا کے پنجاب چلے گئے جہاں اس خاندان کی ایک شاخ جو کہیالیاں ضلع گجرات میں اب تک آباد ہے۔

کچھ عرصہ پنجاب میں رہنے کے بعد ان کے فرزند مولانا رکن الدین عباسی مع اپنے خاندان کے امروہہ آئے۔ ان ہی کی نسل سے دو خاندان یہاں آباد ہیں۔ اس خاندان کے علاوہ محلہ مولانہ کے کچھ اور لوگ بھی اپنے کو عباسی کہتے ہیں لیکن خاکسار مؤلف کو باوجود تفحص و تلاش ان کے قدیم کاغذات جن سے ان کے نسبی حالات پر روشنی پڑتی بہم نہیں پہنچے۔ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں[2]

"ایک گروہ ملقب بہ چڑیا[3] عباسی کہتے ہیں، غلطت علی وغیرہ ان میں ہیں قرابت حسب ہے اور سب صاحب شریف ہیں"

شیوخ قریشی

امروہہ کے قریشیوں میں صحیح النسب صدیقیوں اور فاروقیوں کے چند خاندان ہیں بعض لوگ اپنے کو عثمانی بھی کہتے ہیں۔

عرب میں خاندان قریش کو جو مرتبہ اور فضیلت حاصل رہی ہے اس کا اجمالی تذکرہ کسی دوسری جگہ کیا گیا ہے۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے کہ۔

---

[1] مخدوم زادہ شمس الدین عباسی کے ایک پوتے کا نام بھی شمس الدین تھا اور عرف مولانا ابن وہ امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ غالباً صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹیر کو اسی مماثلت اسمی کی وجہ سے دھوکہ ہوا۔ [2] آئینہ عباسی صفحہ ۲۵۔

[3] بعض حضرات لفظ چڑیا کی تاویل کرتے ہیں کہ ان کے مورث چڑیا کوٹ (ضلع اعظم گڈھ) سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے امروہہ آئے اس لئے چڑیا کوٹی عباسی کہلائے کثرت استعمال سے چڑیا کوٹی کا صرف چڑیا باقی رہ گیا۔ واللہ اعلم لیکن چڑیا کوٹ کے خاندان عباسیہ کے شجرہ میں اس شاخ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

فضل اللہ قریشاً بسبع خصائل بانی	یعنی قریش کو تمام اقوام پر جو فضیلت حاصل ہوئی
منھم وان النبوۃ فیھم وان الحجابۃ	اس کی سات وجوہات ہیں، میں ان میں سے ہوں،
فیھم والسقایۃ فیھم ونصرھم اللہ	نبوت ان میں ہے، بیت اللہ کی دربانی و سقایہ ان
علی الفیل وعبدوا اللہ عشر سنین	میں ہے، حجاج کی سقایہ ان میں ہے، اصحاب فیل (جیسی)
لا یعبدہ غیرھم وانزل فیھم	جابر اور قوی قوم پر خداوند عالم نے ان کی مدد کی
سورۃ من القرآن	انہوں نے دس سال کامل خدا کی عبادت کی حالانکہ
لم یذکر فیھا	اور لوگ شرک میں مبتلا تھے، خدا نے ان کے متعلق
احد غیرھم	ایک کامل صورت اتاری جس میں سوائے ان کے اور
لایلف قریش	کسی کا ذکر نہیں وہ سورۃ "لایلف قریش" ہے

صدیقی

ان میں زیادہ قدیم خاندان ساکنان محلہ قریشی کا ہے، ان کے مورث قاضی **نظام الدین صدیقی** قبل تشریف آوری حضرت شاہ ولایتؒ امروہہ کے عہدہ قضا پر مامور تھے۔ قاضی نظام الدین سے چند خاندان متفرق ہوئے۔ ایک خاندان نگینہ میں ہے، دوسرا خاندان اودھ میں سر مہاراجہ صاحب محمود آباد و تعلقداران ہتوڑہ کا خاندان اسی نسل سے ہے۔ تیسرا خاندان پنجاب میں ساکن ہے۔ چوتھا خاندان امروہہ میں ہے۔

صدیقیوں کا دوسرا قدیم خاندان شیخ **معین الدین** ناگوری کا ہے جو بارہ پوتیوں کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اب صرف معدودے چند لوگ ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ صدیقیوں کا ایک خاندان مناف پوتوں کا ہے، ان میں حاجی خورشید علی ساکن محلہ سرائے کہنہ کا خاندان ہے۔

دوسرا خاندان اولاد شیخ **برہان الدین** شہید ساکنان محلہ صدّو کا ہے جو "مرزا" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں مرزا رفعت اللہ وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان اولاد شیخ **عبدالحکیم** بن شیخ سعد اللہ کا ہے جو عرف عام میں "ڈاڑھی رنگے"

شیخوں کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں شیخ رضا علی بن شیخ مشرف علی و شیخ فضل حق بن شیخ فیروز علی ابنائے شیخ فضل علی بن شیخ قطب الدین بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ نور محمد بن شیخ بہادر بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ مذکور، ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ ایزد بخش بن شیخ حید بخش ساکنان محلہ شیخ چاہن، منشی قدرت اللہ ولد شیخ کفایت اللہ ساکنان محلہ میرزا گاں شیخ امجد شاہ ولد شیخ نادر علی بخش ساکنان محلہ بازار رزاق وغیرہ کے خاندان ہیں۔ اس خاندان کے نسب وغیرہ کا تفصیلی ذکر صاحب نخبۃ التواریخ نے صفحہ ۱۱۱ پر کیا ہے۔ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ

"کچھ شیوخ محلہ ملانہ میں ملقب بہ ڈھچوری شیخ صدیقی ہیں، رستم علی وغیرہ اور بعض ملقب بہ داڑھی رنگے یہ بھی صدیقی کہے ہیں، خلیفہ محمد بخش وغیرہ (یعنی خاندان شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن) ان میں ہیں۔ ...... اور محلہ گھیر مناف میں ...... شیخ فیروز علی وغیرہ (یعنی مورث خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان گھیر مناف) داڑھی رنگے ہیں......"

اس خاندان کے بعض حضرات نے زمانۂ حال میں شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ اصلی مورث کے بجائے محض مماثلت اسمی کی بنا پر سید عبدالحکیم نبیرۂ حضرت شاہ ولایتؒ کو، جن کے کوئی اولاد نہ تھی، اپنا مورث قرار دینے کی کوشش شروع کی ہے۔ حالانکہ اس خاندان کے مورث حقیقتاً شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ بالکل جدا شخص ہیں، جو ۱۰۳۳ھ میں کہیں باہر سے آکر امروہہ میں متوطن ہوئے۔ اور اسی زمانہ میں اپنی سکونت کے لئے محلہ ملانہ میں ایک مکان مبلغ روپیہ میں خرید کیا۔ ان کے ایک دختر مساۃ سلیمہ خاتون اور سات فرزند ہوئے: شیخ فیض محمد، شیخ برہان، شیخ محمد، شیخ محمد عارف، شیخ عبدالرحمن، شیخ محمد یوسف اور شیخ محمد شفیع۔ ان ہی بھائیوں کی نسل سے حضرات شیوخ الملقب بہ "داڑھی رنگے" کا خاندان ہے۔ یعنی شیخ محمد شفیع کی نسل سے خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ محمد یوسف کی نسل سے خاندان خلیفہ خدا بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن جن میں اب شیخ ایزد بخش بن شیخ حید بخش وغیرہ ہیں۔

اور دوسرے بھائیوں کی اولاد سے دوسرے اشخاص ساکنان محلہ بازار رزاق و کٹکوئی وغیرہ۔ اس خاندان میں بھی ادعائے سیادت صرف بعض اشخاص یعنی منشی قدرت اللہ ساکن محلہ پیرزادگان و منشی رشید علی وغیرہ ساکنان محلہ گھیر مناف کی جانب سے عجیب طریقہ پر شروع ہوا ہے۔ اس خاندان کے دوسرے لوگ شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہمن ان کے اس ادعا سے متفق نہیں۔ سیادت کے ادعا میں مختلف اوقات میں دو شجرے مرتب ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے شجرہ میں تو اس شاخ کے نام بھی شامل کئے گئے تھے جو محلہ شیخ چاہمن میں ساکن ہے لیکن جب یہ لوگ کسی طرح بھی اس امر میں ان کے ہم آہنگ نہ ہوئے اور مدعیان سیادت کا مضحکہ اڑانے لگے تو جو شجرہ حال میں شائع ہوا ہے اس میں سے مخالفین ادعائے سیادت کے نام خارج کر دیئے گئے اور یہ شجرہ صرف ان ہی اشخاص کے ناموں تک محدود کر لیا گیا جو اپنے ناموں کے ساتھ "سید نقوی" لکھنے کے زیادہ آرزومند ہیں۔

خاکسار مؤلف کے پاس اس خاندان کے جو دیرینہ و مستند کاغذات ہیں ان سے اس دعوے کی قطعی طور پر تکذیب ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ سوم۔

ان خاندانوں کے علاوہ خاندان منشی عبد الرب شکیب ولد منشی شبیر علی ساکن محلہ شیش محل و شیخ محمد صادق ساکن محلہ چاہ ملا امان جد بکوری مشہور ہیں، نیز خاندان مولوی برکت اللہ و شیخ بدرالدین ساکنان محلہ چاہ شور، نیز خاندان شیخ حبیب الرحمن و شیخ عبد الکریم ابنائے شیخ احمد علی بن شیخ مہر علی بن شیخ مبارک علی صدیقی ساکنان محلہ کٹکوئی، نیز خاندان حکیم حکمت اللہ خان محلہ جلہ و خاندان حکیم کرامت علی (محلہ شوال) نسباً صدیقی مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ خاندان شیوخ (المشہور بہ صندوق والے) اور شہر کے بعض اور خاندان بھی اپنے کو صدیقی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقت حال۔ خاندان شیخ فضل حق عطار (چاہ ملا امان) بھی صدیقی مشہور ہے۔

فاروقی

ان میں سب سے قدیم، معزز اور صحیح النسب خاندان اولاد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ ساکنان محلہ شیخ زادگان (جھنڈا شہید) کا ہے۔ ان میں سے

بعض لوگ محلہ مولانہ میں ساکن ہیں اور ایک گھر محلہ چلہ میں بھی ہے۔ ان میں مولوی فرید احمد منشی محمد حسنین وغیرہ ساکنان محلہ جھنڈا شہید و بابو شوکت حسین وغیرہ ساکنان محلہ مولانہ کا خاندان ہے۔

ان کے علاوہ ایک خاندان ملقب بہ "وکیلان" ہے، یہ لوگ بھی اپنے کو فاروقی کہتے ہیں۔

عثمانی محلہ قاضی زادگان میں خلیفہ مہدی علی کا خاندان اور کچھ لوگ محلہ کشکوئی دکوٹ دکالی پگڑی میں نیز صوفی عبدالرزاق ساکن محلہ بچدرہ اپنے کو عثمانی کہتے ہیں۔

شیوخ انصاری

امروہہ میں صحیح النسب انصاریوں کا ایک خاندان اولاد مولوی مظہر علی و حافظ نذراللہ ساکنان محلہ مولانہ کا ہے۔ ان میں شیخ عبدالمجید انصاری بھی تھے جنھوں نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا، شیش محل ان ہی کی یادگار ہے۔ یہ لوگ نسباً انصار کے قبیلہ بنی تیم سے ہیں۔

ان کے علاوہ خاندان حکیم انعام اللہ ساکن محلہ قریشی و شیخ فدا علی و شیخ سلطان احمد وغیرہ ساکنان محلہ تربولیہ بھی اپنے کو انصاری کہتے ہیں۔

عجمی النسل

ان میں مغل، پٹھان اور قزلباشوں کے خاندان ہیں۔

مغل:- خاندان مرزا مقصود علی و مرزا ضیاءالدین ساکنان محلہ چاہ غوری اور محلہ دربارکلاں و محلہ توپخانہ میں چند لوگ مغل مشہور ہیں۔

پٹھان:- امروہہ میں ایسے بہت سے خاندان ہیں جو اپنے ناموں کے ساتھ "خان" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن نسباً نہ وہ افغان ہیں اور نہ مغل۔ ان میں سے بعض سادات اور خاندان کمبوہ وکلاں کے اشخاص ہیں جن کے بزرگوں کو عہد شاہی میں "خان" کا خطاب ملا تھا۔

ان کی اولاد اب تک اس خاندانی خصوصیت کے اظہار کی غرض سے "خان" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔ ان کے علاوہ بعض وہ خاندان جو ہندوؤں کی شریف اقوام یعنی راجپوت، تگے اور گوجروں سے کسی زمانہ میں مسلمان ہوئے وہ بالعموم "خان" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اصلی پٹھانوں و افغانوں کے یہاں معدودے چند خاندان ہیں مثلاً خاندان ابو خان ساکن محلہ چاہ ملّا امان و بعض خاندان ساکنان محلہ نیازیان و کشکوئی وغیرہ۔

یوں تو امروہہ کے تمام عربی و عجمی الاصل مسلمانوں یعنی سادات و شیوخ میں، جن کے بزرگوں کو ہندوستان یا امروہہ آئے پانچ پانچ چھ چھ صدیاں ہو گئیں، ذہنی و اخلاقی تنزل کی وہ نوبت پہنچی ہے، سیرتیں ایسی بدل گئی ہیں اور صورتیں ایسی تبدیل ہو گئیں کہ ؎

گر سلف دیکھیں ہمیں زندہ ہو کر اب ہیں ۔۔۔ آئے نسبت اور قرابت سے ہماری انکو عار

اسی سے جسمانی انحطاط کا بھی قیاس ہو سکتا ہے، اسلاف کے وہ "بر و دوش" اب کہاں ؎

وہ بر و دوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے ۔۔۔ وہ قد بالا و چہرے ارغوانی کیا ہوئے

لیکن افغانوں اور پٹھانوں کے اکثر خاندانوں کو ہندوستان آئے اتنی زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ ان کی قومیت کا اظہار اُن کی جسمانی حالت اور چہروں سے نہ ہو سکے۔ امروہہ میں معدودے چند خاندان ایسے نکلیں گے جن کے بیشتر افراد میں پٹھانوں کی مشابہت آتی ہو حالانکہ شاہجہاں پور، رامپور بلکہ اسی ضلع کے مقام حسن پور وغیرہ میں جو پٹھان خاندان آباد ہیں باوجود موجودہ دور تنزل و انحطاط کے شجرہائے نسب کے اوراق سے کہیں زیادہ اُن کے چہرے اور اُن کی جسمانی ساخت اُن کی افغانیت کا بیّن ثبوت ہیں۔

قزلباش:- امروہہ میں قزلباشوں کا صرف ایک ہی خاندان ہے جو تقریباً چالیس سال سے یہاں متوطن ہے یعنی خاندان آغا نوازش علی خان و آغا صادق حسین خان وغیرہ۔ آغا برکت حسین نسباً سید ہیں۔ قزلباش نسباً ترک ہیں، امیر تیمور صاحب قران نے فتح روم

کے وقت ترکوں کے بعض قبائل کو، جو قوم اُسارا کے نام سے موسوم تھے گرفتار کیا تھا، جنھیں وہ اپنے ساتھ ایران لایا۔ حضرت شیخ صفی الدین اسحٰق اردبیلی قدس سرہٗ کے نبیرہ خواجہ علی کی سفارش پر یہ لوگ آزاد ہو کر ایران ہی میں متوطن ہوگئے اور خاندان شیخ قدس سرہٗ کے ساتھ، جو نسباً سید تھے، اس قوم کو نہایت درجہ عقیدت و ارادت تھی، بالآخر اسی قبیلہ کی امداد سے شیخ قدس سرہٗ کے اخلاف میں سلطان اسمٰعیل صفوی نے ایران کی سلطنت حاصل کی اور ترکوں کے ان قبائل کو قزلباش کا خطاب دیا:-

"از ہماں قبائل اتراک حیدہ کلاہ سرخ بر آنہا عطا کردہ بہ لقب بہ قزلباش شناخت ...... قزلباش در ترکی (سرخ) یعنی سر آمدہ۔ اصل قزلباش ہم ترکی است۔ ...... واز ہمیں سبب است کہ ترکاں در توران گویند کہ قزلباش ہم بچۂ ما است[1]"

ابتداءً یہ لوگ سنی المذہب تھے۔ جب سلطان اسمٰعیل صفوی نے مذہب اثنا عشریہ اختیار کیا اور ایران میں اس کو رائج کیا تو یہ لوگ بھی شیعہ ہوگئے۔

"اوّل سلاطین صفویہ اور اعنی سلطان اسمٰعیل) بعہ است و مذہب اثنا عشری در ایران از وقت او جا بجا رواج و رونق پذیر است۔[2]"

ہندی الاصل ان میں دو گروہ ہیں ایک شرفا کا اور دوسرا پیشہ وروں کا۔ شرفا میں شیوخ کمبوہ و کلال کے علاوہ امروہہ کے وہ بہت سے خاندان ہیں جو مختلف زمانوں سے اپنے کو صدیقی اور پٹھان کہنے لگے ہیں۔

شرفائے کمبوہ:- ان حضرات میں چند مشہور و معروف اور ذی عزت و ذی وجاہت خاندان شامل ہیں۔ یعنی خاندان حکیم امجد علی خاں اور حکیم راحت علی خاں ساکنان محلہ صدو، خاندان نواب وقار الملک مرحوم، مولوی تسلیم احمد، حکیم فیاض رسول، مولوی صبغۃ اللہ وغیرہ ساکنان محلہ شاہی چبوترہ کا ساں ہی ہے منشی سبط علی وغیرہ محلہ چاہ تنور میں ساکن تھے۔

---

[1] عماد السعادت [2] عماد السعادت صفحہ ۱۸-

مولوی احسان الحسن خویش نواب وقار الملک اپنے کو حضرت شیخ غوث محمد گوالیاری کی نسل سے بتاتے ہیں جو نسباً فاطمی سید تھے۔ واللہ اعلم۔

شرفائے کلال:- ان میں بھی چند گروہ ہیں۔ ایک خاندان درویش علی خاں منصبدار پنج ہزاری عہد فرخ سیری کا جس میں شیخ صدیق علی خاں و مولوی احمد حسین خان وغیرہ ہیں، دوسرا شیخ محمد ہادی وغیرہ کا، تیسرا شیخ کریم بخش وغیرہ کا۔ ان میں گلڑ یہ والوں کا جو خاندان مشہور ہے وہ اپنے کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ ان میں منشی عبدالقیوم عطار اور منشی محمد اختر وغیرہ ہیں۔

خاکسار مؤلف نے سادات و شرفائے امروہہ کے خاندانوں اور ان کے ارباب کمال کے حالات حصہ دوم میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور مختلف خاندانوں کے انساب پر حصہ سوم میں بحث کی ہے۔ ذیل میں امروہہ کی پیشہ ور اقوام کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں اور بعض اقوام کے نسب پر تاریخی پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مسلمان پیشہ ور اقوام

مسلم پیشہ ور اقوام کے نسبی حالات لکھتے وقت اس مسئلہ کی محض تاریخی حیثیت خاکسار مؤلف کے پیش نظر ہے اس سے کسی اسلامی برادری کی تنقیص و تحقیر یا کسی طبقہ کا تعزز و تفاخر ہرگز مقصود نہیں، اسلامی نقطۂ خیال سے بموجب ارشاد باریتعالیٰ انما المؤمنون اخوۃ (یعنی سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) تمام مسلمان خواہ نسلاً عربی ہوں یا عجمی، چینی ہوں یا بربری، ہندی ہوں یا سندھی ایک ہی رابطۂ اتحاد و اخوۃ میں مربوط ہیں۔ مدار فضیلت بموجب نص قرآن اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقکم (ترجمہ:- تم میں زیادہ معزز خدا کے نزدیک وہ ہی ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے) علم و تقویٰ اور محاسن اخلاق پر ہے

نہ کہ عربیہ و عجمیہ، قرشیہ و ہاشمیہ پر۔ اسلئے ایک ہندی نژاد جولاہہ یا قصائی اگر زیور علم و فضل، صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہو تو اسے ایک ہاشمی الاصل عربی النسب سید زادہ پر جو ان اوصاف سے متصف نہ ہو، قطع نظر امتیاز نسبی، بہ اعتبار حکم مذہبی درجہ امتیاز و مرتبہ فضیلت حاصل ہے۔ لہٰذا اس تاریخی بحث کو شرافت ورذالت کا معیار نہ سمجھا جائے۔ اسلامی مساوات کا عطر اقبال نے ان اشعار میں کھینچکر رکھ دیا ہے سے

مسلماں زادہ ترکِ نسب کن ۔ تو اے کودک منش خود را ادب کن

اگر نازد عرب ترکِ عرب کن ۔ برنگِ احمر و خون و رگ و پوست

پیشہ ور اقوام کا نسبی تعلق

ہندوستان میں آرین قوم کے فاتحانہ داخلہ کے بعد ہندوستان کے باشندے منوجی مہاراج کی تقسیم کے مطابق چار طبقوں میں منقسم ہو گئے، جو گروہ علم و فضل اور مذہبیات کا حامل بنا وہ سب سے افضل قرار پایا اور برہمن کا لقب ملا۔ دوسرا جو تلوار کا دھنی اور تاج و تخت کا مالک بنا، زراعت و فلاحت کو جس نے اپنا پیشہ بنایا وہ شتری یا چھتری کہلایا، تیسرا جس نے تجارت، اقتصادیات اور داد و ستد کا پیشہ اختیار کیا وہ ویش کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تینوں گروہ اپنے آپ کو آرین کہتے ہیں۔ چوتھا گروہ، اور نہایت کثیر گروہ، جو ہندوستان کا حقیقی اور اصلی باشندہ تھا، ان میں سے وہ لوگ جو آرین فاتحین کے اقدام سے پہلے اپنے ملک کے مالک تھے، تاب مقاومت نہ لا سکے کچھ تو حملہ آوروں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھکر وسط ہند راجپوتانہ وغیرہ کے پہاڑی علاقوں میں روپوش ہو گئے جہاں آج تک اس نسل کے لوگ اپنی اسی غیر متمدن حالت میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ آج بھیل و گونڈ کے نام سے مشہور ہے لیکن ان کی کثیر تعداد فاتح قوم کی مطیع و منقاد ہو کر خدمتگار بن گئی۔ انہیں شودر کا لقب ملا۔ یہ بد قسمت طبقہ آج تک ہندوستانی قومیت کے لحاظ سے پست ترین خیال کیا جاتا ہے، اور آج "پست اقوام" (Depressed classes)

اور "اچھوت ذات" (Untouchables) کے ناموں سے موسوم ہیں۔ مسلم پیشہ ور اقوام کے کثیر حصہ کا حقیقی اور نسبی تعلق بھی اسی ہندی قوم سے ہے۔ اور ان کا وجود بھی زیادہ تر ملک کے ان ہی حصوں میں پایا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کے سیاسی اور حاکمانہ اقتدار کے ساتھ ساتھ ان کا قومی و معاشرتی اثر بھی غالب رہا، جہاں بیرون ہند سے آئے ہوئے مسلمان شرفاء کے خاندان زیادہ آباد ہوگئے، ان کی نسلیں پھیلیں اور جہاں اسلامی مبلغین نے اسلامی مساوات کا جانفزا مژدہ ان اقوام کو سنایا جو "اونچ ذات" کے ہندوؤں کی چیرہ دستی کا شکار ہو رہی تھیں اور تبدیل مذہب جن کی دنیاوی نجات کا موجب تھا لیکن جس حصہ پر مسلمانوں کا صرف سیاسی اقتدار رہا اور جہاں تبلیغ اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر شروع نہیں ہوا وہاں اب تک پیشہ ور اقوام کا غالب حصہ بدستور ہندو چلا جاتا ہے۔

ہندوستان کے جن حصوں میں مختلف پیشہ ور فرقوں سے جو لوگ اسلامی حکومت کے اثر و نفوذ، اسلامی تعلیمات، اسلامی مبلغین کی کوششوں، مسلمانوں کے معاشرتی اقتدار، کاروباری تعلق اور خدمتگزاری کے اثرات سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ "پیشہ ور مسلم اقوام" کہلائے۔ ان میں ہر گروہ کی بہ لحاظ ان کے قدیم پیشہ کے ایک جداگانہ اسلامی برادری بن گئی، جن میں سے اکثر کے وہ ہی پہلے ہندی نام بدستور باقی رہے، جیسے "نائی، لوہار، بڑھئی یا کھاتی، چھیپرہ، پنجارہ، بھانڈ، بھاٹ، ڈوم وغیرہ" اور بعض پیشوں کے عربی و فارسی نام پڑ گئے جیسے "قصاب (عربی)، مطرب یعنی گویا (عربی)، سقہ (عربی)، میراثی (عربی کا بگڑا ہوا)، خیاط (فارسی)، جولاہہ (فارسی)"۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام

مسلم پیشہ ور اقوام کا وجود صرف ان ہی قصبات، دیہات اور شہروں میں پایا جاتا ہے جہاں اسلامی آبادی زیادہ ہے یا جن مقامات کا ماحول اسلامی اثرات سے زیادہ متاثر ہوا۔ چنانچہ لکھنؤ، آگرہ، شاہجہانپور وغیرہ میں مسلمان دھوبی اور بھنگی بھی پائے جاتے ہیں۔ غرضکہ دیگر اسلامی قصبات کی طرح امروہہ میں بھی مسلمان

پیشہ ور اقوام کی کثیر تعداد آباد ہے، جو حکومت برطانیہ سے پہلے براہ راست یہاں کے سادات و شرفا کی رعایا سمجھی جاتی تھی۔ ان میں زیادہ تعداد نوربافوں یعنی جولاہوں کی، اس کے بعد قصابوں یعنی قسائیوں کی، پھر دھنے، بڑھئی، لوہار، راج، چھیپے، تیلی، منہار، سقوں وغیرہ کی ہے۔ جوں جوں شہر میں سادات و شرفا کی آبادی بڑھتی گئی شہر کے مختلف اقطاع میں انہوں نے اپنے سکونتی مکانات، بازار، سرائیں وغیرہ بنائیں اور ہر خاندان نے اپنے گرد و پیش کی اراضیات میں اہل حرفہ کے خام مکانات بنائے اور بطور اہل حرفہ و خدمتگذار ان لوگوں کو آباد کیا۔ چنانچہ آج بھی جس طرح شرفاء و سادات کے مختلف خاندان مختلف محلوں میں آباد ہیں ان لوگوں کی آبادی بھی ان کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام میں مختلف نسب کے لوگ شامل ہیں، زیادہ حصہ ان قوموں سے متعلق ہے جنھیں ہندوؤں نے شودر کہکر پکارا، بعض غیر ہندی ہیں مثلاً دلال۔ اور درزی وغیرہ۔

اسلامی برادری کی حیثیت سے مسلم پیشہ ور اقوام جسد اسلامی میں بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں۔ ان کی ترقی مسلمانان امروہہ کی ترقی اور ان کا تنزل مسلمانوں کا قومی تنزل ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض اشخاص جو ان میں با اثر ہیں بجائے اسکے کہ ان اقوام کی ذہنی و تعلیمی، اقتصادی و معاشرتی پستی کے دور کرنے کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر کریں شرافت و رذالت کے لایعنی سوالات پیدا کرنے اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقات کے خلاف منافرت کے جذبات مشتعل کرکے ذاتی وجاہت حاصل کرنے کی دھن میں مصروف ہیں۔ کاش۔ ان لوگوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھکر اصلاح قوم کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر اختیار کی جائے۔

ذیل میں حروف تہجی کے اعتبار سے مختلف پیشوروں کی برادریوں کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں:-

باورچی

عرصۂ دراز سے امروہہ میں باورچیوں کا ایک خاندان آباد ہے جو نسلاً بعد نسلٍ باورچی کا پیشہ کرتے تھے یہ لوگ اپنے کو مغل کہتے ہیں۔ اب اور کام کرنے لگے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مورث مرزا قاسم بعہد محمد شاہ بادشاہ دہلی سے امروہہ آگئے تھے[1] ان کی سکونت محلہ بجا پوتہ میں ہے۔

بڑھئی و لوہار

ان کی زیادہ آبادی محلہ مولانہ، حقانی، بساون گنج، بیگم سرائے کلاں، اور ٹوال میں ہے۔ یہاں کے بڑھئی اور لوہار نہایت دستکار اور صناع ہیں۔ بتیچہ کا پلنگ ان کی خاص صنعت ہے۔ رتھ اور بہلی نہایت عمدہ بناتے ہیں۔ ہر قسم کا عمارتی کام بے نظیر کرتے ہیں۔ مستری حفیظ اللہ ساکن محلہ مولانہ مشہور استاد تھا۔ اسکے لڑکے بھی اچھے کاریگر ہیں اور باہر کارخانوں میں ملازم ہیں۔ لاہور، اجمیر، دہلی اور لکھنؤ وغیرہ میں یہاں کے لوہار اور بڑھئی کام کرتے ہیں۔ عہد اسلامی میں یہاں کے لوہار اسلحہ وغیرہ بھی اچھے بناتے تھے۔

بھاٹ

ان کی تعداد اب بہت مختصر ہے، زیادہ تر محلہ مچھر ٹہ اور مرادآبادی دروازہ میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اصلاً ہندو بھاٹوں کی نسل سے ہیں جن کی بڑی تعداد اس نواح میں داتا نگر میں آباد ہے۔ سر ہنری ایلیٹ لکھتے ہیں[2]:-

"بہت سے بھاٹوں نے مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ بعض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ (سلطان) شہاب الدین غوری کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور اس وقت سے ان کا قومی لقب "رائے" ہو گیا"

امروہہ کے بھاٹ بھی اسی "رائے" کے لقب سے اپنے کو ملقب کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے عہد میں چھتریوں میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور تقریبات میں ان کے بزرگوں کے کارناموں کو فی البدیہہ اشعار میں موزوں کر کے سنانا ان کا پیشہ

---

[1] تاریخ اصغری۔ [2] میموائرس سر ہنری ایلیٹ صفحہ ۱۹ حصہ اول۔

تھا مسلمان بھاٹوں کا بھی یہی پیشہ ہے۔ ابتداءً مسلمان امراء و روساء کے نقیب تھے اور مدحیہ کبت پڑھتے تھے۔ اب نہ رؤساء رہے اور نہ ریاست اسلئے یہ بیچارے بھی مفلوک الحال ہیں مگر ابھی تک قدیم پیشہ کو نہیں چھوڑا۔ بعض ان میں سے مہذب، شستہ زبان اور علم مجلسی سے واقف ہیں۔

بھانڈ و نقال ان کی تعداد بھی امروہہ میں اب مختصر سی ہے۔ نسباً ان کا تعلق بھی ہندوستان کے اصلی باشندوں یعنی شودر اقوام سے ہے۔ زیادہ تر محلہ احمد نگر میں رہتے ہیں اور قدیم سے اپنے پیشہ میں نامی اور مشہور ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ لوگ دور دور بلائے جاتے اور صدہا روپیہ اور دوشالے انعام پاتے تھے۔ ان میں سمّت بھانڈ نے بڑا نام پیدا کیا تھا اس کا بیٹا سیف اللہ بھی مشہور نقال تھا۔

بزقصاب ان کی زیادہ تر آبادی محلہ بیگم سرائے خورد میں ہے' یہ لوگ محض اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی کم ہے۔

چھیپہ یا چھیپی ان کی زیادہ آبادی محلہ ٹھوال' بازار ٹھوال اور محلہ نیزہ میں ہے۔ یہ لوگ عموماً کپڑا چھاپتے ہیں' یہاں جاجم وغیرہ اچھی چھپتی اور باہر روساء میں جاتی ہے۔ ان ہی میں بعض لوگ دوسری تجارتیں بھی کرتے ہیں۔ ملا چھیپی کی سرپشتہ کی دکان بڑی اور قدیم دوکان ہے۔ کچھ لوگ بیپاری مقامات پر ڈبل روٹی اور مٹھائی وغیرہ بنانے کا بھی کام کرتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ اپنے کو "مغل" بھی کہتے ہیں۔

حجام یا نائی ان میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ محلہ قریشی، کالی پگڑی، چوک، کٹرہ نجباور سنگھ میں رہتا ہے۔ یہ لوگ "خالصہ والے" مشہور ہیں۔ دوسرا بڑا گروہ زیادہ تر محلہ چاہ غوری، بنگلہ، چاہ ملا امان اور ٹھوال میں آباد ہے۔ امروہہ کے حجام اپنے پیشہ میں نہایت ہوشیار ہیں' اکثر لوگ دہلی اور بمبئی وغیرہ مقامات پر اپنا کام کرتے اور خوب کماتے ہیں۔ چاہ ملا امان کے حجاموں میں عبداللہ حجام پرانی وضع کا سلیقہ مند اور خدمتی شخص ہے' اسکا لڑکا حمید اللہ بھی

میں کام کرتا ہے اور اپنے کام میں ہوشیار ہے۔ ان ہی میں رفیع اللہ خاندانی اور مشہور جراح ہیں۔ ان کا بھائی رحمت اللہ انٹرنس پاس صوبہ متوسط کے اسکول میں ٹیچر ہے اس کا چھوٹا بھائی وصی اللہ بھی انگریزی تعلیم یافتہ ہے۔ نجف علی جرّاح اور عبدالغنی جرّاح اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ بنگلوں میں غلام قادر وغیرہ اور حاجی کریم بخش کے لڑکے مختلف تجارتیں کرتے ہیں۔

حلوائی ان کی زیادہ آبادی محلہ شاہی چبوترہ، نوتجانہ اور محلہ سیتھی میں ہے۔ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ شاہی چبوترہ کے حلوائیوں میں قدیم سے کھنڈسال کا کاروبار ہوتا ہے، پہلے اس کام میں بعض لوگوں نے اچھی کامیابی حاصل کی تھی، اسی سے جائیداد زمینداری بھی پیدا کی تھی اب کچھ عرصہ سے یہ کام بہت کم ہو گیا ہے۔

خمرے ان کی مختصر تعداد صرف محلہ کنگھوئی پر آباد ہے، ان کی برادری کے لوگ کچھ سہسپور، حسن پور اور سرسہ، حمارہ وغیرہ میں رہتے ہیں، بعض لوگ ان کو "خمارون" کے فرقہ میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ تر کاشتکار پیشہ ہیں، چٹائی وغیرہ بھی بنتے ہیں۔

درزی ان کی زیادہ آبادی محلہ چاہ غوری، بازار رزاق گنج، تنی اور محلہ حکیم سرائے، کالا کنواں، نیارہ میں ہے۔ نسباً مختلف نسلوں سے ہیں، بعض اپنے کو مرزا کہتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیشہ میں ہوشیار اور بہت اچھے کاریگر ہیں، ہر قسم کا کپڑا اچھا سیتے ہیں، زیادہ تر لاہور، شملہ، دہلی، لکھنؤ، نینی تال وغیرہ مقامات پر بڑی بڑی کمپنیوں میں ملازم ہیں۔ ان میں سے بعض کی اپنی ذاتی دوکانیں بھی ہیں، بازار رزاق میں کفایت بیگ وغیرہ ہوشیار کاریگر ہیں۔ ان میں بعض لوگ انگریزی کمپنی میں ملازم ہیں۔ عبدالغفور ٹیلر ماسٹر بھی اچھا کاریگر اور کٹر (Cutter) ہے کشمیری دروازہ دہلی میں اچھے پیمانہ پر اس کی دوکان ہے۔ کالے کنوئیں پر حبیب اللہ خیاط اور اس کے لڑکے اچھے کاریگر ہیں۔ حاجی عبداللطیف ان میں ممتاز ہیں۔

دلّال یہ لوگ زیادہ تر محلہ مولانہ کے اس حصہ میں ساکن ہیں جو محلہ سیتھی سے متصل ہے

ن سنا غیر ہندی یا عجمی ہیں اپنے کو مرزا کہتے ہیں۔ کاغذات دیرینہ میں ان کو "ترکمان" بھی لکھا ہے۔ سابق میں کپڑے کا کاروبار ان سے متعلق تھا اور ہر قسم کے کپڑے کی "دلالی" ان کا پیشہ تھا اسی لئے یہ لوگ **دلال** مشہور ہوگئے جس مقام پر ان کی اب بھی سکونت ہے قدیم زمانہ میں اس سے متصل سوت اور پارچہ فروشی کا "ہاٹ" یعنی بازار لگتا تھا اس لئے یہ "**سوت ہٹی**" کہلاتا تھا جو بمرور ایام مخفف ہوکر "ہٹی" مشہور ہوگیا۔

اسلامی سلطنت نے پارچہ فروشی کے متعلق ان کو بعض خاص حقوق دے رکھے تھے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے مستثنیٰ تھے جس کی تصدیق عہد شاہجہانی کے حسب ذیل پروانہ سے ہوتی ہے :-

متصدیان مہمات و معاملات حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد اعلام آنکہ چوں حسین و حسن وابراہیم ترکمان سکنہ پرگنہ مسطور بحضور درگاہ آمدہ استغاثہ شدند کہ از قدیم الایام واز آباؤ اجداد و در امروہہ کسب دلالی پارچہ کردہ ... [1] ... بر شیمی قیام می نمایند و دایم حکام سابق از کل تکالیف معاف و مسلم داشتہ اند ...... ہر گونہ بدستور قدیم از جمیع ابواب معاف داشتہ بوجہ من الوجوہ مزاحمت بہ ایشاں نرسانند کہ در کار کسب پیشہ خود بفراغ خاطر قیام داشتہ باشند دریں باب تاکید بلیغ دانستہ شد۔ تحریر فی التاریخ ۱۰ ماہ الٰہی ۱۰۴۰ھ

بعض لوگ اب بھی پارچہ فروشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ منچسٹر کی تجارت نے جب ہندوستان کی پارچہ بافی کی صنعت کو تباہ کردیا تو دلالوں کے پیشہ پر بھی خاص اثر پڑا۔ افلاس اور فقدان تعلیم نے اس شریف قوم کو بھی ادنیٰ قسم کے پیشے اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ کچھ لوگ انڈے مرغی بیچتے ہیں کچھ خانگی ملازمت کرتے ہیں

---

[1] بوجہ کہنگی چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

راج یا معمار یہ لوگ زیادہ تر بیگم سرائے کلاں، کٹڑہ غلام علی، چوک، بازار رزاق، راجوں کے کنوئیں نیز محلہ مجاپوتہ و متصل قسائی خانہ آباد میں یہاں کے راج اپنے فن میں نہایت ہوشیار اور چابک دست ہیں، ان کی بنائی ہوئی عمدہ عمدہ عمارتیں شہر میں موجود ہیں۔ خلیفہ روشن اور مستری حیات بخش دو مشہور معمار گذرے ہیں۔ مسجد جامع امروہہ (محلہ مولانا) کی اگلی گہہ اور عالی شان دروازہ مستری حیات بخش کی کاریگری کا نمونہ ہیں۔ ان کی اولاد میں مستری محمد اعظم بھی ہوشیار معمار گذرا ہے۔ کٹڑہ غلام علی میں حاجی برکت اللہ مشہور معمار اور مستری ہے۔ یہ لوگ بکثرت بڑے بڑے شہروں میں کام کے لئے جاتے ہیں۔ خاندانی معماروں کے علاوہ اب کچھ دوسرے پیشہ کے لوگ خاصکر بعض جولاہے بھی معماری کا کام کرنے لگے ہیں۔

سقّے ان کی آبادی محلہ چاہ ملا امان، کالی پگڑی، متصل محلہ بگلہ، بارہ پوتیاں، حقانی، نیاز بیان وغیرہ میں ہے۔ یہ لوگ صرف اپنا پیشہ کرتے، بابر کے بان بٹتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں جب شعر شاعری کا چرچا امروہہ میں زیادہ تھا سو سا ٹھی کا اثر دیکھئے کالی پگڑی کے سقوں میں ایک سقّہ جو محض جاہل اور ناخواندہ تھا لیکن طبیعت موزوں پائی تھی شعر موزوں کر لیتا تھا۔ وہ شاعری نہ سہی تک بندی ہی مگر دیکھئے صنعت ایہام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ؎

کہتیاں کتنی ہیں اور دور چلے جاتے ہیں اپنے بالوں کیلئے بال بنالاتے ہیں

قصّاب یا قسائی ان کے متعدد گروہ مختلف محلوں میں آباد ہیں، بڑی تعداد محلہ بگلہ و شفاعت پوتہ کے اس حصہ میں آباد ہے جو قسائی[1] خانہ کے نام سے موسوم ہے، ان میں دو بھائی سلیم شاہ اور رحمت اللہ اپنی برادری میں ممتاز ہیں، انکے

---

[1] قسائی کو حرف "ص" سے لکھنا صحیح نہیں یہ لفظ قسی سے مشتق ہے جسکے معنی بے رحمی کے ہیں (ملاحظہ ہوں صفحات نسب ۲۲۳)

پاس کچھ زمینداری بھی اپنی خریدکردہ ہے' مسکین' متواضع اور شریف طبیعت ہیں۔ بھٹہ وغیرہ کی تجارت کرتے ہیں۔ قسائیوں کی بقیہ آبادی سرائے مچھر ٹہہ' راہو سرائے' بازار جبٹے' محلہ نوگزہ' سرائے تخشبیاں' لکڑہ' سرائے کہنہ اور محلہ دانشمندان میں ہے۔ چند گھر محلہ بچدرہ میں بھی ہیں۔ ان میں منشی ظفر احمد مرد معقول' حاجی حزین' اپنی برادری میں ممتاز ہیں آبائی کاروبار کے بجائے اینٹوں کی تجارت کرتے ہیں' ان کا اپنا بھٹہ بھی ہے۔ ان کا لڑکا منشی منظور احمد انگریزی تعلیم یافتہ' ٹھیکہ داری کرتا ہے۔ لیکن سوائے دو چار اشخاص کے ان میں تعلیم کا رواج نہیں منشی ظفر احمد کی کوششوں سے اب ایک انجمن اور خورد سال بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب بھی قائم ہوا ہے۔ خدا کرے اسی کی بدولت اس قوم میں تعلیم کی روشنی پھیلے اور اپنی پست حالت سے نکل کر مسلمان سوسائٹی کا اچھا عنصر بنیں۔

امروہہ کے قسائیوں کا بیشتر حصہ گوشت کی' کچھ لوگ مویشی کی' بعض کھال اور ہڈی کی تجارت کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک جو لوگ گوشت فروشی نہیں کرتے تھے ان کا زیادہ حصہ سادات و شرفا کے یہاں خانگی ملازمت کرتا تھا اور اب تک کرتا ہے' اسی بنا پر عوام میں ان کے دو گروہ مشہور ہیں (۱) "کٹھو" یعنی گوشت فروشی کرنے والے ان کو "اوتھمی" بھی کہتے ہیں اور (۲) "چکریہ" یعنی مواضعات میں پھیری سے گوشت فروخت کرنے والے' بیرونجات سے مویشی لانے اور خانگی ملازمت کرنے والے۔ بعض لوگ ان میں مزدور پیشہ بھی ہیں۔ باغات وغیرہ کے پشتے چڑھانے' خندق کھودنے میں خاص مہارت ہے۔ ان کی عورتیں قدیم سے سادات و شرفا میں عموماً ماماگری کرتی اور سادات میں خصوصاً دودھ پلاتی رہی ہیں۔ دایہ گری ان کا مخصوص پیشہ ہے۔ تقریبات کے موقع پر سادات و شرفا میں اور خدمتیوں کی طرح دایہ کا حق بھی نکلتا ہے۔ پردہ کا رواج مثل اور پیشہ وروں کے اس قوم میں کچھ عرصہ پیشتر تک مطلق نہ تھا۔ اب اصلاح قوم کی تحریک سے شروع ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض معیوب رسموں کی اصلاح کا خیال بھی پیدا ہوا ہے۔ خدا کرے یہ خیال عمل کی صورت اختیار کرے

مجاور

یہ لوگ زیادہ تر محلہ نوگزہ میں ساکن ہیں، مجاوری ان کا آبائی پیشہ ہے، ان میں کئی خاندان ہیں، زیادہ تر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کی مجاوری کرتے ہیں، بعض لوگ درگاہ حضرت شاہ گھاسی اور دوسری درگاہوں کے مجاور بھی ہیں۔ ان میں چند اشخاص حضرت شاہ ولایت کے خادم شیخ نظام کی اولاد میں ہیں، کچھ لوگ قاضی الہدیہ کے غلام شیخ کندن کی نسل سے ہیں اور بعض دیگر اشخاص کی۔ حضرت شاہ ولایت کی درگاہ کی خدمت اور جاروب کشی قدیم سے آپ کے خادم شیخ نظام کی اولاد کا حق ہے جیسا کہ حسب ذیل تحریر سے ثابت ہے:۔

"ما یان کہ جمیع سادات امروہہ از فرزندان قدوۃ العارفین وسیلۃ السالکین حضرت سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ سرہٗ ایم۔
چوں شیخ جیون و شیخ داؤد وغیرہ خدمت روزہ حضرت ظاہر نمود کہ محمد شریف بجدید خدمت اظہار می نماید کہ از اولاد کندن غلام قاضی الہدیہ ایم از انجا کہ خدمت جاروب کشی و خدمات درگاہ از قدیم بدر شیخ نظام خادم از حضور آنحضرت مقرر است و نیز بما یان ہمیں معلوم است کہ جمیع خدمہا از فرزندان شیخ نظام مذکور اند چنانچہ شیخ جیون وغیرہ برادر زادہ شیخ نظام بدستور قابض و متصرف اند لہذا نوشتہ می دہیم کہ کسے کہ اولاد کندن کہ غلام قاضی الہدیہ باشد او را بخدمت جاروب کشی درگاہ چہ علاقہ و چہ رسد کہ در مقدمہ خادمان درگاہ دخل نماید۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شہر شعبان المعظم سنہ ۲۳ جلوس والا مطابق سنہ ۱۱۵۱ھ"

حضرت شاہ ولایتؒ کے چار خلفائے باکمال تھے۔ ایک آپ کے پوتے سید محمد ابدال دعوہ دھاری، دوسرے قاضی عبد اللطیف، تیسرے شیخ معین الدین ناگوری اور چوتھے شیخ نظام الدین عباسی۔ اول الذکر تین خلفا امروہہ میں رہے اور ان تین حضرات کی قبور بھی یہیں ہیں۔ ان میں سید محمد ابدال دعوہ دھاری اور شیخ معین الدین کے مزارات کا دوسرے موقع پر تذکرہ

ہو چکا ہے۔ قاضی عبد اللطیف کا مزار محلہ نوگزہ میں چنگی کی چوکی کے سامنے سڑک سے جانب جنوب متصل لشپنہ باغیچہ شکستہ حالت میں ایک چبوترہ پر دامع ہے۔ چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ بعد اکتساب کمالات اپنے وطن ملتان کو تشریف لے گئے جہاں سلسلہ بیعت بھی جاری کیا۔ آپکے برادرزادہ مولانا فضل اللہؒ بن ضیاء الدین عباسی بھی جامع کمال تھے۔ صاحب مقاصد العارفین لکھتے ہیں کہ

چہارم خلیفہ شیخ نظام الدین بود۔ نسب او بحضرت عباس رضی اللہ عنہ می پیوندد او بجانب ملتان سکونت اختیار کردہ و گویند کہ آنجا سلسلہ جاری نمودہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین تھے جن کا نسب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتا ہے انہوں نے ملتان کی طرف سکونت اختیار کی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلسلہ بیعت بھی جاری کیا تھا۔

مولانا آل حسن نخشبی مولف نخبۃ التواریخ نے عدم مبالاۃ کی بنا پر حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم **شیخ نظام** اور آپکے **خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ** دو جداگانہ ہستیوں کو ایک سمجھ خادمان درگاہ شاہ ولایتؒ اولاد شیخ نظام خادم کو آپ کے مرید و خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی کی نسل میں لکھ مارا جس کی بنا پر مجاوروں میں سے بھی بعض اشخاص اپنے کو ان کی اولاد سمجھنے لگے۔ مولوی صاحب ممدوح اگر ذرا عقل و سمجھ سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ جو شخص اتنے دور دراز فاصلہ پر چلا جائے جیسے امروہہ سے شہر ملتان ہے وہاں جا کر سکونت بھی اختیار کرے اور پھر سلسلۂ بیعت بھی جاری کرے تو اس کی اولاد مجاوری کا پیشہ کرنے کے لئے امروہہ کیوں آجاتی۔ اور پھر وہ شخص جوان اوصاف کا ہے جیسا کہ خود مولوی صاحب ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ

وے از اجلّہ خلفائے حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت بود و کمالات باہرہ و تصرفات ظاہرہ داشت۔

وہ حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت کے اجلّہ خلفاء میں سے تھے۔ کمالات باہرہ و تصرفات ظاہرہ رکھتے تھے۔

ایسے کامل شخص کی اولاد اپنے آبائی سجادۂ پدری پر متمکن ہوتی یا درگاہ شاہ ولایتؒ کی نذر و نیاز کے چند پیسے اور روٹیوں کے چند دانے لینے کے لئے امروہہ آجاتی اور بالخصوص اس

---

(۱) نخبۃ التواریخ صفحہ

نسب کے لوگ جن پر زکوٰۃ و صدقہ لینا بھی مذہباً حرام کیا گیا ہے اور جن کی اُس زمانہ یعنی عہد مغلیہ میں ہندوستان کے بادشاہ جو قدر و منزلت کرتے تھے ان کے تفصیلی تذکرے تمام کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مماثلت اسمی کی بنا پر صاحب منتخبہ نے دھوکہ کھایا اور "و بجانب ملتان سکونت اختیار کردہ" کو نظر انداز کر کے شیخ نظام الدین خادم کو آپ کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسیؒ سمجھ لیا۔ منتخبہ کی اشاعت کے بعد سے شیخ نظام خادم کی اولاد میں بھی یہ خیال پیدا ہوا حالانکہ شیخ نظام خادم حضرت شاہ ولایت اور آپ کے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسی بالکل جدا شخص ہیں۔ شیخ نظام خادم کی قبر دروازہ درگاہ کے متصل ہے۔ پیرجی عبدالرشید۔ ساکن محلہ نوگزہ اپنے کو شیخ نظام خادم کی اولاد بتاتے ہیں۔

مرڈھے مرڈھے حقیقتاً میردہ کا بگڑا ہوا ہے۔[1] میردہہ اس سائیس کو کہتے تھے جو دس سائیسوں کا افسر ہوتا تھا۔ امروہہ میں مرڈھوں کی آبادی زیادہ تر محلہ کنگوئی میں ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر خانگی ملازمت کرتے ہیں اور کچھ کاشتکاری بھی کرتے ہیں۔

میراثی[2] یہ لوگ زیادہ تر محلہ چاہ غوری و متصل قصائی خانہ اور محلہ خانقاہ (اکثرہ مجاور جنگی) میں رہتے ہیں۔ ان کا نسبی تعلق قدیم ہندو بھاٹوں سے ہے۔ ہندو بھاٹوں کے متعلق روایت ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان کے تین اقسام ہیں (۱) برما بھاٹ (۲) جاگا بھاٹ اور (۳) چارن۔ اول الذکر کا پیشہ مدحیہ قصائد پڑھنا، ثانی الذکر کا ہندوؤں کی مختلف ذاتوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور ثالث الذکر کا راجپوتوں کا نقیب ہونا۔[3] ان میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ بجائے ہندوؤں کے مسلمان شرفا کی نسابی کا پیشہ کرنے لگے یہ خدمت چونکہ بطور میراث ان کو ملتی رہی اور تقریبات میں حقوق بھی مقرر ہوئے نیز سادات و شرفا کی وراثت کے حالات محفوظ رکھتے تھے اسلئے میراثی کہلائے :-

---

[1] آئین اکبری۔ [2] میراثی :- دراصل ایں لفظ "میراث" عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ (فرہنگ محتشمی) [3] میموائرس سر ہنری ایلیٹ۔

میراثی کا عربی لفظ معدوثی کے معنی میں ڈوم کنجر گویتوں (مطرب) اور طوائفوں کے
سازندوں کے لئے مخصوص ہو گیا[1]

ان لوگوں میں حسین بخش میراثی اور اس کے دونوں بھائی غلام حسین اور غلام حسن فن موسیقی میں مشہور تھے خادم حسین ولد غلام حسین اپنے پیشہ میں ماہر اور باکمال تھا۔ ابتداءً مہاراجہ بڑودہ کے یہاں ملازم رہا پھر ریاست حیدر آباد دکن میں عرصہ تک ملازمت کی۔ سید جواد حسین شمیم نے حسب ذیل چوبولے میں اسی مشہور گویّے کی نسبت اشارہ کیا ہے:—

آج وہی تاریخ ہو دن ہے وہ سامان آ میں زہرہ و مشتری منتعی تنی جان
آ جائے خادم میراثی نقّال سنگ جو چاہیں سارنگی طبلے طنبورہ مردنگ بین لائیں
ہاں شتّیرا نام عمری دیں ہم ہولی اب ہم گا۔ نقارچی تو کھر کائیں شہنائی پھونکیں شہنائیں

میراثیوں کے پیشہ کی رونق بھی امروہہ والوں کی ریاست کے ٹھاٹھ تک تھی۔ اب نہ رؤسا رہے اور نہ ریاست اسلئے یہ لوگ بھی مفلوک الحال ہو گئے۔ غلام حسن کا ایک بیٹا غلام سرور حیدر آباد میں اور دوسرا بیٹا غلام سادات عرف بدّھا میراثی پرانے وقت کا خدمتی ہے۔

موچی مسلمان موچیوں کی تعداد امروہہ میں بہت مختصر ہے چند گھر محلہ حکلی و دربار کلاں وغیرہ میں ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر ہندوستانی جوتے وغیرہ بناتے ہیں۔ انگریزی جوتوں کے بنانے کا کام اب بعض سیّدوں نے بھی کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور مختصر پیمانہ پر شو فیکٹریاں قائم کی ہیں۔ بعض کاریگر ان میں ہوشیار ہیں اور اچھا کام کرتے ہیں۔ بیکاری سے بہر حال کوئی شغل بہتر ہے۔

شو میکری شروع جو کی اک عزیز نے جو سلسلہ ملاتے تھے بہرام گور سے

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹر شاہجہانپور مطبوعہ سنہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۵۰۔ [2] طوائفوں کے نام تھی آگرے والی خنّی پرجتّہ والی جو امروہہ میں شادیوں کی ایک تقریب میں گانے آئی تھیں۔ [3] کاشی پور کے مشہور نقّال [4] یعنی جوتے بنانا۔

پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی — صورت تمھارے آئے تھی غرض فن عود سے
کہنے لگے اس میں بھی ہے اک بات نوک کی — روئی ہم اب کماتے ہیں جتی کے زور سے

نداف یعنی دھنے

ان کی آبادی محلہ مہتاں اور محلہ قریشی میں زیادہ ہے، کچھ لوگ دوسرے محلوں میں بھی آباد ہیں، بعض اپنا پیشہ کرتے ہیں اور کچھ دوسری تجارتیں بھی کرنے لگے ہیں۔ جولاہے اور دھنے حقیقت میں ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں، دھنوں کی ہندو قوم کو وسط ہند میں "پنجارہ" کہتے ہیں۔ اہل فارس نے اس پیشہ کے لوگوں کو نداف کہکر پکارا۔

نورباف یعنی جولاہے

زیادہ تر محلہ تل بساون گنج، قلعہ ستھی و حقانی و بچپدہ میں آباد ہیں۔ کچھ گھر ان کے محلہ پانباری، قریشی اور چوک میں بھی ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی اثرات سے پہلے تک پارچہ بافی ان کا عام پیشہ تھا۔ یوروپین مصنوعات نے جہاں ہندوستان کی دیگر مصنوعات کو برباد کردیا پارچہ بافی، جو ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی، تقریباً شکستہ ہوگئی۔ اس پیشہ کے لوگ بھی حصول معاش کے لئے اپنے پیشہ کے سوائے اور اور کام کرنے پر مجبور ہوئے۔ کچھ لوگ البتہ گزی گاڑھا وغیرہ بھی بنتے رہے لیکن زیادہ تر مزدوری پیشہ ہوگئے۔ ان کے اکثر مرد اور عورتیں سادات و شرفا میں خانگی خدمت پر مامور رہے اور کچھ اب بھی ہیں لیکن اب چند سال سے جب **مہاتما گاندھی** کی تحریک سودیشی کپڑے کے رواج کے متعلق شروع ہوئی ان کی بڑی تعداد پھر اپنے موروثی پیشہ کی جانب متوجہ ہوئی۔ یہاں زیادہ تر موٹا کپڑا، سوسی اور گاڑھا بنا جاتا ہے۔ بعض لوگ پلنگ کی چادریں، دوتہیاں اور چوتہیاں بھی بنتے ہیں۔ کچھ لوگ باہر مقامات پر ٹھیکہ داری، دوکانداری اور دوسرے کاروبار بھی کرتے ہیں۔ مولا بخش ساکن محلہ تل کا ٹھیکہ داری کا کام دہلی میں جاری ہے۔

یہ قوم محنتی اور جفاکش قوم ہے، مذہبی جوش بھی ان کے اندر موجود ہے، افسوس ان کی پست حالت سے نکالنے کی کوئی نتیجہ خیز کوشش نہیں ہوتی۔ ان میں بعض حافظ قرآن اور پابند مذہب ہیں، تعلیم کا رواج خال خال ہے، چند لوگ البتہ نوشت و خواند سے واقف ہیں، بساون گنج میں منشی

عبدالصمد آفندی منشی عبدالسمیع تاجر کتب علمی ذوق رکھتے ہیں۔

ان میں بعض اشخاص جو عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں "جولاہہ" کے لفظ کو بربنائے عدم واقفیت و بے علمی ہندی لفظ سمجھکر اس کے استعمال کو پسند نہیں کرتے۔ اسکے بجائے "نورباف" "سفید باف" یا "مومن" وغیرہ الفاظ استعمال کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ **جولاہ** یا **جولاہہ** ہندی لفظ نہیں بلکہ فارسی ہے اور بہ معنیٰ "بافندہ پارچہ" یعنی کپڑا بُننے والا مستعمل ہے جولاہہ کا لفظ مسلمانوں کے ساتھ عجم سے ہندوستان آیا۔ اس پیشہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ "جولاہہ" کہلانے لگے اور جو بدستور ہندو رہے وہ اپنے قدیم نام "کوری" و "تانتی" وغیرہ سے موسوم رہے۔

نساجی یعنی جامہ بافی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے۔ ایران، وغیرہ کے مسلمانوں کے بعض نامور اشخاص اس پیشہ سے منسوب ہیں۔ ملک فارس کا مشہور شاعر خاقانی جو عمر خیام جیسے مشہور فلسفی شاعر اور حکیم کا بھتیجا تھا[1] اپنے خاندانی پیشہ کا اسی لفظ "جولاہہ" کے ذریعہ کس فخر سے ذکر کرتا ہے ؎

جولاہہ نژادم از سوئے جد ۔۔۔ در صنعت من کمال ابجد

شاگرد ازل بہ مکتبہ من ۔۔۔ ما شورہ کن است ریسمان تن

مندرجہ بالا اقوام کے علاوہ مسلمان تیلی، رنگریز، کمہار، کنجڑے، منصبدار بھی شہر کے مختلف مقامات پر آباد ہیں اور زیادہ تر اپنا موروثی پیشہ کرتے ہیں۔ اہل حرفہ کے علاوہ امروہہ میں پیشہ ور گداگروں کے بھی دو گروہ ہیں ان کی اخلاقی حالت اور ذہنیت اس قدر پست ہے کہ باوجود صحیح الاعضا، تندرست جوان و تومند ہونے کے ان کے بہت سے افراد گداگری کرتے نہیں شرماتے

---

[1] مثنوی تحفۃ العراقین مصنفہ خاقانی۔ اس کا باپ علی بن عثمان نجاری کا پیشہ کرتا تھا اور دادا بھی عثمان [illegible]

ہندی مسلمان اور عرب نژادگی

اسلامی تعلیمات نے نسب کے فخر اور غرور کو جس طرح مٹایا تھا اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں ملنا دشوار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہی نسبی تعلیاں اور فخاریاں عرب کے ہر قبیلہ کا شعار ہو گئی تھیں جس میں آج امروہہ کیا ہندوستان کے مسلمان مبتلا نظر آتے ہیں لیکن آفتاب اسلام نے طلوع ہوتے ہی ایسے تمام ظلمات کے پردوں کو جن سے ایک قوم کو دوسری قوم پر محض بربنائے اوصاف عالی نسبی ترجیح بلا مرجح حاصل ہوا کرتی تھی، چاک کر دیا اور قوم مسلم کا یہ شعار قرار دیا کہ:-

"احسابکم اخلاقکم وانسابکم اعمالکم" (تمہارے حسب تمہارے اخلاق ہیں اور تمہارے نسب اعمال)

ہندوستان کے مسلمانوں کو آج اسلامی تعلیمات سے جس قدر بُعد ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے اس کا ایک تاریک پہلو یہی نسب کا فخر و غرور اور نسل کا امتیاز و افتراق بھی ہے۔ ہندوؤں کی سوسائٹی کے اثرات سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی چار ذاتیں شیخ، سید، مغل، پٹھان بن گئی ہیں اور اب یہ مرض ایسا متعدی ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے جس مسلمان کو دیکھو عرب و عجم سے سلسلہ نسب ملانے کی دُھن میں مصروف نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندی مسلم کے نسبی معاملات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنا شاید نامناسب نہ ہوگا۔

ہندی مسلم

تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا جزو اعظم اُن اقوام پر مشتمل ہے جن کے بزرگ پہلے ہندو تھے، مختلف وقتوں اور زمانوں میں مسلمان ہوئے۔ مشہور مورخ سر ٹی ڈبلیو آرنلڈ سابق پروفیسر علی گڈھ کالج اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں:-

"ہندوستان کے مسلمانوں کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان تو وہ

ہیں جو غیر ملکوں ہی سے مسلمان آئے اور اس ملک میں آباد ہوئے۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو ہندوستان کے قدیم مذہبوں میں سے کسی مذہب کو پہلے مانتے تھے لیکن مختلف وقتوں اور زمانوں میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے ان کو مسلمان کر لیا گیا۔ ....

ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے نام کے ساتھ شیخ بیگ یا خان کا لفظ بلکہ بعض صورتوں میں سید کا لقب اختیار کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کا زیادہ حصہ وہ ہے جنہوں نے بذات خود مذہب اسلام قبول کیا یا جو ہندوستان کے نو مسلموں کی نسل سے ہیں اور انہوں نے بعد میں ان عالی منزلت اشخاص کا قومی لقب اختیار کر لیا جن کے ہاتھ پر انہوں نے یا ان کے بزرگوں نے دین اسلام قبول کیا تھا۔" ؎

ہندوستان کے نو مسلموں میں، جنھیں اب "نو مسلم" کہنا صحیح نہیں کیونکہ صدیوں سے یہ لوگ نسلاً بعد نسل مسلمان چلے آتے ہیں، ہر قوم و نسل کے لوگ شامل ہیں۔ ہندوؤں کے اعلیٰ طبقہ اور "اونچ ذات" قوموں کے برہمن، راجپوت، جاٹ، گجے، گوجر وغیرہ لیکن ہندوستان کے نو مسلموں کا زیادہ حصہ ان اقوام پر مشتمل ہے جن کو "اونچ ذات" کے ہندوؤں کی چیرہ دستی اور اپنی پست حالت کے احساس نے ایک ایسے مذہب یعنی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جس کے حلقہ میں شامل ہوتے ہی انہیں تمدنی و معاشرتی حقوق مساویانہ طور پر حاصل ہو گئے یعنی ہندوستان کے قدیم اور اصلی باشندے جنھیں آرین قوم کے غرور نے انہیں "شودر" کا لقب دیا تھا۔
آرنلڈ صاحب دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ:۔

"جنوبی ہند میں بعض "پنچ قوم" کے آدمیوں کے لئے ضروری ہے کہ برہمن سے چونسٹھ قدم کے فاصلہ پر رہیں، اس سے زیادہ قریب آنے کی جرأت نہ کریں اور جب راستہ چلتے ہوں تو پکارتے چلیں تاکہ "اونچ ذات" والے اُن کے پاس نہ آویں۔ اس قسم کی اور نظیریں کثرت سے بیان ہو سکتی ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ ان ادنیٰ قوموں کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہو۔ ....

داعیان اسلام جب بنگال پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوؤں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آریہ سرداروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے، مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے۔

"ان لوگوں کے نزدیک' جن میں مفلس ماہی گیر' شکاری' بحری قزاق' اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار شامل تھے' مذہب اسلام ایک رحمت اور اوتار تھا جو ان کے لئے آسمان سے اُترا تھا اور اس کے پھیلانے والے وہ باخدا اشخاص تھے جو توحید کا پیغام اور سب انسانوں کے برابر اور مساوی ہونے کا مژدہ ایک ایسی مخلوق کے پاس لائے تھے جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔"[1]

صوبجات ممالک متحدہ کے چماروں اور کوریوں کے مسلمان ہونے کی داستان گزیٹیر صوبہ اودھ میں جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا اقتباس آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"ملک اودھ کے بعض زرعی اضلاع میں نیچی ذات کے ہندوؤں کا مسلمان ہونا عجیب طرح سے پیش آیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ جس جس طرح کی پابندیوں سے چمار اور کوری جو ہندوؤں میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں مسلمان ہو کر آزاد ہو سکتے ہیں اور جس قسم کی سہولتیں اسلام قبول کرنے سے انہیں حاصل ہوتی ہیں وہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے جس میں ان کی قومی حالت ہندو ہونے کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے:۔

کوری اور چمار یعنی جولاہے اور موچی مصیبت اور ذلت کے نیچے سے نیچے طبقہ پر پڑے ہیں ان میں سے اکثر شمالی اضلاع میں رہتے ہیں ان کی زندگی بالکل غلامی میں بسر ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ فاقہ زدہ' بدن نزار' رنگتیں سیاہ' صورتیں بدہیئت' چہروں پر بے وقوفی کے آثار غلیظ اور ناپاک ایسے کہ دیکھنے سے نفرت ہو' غرض یہ سب باتیں اُن کے چھوٹے کرم اور کمینی

---

[1] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۳۹ - [2] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۹ -

تقدیر کا ثبوت ہی جس نے ان کو ذلت اور خواری کے اس درجہ پر پہنچا دیا ہے جس میں انسان ہو کر وہ جانوروں سے بدتر شمار ہونے لگے۔۔۔۔ تبدیل مذہب ان لوگوں کی نجات کا موجب ہوتا ہے۔ ۱؎

صوبہ بنگال میں مسلمان جولاہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا واقعہ بھی یہی ہے۔ صاحب "پریچنگ آف اسلام" لکھتے ہیں کہ:۔

اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں کو نہایت ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور جب کسی نیچی ذات کے ہندو کو اپنی ترقی کا خواہاں پاتے ہیں تو اسے ہر طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں، جب ان باتوں کا ایسے مذہب سے مقابلہ کیا جاتا ہے جس میں کوئی شخص ذات باہر نہیں ہو سکتا اور ہر شخص کو ترقی کرنے کی آزادی ملتی ہو تو اسلام کے فوائد حقیقی دل پذیر ہو جاتے ہیں۔ بنگال کے جولاہے، جو سوتی کپڑا بننے کا پیشہ کرتے ہیں، ان کو ہندو بہت ذلیل جانتے ہیں اس لئے یہ جولاہے اس ذلت کی حالت سے چھٹکارا پانے کی خاطر بڑی تعداد میں دین اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ ۲؎

مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں کو ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے چنانچہ آج بنگال کے مسلمان جولاہوں میں بہت سے اشخاص زیور علم سے آراستہ نظر آتے ہیں، اکثر خوشحال ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد یہ "مومن" یعنی مسلم کہلائے جو ان کا قومی لقب پڑ گیا۔ اپنی برادری کی اصلاح کا جذبہ بھی پیدا ہوا ہے، انجمنیں بھی قائم ہیں۔ "المومن" نام سے ایک اخبار بھی شائع ہوتا ہے۔ ان کے بعض افراد بھی عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں۔

عرب نژادگی کا ادعا

مسلمان پیشہ ور اقوام میں سے بعض گروہوں مثلاً پنجاب کے میراثیوں، قصابیوں اور نوربافوں (جولاہوں) کے کچھ افراد اپنے کو کچھ عرصہ سے قریشی اور انصاری بیان کرنے لگے ہیں۔ یہ ادعا ان کا تاریخی شواہد کے سراسر منافی ہے

۱؎ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۹۔ ۲؎ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۳۲۔

مسٹر[1] جان بیمس ایم۔ آر۔ اے۔ ایس نے ایک موقع پر صحیح لکھا ہے کہ[2]

"صوبجات ممالک مغربی و شمالی کے تمام حصص میں جماعتیں جو ابتداءً ہندو تھے اور اب مسلمان ہیں ان کی بڑی تعداد شیخ، سید اور پٹھان کے قومی لقب اختیار کرنے میں بہت بیباک ہیں۔ بہت سے اپنے کو لفظ "خان" سے منسوب کر لیتے ہیں اور بعض تو سید تک لکھنے لگے ہیں بالخصوص اس حالت میں کہ ان کو دولت و تموّل کے اعتبار سے سوسائٹی میں درجہ امتیاز حاصل ہو گیا ہو۔ صوبہ پنجاب میں جہاں تبلیغ مذہب اسلام کا سلسلہ بہت وسیع پیمانہ پر جاری رہا، ایک شعر ضرب المثل کے طور سے مشہور ہے جو غالباً کسی نو مسلم کی زبان سے بیان کیا جاتا ہے:-

اوّلا نداف بودم بعدہ گشتم شیخ — غلہ چوں ارزاں شود امسال سیّد می شوم

جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ذات کا دھنیا تھا پھر شیخ بن گیا اور اب اگر غلہ سستا ہو گیا اور فارغ البالی نصیب ہوئی تو سیّد بن جاؤں گا۔

اس سلسلہ میں مسٹر موصوف نے ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:-

"مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۸۶۳ء میں ضلع گجرات پنجاب میں ایک مضحکہ انگیز واقعہ پیش آیا تھا کہ عدالت دیوانی کا ایک مسلمان سررشتہ دار ہمیشہ سرکاری کاغذات میں اپنے نام کے ساتھ "سید ہاشمی قریشی" لکھا کرتا تھا لیکن بعد میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ اس کا باپ جو ادنیٰ حیثیت کا شخص تھا ذات کا لوہار ہے۔ بیٹے نے کچھ تعلیم پا کر سررشتہ داری کا عہدہ حاصل کر لیا تو وہ لوہار سے سیّد ہو گیا۔"

اکثر طبائع انسانی میں تشخص و جاہ طلبی کا مادہ ہوتا ہے۔ مسٹر جان بیمس نے جو شعر بطور ضرب المثل نقل کیا ہے وہ شاعرانہ تخیل ہی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے جس کی تصدیق اسلامی بستیوں کے

---

[1] میموائرس آف ریسز سر ہنری ایلیٹ ۔ [2] : Mr. John Beames

مقامی حالات سے ہو سکتی ہے۔ ہندی مشہور مثل ہے " مایا کے تین نام - پرسا، پرسو اور پرس رام " یعنی جب کچھ نہ تھا تو "پرسا" کہلاتے تھے جب ذرا حالت سنبھلی "پرسو" بن گئے اور جب سوسائٹی میں کوئی حیثیت حاصل کر لی تو "لالہ پرس رام" کہلانے لگے بعینہ یہی حال مسلمانوں کی سوسائٹی کا سمجھئے مثلاً جب ادنیٰ حالت میں تھے "نظر" کہلاتے تھے جب کچھ حالت سنبھلی "ناظر" کہلانے لگے اور جب ذرا فارغ البالی نصیب ہوئی تو "شیخ ناظر علی" بن گئے۔ یہاں تک تو خیر غنیمت تھا، دنیاوی ترقی کے یہی تین مراتب ہیں۔ ہر انسان کو ترقی کرنے کا قدرتی حق حاصل ہے اور اسلامی مساوات نے "خدرد پامہا" کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رکھا لیکن یہ کیا لغویت ہے کہ لوگ دنیاوی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنا نسب بھی بدل دیتے ہیں۔ پھر اس پر اصرار ہوتا ہے، مضحکہ انگیز اور لغو توجیہات پیش کی جاتی ہیں۔ ہندوستان کی مسلم پیشہ ور اقوام کے دعویٰ عرب نژادگی کو تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان میں فرد واحد بھی ایسا باقی نہ رہے گا جس کے آباء و اجداد ہندو مذہب کے دائرہ سے نکل کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ صرف ایک صوبہ پنجاب میں ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے میراثیوں، قصائیوں اور بعض اور ہندی الاصل مسلمانوں کی تعداد جو آج قریشیت کے مدعی بنے ہیں حسب ذیل ہے :-

۱۔ میراثی	۲,۳۷,۰۲۱
۲۔ قصاب	۱۰,۲۲,۲۳۲
۳۔ آرائیں	۱۰,۹۰,۶۰۹
۵۔ کھوکھر	۶۹,۰۱۶
میزان کل :-	۱۹,۵۹,۰۰۸

ان کے مقابلہ میں پنجاب کے صحیح النسب قریشیوں کی تعداد صرف ۹۷,۲۲۵ ہے۔ یہ تو صرف ایک صوبہ کی مردم شماری کے اعداد ہیں۔ ان میں بھی نوربافوں وغیرہ کی تعداد شامل نہیں ہے

پس اگر اسی طرح ہندوستان بھر کے ہندو لئے جائیں تو یہاں سات کروڑ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ہندی الاصل باقی نہیں رہتا! حالانکہ ۷ کروڑ ہندی مسلمانوں میں بمشکل ایک کروڑ وہ مسلمان ہوں گے جن کے آباؤ اجداد بیرونِ ہند سے آئے اور ان کو بھی ہندوستان میں رہتے ہوئے اتنی پشتیں ہو گئیں کہ آج انہیں غیر ہندی کہنا غیر صحیح ہے۔

ذیل میں بعض اقوام کے نسبی ادعا پر تاریخی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی جاتی ہے

میراثی :- یہ عربی کے لفظ میراث سے مشتق ہے جس کے معنی موروثی کے ہیں۔ اس سے اردو لفظ بنا لیا گیا۔

"میراثی" در اصل ایں لفظ "میراث" عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ[1]"

مرد کو میراثی اور عورت کو میراثن کہتے ہیں۔ فرینسس جانسن اپنی مشہور و مبسوط ڈکشنری (عربی و فارسی) میں لکھتے ہیں :-

میراثی : Hereditary, inherited - A singer (of a caste which follow that profession from generation to generation)[2]	میراثی - یعنی موروثی یا وراثت ایک قوم یا آدمی - یعنی اس قوم کا شخص جو گانا پیشہ (گانے بجانے کا) نسلاً بعد نسل کرتے چلے آتے ہیں۔

اس کی تائید ایک قدیم سند سے بھی ہوتی ہے جو سادات و شرفائے امروہہ کے مختلف خاندانوں کے بزرگوں نے سنہ ۱۱۲۰ھ میں بیٹھے میراثی کے ورثاء کو عطا کی تھی جس میں اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ قدیم الایام سے یہی اشخاص ہماری برادری کے موروثی میراثی ہیں اور دوسرا میراثی ہماری برادری کی "میراث" کا مدعی ہو اس کا دعویٰ غلط ہے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے اس سند کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

---

[1] فرہنگ [illegible] -

[2] Dictionary Persian, Arabic, and English by Francis Johnson - 1852

"باعث تحریر ایں سطور در بیان آنکہ مایان جملہ قبیلہ داران فرزندان سید حسن و فرزندان زبدۃ المتقین حضرت گنج شکر و فرزندان و نبیرائے .... [1] و فرزندان بندگی حضرت شاہ ابن و فرزندان مولانائے لعل و مولانا شمس الدین و فرزندان چودھری ترکمان و فرزندان سالار ایوب و فرزندان ملک بھوران ملک ..... سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد ایم در ولد مسماۃ امیرن و جان محمد و سکھا و دیگر و اشان مینھے میراثی ہم اقرار نمودہ بموجب اسناد سلفائے و بزرگان با جمیع قبیلہ داران مرقومہ .... سنہ ۱۱۱۱ھ یک ہزار و یک صد و یازدہ ہجری بدیں مضمون حاضر آوردند کہ وجہ میراث خانہائے ما جمیع قبیلہ داران مسمی مینھے پسر کلاں مسماۃ بندی از قدیم مقرر است و میراثیان مذکورہ را در میراث جملہ قبیلہ داران مرقومہ الصدر دخل نیست۔ چوں نشدہ لہذا اسناد مسطورہ را صحیح و مسلم داشتیم و وجہ میراث خانہائے خود را بر طبق اسناد بزرگان بفرزندان مینھے میراثی مقرر داشتیم و فرزندان .... میراثی را مداخلت نشود زیرا کہ تعلق میراث در فرزندان مینھے میراثی است ...... کہ تحریر پیوست۔ تحریر فی التاریخ .... سنہ ۱۱۲۰ھ"

پنجاب میں ایک خاص ایکٹ "قانون انتقال اراضی" کے نام سے رائج ہے جس کی رو سے وہاں کی خاص اقوام کو زرعی اراضی کی خرید و فروخت کا حق حاصل ہے۔ ان اقوام میں صحیح النسب قریشی بھی داخل ہیں۔ میراثی، قسائی یا اسی طرح کی اور اقوام کو یہ حق حاصل نہیں۔ اس بنا پر اب اس چودھویں صدی میں میراثیوں میں بھی قریشی بننے کا شوق پیدا ہوا۔ عرصہ تک اخبارات و رسائل میں بحث جاری رہی۔ روزنامہ زمیندار نے ۱۷ مئی سنہ ۲۶ء کی اشاعت میں اس بحث پر ایک مضمون کے دوران میں لکھا تھا کہ :-

---

[1] بوجہ کہنگی بعض مقامات سے کاغذ شکستہ ہو گیا تھا اس لئے عبارت پڑھنے میں نہیں آیا۔ یہ مقامات نقل میں سادہ چھوڑ دیئے گئے۔

جب حکومت نے قریشیوں کو اقوام زراعت پیشہ میں شامل کیا، تمام اقوام جو غیر زراعت
پیشہ ہونے کے باعث اراضی زرعی نہیں خرید سکتی تھیں، قریشی بن گئیں۔

اس کے بعد صوبجات متحدہ کے قصابوں کو قریشی بننے کا شوق چرایا........

میراثیوں کو بھی، خیال ہوا کہ جب دستے، جولاہے، قصاب، حجام سب قریشی بن رہے
ہیں تو ہم کیوں میراثی رہیں، انہوں نے اعلان کر دیا کہ میراثی بھی شجرِ قریشیت کی ایک
شاخ ہیں........"

پنجاب کے میراثیوں نے اپنے قومی لقب کے متعلق یہ عجیب مضحکہ انگیز توجیہ پیش کی تھی کہ شاہانِ اسلام کے عہد میں تقسیم میراث کا منصب ہمارے بزرگوں سے متعلق تھا اسلئے ہم میراثی کہلاتے ہیں۔ فریق مخالف نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ تمہارے بزرگوں کے غیر شرعی اعمال دیکھکر کسی مسلمان بادشاہ نے انہیں "میرِ عاصی" کا خطاب دیا تھا۔ کثرتِ استعمال سے "مراسی" ہو گیا۔ لیکن یہ توجیہ اور اس کا جواب دونوں حقیقت سے دور ہیں۔ میراثی کی وجہ تسمیہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ میراثیوں کا نسبی تعلق حقیقتاً ہندو بھاٹوں سے ہے، اور بھی ان کا عملاً اب تک موروثی پیشہ ہے۔ اخبار مذکور نے محولہ بالا مضمون میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:-

"ہمارے سامنے میراثیوں کا کوئی نسب نامہ نہیں جس کے مطالعہ سے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں، لیکن اس قوم کے افراد کی قومی سیرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا جہان کا کوئی عیب نہیں جو ان میں نہ پایا جاتا ہو، چاپلوسی ان کی گھٹی میں پڑی ہے، جھوٹی تعریف ان کا شیوہ، تملق و خوشامد ان کا پیشہ، مسخرگی ان کا شعار، امراء کی محفلیں یہ گرماتے ہیں، غرباء میں یہ اچھلتے، کودتے، ناچتے اور گاتے ہیں، شاہدانِ بازاری کی تلیبانی یہ کرتے ہیں، اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ غیرت و حمیت جو قبیلہ قریش کا خاص جوہر ہے، اس میں انہیں کہاں تک حصہ ملا ہے۔"

تان سین کا نام اچھالنے والے، بیجو باورے کی رقم پر فتوح کو ڈوبا سجانے والے، موسیقی کے

علم بردار، میدان سخن نوازی کے شہسوار، بہاؤ بتا بتا کر نہر کھنے والے، پچّہ، ٹھمری، دھرپت
چھوڑ کر قریشیت کا نیا راگ الاپنے لگے، سارنگی کے گز سے تاریخ کے میدان کو ناپنے لگے،
عقائد کا یہ عالم ہے کہ ہر قبر ان کا خدا، ہر پیر ان کا دستگیر، اور اس پر قریشیت کا دعویٰ –

ع مدارِ روزگار رسفلہ پرور دا تماشا کن

قصّاب یا قسائی :- قصّاب عربی زبان کا لفظ ہے جو گوشت فروش کے معنی میں اسی طرح مستعمل ہے جس طرح بعض اور پیشوں کے عربی و فارسی کے مختلف الفاظ مثلاً نجّار، خیّاط معمار، نداف، مطرب، سقّہ وغیرہ مستعمل ہیں۔

قصّاب کا مادہ "**قصب**" ہے جس کے معنی عربی زبان میں کاٹنے اور بالخصوص بکری کے پارچے کرنے کے ہیں۔ گوشت فروش چونکہ گوشت کے ٹکڑے پارچے کرتا ہے اسلئے "**قصّاب**" یعنی کاٹنے والا کہلایا۔ قصّاب کا لفظ عربی زبان میں دوسرے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً بانسری بجانے یا بین بجانے کے معنی میں۔ اس کی جمع "قصابہ" ہے۔ عربی میں اونٹ کے گوشت فروش کو "**جزار**" کہتے ہیں اور اردو زبان میں قصّاب کو **قسائی** بحرف "س"۔

بعض کا خیال ہے کہ **قسائی** کا اردو لفظ عربی کے لفظ "**قص**" سے بگڑ کر قسائی ہوا، صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ :-

"قسائی کا لفظ عربی کے لفظ **قص** بمعنی مار ڈالنے سے بگڑ کر قسائی ہوا۔" [۱]

لیکن قول مرجح یہ ہے کہ قسائی لفظ **قسی** یا **قساوت** سے مشتق ہے، اس کو حرف ص سے لکھنا صحیح نہیں، صاحب فرہنگ مختشی کہتا ہے کہ :-

آنچہ در عوام "قصائی" بحرف **ص** شہرت دارد محض غلط است۔ [۲]
یعنی عوام میں لفظ "قصائی" جو حرف ص سے مشہور ہے محض غلط ہے۔

قسائی چونکہ **قسی** یا **قساوت** سے مشتق ہے اسلئے بے رحمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے،

---

[۱] فرہنگ آصفیہ مطبوعہ ۔ [۲] فرہنگ مختشی

حضرت شوق فرماتے ہیں :-

جو بیچے تجھے تو خدائی ہے ۔۔۔ آدمی کا بیچو قسائی ہے

قصّاب کا پیشہ بھی چونکہ ایک طرح سے بے رحمی کا پیشہ ہے اسلئے مجازاً قصّاب کو اردو زبان میں قسائی کہنے لگے۔ اردو لٹریچر کی متعدد کہاوتوں اور اشعار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً "قسائی کے کھونٹے بندھنا" یا "قسائی کے حوالے" ہونا جیسے "بھینسا بھینسوں میں یا قسائی کے حوالے"۔ حضرت سودا کا مشہور شعر ہے ؎

جس دن سے اس قسائی کا کوچہ بنا ہے ۔۔۔ گزرے ہے اس قطار سے ہر دن ہزار

آئین اکبری کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قصابوں کو ان کے پیشہ کی بنا پر قساوت دلی سے منسوب کیا گیا۔ علامہ ابوالفضل عہدہ کوتوال[۱] کے فرائض کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قصّاب و صیّاد و دھنال و کنّاس را از مردم جدا بنگاہ دہد۔ و مردم را از آمیزش این سنگ دلان سیہ درون برکنارہ دارد۔ [۲]	قصّابوں، چڑی ماروں، مُردہ شوؤں اور بھنگیوں کی سکونت کا مقام شہری آبادی سے علیحدہ رکھے اور دوسرے باشندوں کو ان بے رحموں اور سیاہ دلوں کے ملنے جلنے سے باز رکھے۔

سلطنت اسلامی کے زمانہ میں قسائیوں کی سکونت امروہہ میں بھی زیادہ تر کنارہ آبادی تھی۔ اب کچھ عرصے سے اس قوم کے بعض ناواقف موقع شناس اور جاہ طلب اشخاص کہنے لگے ہیں کہ قسائی بھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ جناب قصیٰ بن کلاب کی نسل سے ہیں اسلئے "قصائی" کہلاتے۔ مگر یہ بات تو وہ تب کہیں کہ کسی

۱۔ عہد مغلیہ میں اندرون شہر کے حاکم کو "کوتوال" اور بیرون شہر کے حاکم کو "فوجدار" کہتے تھے جو آجکل کے سٹی مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے مساوی سمجھئے ۔ ۲۔ آئین اکبری جلد اول مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۹۰

جاہل پٹھان سے کسی نے کہا کہ خان صاحب! تمہاری قوم یوں تو بڑی بہادر قوم ہے مگر تم میں کوئی نبی آج تک نہیں ہوا' خان صاحب یہ سن کر برافروختہ ہو گئے' کہنے لگے کہ واہ پٹھانوں میں نبی کیوں نہ ہوتے' کیا **عیسیٰ روہیلہ** تیرا دادا تھا؟ معاذ اللہ! جس طرح اس نادان پٹھان نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا کے خطاب **روح اللہ** کی مٹی **روہیلہ** کے لفظ سے پلید کی تھی اسی طرح آج جہالت کی بدولت جناب **قصیّ** کے خطاب کی مٹی لفظ **قسائی** سے پلید کیجا رہی ہے کجا قصیّ اور کجا قسائی؟ - چہ نسبت خاک را با عالم پاک -

لا حول ولا قوۃ الا باللہ -

اگر بات کہئے تو ایسی تو کہئے ۔۔۔ کہ دائرہ ہو امکان عقلی کے اندر

نہ ایسی جسے سن کے گر جائے چھت بھی ۔۔۔ نکلجائے کتنوں کا دب کر کچومر

جناب قصیّ کے نامور جد؛

باشندگان ملک عرب حضرت **نوح** کے فرزند **سام** کی نسل ہیں' اسی نسبت سے ان کو سامی النسل (SemeticRace) کہتے ہیں - بلحاظ قبائل ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی :-

بنو قحطان :- یہ ابتداءً بلاد یمن میں رہتے تھے' یمن میں جب مشہور سیلاب آیا' جسکو "سیل عرم" کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکلکر مدینہ میں آکر آباد ہوئے' ان میں اوس و خزرج دو بھائی تھے' تمام انصار ان ہی دو کی اولاد سے ہیں -

بنو عدنان :- یا بنو اسمٰعیل - ان کی سکونت ارض مقدسہ حجاز و نجد اور ان کے قرب و جوار میں تھی - ان کا انتساب حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہم السّلام سے ہے - اس قبیلہ میں عدنان (یا اُدنان) اپنے زمانہ کے مشہور شخص تھے ان کے نام سے یہ قبیلہ موسوم ہوا - جناب **قصیّ** کے اجداد اسی قبیلہ سے تھے' ان کا سلسلۂ نسب اس طریق پر ہے :-

قصیّ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئے بن غالب بن فہر الملقب بہ قریش بن مالک بن نضر بن خزیمہ بن مدرکہ بن معز بن نزار بن معد بن عدنان -

یہ دونوں قبیلے قحطانیہ اور اسماعیلیہ اس قدیم زمانہ میں متمدن قبیلے تھے جب دنیا میں تمدن و تہذیب کی کرنوں کی پو پھوٹ رہی تھی بالخصوص اسماعیلیہ جس میں یکے بعد دیگرے نبی اور پیغمبر ہوتے رہے۔ عدنان سے نویں پشت میں فہر ہوئے جو **قریش** کے لقب سے ملقب ہوئے[۱]۔ عربی میں قریش ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو نگل جاتی ہے۔ چونکہ فہر بن مالک اپنے زمانہ کے بہت بڑے سردار تھے جن کے سامنے اور سرداروں کی کوئی حقیقت نہ تھی اسلئے آپ کو اس مچھلی سے تشبیہ دی گئی اور یہ قریش مشہور ہوئے، انہی کی اولاد **قریشی** کہلاتی ہے۔ حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں :-

اما قریش فالاصح فہر جماعہا والاکثرون النضر

ظہور اسلام سے صدہا برس پہلے سے قریش کا شغل تجارت تھا لیکن وہ ہندوستان کے قسائیوں کی گوشت فروشی (قصابی) کی تجارت نہ تھی۔ قریش کے تجارتی قافلے دور دراز ممالک کو جاتے، یہ ان کے مالک ہوتے، صدہا غلام نوکر چاکر ساتھ ہوتے۔ ایک موسم میں یمن کی طرف کوچ ہوتا اور دوسرے موسم میں بصرے کی جانب۔

اگرچہ اس زمانہ میں تجارت کی راہیں خطرناک تھیں مگر قریش کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ ہر شخص ان کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔[۲]

یہ تجارت بھی معمولی پیمانہ پر نہ تھی۔ قریش کا ایک ایک فرد ہزاروں درہم دوسروں کو قرض دے دیتا تھا۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے امیر المومنین **مامون الرشید** عباسی کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو خلیفہ کے جد اعلیٰ جناب **عبدالمطلب** بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے :-

حق عبد المطلب بن ہاشم من اہل مکۃ ﴿ یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ

---

[۱] بعض محققین کے نزدیک فہر کے دادا نضر سب سے پہلے قریش کے لقب سے ملقب ہوئے۔ [۲] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان

علی فلان ابن فلان الحمیدی من اهل وزہل	فلاں شخص پر ہے جو صفا کا رہنے والا ہے۔ یہ
صفا علیہ الف درھم فضۃ کیلا بالحل یدق	چاندی کے ہزار درہم ہیں جب طلب کیا جائیگا
ومنشی دعاہ بحا اجابہ شہد اللہ والملکان	تو وہ ادا کریگا۔ خدا اور دو فرشتے گواہ ہیں

ظہور اسلام کے وقت **قریش** میں سخت سے سخت کافر بھی تھے اور وہ بھی تھے جنھوں نے اسلام و پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والصلوات کی دشمنی و ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور وہ بھی ہی تھے جنھوں نے اسلام کی اشاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر قسم کی قربانیاں اور جاں فروشیاں کیں لیکن کفار قریش اور قریشی مسلموں کے نسبی اور قومی عظمت کا اندازہ حضور سرور کائنات کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے :-

عن ابی ھریرۃ قال النبی	یعنی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
صلی اللہ علیہ وسلم	کہ (دین اور پیشوائی) میں سب لوگ قریش کے تابع ہیں اور ہر
الناس تبع لقریش فی ھذا	پر کہ دوسرے قبیلوں کے جو مسلمان ہیں وہ ان قریشی مسلمانوں
الشان مسلمھم تبع لمسلمھم و	کے اور جو دوسرے قبیلوں کے کافر ہیں وہ (قریشی) کافروں کے
کافرھم تبع لکافرھم	تابع ہیں۔

غرضکہ جناب قصی بن کلاب کا نسبی تعلق ایسے باعظمت قبیلہ سے تھا۔

جناب قصیؔ اور انکی اولاد امجاد

جناب قصیؔ کا نام نامی **زید** تھا ان کا لقب قصیؔ اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ بچپن میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے وطن آبائی سے بہت دور جا رہے تھے۔ عربی زبان میں **قصیؔ** اپنے اعزا سے دور دراز مقام پر جا رہنے کو کہتے ہیں **قصیؔ** کے معنی عربی میں بعید اور فاصلہ کے ہیں۔ **قصیاً** عربی میں بہت دور کے معنی میں آتا ہے اس کا مذکر **اقصیٰ** ہے جیسے مغرب اقصیٰ وغیرہ۔

وکان زھرۃ بن کلاب کبیرا فترک عند	قصی کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب کو تو ان کی قوم میں چھوڑ گئے
قومہ ورحلت زیدا معہا لانہ کان فطیما	اور زید یعنی قصی کو اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ وہ کمسن تھے اور ...

فسمی قصیا لانہ اقصی عن دارہ[1] نام قصی اس سے پڑ گیا کہ وہ اپنے وطن سے یا دو نا مدر چلے گئے تھے جناب زید الملقب بہ قصی اپنے زمانہ کے مشہور سردار قریش ہوئے انہوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے تمام قبائل قریش کو باہم متحد کیا اور اس وجہ سے ان کا ایک اور لقب مجمع یعنی جمع کرنے والا پڑ گیا تھا بعض اسی وجہ سے ان کو لقب قریش سے بھی ملقب کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ؎

ابوکم قصیٌّ کان یدعیٰ مجمّعًا ۔۔۔ بہ جمع اللّٰہ القبائل من فہرٍ

تمہارے جد قصی ہیں انکو مجمع بھی کہا جاتا ہے ۔۔۔ کیونکہ انکے ذریعہ اللہ نے اولاد فہر (قریش) کو متحد کر دیا تھا

ایک عیسائی مصنف جناب قصی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"قریش کے سردار قصی ابن کلاب بن مرّہ تھے جو علاوہ اپنی ذاتی شرافت کے بہت بڑے حلیم، عاقل و دانشمند اور ذی جاہت تھے، متولی کعبہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا جس سے غرض یہ منظور تھی کہ کعبہ کی سدانت (تولیت) بھی پھر بنی قریش کے قبضہ میں آ جائے ......
چونکہ خانہ کعبہ کے متولی کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مکہ کا بہت بڑا سردار ہو اسلئے قصی نے تمام قریش کو جمع کر کے اپنی سرداری حیثیت کی لوگوں نے ان کو بخوشی اپنا سردار اور آقا تسلیم کر لیا۔ قصی نے مکہ کے چار حصے کئے، مکانات بنائے۔ اس وقت سے مکہ بڑی رونق سے آباد ہوا" [2]

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں فرماتے ہیں:۔

"نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا ..... قصی نے ایک دارالمشورہ قائم کیا جس کا نام دارالندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی طیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم یہیں ادا ہوتے،

---

[1] عمدۃ الطالب مطبوعہ ص۱ ۔۔۔ [2] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان

قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ اور رفادہ خدمت حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سیکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، انکی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے، مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے، جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے تھے، چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے، قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا......۔"[1]

جناب قصیّ کی اولاد کے کارنامے

اس مشہور سردار قریش یعنی جناب زید الملقب بہ قصی کے چار اور بروایت دیگر چھ فرزند ہوئے، یعنی عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد الدار اور عبد قصی۔ یہ چاروں امیرزادے اپنے زمانہ کے نامور زعمائے قریش سے ہوئے۔ ان میں ایک کی نسل منقطع ہو گئی یعنی آخر الذکر کے دو بیٹے منبہ اور وہب ہوئے لیکن ان سے نسل نہیں چلی۔ بقیہ تین بھائیوں سے وہ تین جلیل القدر خاندان متفرق ہوئے جنہوں نے اپنے علم و فضل، اپنی سیادت و قیادت، اپنی جہانبانی و جہانگیری اور اپنے لازوال اور تابناک کارناموں سے تاریخ عالم میں ممتاز جگہ حاصل کی یعنی عبد مناف سے خاندان **بنی ہاشم** **بنی امیہ**، عبد العزیٰ سے خاندان **اسد و زبیر**، عبد الدار سے خاندان **ابو سعد بن ابو طلحہ**۔ ان تمام خاندانوں کے ایک ایک فرد کا نام، اس کے حالات، اسکے کارنامے اور اس کے مشاغل دنیا کو معلوم ہیں، کیا ان ہی مشہور و معروف، کیا ان ہی باعظمت و جبروت، کیا ان ہی

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول۔ صفحہ ۱۱۱ ۔ [2] Geneologische Tebellen der Arabwchen Slämme und Familian (Wästenfeld)

جامع فضائل و مکارم، کیا ان ہی معدن تہذیب و تمدّن خاندانوں سے ہندوستان کے وہ قبائل اپنا نسبی تعلق پیدا کرنے کے آج مدعی بنے ہیں جن کی تمدنی پستی، جن کی قومی سیرت، جن کی ادنیٰ حالت کا تھوڑا بہت اندازہ علّامہ آلوالفضل کے اُس فقرہ سے ہو سکتا ہے جو کسی دوسری جگہ نقل ہے، جنکو اُن کے پیشہ اور پست حالت کی بنا پر اسلامی سلطنت میں بحکم شاہی دوسری پست اقوام کی طرح باشندگان شہر سے دور رکھا جاتا تھا اور مسلمانوں کے کسی شریف طبقہ میں شمار نہ ہوتا تھا۔ کجا سرداران قریش کے وہ نامور خاندان جن کے ایک ایک فرد نے ربع مسکون میں عظیم الشّان سلطنتیں قائم کیں کجا ہندوستان کے وہ جدید مدعیان قرشیت جن کے سیکڑوں خاندان اسی خاندان قریش کے اُن چند افراد کی اولاد کے جو ہندوستان کے اور مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آکر سکونت پذیر ہوئے زیر دست اور رعایا کی طور سے نسلاً بعد نسلٍ ادنیٰ حالت میں زندگی بسر کرتے رہے!

سچ ہے کہ بہر کیف سارے زمانے خاندان قریش کا وہ دبدبہ اور جہانگیری اب باقی نہیں لیکن ان کی گذشتہ عظمت کی یادگاریں آج بھی دنیا میں باقی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہینگی

جہاں کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک کہ نقش قدم ہیں نمودار اب تک
ہیں سیلون[1] میں ان کے آثار اب تک انہیں رو رہا ہے ملیبار[2] اب تک

ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر
نشاں ان کے باقی ہیں جبرالٹر[3] پر

نہیں اس طبق پر کوئی برِّ اعظم نہوں جس میں اُنکی عمارات محکم
عرب ہند مصر اندلس شام دیلم بناؤں سے ہے ان کی معمور عالم

---

[1] سیلون یعنی لنکا ہندوستان سے متصل جنوب میں مشہور جزیرہ۔ [2] ملیبار ہندوستان کے جنوب میں بحر ہند کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ [3] جبرالٹر کو جبل طارق اور جبل الفتح کہتے تھے۔ اس سے بگڑ کر جبرالٹر ہوا مشہور فاتح طارق

سرِ کوہ آدم[1] سے تا کوہ بیضا[2]
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے ان کا

وہ سنگیں محل اور وہ انکی صفائی
جمی جن کے کھنڈروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی
وہ مسجد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانہ نے گو ان کی برکت اٹھالی
نہیں کوئی ویرانہ پر ان سے خالی

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے
مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے
وہ اجڑا ہوا کرّ و فر جا کے دیکھے
جلال انکا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

ہوا اُندلس ان سے گلزار یکسر
جہاں ان کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر
یہ ہے بیتِ حمرا[3] کی گویا زباں پر
کہ تھے آلِ عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

خاک میرٹھ پر بھی اسی آلِ عدنان کے، اسی خاندان قریش کے، ان ہی ہاشمیوں طاہرین کے، جو سید القریش ہیں، بعض افراد آئے، یہیں ڈیرے جمائے، یہیں متوطن ہوئے، اپنے موروثی علم و فضل، اپنے خاندانی روایات، اپنے روحانی فیض سے ایک عالم کو مستفیض کیا، شجاعت

(گذشتہ سے پیوستہ)

اندلس کی مہم میں اوّل اسی پہاڑ پر مقیم تھا۔ [1] اسپین میں جو سلسلہ پہاڑوں کا ہے اس میں سب سے اونچی چوٹی قلعہ آدم یا کوہ آدم ہے۔ [2] اندلس میں ایک پہاڑ کی چوٹی جو ہمیشہ برف سے سفید رہتی ہے، عرب اس کو قلعۂ بیضا کہتے تھے اسکا قدیم نام شیرا ہے۔ [3] حمرا شہر گرینڈا یا غرناطہ میں ایک عمارت کا نام ہے۔

ہاشمی وجلادت حیدری کے جوہر دکھائے، اُن کے لازوال کارناموں سے تاریخ کے صفحات پر ہیں، وہ قرطبہ وبغداد کے محلات نہ سہی، وہ امروہہ کے ایوانات ومکانات ہی سہی، وہ میران سید عبدالماجد کے معمرہ قلعہ اور دیوان سید محمود کی عمارتوں کے آثار، وہ سید اسد اللہ خاں، سید علی اعظم خاں گھڑیال والے اور دوسرے امرا کے ایوانوں کے شکستہ محراب ودر، وہ سید ابدال محمد، امیر کلو، شیخ محمد عارف، سید عبدالخالق وغیرہ کی معمرہ مسجدوں کے گنبد ومینار، وہ امروہہ کے سادات وشرفاء کے صدہا دیوان خانوں، محلسراؤں، درگاہوں، خانقاہوں کے شکستہ کنگرے، غرضکہ اس چھوٹے سے شہر کی عمارتوں کی ایک ایک اینٹ آج اس سفلہ پرور زمانے میں بھی خاندان قریش کے اُن چند افراد کی نسلوں کے کارناموں، اُنکی گذشتہ عظمت انکے اجڑے ہوئے کروفر کی داستانیں زبان حال سے سُنا رہی ہے جو کبھی امروہہ آکر آباد ہوئے تھے۔

کیا امروہہ کے جدید مدعیان قرشیت کی "قرشیت" کا کوئی ثبوت، زیادہ قدیم نہ سہی، اب سے نصف صدی، چہارم صدی پہلے ہی کا کوئی ادنیٰ ثبوت، اینٹ اور چونے کی شکل میں اس سرزمین امروہہ پر بھی بتایا جاسکتا ہے؟ تنقیداً نہ سمجھا جائے محض اظہار واقعہ کے لحاظ سے عرض کرتا ہوں ان بیچاروں کے پاس تو انگل بھر زمین بھی اپنی ملکیت کی کبھی نہ تھی وہ ان ہی صحیح النسب قرشیوں کے رعایا کے طور سے، خام وخس پوش مکانوں میں رہتے آئے ہیں، جن سے آج نسبی تعلق ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے!

امروہہ کے قسائیوں، سفید باقوں (جولاہوں) اور بعض دیگر پیشہ ور اقوام کے بعض افراد نے اگرچہ انقلاب سلطنت کے بعد سے اراضیات خرید کر مکانات مسکونہ بنائے ہیں لیکن ان کا کثیر حصّہ اب تک سادات وشرفا کی حلوکسراؤں اور اراضیات میں بطور رعایا وکرایہ دار ساکن ہے۔ بعض لوگ حکومت کے مروجہ قانون میعاد کی بدولت مالکانہ قابض ہوگئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سنہ ۱۲۶۰ھ کی ایک دستاویز کی نقل ذیل میں درج کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

جس میں قصابوں، سفیدبافوں (جولاہوں) دھوبیوں و چھپیرہ و مالی و گلفروش وغیرہ کی سکونت کی سراؤں کا تذکرہ ہے —

شجاعت علی حسینی ۱۱۳۰

سید منیر علی حسینی ۱۱۰۶	سید ظفر علی حسینی ۱۱۳۹	عنایت علی حیدری ۱۱۴۰	غلام قطب الدین حسینی ۱۱۶۳

اقرار معتبر شرعی کردہ مُجبر با اسم و نسب خود مسمّٰی سید شجاعت علی بن سید منیر علی بن سید غضنفر علی ساکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال صحیح اقرار بیں وجہ کہ انچہ حصّہ شرعیہ منجملہ قطعہ کاشت موسوم چبوترہ و سرائے سکونت قصاباں ....

کہ در گنج و بازار جدید متعلقہ سید محمد اسد اللہ داخل شدہ و زمین خانہ و دوکان نال بند و خانہائے سفید بافاں و گازراں و چھپیرہ و مالی گلفروش و در حویلی سکونت صالح محمد خان و حویلی سکونت مراد بخش کہ در باورچی خانہ وغیرہ متعلقہ سید محمد اسد اللہ مذکور داخل است و در دیوانخانہ انچہ حصّہ شرعیہ محمد اسد اللہ مذکور مقرر است از انجملہ یک صد و ہفتاد مکسّر عوض زمین ہا صدر گرفتہ از سید محمد اسد اللہ بن سید مصطفیٰ علی بن سید منیر علی مبادلہ نمودیم و انچہ حصّہ من مقر در زمین ہا مذکورات صدر بود در قبض سید محمد اسد اللہ کردایم و زمین منجملہ دیوانخانہ عوض آن در تصرف خود آوردیم تقابض البدلین بین المتعاقدین حاصل گشت بنابر آن این چند کلمہ بطریق عوض معاوضہ نوشتہ دادہ شد کہ تا فی الحال عند الحاجت حجت گردد - کان ذالک تحریراً فی التاریخ یازدہم شہر جمادی الثانی سنہ ۲ مطابق سنہ ۱۱۶۰ ہجری یک ہزار یک صد و شصت ہجری —

کیا کوئی صحیح النسب قریشی دوسرے قریشی کا، کوئی صحیح النسب ہاشمی دوسرے ہاشمی کا پروردہ ہوسکتا تھا؟ زیر دست ہوسکتا تھا؟ رعیّت ہوسکتا تھا؟ کیا اسلامی سلطنت میں کسی صحیح النسب عربی قبیلہ کے افراد کی ایسی پست حالت ممکن تھی جو جدید مدعیان قریشیت کی ہمیشہ سے رہی ہے؟ آج کے دورِ تنزّل و انحطاط میں، آج کے " روزگار سفلہ پرور " میں جو چاہے کوئی بن جائے، آج کوئی ذات کا بھنگی، ذات کا چمار بپتسمہ و اسطباغ لیکر، انگریزی پڑھ کے حکومت کی کرسی پر بیٹھ

توکیا اس سے اس کا نسب بھی بدل جائے گا؟ آج کوئی قسائی کسی قریشی کی جائیداد کسی سید کا دیوانخانہ خرید لے تو کیا نسباً وہ قریشیت وہاشمیت کا مدعی بھی بن جائے گا۔؟

ایک لچر اور پوچ دلیل قسائیوں کے عربی النسل ہونے کی ایک لچر اور پوچ دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ ان کی زبان پر عربی زبان کے مستعمل الفاظ اُنکے پیشہ کی مصطلحات کے طور سے اب تک جاری ہیں۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے جس کی حقیقت اس سلسلہ میں ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے ذیل میں وہ چند الفاظ' یا بہ عبارت صحیح' اُن کی مسخ شدہ صورت اور ان کے مقابلہ میں صحیح عربی الفاظ لکھتا ہوں جو کم ازکم امروہہ کے قسائیوں میں مستعمل ہیں:۔

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	صحیح عربی لفظ	اردو لفظ
۱	ختنا	واحد	ایک
۲	جُدختنا	اثنان	دو
۳	دَھلّا	ثلثہ	تین
۴	رَبّا	اربع	چار
۵	کھمس	خمسہ	پانچ
۶	چھس	ستہ	چھ
۷	ستّا	سبع	سات
۸	ماجی	ثمانیہ	آٹھ
۹	اُنامُر	تسع	نو
۱۰	آسر	عشرہ	دس
۱۱	کھمس ابن	خمس وعشرون	پچیس
۱۲	جڑپہ ڈیگا	اثنان وثلاثون	بتیس

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	عربی الفاظ	اردو
۱۳	کھمس اگلا ڈینگا	خمس وثلاثون	پینتیس
۱۴	یاج	اربعون	چالیس
۱۵	آدھی لان	خمسون	پچاس
۱۶	لان	مائۃ	سو
۱۷	کھڑے	خمسون ومائۃ	ڈیڑھ سو
۱۸	جوڑے	مائتین	دوسو

گوشت کے پارچوں کے نام

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	عربی الفاظ	اردو
۱۹	موڑ سینگ		پٹھہ
۲۰	مقدم	مقدم	ران کا اگلا حصہ
۲۱	شیک	ورک	ران کا اوپر کا حصہ
۲۲	کموج	فخذ	ران
۲۳	پھرک	ورک	ران کا پیچھے کا حصہ
۲۴	بکھا	عنق	گردن
۲۵	پنجے	صُلب	پسلیاں
۲۶	اسپلت	سلیمہ	بایاں حصہ
۲۷	نِس	خنجرہ	نرخرہ
۲۸	مانجی	قلب	دل

مختلف الفاظ

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	عربی الفاظ	اردو
۲۹	کاندو	ھندی	ہندو
۳۰	حبشی	جاموس	بھینس
۳۱	تنجبر	بقر	گائے

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	عربی الفاظ	اُردو
۳۲	ڈہوریا	ثور	بیل
۳۳	بہیری	عجیل	بچھیا
۳۴	بہیرا	"	بچھڑا
۳۵	ڈیکی	"	کٹریا
۳۶	ڈینگا	"	کٹرا
۳۷	ہرکٹنی	فیل یا فرس	گھوڑی
۳۸	خیدلا	سیدنا و مولٰنا	سید و مولوی
۳۹	پتیرا	الناس	عوام
۴۰	بپڑا	قماش (قمشہ)	کپڑا
۴۱	گل کرنا	تکلم	بات کرنا

ان الفاظ میں صرف آٹھ نو الفاظ ایسے ہیں جن کو عربی کے بعض الفاظ سے کچھ مشابہت حاصل ہے باقی ان کی اپنی خاص زبان کے الفاظ ہیں۔ ان عربی نما الفاظ کی مسخ شدہ صورت ہی اس کا صاف اظہار کر رہی ہے کہ یہ الفاظ استعمال کرنے والوں کی خود اپنی مادری زبان کے الفاظ ہرگز نہیں بلکہ یہ اس غیر قوم کی زبان کے چند الفاظ ہیں جن سے استعمال کرنے والوں کے آبا و اجداد کا کاروباری تعلق عرصۂ دراز تک رہا اسی عربی بولنے والی قوم نے ان کو مسلمان کیا۔ قصابی یا تو ان کا پہلے سے پیشہ تھا یا اسلام لانے کے بعد مقرر ہوا۔ غرضیکہ جو صورت بھی ہو گا شے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں سوائے اسی عربی بولنے والی قوم کے اور کسی دوسری قوم سے چونکہ ان کا کاروباری تعلق مطلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا گنتی کے چند لفظ گوشت کے بار چوپا کے چند نام جو بول چال میں اس حکمراں عربی قوم کے افراد ادائے مطلب کے لئے ان قصابوں سے بولتے وہ انہوں نے بعینہ اسطرح اخذ کر کے اپنی پیشہ کی مخصوص مصطلحات بنالئے جس طرح

آج ایک بوچڑ Butcher ، ہندوستان کے ان مقامات پر جہاں انگریزوں یا یورپین حضرات کی آبادی زیادہ ہوتی ہے، چند انگریزی الفاظ مسخ شدہ صورت میں استعمال کر لیتا ہے۔ ساں بوچڑوں کی زبان پر یہ چند انگریزی الفاظ کچھ اس طرح چڑھ جاتے ہیں کہ انگریزوں کے علاوہ ہندوستانیوں سے بھی کاروباری گفتگو میں اکثر یہی الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہوا اس زمانہ میں کہ قسائیوں کی ادعائے قریشیت کا اظہار شروع ہوا تھا۔ میں دیرہ دون میں ایک عزیز کے بنگلہ پر، جو انگریزی طرز معاشرت رکھتے ہیں، مقیم تھا۔ ایک دن ان عزیز کے خانساماں نے کسی بوچڑ (قسائی) کو جس کے خراب گوشت دینے کی شکایت تھی اپنے آقا کے سامنے پیش کیا۔ باوجودیکہ وہ بوچڑ کسی انگریز سے نہیں بلکہ ہندوستانیوں سے گفتگو کر رہا تھا تاہم وہ اپنی ٹوکری میں سے گوشت کے پارچے نکالتا اور دکھا دکھا کر کہتا جاتا تھا کہ صاب دیکھیے یہ پھریس مٹن (Fresh mutton) ہے۔ یہ سلیس (slice) کیسا عمدہ ہے، یہ لگ (Leg) کیسا نیس (nice) ہے۔ میں اس کی زبان سے اس قسم کے چند مسخ شدہ انگریزی الفاظ سنکر سوچنے لگا کہ اگر ہندوستان میں انگریزوں کی سلطنت، ان کی آبادی چند صدیوں تک اور باقی رہی، اور اس بوچڑ کی نسل میں چند افراد نے عیسوی مذہب قبول کر کے یا انگریزی طرز معاشرت اختیار کر کے یہ دعویٰ پیش کر دیا کہ چونکہ ہمارا لقب انگریزی کا لفظ بوچڑ (Butcher) ہے اور ہماری زبان میں بھی چند انگریزی لفظ شامل ہیں لہٰذا ہم اینگلو سیکسن (Anglo-saxon) قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں یا فرڈیننڈ دی گریٹ (Ferdinand the Great) کی اولاد میں ہیں، انگریزی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے اور گوشت فروشی کی وجہ سے ہمارا لقب Butcher پڑ گیا۔ غور طلب سوال یہ ہے کہ اس بوچڑ کی اولاد کے دعوئے انگریزیت اور آج کے قسائی صاحبان کے دعوئے قریشیت میں کیا فرق ہوگا! ہندوستان کے بعض ان مقامات پر خواہ وہ Hill stations (پہاڑی مقامات) ہوں یا میدانی علاقہ کے بعض شہر جن میں اینگلو انڈین و یوروپین حضرات کی زیادہ آبادی ہے، کیا کبھی آپ نے کسی ہندوستانی

تاجر و دوکاندار کو کسی انگریز سے کاروباری گفتگو کرتے نہیں سنا، جو مثلاً کہتا ہے "صاحب! اس کا پرائس (Price) پھائیف رُوپی پھور آنہ (Five rupees and four annas)' بس صاحب ایک بات' خواہی ٹیک یعنی (You may purchase) کے بجائے خواہی نوٹیک یعنی (You may not purchase)

تو کیا ان مسخ شدہ اور غلط الفاظ کا زبان پر چڑھ جانا اور عادتاً کاروباری گفتگو میں ان کا ادا ہونا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان الفاظ کے بولنے والے اینگلو سیکسن قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں؟ یہ اگر صحیح نہیں تو پھر قصائیوں کی زبان پر جو چند مسخ شدہ اور غلط الفاظ اور مصطلحاتِ پیشہ رائج ہیں وہ ان کی عربیت یا قریشیت کی کیونکر دلیل ہو سکتے ہیں؟ [illegible]

مختلف زبانیں بولنے والی قوموں کے اختلاط اور میل جول سے غیر زبان کے جو الفاظ مروج ہوتے ہیں ان کی مثالیں ہندوستان کی زبانوں میں بکثرت مل سکتی ہیں۔ عہدِ مغلیہ اور اس سے قبل کے ہندو شاعروں کے دوہروں کو دیکھیے، برج بھاشا میں کہے گئے مگر جابجا فارسی اور عربی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ کبیر شاعر بنارس کے رہنے والے محض ان پڑھ، گرو رامانند کے چیلے اور کبیر پنتھیوں کی مت کے بانی ہیں، فرماتے ہیں ؎

دین گنوایو دنی سے دنی نہ آیو ہاتھ   پیر کلہاڑی ماریو گا غافل اپنے ہاتھ

کبیر سیر پر سر آہے کیوں سووے سکھ چین   کوچ نگارا (نقارہ) سانس کا باجت ہے دن رین

اسی طرح گرو نانک صاحب کے کلام میں عربی و فارسی کے الفاظ بکثرت ہیں، مثلاً

ساس ماس سب جیو تمھارا   تو ہے کھرا پیارا

نانک شاعر ایو کہت ہے   سچے پروردگارا

بابا تلسی داس برہمن ذات ضلع باندہ کے رہنے والے سنسکرت داں رامائن کا ترجمہ برج بھاشا میں کرتے ہیں، مگر فارسی الفاظ بلا تکلف استعمال میں لاتے ہیں ؎

گھر بسواس بچن بہت بولے   کتنی بھنگ کلہ بھی کھولے

رام اہنگ گریب نوا جے | لوک بید بربرد براجے
ملیا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ | تلسی داس گریب کی کوئی نہ پوچھے بات

ایسی مثالیں بکثرت بیان کی جا سکتی ہیں۔ انگریزی زبان کے الفاظ جس طرح آج اردو میں مستعمل ہیں اس سے تو ہر شخص واقف ہے لیکن آج سے ڈھائی سو برس پہلے جب شمالی ہند میں شاید کوئی فرد واحد بھی انگریزی زبان سے آشنا نہ تھا انگریزوں کے میل جول سے صدہا الفاظ انگریزی و پرتگالی کے بول چال میں استعمال ہونے لگے تھے حتیٰ کہ اس زمانہ کے شاعر اپنے کلام کو ان سے زینت دیتے تھے۔ ذرا سید انشاء کے مشہور قصیدہ تہنیت جشن کو پڑھیے قریب قریب ہر شعر میں کوئی نہ کوئی لفظ انگریزی یا پرتگالی کا ملیگا۔ یہاں چند شعر نقل کرتا ہوں ؎

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر | کرسیٔ ناز پہ جلوہ کی دکھاوے گا پھبن
سنترن بھی نئی صورت کا دکھاویگا رنگ | کوچ پر ناز کی جب پاؤں رکھیگا بن ٹھن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کرینگے حاضر | آکے جب غنچۂ گل کھولینگے بوتل کا دہن
تنے ہل ہل کے بجاوینگے فرنگی طنبور | لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تار رگِ ابر بہاری سے کئی | خود نسیم سحر آوے گی بجاتی ارگن
اردلی کے جو کراں ڈیل ہیں ہاں گل سب جمع | آن کر اپنا بگل پھونکیگا جب سخن رس

گھوڑے کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

ہو اس آفت کا سبک سیر کہ راکب اسکا | حاضری کھائے جو کلکتہ تو لنڈن میں ٹفن

تو کیا جس طرح ہندوؤں کی زبان پر مسلمانوں کے میل جول سے عربی و فارسی کے الفاظ اور انگریزوں کے اختلاط سے ہندوستانی شاعروں کے کلام میں انگریزی الفاظ مستعمل ہونے لگے تھے ہندوستان کی پیشہ ور قوم کا عربی بولنے والی قوم کی بول چال سے چند الفاظ اخذ کرکے استعمال کر لینا اور وہ بھی صرف اُن ہی پیشہ وروں کا استعمال کرنا جن کا کاروبار

محض عربی بولنے والی قوم کے ساتھ عرصہ دراز تک رہا کسی دوسری قوم کے ساتھ نہیں رہا اور وہ چند الفاظ بھی جو صرف کاروباری گفتگو کے الفاظ ہوں کیا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتے ہیں کہ یہ غلط اور مسخ شدہ الفاظ اُن کی اپنی مادری زبان کے الفاظ ہیں جبکہ قصابوں کی زبان پر تو اِن میں کا ایک لفظ بھی نہیں اور اسلئے نہیں کہ اُن کے پیشہ کا تعلق صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہ تھا جن کی زبان ابتداءً عربی یا عربی آمیز فارسی تھی، بلکہ بکرے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں ہندوستان کی دیگر گوشت خور قوموں سے بھی برابر کا تعلق رہا۔

عربی فارسی کے بہت سے الفاظ مسخ شدہ صورت میں عرصہ دراز سے ہندوستانی زبان بولنے والی تمام قوموں کی زبان پر رائج ہیں تو کیا وہ اُن کے عربی النسل ہونے کی دلیل میں پیش کئے جا سکتے ہیں ایسے چند الفاظ کا یہاں لکھنا غالباً بے محل نہ ہوگا۔

افراتفری (افراط تفریط)، **پجاوہ** (پزاوہ)، **تار تلا** (تار طلا)، **ہمام دستہ** (ہاون دستہ)، **کھنگل** (کاہ گِل)، **کھیسا** (کیسہ)، **توبہ تنسوہا** (توبۂ نصوحا)، **تانے تشنے** (طعن و تشنیع)، **ٹاٹ باقی** (تار بانی)، **جھاڑو** (جاروب)، **بچے منڈل** (بدیع منزل) وغیرہ

ہندوستان میں صحیح النسب عربی خاندان مختلف اقطاع ملک میں مختلف زمانوں سے آباد ہیں ایسے بھی ہیں جن کو ہندوستان آئے صدیاں گذر گئیں اور ایسے بھی جن کو کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا کیا ان میں سے کسی کی زبان پر اس قسم کے مسخ شدہ اور غلط الفاظ باقی ہیں؟ آخر ان کی زبان پر کیوں باقی نہیں اور قصائیوں کی زبان پر اب تک کیوں باقی ہیں؟ سوچنے کی بات ہے، صحیح النسب عربی خاندانوں کی زبان پر اسلئے باقی نہیں کہ وہ اُن کی مادری زبان تھی، ہندوستان میں اُن کی جو نسلیں پیدا ہوئیں، جس مقام پر پلیں بڑھیں وہاں کی مروجہ زبانوں نے اُن کی مادری زبان کی جگہ لے لی، قصائیوں کی مادری زبان چونکہ عربی نہیں تھی بلکہ صرف یہ چند الفاظ انہوں نے اولاً عربی زبان بولنے والوں کی بول چال سے

اپنے اِس کاروبار اور اپنے اِس پیشہ کے متعلق حاصل کئے تھے جبکا تعلق ابتداءً صرف ان ہی عربوں سے تھا کسی اور قوم سے نہ تھا اسلئے وہ ہی چند الفاظ' جو محض کاروباری گفتگو کے الفاظ ہیں' اگلی دو چار نسلوں کے بعد اُن کے پیشہ کی مخصوص مصطلحات بن گئے'' اُن کا **ڈھلا** عربی زبان کا **ثلثہ** نہیں تھا بلکہ ان کے پیشہ کا ڈھلا تھا وہ ڈھلا آج تک چلا جاتا ہے' ان کا **کھمس** عربی کا **خمسہ** نہ تھا بلکہ ان کے پیشہ کا **کھمس** تھا چنانچہ وہ آج تک اپنی اسی ہیئت کذائی کے ساتھ باقی ہے اور علی ہٰذا القیاس

یہ تو مسخ شدہ عربی الفاظ کا حال ہے لیکن یہ **خستا** اور **جورخستا** کس زبان کے لفظ ہیں! جد واحد اور داستان کے معنی میں مستعمل ہیں۔ آپ اگر **خستا** اور **جورخستا** کو ذرا بلند آواز سے کہئے تو ایک ہی آواز میں ان کی عربیت کا بھانڈا پھوٹ جائیگا۔ ہاں' ذرا چلا کر کہئے تو' **جورخستا**! اس سے عربیت ٹپکتی ہے یا سندھیت و بلوچیت!!

ان الفاظ کے علاوہ اگر اُن فقروں اور اُن الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو یہ لوگ اپنی خاص بولی میں استعمال کرتے ہیں تو یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ ان کا نسبی تعلق ہرگز و زنہار کسی عربی قبیلہ سے نہیں ہے بلکہ سندھ و بلوچستان کی کسی ادنٰی قوم سے ہے۔ مثلاً یہ کہتے ہیں:۔

کانڈو کے سے لیڑا کڈ لاو ان:۔ یعنی ہندو کے سے کپڑا خرید لائیں۔

بہترا کگال لیاہے:۔ یعنی خبر دیکھ رہا ہے۔

لتنین تہک رہی ہیں:۔ عورتیں بیٹھی ہیں۔

یہ **لتنین بڑی سیلائی ہیں آؤ تہنگ جاؤ**:۔ یہ عورتیں بڑی خوبصورت ہیں آؤ بیٹھ جائیں **بہکر کو تہنکا دو** اور **لاپ لو**:۔ یعنی گائے کو ڈھا دو اور کاٹ لو۔

اسی طرح اور بہت سے فقرے ہیں جن میں لفظ ہیں تاہم کے سوائے مسخ شدہ سندھی اور بلوچی الفاظ شامل ہیں۔

خصائص قومی

نوعِ انسانی کی مختلف شاخوں کے نسبی معاملات کا ثبوت اور اسکا صحیح اندازہ علم الانساب کی کتابوں، کرسی ناموں کے اوراق اور شجرہائے نسب کے بوسیدہ چیتھڑوں سے کہیں زیادہ ان اقوام کی عادات و خصائل شکل و شمائل اور خصوصیات قومی سے ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان کے ان جدید مدعیان قرشیت کا کوئی دُور کا واسطہ و تعلق بھی قوم عربی سے نہیں پایا جاتا۔

اہل عرب کی صفائی ذہن اور فطری سرعت فہم دنیا میں مسلّم ہے برخلاف اسکے ہندوستان کے ان مدعیان عرب نژادگی کی کند ذہنی مشہور ہے۔ زبان دانی اور فصاحت و بلاغت عرب کے ایک ایک فرد کا مخصوص جوہر تھا، کُلِّ اعرابی و عدنانی فصاحت دنیا میں مشہور ہے۔ اپنے علاوہ تمام دنیا کو انہوں نے عجم (یعنی ژولیدہ بیان) کا خطاب دے رکھا تھا۔ عرب سے باہر جہاں گئے اور جس ملک میں جاکر ڈیرے جمائے یہ فطری جوہر بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ بازار **عکاظ** کا سماں ہر جگہ جا رہا، فارسی ہو یا اردو سندھی ہو یا پنجابی ہر زبان میں فصاحت کے دریا بہا دیے۔ ان زبانوں کے چوٹی کے شعرا کی فہرست اٹھا کر دیکھو اس میں کوئی **میر تقی میر** ہاشمی ہوگا، کوئی شیخ **غلام ہمدانی مصحفی** قریشی۔ کیا جدید مدعیان قرشیت کسی قصائی شاعر کا نام پیش کر سکتے ہیں۔؟

اقوام عالم میں صرف اہل عرب ہی اپنی اس خصوصیت میں ممتاز و منفرد رہے ہیں کہ انکے جاہل سے جاہل افراد بھی اپنے انساب محفوظ رکھتے تھے۔ انسان تو انسان وہ اپنے جانوروں یعنی گھوڑوں، اونٹوں حتیٰ کہ کھجوروں کی نسلیں تک جانتے اور ازبر رکھتے تھے۔

> "عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں معدوم تھیں مثلاً **انساب** کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے مسلسل دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں کے

گذر کر گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ [1]

اہل عرب اور قریش عرب سے نکلکر جہاں بھی گئے اور جس ملک میں بھی جاکر بسے یہ قومی خصوصیت اپنے ساتھ لیتے گئے۔ آج ہندوستان کے اندر خاندان قریش کی جو صحیح النسب نسلیں آباد ہیں ان میں انساب کے محفوظ رکھنے کا اہتمام سلف سے برابر چلا آتا ہے۔ کیا یہ جدید مدعیان قرشیت بھی نہیں دس بارہ پشت تک، جناب قصی تک نہیں تو اپنے کسی ہندی بزرگ ہی تک اپنا سلسلۂ نسب مسلسل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟

میں اقوام کے محاسن ورذائل پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا، آج کے حالات سے بحث نہیں، دو تین صدیوں پہلے ہی کا زمانہ چشم تصور میں لاؤ اور دیکھو ہندوستان کے مسلمانوں کے کس طبقہ میں تقویٰ، زہد و تقویٰ، عصمت وعفاف، احسان وکرم، حلم وعفو، عزم وثبات، ایثار ولطف، غیرت واستغنا رکے نمونے ملتے ہیں۔ کیا ہندوستان کے ان جدید مدعیان قرشیت کے افراد کے اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت میں کوئی خفیف سے خفیف اور ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ بھی قریش تو قریش مسلمانان ہند کے کسی شریف النسب طبقہ سے پایا جاتا ہے۔ اگر پایا جاتا ہے تو اسکا کوئی ثبوت اور اگر نہیں پایا جاتا تو پھر یہ دعویٰ قرشیت کیسا؟

ہندی پیشہ وروں کی قومی خصوصیات

ہندوستان کے پیشہ ور اقوام میں، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان چند خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جو ہندوستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک وقوم کے پیشہ وروں اور بالخصوص عرب وغیرہ میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ سب سے پہلی خصوصیت کسی پیشہ کا ایک ہی قوم ونسل میں متوارث ہو جانا اور نسلاً بعد نسلٍ اس نسل کے افراد کا اپنے آبائی پیشہ کا اختیار کرنا۔ یہ خصوصیت اب تک صرف ہندوستان ہی کو حاصل رہی ہے کہ یہاں ذاتیں اور برادریاں بربنائے پیشہ کے قائم

---

[1] الفاروق صفحہ ۳ مطبوعہ

ہوئیں، اور باپ کے بعد بیٹا اسی پیشہ کو کرتا رہا۔ سلطنت برطانیہ کے زمانے سے البتہ ایسا ہوا ہے کہ بعض پیشہ وروں نے اور اور پیشے بھی اختیار کرنے شروع کر دئیے ہیں لیکن انکی مثالیں خال خال ہیں ورنہ اب بھی بالعموم یہی حالت ہے کہ جولاہے کی نسل سے ہے تو جولاہے کا پیشہ کرے گا، قسائی کی اولاد سے ہے تو بالعموم قسائی کا کام۔ ہندوستان کے علاوہ اور ممالک بالخصوص عرب میں یہ کیفیت کبھی نہیں رہی۔ اسلئے ہندوستان کے قسائیوں وغیرہ کے بعض افراد جو کچھ عرصہ سے عرب نژادگی کے مدعی بنے ہیں اپنی اس قومی خصوصیت کو جو انہیں اپنے ہندو ہم مذہبوں کے ساتھ مشترکاً حاصل ہے، کس طرح مٹا سکتے ہیں؟

دوسری خصوصیت اور سب سے بڑی خصوصیت ان ہندو اور مسلمان پیشہ ور اقوام میں **پنچایت** کا دستور ہے۔ ہندوستان میں جتنے عربی و عجمی النسل خاندان آباد ہوئے کسی ایک میں بھی کبھی **پنچایت** کا رواج نہیں رہا۔ خود "پنچایت" کا لفظ، اس کی اصل، اسکی غرض و غایت، اسکی ہیئت ترکیبی، یہ سب اس کے ہندی ہونے کا بیّن ثبوت ہیں۔ پنچایت کا دستور ہندوستان میں قدیم ترین زمانہ سے ہے اور ہندو دیہاتیوں اور بالخصوص ہندو پیشہ ور تمام اقوام میں پایا جاتا ہے۔ पंच में परमेश्वर "پنچ میں پرماتما" مشہور ہندی مثل ہے۔ پنچایت حقیقتاً برادری اور فرقہ وارانہ تنظیم کے لئے بہت مفید ہے اسکو اگر دانشمندانہ اصول پر چلایا جائے تو باہمی نزاعات کا تصفیہ بخوش اسلوبی ممکن ہے۔ "پنچایت" کے علاوہ ہر پیشہ ور برادری میں **چودھری** یا چودھریوں کا مقرر ہونا، برادری کے فیصلہ سے برادری کے کسی مجرم کا حقہ پان اور حقہ پانی بند ہونا، یہ سب دستور اور رواج ہندی الاصل ہونے کے کافی ثبوت ہیں۔ **چودھری** کا لفظ بھی ہندی لفظ ہے اصل میں **چتر دھر** تھا، بگڑ کر چودھری ہو گیا۔ یہ دستور صرف ان ہی اقوام میں ہیں جو نسباً ہندی ہیں اور یہ وہ قدیم انسٹی ٹیوشن اور دستور ہیں جو اسلام لانے کے بعد تقریباً سے صدہا ہندوانہ مراسم کے ساتھ ان اقوام میں باقی رہے۔

قصائیوں کا نسب

مندرجہ بالا بیانات سے جب یہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ امروہہ وغیرہ کے قصاب نسباً نہ قریشی ہیں اور نہ عربی النسل تو اب یہ سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے کہ آخر وہ کس قوم و نسل سے ہیں یا ہوسکتے ہیں۔

اس مسئلہ پر غور کرتے وقت بعض سطحی معلومات کے لوگ یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ قصابوں کا پیشہ چونکہ گائے وغیرہ کی گوشت فروشی کا پیشہ ہے اسلئے یہ کسی ہندو قوم سے تو ہو نہیں سکتے' لامحالہ ہندوستان کے باہر سے آئے ہونگے۔ لیکن ان لوگوں کا یہ خیال محض بربنائے عدم واقفیت ولاعلمی کے ہے۔ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہندوستان میں "جیوہتیا" کا مسئلہ ہمیشہ سے نہ تھا' ہندو تہذیب و تمدن نے بھی زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ مختلف پلٹے کھائے ہیں' ایسا بھی زمانہ رہا ہے جب گائے' بھینس' گھوڑے' مینڈھوں کی قربانی کرنے کا دستور عام تھا' حیوانی غذا کو بافراط استعمال کیا جاتا تھا' ہندوستان کے مختلف حصص میں ہندوؤں کی گوشت خور قومیں آباد تھیں چنانچہ سندھ وغیرہ سرحدی مقامات کے ہندوؤں اور شمالی ہند کے ہندوؤں کے تمدن میں آج بھی بیّن فرق نظر آتا ہے۔ مسٹر آر۔ سی۔ دت اپنی بے نظیر تصنیف "سویلیزیشن آف اینشینٹ انڈیا"[1] (قدیم ہندوستان کی تہذیب) میں لکھتے ہیں:-

> "یہ امر بآسانی متصور ہوسکتا ہے کہ پنجاب کے قدیم ہندو حیوانی غذا بھی بافراط کام میں لاتے تھے۔ ہم اکثر اشارات **گائے، بھینسوں** اور **بیلوں** کی قربانی کرنے اور گوشت پکانے کی بابت بھی پاتے ہیں۔
>
> دسویں منڈل کے ستروہ کی رچا ۱۴ میں اس سلوک کا ذکر ہے جہاں **گائیں** ذبح کی جاتی تھیں اور نیز اسی منڈل کے ستراوی رچا ۱۴ میں ایک اشارہ **گھوڑے بیل** اور **مینڈھوں** کی قربانی کا بھی دیکھا جاتا ہے۔..........

ا۔ The Civilisation of Ancient India by R.C.Dutt.

آخری زمانوں میں گھوڑے کا بلدان اسومیدھ کے وقت بڑی دھوم دھام کے ساتھ جبکہ کوئی طاقتور راجہ بعد اس کے کہ وہ اپنے ہمسایہ راجاؤں کو مغلوب کر کے ایسا خطاب اختیار کرے جو یورپ میں شاہی خطاب کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہو کثیر موقعوں پر ہوا کرتا تھا..................

رگ وید کے پہلے منڈل کی ۱۶۲ منتر کی ایک رچا کا ترجمہ یہ ہے:-

"۱۳- وہ کفچہ جو ابلتی ہوئی ہانڈی میں ڈالا جاتا ہے، وہ ظرف جس میں یخنی رکھی جاتی ہے، وہ سرپوش جو اس کو گرم رکھتے ہیں، وہ بید جس کے ذریعہ سے گھوڑے کے جسم پر اول خط کھینچا جاتا ہے اور وہ چھری جس سے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے ہیں، تمام آلات گھوڑے کے گوشت پکانے میں مدد دیتے ہیں۔

۱۸- چھری دیوتاؤں کے ایک دوست کے مانند گھوڑے کی چونتیس پسلیوں کے جدا جدا کرنے کو داخل ہوتی ہے.........................." [1]

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ گائے، بھینس، بیل، گھوڑے، مینڈھے وغیرہ کے ذبح کرنے گوشت کاٹنے وغیرہ کا کام اس زمانہ میں ہندوؤں کے کسی فرقہ کو کرنا ہوتا ہوگا، برہمنوں کے اقتدار سے حیوانی غذا کے استعمال کا رواج بعض حصص میں معدوم اور بعض میں کم ہو گیا تھا، تاہم ہندوؤں کی یہ گوشت فروش قوم نیست و نابود نہیں ہوئی تھی، سنہ ۹۳ھ میں جب محمد بن قاسم ثقفی نے ملک سندھ فتح کیا، وہ اور ان کے ہمراہی ثقفی اور انصاری قبائل کے افراد عربی زبان بولنے والے تھے، اس زمانہ میں ہزاروں ہندوؤں نے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا، اس قدیم گوشت فروش قوم کے افراد نے یقیناً قبول اسلام میں دوسروں کے مقابلہ میں سبقت کی ہوگی، اور جس پیشہ کو ان کے آبا و اجداد کرتے تھے اور ہمیشہ کی

---

[1] The Civilisation of Ancient India, by R.C. Dutt.

مذہبی اقتدار کی وجہ سے تقریباً معدوم یا کم ہوگیا تھا انھوں نے پھر اختیار کر لیا ہوگا۔ علاوہ ازیں سندھ اور اس کے قرب وجوار میں بہت سی ایسی قومیں آباد تھیں جو اپنے تمدن و معاشرت میں پست درجہ رکھتی تھیں، اور آج بھی جن لوگوں کو سندھ کے بعض مقامات پر بالخصوص کراچی جانے کا اتفاق ہوا ہو وہ بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ بلوچیوں کی پست اقوام کیچ و مکران کے ادنیٰ طبقہ کے لوگ، مسلمانوں کی ابتدائی یورش کے زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہو کر اسی قسم کی خدمات پر مامور ہوئے جو رفتہ رفتہ ان کے مخصوص پیشے ہوگئے۔ **ختنا** اور **جور ختنا** کے ساتھ ساتھ کچھ مسخ شدہ عربی الفاظ بھی ان کی زبان میں شامل ہوگئے۔

امروہہ وغیرہ کے قصابوں کی قومی سیرت، ان کی اخلاقی پستی اور ان کے عادات و خصائل کا بغور مطالعہ کرنے والا اسکو بآسانی قبول کر لے گا کہ بلوچیوں کی بعض ان پست اقوام کی عادات و خصائل بلکہ شکل و شمائل میں انہیں کہاں تک اور کس حد مماثلت و مشابہت حاصل ہے جو آج بھی کراچی وغیرہ میں بالعموم محنت مزدوری کا پیشہ کرتے ہیں اگرچہ اس دور تنزل و انحطاط میں مسلمانوں کے اونچے سے اونچے طبقہ کے افراد کی اخلاقی حالت کا معیار وہ نہیں ہے جو ایک مسلم کا ہونا چاہیئے یا اُن کے اسلاف کرام کا رہا ہے تاہم ہمارے قسائی بھائیوں کے کردار و گفتار، قول و فعل کا فرق اور غلط بیانی ضرب المثل ہوگئی ہے۔ لغت و محاورے کی کتابوں میں متعدد کہاوتیں اس بیان کی تائید میں ملتی ہیں۔ یوں تو قسائی بھائیوں میں بھی نیک کردار اور راست گفتار افراد موجود ہیں لیکن اردو زبان میں جو امثال مشہور ہیں وہ عمومیت کے لحاظ سے ہیں، بلوچیوں کی ان پست اقوام کے عادات کے متعلق بھی بعینہ یہی شکایت ہے، ان کی شکل و شمائل اور اخلاقی حالت بھی بہت کچھ قسائیوں کی قوم سے ملتی جلتی ہے۔ **ختنا** اور **جور ختنا** وغیرہ الفاظ بھی اسی توجیہ کا پتہ دیتے ہیں اس لئے جو لوگ ان کو نسباً سندھیوں و بلوچیوں کی پست

قوم سمجھتے ہیں وہ شاید سب سے زیادہ صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ زمانۂ حال کے مشہور مؤرخ پروفیسر ای۔ جے۔ ریپسن نے اپنی مبسوط تاریخ میں ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندوں (یعنی Dravidians) کا جنھیں شودر کہا جاتا ہے[1] ایک قدیم فرقہ اب تک بلوچستان کے پہاڑی علاقہ میں موجود ہے۔ یہ لوگ ابتداءً ان ہی اطراف سے ہندوستان آئے تھے۔

نداف و نورباف یعنی دھنے اور جولاہے

جیسا کہ کسی دوسری جگہ ذکر ہو چکا ہے دھنے اور جولاہے حقیقتاً ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم ہونے کے ابتدائی زمانہ میں نیز اس کے بعد بھی ان دونوں قوموں کے ہزاروں خاندان "اونچ" ذات کے ہندوؤں کے ذلت آمیز و ناقابل برداشت برتاؤ سے نجات حاصل کرنے کے لئے بعض دوسری شودر اقوام کی طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد بدستور اپنا آبائی پیشہ کرتے رہے۔ ہندو **کوریوں** سے امتیاز کی خاطر فارسی زبان نے انہیں **جولاہہ** کا لقب دیا۔ بعض مقامات پر اپنے ہندو ہم قوم اور ہم پیشوں کے مقابلہ میں یہ **مومن** کہلائے۔ رفتہ رفتہ ان کے لئے 'مومن' 'نورباف' و 'سفید باف' اور دھنوں کے لئے **نداف** وغیرہ الفاظ استعمال ہونے لگے۔

فارسی زبان میں کپڑا بننے والے کو **جولاہ** یا **جولاہہ** کہتے ہیں۔ خاقانی کہتا ہے ۔ ع

"جولاہہ نژادیم از سوئے جدہ" صاحب فرہنگ آنند راج لکھتا ہے :-

جولاہہ و جولاہ ہر دو صحیح باشد یعنی بافندہ پارچہ کسیکہ جلاہی و جلاہی خوانند غلطی کنند[2]	جولاہہ و جولاہ دونوں صحیح ہیں جو کپڑا بننے والے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جو لوگ جلاہی جلاہی پڑھتے ہیں غلطی کرتے ہیں

---

[1] The Cambridge History of India Vol. I page 42 & 43.

[2] فرہنگ آنند راج

بعض فارسی نویس صنعت پارچہ بافی کو "حرفت[1] جولاہی" لکھتے ہیں لیکن اردو میں مرد کو جولاہہ اور عورت کو جولاہی یا جولائی کہتے ہیں مثلاً ابا آلی امروہوی فرماتے ہیں ؎

وہ خیالات سے کے عاشق مسلمان گبر   وہ وہ الفاظ کہ کہتی نہ جولاہی دُھنی

مسٹر جان بیمس لکھتے ہیں :-

"**جولاہہ** - یہ لوگ بالعموم غریب اور بے حیثیت ہوتے ہیں۔ بعض اضلاع میں اسی پیشہ کے ہندو بھی جولاہے کہلاتے ہیں لیکن **جولاہہ** کا لقب زیادہ تر مسلمان پیشہ وروں کے لئے مخصوص ہے اور ہندوؤں کو **تانتی یا تھپٹیا** وغیرہ کہتے ہیں"[2]

مسٹر موصوف ضلع تنجور کے جولاہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"جولاہوں کی تعداد اس ضلع میں ساٹھ ہزار تین سو تقریباً ہے۔ ان میں ہندوؤں کی تعداد بہت کم ہے جو مسلمان جولاہوں سے امتیاز کی خاطر بہیار (یا بھیا) کہلاتے ہیں"[3]

پارچہ بافی کی صنعت ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی، لاکھوں افراد اس صنعت کو نسلاً بعد نسلٍ کرتے تھے، اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور میں مختلف مقامات پر پارچہ بافی کے کارخانے قائم تھے، سلطان علاء الدین خلجی نے کپڑے کی ارزانی کے متعلق خاص قواعد مقرر کئے، جداگانہ محکمہ قائم کیا، اس کے افسر و دلال متعین کئے، ڈھاکہ کی ململ تو تمام دنیا میں مشہور تھی، بنارس، دہلی، ملتان، ناگور، کوٹلہ، دیوگیر وغیرہ مقامات پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے موجود تھے جن میں ہزاروں ہندو اور مسلمان کاریگر، کوری اور جولاہے کام کرتے تھے۔ عہد اکبری میں صرف ایک لاہور میں شال بافی کے ایک ہزار سے زیادہ کارخانے تھے۔ اسی سے پارچہ بافی کے کارخانوں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اس زمانہ میں مانچسٹر[4] برمنگھم اور لائنس وغیرہ کی پارچہ بافی کے کارخانوں اور احمدآباد وغیرہ کی کلاتھ ملس

---

[1] تحفۃ الاکرام صفحہ ۱۳۳ - [2] و [3] میموائرس سر ہنری ایلیٹ -

[4] Manchester, Birmingham, Lyons.

(Cloth Mills) کا وجود کیسا کسی کو خیال بھی نہ ہو سکتا تھا، اور نہ انسان کا ہاتھ بٹانے کے لئے بھاپ اور بجلی کی طاقت سے کام لینے کا وہم و گمان۔ اسلئے ہندوستان کے بادشاہوں، شہزادوں، بیگمات، وزراء، امراء، رُوساء و عمّال سلطنت کے علاوہ کروڑوں باشندگان ملک کی ضروریات کے لئے ہزاروں کارخانے اور لاکھوں کاریگر، کوری اور جولاہے کا کام کرتے تھے۔ انہی لاکھوں کاریگروں کی نسل سے وہ تمام جولاہے اور کوری ہیں جو آج بھی مختلف حصص ملک میں یورپین مصنوعات کی گرم بازاری کے باوجود کچھ نہ کچھ اپنا قدیم اور آبائی پیشہ کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کچھ عرصہ سے البتہ دوسرے پیشے بھی شروع کر دئے ہیں۔ عہد اسلامی میں جب پارچہ بافی کی صنعت اور پارچہ فروشی کی تجارت خوب رونق پر تھی، ملکی مصنوعات کے قدردان موجود تھے۔ دو ایک مسلمان جولاہوں نے دولت و تموّل کے اعتبار سے خوب ترقی حاصل کی تھی۔ دولت کے ساتھ اُن میں علم بھی آیا اور ان میں سے چند افراد کو شاہی تقرّب بھی حاصل ہو گیا۔ لیکن اس زمانہ میں عمّال سلطنت کے تقرر میں ذاتی فضائل و کمالات کے ساتھ ساتھ عالی نسبی کو بھی خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ مسلمان جولاہوں کا نسبی تعلق چونکہ اس ہندی قوم سے تھا جسے ہندو "اونچ ذات والوں نے "شودر" کا لقب دے رکھا تھا اسلئے عہد التمش میں ایک مسلمان جولاہے کو، جس نے اپنی ذاتی لیاقت و قابلیت سے وزارت کے درجہ تک ترقی حاصل کی تھی، محض اسلئے عہدے سے علیحدہ ہونا پڑا کہ وہ نسباً جولاہہ تھا۔ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کا ایک وزیر نظام الملک نام تھا۔ اس نے ایک شخص جمال الدین مرزوق کی، جو دار الضرب کا کوئی عہدہ دار تھا، صوبۂ قنوج کے حاکم مقرر کئے جانے کی سفارش کی تھی۔ جمال الدین مرزوق کم اصل تھا اسلئے بادشاہ کے ایک دوسرے وزیر عزیز بہروز نے فوراً یہ شعر موزوں کر کے پڑھا۔

بدستِ دوں مدہ خامہ گر گردد دلا مجال افتد   سیہ سنگے کہ در کعبہ است سازد سنگِ استنجا

اس شعر کو پڑھ کر جمال الدین مذکور کی جانب اشارہ کیا۔ بادشاہ نے اسی وقت حکم دیا کہ جمال الدین مرزوق کے نسب کی تفتیش کی جائے۔ چنانچہ بعد تحقیقات ثابت ہوا کہ وہ حقیقتاً کم اصل تھا لیکن نظام الملک اسپر بھی سفارش کرتا رہا کہ "جہان پناہ! یہ شخص بہت لائق و کاردان ہے، خط نہایت پاکیزہ ہے، تحریر میں خاص لیاقت ہے"۔ بادشاہ کو اس کے اصرار پر غصہ آیا اور حکم

دیا کہ :- "تفحص اصلِ وزیری باید کرد کہ	وزیر (نظام الملک) کے نسب کی چھان بین کیجائے
اگر در رگِ کم اصلی نباشد ہرگز کم اصلاں	کیونکہ اس میں اگر کھوٹ نہ ہوتی تو وہ ہرگز کم اصلوں کو
را دفتر نہ دہد .... چوں در اصل	عہدہ نہ دیتا ...... جب وزیر کے نسب کی اچھی طرح
وزیر تفحص شافی کردند و سوالات نمودند بابائے	چھان بین کی گئی تو معلوم ہوا کہ نظام الملک کا دادا جولاہا
جدِ نظام الملک جولاہہ یافتند و از زبون	تھا۔ کم اصلوں اور رذیلوں کو عہدہ دینے کی وجہ سے
اشغال بہ کم اصلاں و ناکس بچگان انچناں	ایسے ذی وجاہت (ملک) کو بھی بدنامی اٹھانی پڑی اور
بلکے فضیحت شد و بہ جلاہگی منسوب گشت[1]	جولاہگی سے اسے منسوب ہونا پڑا۔

سلطان محمد تغلق کے متعلق مورخین نے عجیب وغریب واقعات بیان کئے ہیں۔ منجملہ ان کے صاحب تاریخ فیروز شاہی نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ نے بعض رذیلوں کو منہ چڑھایا تھا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دئے تھے چنانچہ ان کے نام بھی درج کئے ہیں اور لکھا ہے کہ :-

نجبا مطرب بچہ بد اصل راچناں سر کشید کہ درجۂ او	نجبا میراثی بچہ بد اصل کو اتنا بڑھایا کہ اس کا رتبہ
از درجات بسیاراں از ملوک برگذشت	بہت سے ملوک (امراء) سے بڑھ گیا ......
عزیز خمار و برادر او **فیروز حجام** و **منکا** طباخ	عزیز خمار اور اسکے بھائی فیروز حجام و منکا باورچی و مسعود
مسعود خمار و **لدا باغبان** چندیں حرامزادہ	خمار و لدا باغبان اور دیگر رذیلوں کو عزت دی ......
را بزرگ گردانید ... و **بابو نایک** بچہ **جولاہہ** طنبور زن را قربت داد[2]	اور بابو نایک بچہ جولاہہ کو اپنا مقرب بنایا۔

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۹۔ [2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۰۵۔

غرضیکہ عہد اسلامی میں جولاہوں کی قوم کو ہندوستان کی پست اقوام میں شامل کیا جاتا تھا اور امر واقعہ بھی یہی تھا کہ ان کا نسبی تعلق شودر اقوام سے ہے لیکن اب چند سال سے اس قوم کے بعض نادان اپنے کو **قبیلۂ انصار** سے منسوب کرنے لگے ہیں۔ برادری کی انجمنوں اور پنچایتوں کے نام بھی "جمعیۃ الانصار" رکھے گئے ہیں اور بعض لوگوں نے اپنے نام کے ساتھ "انصاری" بھی لکھنا شروع کیا ہے۔ واقفانِ حال سے تو یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان کے بعض جولاہوں کا دعویٰ "انصاریت" کس درجہ لغو و مہمل بلکہ مضحکہ انگیز ہے۔ کجا عربی قبیلۂ انصار اور کجا ہندی نژاد جولاہے! لیکن تاریخی بحث کے سلسلہ میں قبیلۂ انصار کا مختصر ذکر کر دینا شاید بے محل نہ ہوگا۔

جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان ہو چکا ہے اہل عرب دو بڑی شاخوں میں منقسم ہیں ایک **قحطانی** اور دوسرے **عدنانی یا اسماعیلی**۔ انصار قبیلۂ **قحطان** سے ہیں۔ اصل میں **یمن** کے رہنے والے تھے وہاں جب مشہور سیلاب آیا جس کو **سیل عرم** کہتے ہیں تو یہ لوگ **یمن** سے نکل کر **مدینہ** میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے **اوس و خزرج**۔ تمام انصار انہی دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔ ان سے مختلف قبیلے متفرق ہوئے مثلاً **بنو نجار، بنو تمیم** وغیرہ **بنو ہاشم** سے اور انصار سے برابر رشتہ ہوتے تھے **بنو نجار** جناب **عبد المطلب** کے ماموں کا خاندان تھا اور حضرت **عباس** بھی انصار کے بھانجے تھے مورخین نے "جو قحطانی تھے" جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ اور ہم ہم خاندان نہیں ہیں آپ نے فرمایا "ہم **نضر بن کنانہ** (اسماعیلی) کے خاندان سے ہیں نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں"۔[1]

عرب کوئی زرعی ملک نہیں ہے۔ طائف وغیرہ میں کچھ غلّہ اور ترکاریوں کی کاشت البتہ ہوتی

---

[1] بعض محقق انصار کو بھی اسماعیلی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو قحطان سے چونکہ ان کی قرابت زیادہ ہے اسلئے اس ہی قبیلہ سے منسوب ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ [2] زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۲۔

تھی۔ تمام قبائل عرب کا پیشہ ہمیشہ سے تجارت تھا، جنگلی درختوں کے میوے، مویشیوں کے بال اور چمڑے وغیرہ یہ لوگ مصر و شام و یمن لیجاتے اور وہاں سے ان کے بدلے تمام ضروری چیزیں کھانے پہننے کی لاتے تھے۔ عرب میں جب روئی کی پیداوار ہی نہ تھی سوت و کپاس میسر نہ آتی تھی تو پھر دھنے جولاہے کا پیشہ کیسا۔ **ابن قتیبہ** نے اپنی کتاب میں "صناعات الاشراف" کا ایک باب قائم کیا ہے۔ اسکے تحت میں بعض اشخاص کے تجارتی مشاغل کا بھی ذکر کیا ہے، اس میں کسی نساج (جولاہے) کا ذکر نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عثمانؓ و حضرت طلحہؓ و حضرت عبدالرحمن بن عوف البتہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے لیکن یہ کپڑا عرب میں نہیں بنا جاتا تھا بلکہ ممالک غیر سے آتا تھا، مدینہ میں کسی جولاہے کی کارگاہ (کرگاہ) نہیں تھی اور بفرض محال اگر کسی انصاری نے کبھی کپڑا بننے کا کوئی کام کبھی کیا بھی ہو تو ان کی اولاد نے نہیں کیا۔ جب اہل عرب فاتح کی حیثیت سے عرب سے باہر نکلے تو تیر اور نیزہ یا چرخہ و کوچ لیکر کوئی نہیں نکلا، تلوار اور نشان فتح (جھنڈا) لیکر نکلے۔ ان کے اخلاف کے ہاتھ میں بھی تلوار ہی یا قلم، سوت، اٹیرن یا نلی کبھی نہیں رہی۔ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم **ثقفی** کی معیت میں بعض قبائل انصار کے افراد بھی سندھ آئے اور خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں کئی صدیوں تک یہی لوگ سندھ کے گورنر رہے۔ ان میں بنی تمیم اور اولاد جبریہ انصاری اور دوسرے قبائل کے اشخاص سلاطین غزنین و غور کے زمانہ میں عہدۂ قضا و خطابت پر مامور ہوئے۔ شاہجہاں کے مشہور وزیر علامی سعداللہ خان بنی تمیم سے تھے[1]، ان میں کبھی کسی نے کپڑا بننے کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ صاحب تحفۃ الکرام نے ان قبائل کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد جو اہل عرب خواہ وہ انصاری

---

[1] نواب عاشق حسین خان رئیس سنبھل جو نواب امین الدولہ امین الدین خان بہادر منصبدار شہزادی عہد جہاندار شاہ کے خاندان سے ہیں انسباً انصاری ہیں، اس خاندان کا سلسلہ نسب جابر انصاری سے متصل ہوتا ہے۔ اردو نبر کے صحیح النسب انصاری یعنی خاندان مولوی محمد علی ساکنان محلہ مولانا شہر بارہ بنکی میں بھی ...

تھے یا قریشی سے ہندوستان آئے شاہان ہند نے ان کی قدر و منزلت کی، سلطنت کے معتمد عہدوں پر مامور کیا، املاک مدد معاش و جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے کسی نے نہ کبھی کپڑا بننے کا پیشہ اختیار کیا اور نہ مدد معاش کے لئے ان کو ایسے پیشے اختیار کرنے کی ضرورت ہوئی جن کو اس زمانہ کی سوسائٹی کے اعتبار سے شرفا میں معیوب سمجھا جاتا تھا جس کا تھوڑا بہت اندازہ مندرجہ بالا اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جولاہوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ عرب میں قبائل انصار کی مجموعی تعداد بھی کبھی اتنی نہیں ہوئی ہوگی۔ صرف ایک روہیلکھنڈ میں تقریباً دو لاکھ جولاہے آباد ہیں جن میں صرف ضلع مرادآباد میں تقریباً ساٹھ ہزار ہیں۔ اسی پر تمام ہندوستان کا قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب سے قبائل انصار کا ایک ایک فرد بھی اگر ہجرت کر کے ہندوستان آ جاتا تب بھی ان کی تعداد اتنی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے مسلمان جولاہوں کی جسمانی ساخت، ان کی ذہنی و اخلاقی، تمدنی و معاشرتی پستی، ان کے عادات و خصائل، ان کی شکل و شمائل، ان کے رسوم و رواجات، ان کے خصائص قومی، باوجود اسلامی تمدن و معاشرت کے اثرات کے، ابتک بہت کچھ ان کے ہندو ہم قوموں سے ملتے جلتے ہیں۔ ہندوؤں کی مختلف قوموں بالخصوص پست اقوام میں سے جو خاندان اور گروہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کی سوشیل، معاشرتی اور ذہنی حالت میں اسلام لانے کے بعد کوئی اہم اور بڑی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ توہمات اور ضعیف الاعتقادی کی حالت بالعموم باقی رہی۔ ہندو سادھوؤں، جوگیوں اور پروہتوں کے بجائے یہ لوگ مسلمان اولیاء اللہ، پیروں اور ملاؤں کے معتقد ہو گئے۔ ہر پیران کا دستگیر اور ہر قبر و مزار ان کا حاجت روا بن گیا۔ ان ہی نومسلموں کی بدولت ہندوؤں کے تیوہاروں اور میلوں کا رنگ عرسوں، نیزے کے میلوں اور اسلامی تیوہاروں میں بھی جھلکنے لگا۔ امروہہ کے تیلی، قسائی وغیرہ حضرت شاہ ولایت کے اور جولاہوں کا ایک طبقہ حضرت شاہ ابن کا معتقد چلا آتا ہے،

یہ لوگ آج بھی ان کا عرس دھوم دھام سے کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولایتؒ اور ان کے خاندان سے امروہہ کے قسائیوں کی عقیدت اور محبت کی تو یہ وجہ بھی ہے کہ شاہ صاحب ممدوح کی اولاد سادات امروہہ کے یہاں بالخصوص صدہا برس سے اس قوم کے مرد ملازمت اور ان کی عورتیں دایہ گری اور خانگی خدمت کرتی تھیں۔ آج سے پچیس تیس برس پہلے سادات کے اکثر بچے قسائنیوں کا دودھ پیتے اور ان کی گودوں میں پرورش پاتے تھے۔ انقلاب حکومت اور جائدادوں کی تباہی سے وہ تمام طریقے رفتہ رفتہ متروک ہوگئے، تاہم اس قوم کو اب تک اس خاندان سے عقیدت چلی آتی ہے۔ آقاؤں نے جب امروہہ میں تعزیہ داری شروع کی تو متوسلین اور رعایا نے بھی تقلید کی، قسائی بھی تعزیہ اور دلدل وغیرہ نکالتے تھے اور آج بھی حجاموں، بھنڈیلوں کے تعزیے نکلتے ہیں، سقوں کے علم بھی محرم کی ایک تاریخ میں نکلتے ہیں، غرضیکہ وہ تمام تقریبات جن میں میلوں کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عرسوں وغیرہ کی رونق زیادہ تر ان ہی عوام الناس سے ہے جو ہندوؤں کی مختلف اقوام سے مسلمان ہوئے۔ سامی النسل قبائل، خواہ عرب ہوں یا انصار، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، عقیدۂ توحید میں بہت غلو رکھتے ہیں۔ ان کے ایمان اور اسلام پر باوجود استداد زمانہ آج تک شرک کا پرتو نہیں پڑا۔ اہل عرب کے جو خاندان ہندوستان کے مختلف مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آباد ہیں باوجود بے علمی اور ہندی نژادوں کے میل جول کے اثرات اور ضعیف الاعتقادی کے ان میں پیر پرستی و قبر پرستی کے مقابلہ میں بالعموم توحید پرستی کا رنگ غالب ہے۔ علاوہ ازیں جولاہوں میں پنچایت کا دستور، چودھریوں کا تقرر، شادی بیاہ کی بعض خاص خاص ہندوانی رسمیں، عورتوں کی بیع و شرا اور اسی قبیل کی صدہا رسوم ان کی ہندی قومیت کا بیّن اور واضح ثبوت ہیں۔ ان کو انصار تو انصار کسی عربی یا غیر ہندی شریف قوم سے کوئی دور کا واسطہ و تعلق بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر نسبی تعلق کا معیار ان مدعیان انصاریت کے نزدیک یہ ہے کہ کسی قوم و ملک کے کسی فرد نے کپڑا بننے یا روئی

دُھنے کا کام کیا تو ہندوستان کے جولاہے اور دُھنے ہم پیشہ ہونے کی بنا پر اُس سے اپنا سلسلۂ نسب جا ملائیں تو قبیلۂ انصار یا شیخ حسین بن منصور حلاج کی بچھر کیا تخصیص ہے دنیا میں اور بہت سی قومیں ہیں جن کے افراد پارچہ بافی کا کام کرتے ہیں۔ انصار نہ پارچہ بافی کا کام کرتے تھے اور نہ حسین بن منصور حلاج دھنے کا پیشہ۔ انگلستان، جرمنی و جاپان میں پارچہ بافی کی صنعت آجکل اوج کمال پر پہنچی ہوئی ہے اس اصول کے مُطابق ان اقوام کو نہیں اپنا ہمجدی یا کم از کم ہم پیشہ تسلیم کرنے میں کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانان ہند کے ہر طبقہ میں کچھ عرصہ سے یہ عام وبا پھیلی ہے کہ جسے دیکھو عرب و عجم سے سلسلۂ نسب ملانے کی فکر میں ہے۔ کیا ہندی الاصل ہونا کوئی ذلت کی بات ہے؟ مسلمانوں کے اعتقاد میں تو بنی آدم سب برابر ہیں۔ علم تقویٰ اور عمل صالح حقیقت میں معیار شرف و فضیلت ہیں۔ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ہ نص صریح ہے۔ حضور سرور کائنات نے فتح مکّہ کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ ہ تمام انسان حضرت آدم کی نسل ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں

عزّت و ذلّت، شرافت و رذالت کا انحصار انسان کے اپنے ذاتی حالات پر ہے۔ کاش یہ لوگ اپنے پس ماندہ بھائیوں کی حالت بہتر کرنے کی تدبیر کریں اور "انصاریت" اور "حلاجیت" کی لغو باتوں کو خیرباد کہیں۔

آفاقی لوگ

سادات و شرفا اور اہل حرفہ کی مختلف اقوام کے علاوہ بعض گھرانے ہمیں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کا تعلق حقیقتاً طبقۂ شرفا سے نہیں ہے اور نہ انکا کوئی صحیح نسب ہے بلکہ یہ لوگ ان اشخاص کی نسل ہیں جو یہاں کے سادات و شرفا کے مختلف خاندانوں کے پروردہ تھے اور جن کو عرف عام میں غلام و باندی کہا جاتا تھا اگرچہ اُن کی حیثیت اُن شرعی غلام و کنیزوں کی سی نہ تھی جو عموماً جہاد میں فریق

محارب سے گرفتار ہوئے اور فدیہ نہ ادا کرنے کی صورت میں غلام و کنیز بنائے جاتے تھے اور جن پر "ملک یمین" کا شرعاً اطلاق ہوتا ہے اور ان کے لئے اسلام میں خاص احکام ہیں بلکہ یہ لوگ ادنیٰ طبقہ کے نومسلم لاوارث لڑکے اور لڑکیاں یا اسی طرح کی پست اقوام کے مفلوک الحال یا تباہ شدہ لوگوں کی اولاد تھی جن کو سادات و شرفا مسلمان کر لیا کرتے تھے اور از راہ ترحم و دستگیری انکی پرورش کیا کرتے اور ان سے اپنی خانگی خدمات لیا کرتے تھے اور انہیں **باندی یا غلام یا خانہ زاد** کہا جاتا تھا اس زمانہ میں اکثر معزز گھرانوں میں اس قسم کے پروردہ لڑکے اور لڑکیاں ہوتی تھیں جن کا جوان ہونے پر باہم شادی بیاہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ طبقہ انہیں کی اولاد ہے۔ ان میں سے بعض کی خوش حالی رفتہ رفتہ اچھی ہو گئی اور چند کی قرابتیں بھی مفلوک الحال شرفا کے یہاں ہو گئیں جس کی بنا پر یہ لوگ بھی اپنا شمار طبقۂ شرفا میں کرنے لگے۔ ان میں سے بعض اپنے آپ کو اسی خاندان سے ظاہر کرنے لگے ہیں جس میں ان کے مورث نے مذکورہ بالا حیثیت سے پرورش پائی تھی۔ باوجودیکہ اہل شہر ان کے حالات سے واقف ہیں لیکن اب ان میں سے بعض عربی النسل قریشی، ہاشمی، انصاری وغیرہ ہونے کے بھی مدعی ہیں اور اپنے آپ کو شیخ و پٹھان حتیٰ کہ سید بھی کہنے لگے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ محلہ مراد آبادی دروازہ، کنکرکی، ترپولیہ، بازار رزاق، نوگزہ، مولانہ، چاہ شور، شوال وغیرہ میں آباد ہیں۔

مجہول النسب۔ حضرت عشق کی ناوک افگنی سمجھئے یا مال و دولت اور عیش پرستی کی مدہوشی کہ بعض لوگ ہر زمانہ میں سوسائٹی کے قواعد کی خلاف ورزی کر کے ایسے بچوں کو وجود میں لانے کے موجب ہوتے رہے ہیں جن کا پدری نسب دنیا کو معلوم نہ ہوا۔ زنان بازاری کے علاوہ بعض نیچے طبقہ کی عورتوں حتیٰ کہ بھنگنوں سے بھی اولاد ہوئی۔ اکثر تو ان طبقات ہی میں شامل رہے اور بعض کی جداگانہ ہستی قائم ہوئی۔ مسٹر جان میسی[1] نے سچ کہا ہے کہ مرد و عورت کے فطری جذبات اور عشق کی قوت سوسائٹی کے مقررہ ضوابط سے بالاتر ہے۔ ایسے تعلقات کے نتیجہ میں جو ہستیاں عالم وجود میں آئیں ان کی نسل کے چند افراد بھی امروہہ میں موجود ہیں جن سے اہل شہر واقف ہیں۔

---

[1] میموائرز سرہنری ایلیٹ۔

امروہہ کے شیعہ و سنی

مسٹر ایچ آر نیول آئی۔سی۔ایس مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزٹیر امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"امروہہ کے شیعہ و سنی فرقوں کی باہمی مخاصمت و عناد حکومت کے لئے ہمیشہ موجب تشویش رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تمام سادات ابتداءً شیعہ تھے ان میں سے جزو غالب تو اپنے مذہبی عقائد پر قائم رہا لیکن باقی حصہ سنی ہو گیا۔ شہنشاہ اکبر کے عہد سے (نوابان) اودھ کے تسلط و حکومت کے ابتدائی زمانہ تک امروہہ کے تمام سید مذکورالذکر مذہب (یعنی اہل سنت و جماعت) کے پابند تھے۔ نوابان اودھ چونکہ بذات خود غالی شیعہ تھے اس لئے (ان کے عہد حکومت میں) امروہہ کے بہت سے سیدوں نے اپنا قدیم مذہب پھر اختیار کر لیا اور اس طرح تبدیل مذہب کرنے سے انہیں بہت سے دنیاوی فوائد بھی اعزازی و مکانی جائداد و املاک کے حصول کی صورت میں حاصل ہو گئے۔"[1]

مسلمانان امروہہ کی بدقسمتی سے مسٹر نیول کا یہ قول مبالغہ آمیز نہیں کہ امروہہ کے شیعہ و سنیوں میں مذہبی مخالفت بلکہ منافرت کے جذبات موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغض و عناد کی موجودہ حالت گذشتہ ساٹھ ستر برس کی پیداوار ہے اس سے پیشتر یہ حالت نہ تھی۔ خاکسار مؤلف کو اس موقع پر یہ ناگوار اور بے نتیجہ بحث چھیڑنا ہرگز مقصود نہیں کہ شیعہ و سنی صاحبان کا باہمی اختلاف مذہبی کی اصلیت کیا ہے؟ یہ خلاف کب شروع ہوا کیوں شروع ہوا سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات اور خلافت و امامت کے جھگڑوں کی حقیقت و غرض کیا ہے؟ جنگ جمل و جنگ صفین کے معرکے کیوں اور کس بنا پر ہوئے؟ کون مورد الزام ہے اور کون نہیں؟ ان مباحث سے جن حضرات کو دلچسپی ہے، وہ جانیں اور ان کا دین جانے، ان کی جان انہیں ہی مبارک رہے، مجھے ان سے مطلق سروکار نہیں ہے۔

تو چه دانی سیرت حق ای جاہل · تو گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ

گر علیؓ بود و اگر صدیقؓ بود · جان ہریک صد پئے تحقیق بود

ان تمام مباحث سے قطعاً آزاد اور بے تعلق ہو کر مجھے یہاں اس سوال کی تاریخی حیثیت واضح کر دینا مطلوب ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی اور بس۔

---

[1] مرادآباد ڈسٹرکٹ گزٹیر۔ مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۸۴۔

مندرجہ بالا اقتباس میں مسٹر نیول نے جس کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امروہہ کے شیعہ سادات کے واجب الاحترام مورث و اجداد بھی اپنے موجودہ اخلاف کی طرح مذہباً و عقیدتاً شیعہ تھے وہ تاریخی واقعات و حالات اور شواہد و قرائن کے سراسر خلاف ہے۔ امروہہ کے سادات میں جن کا غالب حصہ اب شیعی مذہب ہے، قدیم ترین خاندان حضرت شاہ ولایتؒ، قاضی زادگان اور شاہ نصیر الدین چشتیؒ کے خاندان ہیں۔ ان کے علاوہ حضرات نخشبی کا خاندان بھی جن میں نسلاً بعد نسلٍ امروہہ کے مفتی ہوتے رہے امروہہ میں ایک قدیم خاندان ہے۔ سادات کے دوسرے خاندان ہیں۔ مگر اکثر و بیشتر افراد شیعی مذہب ہیں زیادہ قدیم نہیں مثلاً خاندان دانشمندان جرجانی وغیرہ۔ سادات نقوی کے بعض اور خاندان جو یہاں ساکن ہیں مثلاً سادات کاظمی دہلی و گنگوہی، و سادات حسینی [illegible] وغیرہ وہ بالعموم جدید سنی حنفی ہیں۔

سادات امروہہ کے تقریباً تمام خاندانوں کے مورث یا مشائخ و اولیاء میں سے تھے یا علماء و فضلاء تھے یا قاضی و مفتی۔ ان بزرگوں میں سے کوئی فرد واحد بھی نہ کبھی عقیدتاً شیعہ تھا اور نہ ان میں سے کسی بزرگ کے شیعی مذہب ہونے کا امکان ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں میں مشائخ اور اولیاء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ شمار ہو چکی ہے لیکن سلف سے آج تک ان میں سے کسی ایک فرد کا نام بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو مذہباً و عقیدتاً شیعہ ہو۔ مشائخ کا مسلک ہی شیعہ مذہب کے بنیادی اصولوں کے سرتاسر منافی ہے۔ رہا یہ خیال کہ یہ سب حضرات تقیہ کئے ہوئے تھے اور کسی خوف و ضرر یا طلب منفعت کی وجہ سے، جیسا کہ امروہہ کے ایک شیعہ عالم نے دوران گفتگو بیان کر کے بار بار فرمایا تھا، اپنے شیعی مذہب کو مخفی رکھتے تھے" محض بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ عقل سلیم اسے ہرگز باور نہیں کر سکتی کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ جیسے ولی اللہؒ جو خلق خدا کے ارشاد و ہدایت کے منصب جلیل پر فائز ہوں اور جن کے مرید ہونے کی (بقول ان ہی حضرات کے) بادشاہ وقت تک آرزو کرے، وہ کسی خوف و ضرر یا طمع نفسانی سے اپنے اصلی عقائد کو پوشیدہ رکھتے اور خلق اللہ کو بجائے صحیح اور اصلی مسلک کی جانب رہنمائی کرنے کے نعوذ باللہ دھوکے میں ڈالتے یا غلط ہدایت کرتے۔ ایسا خیال کرنا ہی ان خدا رسیدہ اور نیک بندوں کی جن کا ظاہر و باطن یقیناً ہر حالت میں یکساں تھا اور جو سوائے خدائے واحد کے اور کسی قوت و طاقت سے ڈرنے والے نہ تھے سخت ترین توہین کرنا ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کے زمانۂ حیات میں نیز اس سے کچھ قبل اور کچھ [illegible]

سوائے اہلِ سُنّت وجماعت کے کسی دوسرے عقیدے کے مسلمان کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا۔ اُس وقت مسلمانانِ ہند کا سوادِ اعظم حنفی تھا کچھ شافعی، مالکی و حنبلی بھی تھے لیکن شیعہ، معتزلی اور خارجی یہاں مطلق نہ تھے۔ اس کا ثبوت ایک ایسی مستند اور باخبر ہستی کا بیان ہے جو اُس زمانہ کے مشاہیر اکابر میں سے تھے۔ حضرت **امیر خسرو** علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور مثنوی عشقیہ میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت (۶۹۵-۷۱۵ھ) کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے صاف اور صریح الفاظ میں اس کا اظہار کیا ہے کہ اُس عہد میں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے مابین ہندوستان کے طول و عرض میں نہ کوئی یہودی موجود تھا اور نہ عیسائی وغیرہ۔ ہندو اور مسلمان صرف دو مذاہب کے پیرو یہاں تھے۔ ہندو مسلمانوں کے مطیع و منقاد تھے اور مسلمان من حیث الجماعت ایک ہی مشرب اور ایک ہی مسلک کے پابند و متبع تھے اور وہ مشرب و مسلک اہلِ سُنّت وجماعت کا مشرب و مسلک تھا۔ حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں۔[1]

خوشا ہندوستان و رونقِ دیں ــ شریعت را کمالِ عزّ و تمکیں
ز علم با عمل دہلی بخارا ــ ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
سرِ ہندو چو فرماں را مطیع است ــ ز آبِ تیغ خونش را شفیع است

ز غزنیں تا لبِ دریا دریں باب ــ ہمہ اسلام بینی بر یکے آب
نہ زاں رہ دیدہ نادانِ گبر و گیر ــ ہمہ در کیشِ احمد راست چوں تیر
نہ ترسائے کہ از ناز برگاری ــ نہد بر بندہ داغِ کردگاری
نہ از جنسِ جہوداں جنگ جو رب ــ کہ از قرآں کند دعوی بہ توریت
نہ مُغ کز طاعتِ آتش شود شاد ــ وزو با صد زباں آتش بفریاد
مسلمانانِ نعمانی روش خاص ــ ز دل ہر چار آئیں را با اخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید ــ جماعت را و سُنّت را بجاں صید
نہ زاہلِ اعتزالی کز فنِ شوم ــ ز دیدارِ خدا گردند محروم

۱؎ مثنوی عشقیہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ۔

نہ رفضی (شیعہ) تا پسنداں مذہب بد — جفائے بر وفاداران احمدؐ
نہ آں سگ خارجی کز کینہ سازی — کند با شیر حق روباہ بازی
زہے خاک مسلماں خیزد دین بوئے — کہ ماہی خیز سُنّی خیزد از جوئے

حضرت شاہ ولایتؒ کی ولادت اسی عہد علائی سے چند سال قبل ہوئی، عنفوان شباب اور زمانہ تحصیل کمالات خاص اسی عہد میں گزرا، خانوادہ مشائخ سہروردیہ میں آپنے اسی زمانہ میں بیعت کی۔ ورعہد علائی سے چند سال بعد بعہد سلطان غیاث الدین فیروز تغلق آپ مع اپنے خلفائے باکمال اور اقرا امروہہ تشریف لائے۔ آپکے ولد اکبر قاضی سید امیر علی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ عہدۂ قضا کے لئے عالم فاضل ہونا لازمی شرط تھی اسلئے قاضی سید امیر علی یقیناً اپنے زمانہ کے ممتاز عالم ہوں گے۔ بادشاہ وقت سُنّی حنفی تھا، سلطنت سُنیوں کی تھی، فقہ حنفی کا رواج تھا، تمام مسائل شرعیہ اسی کے مطابق طے ہوتے تھے، کوئی شیعہ اس عہدہ پر ہرگز مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں مخالفان مذہب اہل سنت و جماعت میں کسی شخص کا تقرر قاضی و مفتی کے عہدوں پر نہیں ہو سکتا تھا اور اسکے متعلق صاف اور صریح احکام موجود تھے سلہ اور ایک فاضل ہم عصر کا بیان آپ پہلے پڑھ چکے کہ اس زمانہ میں کسی شیعہ کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا پس نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ، حقانی و چہدرہ وغیرہ سُنّی المذہب تھے۔ اُن کے فرزند سید اشرف جہانگیر چشتیؒ جو شرف الدین کے نام سے بھی مشہور تھے مشائخ کبار میں ہوئے۔ چند پشتوں کے بعد قاضی سید امیر علی کی نسل میں سید عمر زندہ پیر عمدۃ الواصلین سید عبدالحکیم چشتی سید اللہ یار نقشبندی اُن کے فرزند سید غلام محمد نقشبندی قدس اللہ اسرارہم مشائخ و اولیاء میں اور سید اشرف بن سید خان سید میر علی و سید قطب الدین وغیرہ سُنیوں کے نامور عالم اور مفتی ہوئے۔ اُن کے اخلاف میں متعدد نام خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر ابوبکرؓ عمرؓ، عثمانؓ، فاروقؓ و صدیقؓ اور حضرت پیر دستگیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے نام پر غلام محی الدین معتقد محی الدین عطاء محی الدین عنایت محی الدین اور عنایت غوث وغیرہ رکھے جاتے تھے جسکے ثبوت میں دیسیہ

سلہ تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۷۸ مطبوعہ۔

اور قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں اور ایسے بعض نام مطبوعہ شجروں میں بھی درج ہیں۔ سید محمد شاکر و سید اقبال محمد مورث موجودہ سادات محلہ لکڑہ بھی صوفی منش، عابد و زاہد سنی مذہب تھے اور انکا تمام خاندان سنی المذہب خاندان تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے ۱۱۵۲ھ میں درگاہ حضرت شاہ عبدالمجید علوی کے لئے کچھ جائداد موضع پانڈری پرگنہ رجب پور کی وقف کی تھی جس کی اصل دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔ ان کے حقیقی چچا سید سلطان بن سید عبدالرحیم بن سید سیف خان بھی درویش تھے اور بقول صاحب تاریخ اصغری " سید سلطان فقر کی طرف مائل اور مناجات عبادت الٰہی میں معروف ہے۔" کچھ اشخاص اس نسل میں اب بھی سنی المذہب ہیں اور ایک صاحب یعنی سید رضا حسین شاہ چشتی صابری جو سادات محلہ لکڑہ کے ہمجدی ہیں مشائخ میں سے ہیں پیری مریدی کرتے ہیں بیرونجات میں ان کے بہت سے مرید و معتقد ہیں۔ ان کی اولاد بھی سب سنی المذہب ہے۔

قاضی سید امیر علی کی نسل سے متعدد اشخاص مختلف اوقات میں امروہہ سے باہر جا کر مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہوئے یہ سب حضرات سنی المذہب تھے اور ان کی اولاد بھی آج تک سنی ہے۔ موضع اخوان پور میں جو خاندان سید عمر زندہ پیر کے اخلاف کا آباد ہے اس میں البتہ بعض اشخاص بعد میں شیعہ ہو گئے اور باقی سنی ہیں۔ سید عاشق حسین انجینیر کا خاندان جن کے لائق فرزند سید ظفر حسن بی اے۔ ایل ایل بی (علیگ) مراد آباد میں وکالت کرتے ہیں سنی حنفی ہے۔ نیز مولانا سید فرزند علی دہلوی مدنی مؤلف کتاب " الرافع المندیہ فی تراجم مشائخ نقشبندیہ" جن کے جد بزرگوار مولوی سید منور علی تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے امروہہ سے دہلی گئے تھے سنی المذہب عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ حضرت مولانا قاری شاہ سلیمان (پھلواری) اور مولانا محمد ریاض حسن خان رئیس رسولپور ضلع مظفر پور (صوبہ بہار) ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کا خاندان دہلی میں اب تک آبائی مذہب پر قائم ہے۔ اسی طرح سید علی اکبر نبیرہ دیوان سید جعفر (مورث سادات لکڑہ) کی اولاد سے جو خاندان بریلی میں متوطن ہے وہ ابا عن جد سنی المذہب ہے۔ ان میں سید محمد عبدالرشید صاحب ابن مولانا الحاج حافظ سید محمد عبدالحمید بن مولانا مولوی سید محمود علی منور کا خاندان ذی علم اور سنی مذہب ہے۔

حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کے اخلاف میں جو بزرگ امروہہ سے باہر گئے

وہ بھی سُنی المذہب تھے۔ **سید کمال محمد** نقشبندی موالفہ سرآمدیہ کے جد اعلیٰ **سید چاند** بن سید معروف بن سید مجد الدین بن سید عبدالعزیز مذکور صوفی منش بزرگ تھے۔ اولاً مروہہ کے قریب موضع بھنت پور میں جا رہے تھے وہاں سے **شیخ عمر شہ** سنبھلی کی تحریک پر سنبھل میں متوطن ہوئے۔ ہر زمانہ میں نسلاً بعد نسلٍ مشائخ ہوتے رہے۔

اب غور طلب سوال یہ ہے کہ آیا یہ تمام حضرات تقیہ میں تھے؟ کیا یہ سب مشائخ کرام جو اپنے زمانہ حیات میں ہزارہا مسلمانوں کے مقتدا و پیشوا، کیا یہ علمائے عظام، جو حنفی مسلک کے مقلد و پابند، کیا یہ قضاۃ و مفتیان کرام جو بحکام شرع و صحاب افتا تھے مدۃ العمر اپنے معتقدات مذہبی کو چھپاتے اور مخفی رکھتے اور مخلوق خدا اور سلطنت اسلامی کو دھوکہ دیتے رہے؟ سوچنے کی بات ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں چند شیعہ مبلغ وارد ہندوستان آئے تھے جنھوں نے شیعی عقائد کی تبلیغ اس ملک میں شروع کی تھی لیکن سلطان موصوف نے، چونکہ وہ بذات خود راسخ العقیدہ سُنی اور مشائخ کا معتقد تھا، اس کا سختی سے تدارک کیا۔ اس بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت رکھتا تھا، اسی بناء پر اپنی بیٹی بھی شاہ صاحب کے فرزند امیر سید عبدالعزیز کے عقد میں دیدی تھی اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے قبل واصل بحق ہو چکے تھے اور شادی کی روایت بھی، جیسا کہ دوسری جگہ تفصیلی بحث کی گئی ہے، صحیح نہیں تاہم اس روایت کو اگر باور کر لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اسکے زمانۂ سلطنت میں موجود تھے تو جو سلوک اور برتاؤ اس متعصب سُنی بادشاہ نے شیعہ مبلغین کے ساتھ کیا اور اس کی جو کیفیت اس نے خود اپنے قلم سے اپنے خود نوشت حالات میں لکھی ہے وہ اسی کے الفاظ میں سُنئے:-

"فرقہ شیعہ نے جنھیں روافض بھی کہتے ہیں، میری سلطنت میں اپنے عقائد ..... پھیلانے کی کوشش کی، رسائل اور کتابیں لکھیں اور شیعی معتقدات کی تعلیم و اشاعت بھی شروع کی تھی کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کی ہتک حرمت اور سب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اقدام کیا۔ میں نے ان سب کو گرفتار کرا لیا اور ان کے جرائم

> وقصوروں پر انہیں سخت ترین سزائیں دیں۔ اُن میں سے جو غالی شیعہ تھے انہیں قتل کرا دیا اور بقیہ کو تعذیر و تہدید یا درجرِ و تشہیر کی۔ ان کی کتابیں اور تحریریں جلا دی گئیں اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس فرقہ کے اثراتِ بد سے ملک کو قطعاً پاک و صاف کیا گیا۔[۱]

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد شاید یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ اگر حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ اس بادشاہ کے عہدِ حکومت میں موجود ہوتے اور آپ یا آپ کے اعزّا مذہباً وعقیدتاً شیعہ ہوتے تو یہ متعصب سُنّی حکمراں آپ سے عقیدت رکھنے کی بجائے آپ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتا جس کا تذکرہ اس نے خود اپنے قلم سے سطور بالا میں کیا ہے۔

مسئلۂ تقیہ میں جہاں تک خوفِ ضرر کا تعلق ہے عہدِ مغلیہ سے پیشتر اس کا امکان بتایا جا سکتا ہے لیکن شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں تو اس کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد میں غالی سے غالی شیعہ ایران سے آتا اور حسبِ لیاقت و قابلیت منصب اور عہدہ پاتا۔ شاہی بیگمات تک شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔ وزرا و امرا اور خاص مقربینِ شاہی کے زمرہ میں شیعہ موجود رہتے پھر کیا وجہ تھی کہ اس عہد میں مولانا سید محمد میر عدل ان کے نامور اخلاف یا ان کے دوسرے اعزّا نے شیعیت کا اظہار و اعلان نہیں کیا؟ اس زمانہ میں تو اس کے اظہار و اعلان میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ مولانا سید محمد میر عدل راسخ العقیدہ سُنّی اور عالم متبحر میاں حاتم سنبھلی قدس سرہٗ کے شاگرد رشید اور مرید با اخلاص تھے۔ عرصہ دراز تک وطن مالوف میں ان کا افادہ درس جاری رہا۔ ملا عبد القادر بدایونی جیسے متعصب سُنّی نے امروہہ آ کر ان سے اخذ علوم کیا تھا۔ جب دربار اکبری میں پہنچے تو ان کے تبحر علمی ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے بادشاہ بھی ان کا پاس و ادب کرتا تھا۔ اپنے معتقدات کے اتنے سخت تھے کہ کوئی مولوی خلاف سُنّت بات کہتا تو مزاج برہم ہو جاتا۔ حاجی ابراہیم سرہندی کی تو اسی بنا پر سرِ دربار فضیحت کی تھی۔ حضرت غوث صمدانی محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی سے خاص عقیدت تھی۔ حضرت پیر دستگیر

۱؎ فتوحات فیروز شاہی قلمی والمیث حصۂ سوم صفحہ ۳

الله اکبر

عکس تحریر سید ابراهیم بن سید ابوالفضل بن سید محمد میر عدل

متعلق به ص ۲۶۵

معتمد خاص کمالی خان سلمه اعلام آنکه چون مشیخت پناها موقر و وقار

میان شیخ صدرالدین حیدر ابرو به تشریف آورده‌اند و میخواهند

که چند روز آنجا بگذرانند شما را می‌باید که به همه الوان در خدمت ایشان

خود در احقاق مدعای ایشان بدو در هر هفته برخوردار محمد عاقل الاسحاق برادر ایشان

در ملازمت ایشان می بوده باشید که از دولت ملازمت ایشان

بکمال بهره دولت دارین برسد دیگر مقید و هیچ بیگه زمین مفصل

ضمن برای فقرا الملازم ایشان از جاگیر بنه نزد ولی در باره

که خوش نمایند نموده و جلب بسته بدهند و متعرف شتر و

حق ماستند در هر ات اهمال و معطل جایز مدارند تحریرا فی شهر رمضان سنه ۱۰۳۶

کے خاندان کے ایک بزرگ سید سراج الدین قادری اس زمانہ میں اکبر آباد (آگرہ) میں مقیم تھے۔ اس خاندان سے اسی عقیدتمندانہ تعلق کی بناء پر انہیں امروہہ میں مستوطن ہونے کی تحریک کی اور اپنی پوتی کو ان کے عقد میں دیا۔ مولانا سید محمد میر عدل کے فرزند سید شاہ ابوالحسن باوجود امارت کے درویش تھے' وہ اور اُن کے سب بھائی خانوادہ حضرت الٰہ بخش گنج بخش گڈھ مکتیسری کے مرید اور عقیدتمند تھے۔ میاں پیر بخش جنکا مزار مراد آبادی دروازہ کے متصل ہے' اسی خاندان سادات دربار کلاں کے عقیدتمند تھے اصرار پر امروہہ میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ میاں صاحب کی ذات سے بزرگان سادات دربار کلاں کی عقیدت و ارادت کا یہ حال تھا کہ کوئی دنیاوی کام بغیر ان سے دریافت کئے نہ کرتے حتّٰی کہ گھروں میں کھانا بھی اس وقت شروع ہوتا جب یہ سُن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا ہے۔

بزرگان سادات امروہہ اولادِ حضرت شاہ ولایتؒ کو حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ اور آپ کے فرزند با کمال حضرت شاہ صدر الدین قدس اللہ اسرارہم سے بھی عقیدت تھی۔ اس سلسلہ میں سید ابراہیم بن سید ابوالفضل بن مولانا سید محمد میر عدل کی دلچسپ تحریر' جو انہوں نے کبھی اپنے معتمد خاص کمال خان کے نام بھیجی تھی اور حسن اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کے خاندان کے ایک سن رسیدہ بزرگ پیر نور دو علی ابن پیر احمد علی کے کاغذات میں دستیاب ہوئی' ذیل میں درج کرتا ہوں۔ حضرت شاہ صدر الدینؒ کا قیام اکثر امروہہ سے باہر رہتا تھا' سید ابراہیم کو آپ سے عقیدت و ارادت تھی۔ ایک مرتبہ جب آپ وطن تشریف لانے لگے سید ابراہیم موصوف نے اپنے معتمد خاص کمال خان کو تحریر فرمایا۔

اللہ اکبر

"معتمد خاص کمال خان را اعلام آنکہ چوں شیخت پناہ تقوی دثار میاں شیخ صدر الدین جیو بامروہہ تشریف آوردنی خواہند کہ چند روز آنجا بگذرانند' شما را می باید کہ ہمہ اسباب در خدمت ایشاں خود را معاف ندارید و در ہر ہفتہ برخورداری محمد عاقل را مع برادران در ملازمت ایشاں می بردہ باشید کہ از دولت ملازمت ایشاں بکمال بہتری دولت

دارین رسند۔ دیگر یک صد بیگہ زمین بتفصیل ضمن برائے فقرا ملازم
ایشان از جاگیر پرگنہ زولی در ہر دہ کہ خوش نماید بموجب   در کچہ بستہ بدہ ہنگ مقرر شد
گشتہ در یاد حق باشند۔ درین باب اہمال و تعطل جائز ندارند۔ تحریر فی التاریخ ۷ شعبان سنہ ۱۰۲۳ھ"

سید ابراہیم کی اولاد کا بیشتر حصہ اب تین تین چار چار پشت سے شیعی مذہب ہے لیکن اس تحریر کے مطالعہ سے ہر انصاف پسند کو غور کرنا چاہئے کہ کیا یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے متعلق مشرخوں کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بھی نسل اپنے موجودہ اخلاف کے مذہباً و عقیدتاً شیعہ تھے۔ کیا کسی شیعہ کو بزرگان طریقت و مشائخ کے ساتھ، جو اس کے اصول مذہب کے کلیتاً خلاف ہوں، ایسی غیر معمولی عقیدت و نیاز مندی ہو سکتی ہے جس کا اظہار مندرجہ بالا تحریر میں کیا گیا ہے؟ طرفہ یہ ہے کہ سید ابراہیم اپنی اولاد کے لئے بھی تاکید کرتے ہیں کہ وہ ان بزرگ کی خدمت و صحبت سے بہرہ اندوز سعادت ہوں اور "دولت دارین" حاصل کریں۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ دوسرا قدیم خاندان سادات کا **قاضی زادگان** کا ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے اواخر عہد سے اس خاندان میں نسلاً بعد نسل امروہہ کے قاضی ہوتے رہے [1] جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، اس عہدہ پر کسی شیعہ کا تقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سب حضرات جو عہدۂ قضا پر مامور ہوئے سُنّی المذہب حنفی مسلک کے مقلد اور پیرو تھے اور بحیثیت قاضی نہ صرف حاکم شریعت تھے بلکہ مسلمانان شہر کے پیش امام بھی تھے جمعہ و جماعات و عیدین کی امامت کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ ان کے اسناد تقرر میں جمعہ و جماعات کی اقامت کے الفاظ خاص طور سے مندرج ہوتے تھے۔

"در فیصل قضایا و خصومات و اجرائے حدود و تعزیرات و اقامت جمعہ و جماعات
و ترغیب مردم بطاعات و انکاح من لا ولی لہ و قسمت ترکات و حفظ اموال غیب و
ایتام و تعیین اوصیاء و نصب قوام ...... الخ" [2]

ظاہر ہے کہ ان فرائض کی بجا آوری کے لئے نہ سُنّی حکومت کسی شیعہ کا تقرر کر سکتی تھی اور نہ شہر کے عام مسلمان جو سب کے سب سُنّی حنفی مذہب تھے، اس تقرر کو قبول کر سکتے تھے اور نہ کسی شیعہ امام کے پیچھے جمعہ و جماعات عیدین کی

---

[1] ملاحظہ ہو فہرست قضاۃ امروہہ۔ [2] اسناد تقرر قضاۃ۔

نماز پڑھ سکتے تھے۔ علاوہ ازیں سلطنت اودھ کے تسلط سے پہلے شیعہ حضرات میں جمعہ و جماعات کی نماز پڑھنے کا دستور بھی کہیں نہ تھا۔ شیعان ہند میں جمعہ و جماعات کی نماز پڑھنے کا رواج سب سے پہلے نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے یعنی سنہ ۱۱۹۱ھ کے بعد سے شروع ہوا۔ اس کے بانی نواب موصوف کے نائب حسن رضا خان تھے۔ ایک شیعہ مؤرخ سید غلام علی خان صاحب عماد السعادت لکھتے ہیں :-

"الغرض حسن رضا خان بہادر سوائے سیر و شکار در رکاب جناب عالی و صوم و صلوات با ہیچ چیز سروکار نداشت و بانی جمعہ و جماعات اثنا عشریاں در لکھنؤ او بودہ است در ہیچ شہری از شہرہائے ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب امامیہ رائج نہ بود بلکہ کسے را گمان ایں ہم نبود کہ در ایران و بلاد عرب نماز جماعت در میان اثنا عشریاں گذاردہ می شود" ۱؎

غرضیکہ حسن رضا خان سوائے شیر و شکار اور جناب عالی (یعنی نواب آصف الدولہ بہادر) کی ہمرکابی اور نماز روزے کے کسی بات سے تعلق نہ رکھتے تھے لکھنؤ کے شیعوں میں نماز جمعہ و جماعت کے شروع ہونے کے وہی بانی مبانی تھے اور ہندوستان کے کسی ایک شہر میں بھی نماز جمعہ و جماعت مذہب امامیہ میں رائج نہ تھی بلکہ کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا ایران اور عرب کے شیعوں میں جماعت سے نماز ہوتی ہے۔

انقلاب سلطنت کے بعد بھی جب قاضی کا کام صرف نکاح پڑھانا رہ گیا تھا مسلمانان شہر اسی خاندان کے قاضی سے نکاح پڑھواتے اور عیدین کی نماز ان کے پیچھے پڑھتے رہے۔ قاضی ایزد بخش کے زمانہ تک ' جو خود عالم نہیں تھے اور اس وجہ سے امامت نہیں کر سکتے تھے ' معمول قدیم کے مطابق نماز پڑھانے کی اجازت ان سے حاصل کیجاتی تھی اور عیدین کا خلعت بھی ان کو ملتا تھا لیکن آخر میں جب اس خاندان میں بھی شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا سنیوں نے نائب قاضی کو جو سنی مذہب تھے ' اپنا قاضی بنایا اور سنی عالم کو جمعہ و عیدین کی امامت کے لئے مقرر کیا۔

حضرات قاضی زادگان کی ایک شاخ میں جو "سادات بھوکہ" کے لقب سے مشہور ہو' سنیت کا سلسلہ اباً عن جدٍ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ اس شاخ کے جد الفقیہ سید محمد فاضل کی اولاد میں شاہ جعفر علی

۱؎ عماد السعادت مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۱۲۷۔

شاہ صابر علی، شاہ قمر علی و شاہ مہر علی وغیرہ یہ سب بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے بخوبی ثابت ہے کہ ترک و توکل ان حضرات کا شیوہ تھا اور سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ اکثر حضرات کو مدد معاش میں روزینہ ملتا تھا۔ شاہ **صابر علی** جو اسم بامسمّٰی تھے سلسلۂ نقشبندیہ میں عارف باللہ شاہ **رحمت اللہؒ** کے مرید مجاز و خلیفہ تھے۔ سید عمر وغیرہ نام اس شاخ میں بھی عام طور سے رکھے جاتے تھے۔ اس خاندان کی دوسری شاخ یعنی خاندان سید نجف علی (پچھوبہ والے) اباً عن جدٍ سنّی المذہب تھا۔ بعض اشخاص نے زمانۂ حال میں شیعی مذہب قبول کیا ہے۔ سید سبط حسن سنّی المذہب کے صاحبزادوں میں ایک بھائی سید سبط رسول شیعہ ہو گئے ان کے دوسرے بھائی سید سبط نبی وغیرہ اپنے قدیم اور آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ شیعہ خاندانوں سے رشتہ و قرابت کی بنا پر جس طرح سادات امروہہ کے دوسرے سنّی خاندانوں کے افراد رفتہ رفتہ شیعہ ہوتے رہے ہیں اس خاندان کے بعض نوجوان بھی چند سال سے شیعہ ہو گئے ہیں ورنہ کچھ عرصہ پیشتر اس خاندان میں فرد واحد بھی شیعہ نہیں تھا۔

تیسرا قدیم خاندان حضرت شاہ **نصیر الدین** چشتی قدس سرہٗ کا ہے۔ شاہ صاحب کے جد اعلیٰ مولانا بدرالدین اسحاق دہلوی حضرت بابا **فرید الدین** فاروقی گنج شکر قدس سرہٗ کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دو فرزند صاحب کمال ہوئے خواجہ محمد امام اور خواجہ موسیٰ۔ یہ دونوں بھائی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا دہلوی کے تربیت یافتہ اور مرید تھے۔ خواجہ محمد امام حضرت سلطان المشائخ کے جانشین بھی تھے اور ان کے فرزند **خواجہ فخر الدین** امروہہ آئے[1]۔ ان ہی **خواجہ** فخر الدین کے پوتے حضرت شاہ نصیر الدین چشتی تھے جو اپنے زمانہ میں خانوادۂ مشائخ چشتیہ کے مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ آپ کی نسل میں درویشی اور سجادہ ارشاد و بیعت کا سلسلہ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ آپ کے فرزند **شیخ محمد یوسف**[2] اور ... تھے

---

[1] خواجہ امام کے چار فرزند ہوئے خواجہ فخر الدین، خواجہ جلال الدین، خواجہ داؤد اور خواجہ مسعود۔ اول الذکر کی اولاد امروہہ و نوگانواں میں ہے۔ خواجہ داؤد کی نسل سے خواجہ حسن نظامی دہلوی کا خاندان ہے جو اباً عن جدٍ سنّی ہے۔ اس خاندان میں اس وقت پچاس ساٹھ مرد و عورت اور بچے ہیں۔ شاہ نصیر الدینؒ اور آپ کے خلفاء کی نامی گرامی تھے بوجہ شہرت زمانہ میں قطعہ شیخ لکھا جاتا تھا۔

[2] جواہر فریدی۔

فرزند شیخ **فتح اللہ** قدس اللہ اسرارہم سجادۂ پدری پر متمکن رہے۔ شاہ صاحب کے بنی اعمام کی اولاد میں جو نوگانوہ میں ساکن ہیں مشائخ ہوتے رہے۔ یہ خاندان بھی آبائی حنفی سنی المذہب تھا۔ شاہ **غلام نبی** ساکن روگانوہ پچھلے زمانہ کے مشائخ میں سے تھے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مرید و مجاز تھے۔

حضرت شاہ نصیر الدین چشتی کے اخلاف میں سید عبد الرسول عرف **میراں خاں** جو موجودہ سادات نوگانواں کے مورث ہیں مذہباً سنی حنفی مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ ان کے زمانہ میں شاہ صاحب کا عرس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا خانقاہ بھی آباد تھی۔ حضرت باباصاحب اور حضرت پیر دستگیر محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی کی گیارھویں اور نیاز و فاتحہ دلانے کا دستور میراں خاں کے بہت بعد تک بلکہ کچھ عرصہ پیشتر تک اس خاندان میں قائم رہا۔ حضرت پیر دستگیرؒ اور دوسرے اکابر مشائخ سے عقیدت کی بنا پر اس خاندان میں بچوں کے نام عطا محی الدین، غلام محی الدین، عنایت محی الدین، غلام قطب الدین، غلام نصیر الدین وغیرہ عام طور سے رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح **قبیلہ نخشبیاں** میں بھی نسلاً بعد نسل سنی المذہب علماء و فضلا اور مفتی ہوتے رہے جو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک اور فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ مفتی ہونا اور اہل سنت باشندگان امروہہ کا مسائل شرعیہ کے متعلق ان سے فتاوے حاصل کرنا ہی اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ خاندان سنی المذہب خاندان تھا۔ علاوہ علماء کے اس خاندان کی بعض شاخوں میں مشیخت کا سلسلہ بھی عرصہ دراز تک جاری رہا۔ مولف آل حسن نخشبی نے اپنے پردادا کے مذہب امامیہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں خاندان نخشبیاں کی مذہبی حالت کا اظہار اپنی تالیف تحفۃ التواریخ میں بہ الفاظ ذیل کیا ہے :-

سید علی احمد در ابتدا مذہب قدیم اہل سنت و جماعت	سید علی احمد اپنے قدیم مذہب اہل سنت والجماعت
داشت چوں او را و ہم دیگر سادات جاگیردار این	پر قائم تھے چونکہ انکو اور دوسرے سادات جاگیرداران
امروہہ را بہ استخلاص محال جاگیر ضبط کردۂ نواب	امروہہ کو بغرض بحالی محال جاگیر جو نواب آصف الدولہ
آصف الدولہ کہ در آن وقت متصرف این ممالک بود	حاکم وقت نے ضبط کرلئے تھے لکھنؤ جانے کا اور کچھ عرصہ
اتفاق بہ لکھنؤ افتاد و چندگاہ در آنجا اقامت اختیار کردند	وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا و شمل مشہور ہو تحم تا شیر صحبت اثر

صحبت ہائے شیعیان آنجا کہ ساعون کار آنان بودند بروا شتند بمقتضائے الصحبۃ موثرۃ مذہب تشیع اختیار کردند پیش ازیں درین سلسلہ کسے متہم بہ تشیع نشدہ[1]

لکھنؤ کے شیعوں کی صحبت سے جو اس کام میں ان کے ساعون تھے مذہب تشیع اختیار کر لیا ورنہ ان سے پہلے اس خاندان (یعنی تخشیلی) میں کوئی شخص شیعہ نہ تھا

مولانا آل حسن کے دادا مولانا امام الدین نے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی تھے مذہب قدیم اہل سنت و جماعت اختیار کیا اور ان کے خاندان کے دوسرے اشخاص بھی جو خوش استعداد عالم تھے مثلاً مولانا آل حسن کے چچا مولوی کریم بخش جو مولانا تراب علی لکھنوی اور شاہ عبد الغنی دہلوی کے شاگرد اور مولانا عبد الحی کے مرید و مجاز تھے نیز ان کے فرزند مولوی ابن حسن وغیرہ یہ سب سنی المذہب تھے۔

سادات قاطمی کے جو خاندان امروہہ میں زیادہ قدیم ہیں ان میں حضرات **دانشمندان** کا خاندان علماء فضلا کا مقتدر خاندان رہا ہے۔ اس خاندان کے غالباً تمام افراد اب شیعی مذہب ہیں لیکن ان کے جد القبیلہ مولینا **سید اشرف** دانشمند سنی حنفی عالم متبحر اور فقیہ فاضل تھے۔ سنبھل کے خاندان مشائخ میں ان کی شادی ہوئی اس مذہب سے حضرت **سید محمود رضوی** قدس سرہ متولد ہوئے جو اپنے زمانہ کے صاحب کمال بزرگ ولی کامل اور تاج العارفین شیخ تاج الدین سنبھلی کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دونوں فرزند سید عصمت اللہ عرف شاہ بھونڈا اور سید حاجی محمد قدس اللہ اسرارہم سلسلہ چشتیہ کے مشائخ تھے۔ سید عصمت اللہ کے فرزند سید رحمت اللہ بھی صوفی منش بزرگ تھے۔ ان کے کئی فرزند عالم فاضل اور صاحب منصب و جاگیر ہوئے۔ قاضی سید محمد فیاض سنہ جلوس جہاندار شاہ مطابق سنہ ۱۱۲۴ھ پرگنہ مرادآباد کے عہدۂ محتسب پر اور سنہ جلوس فرخ سیری (مطابق سنہ ۱۱۲۵ھ) میں صوبۂ قنوج کے قاضی مقرر ہوئے۔ قاضی اور محتسب کے عہدہ پر کسی شیعہ کا ہرگز تقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ محتسب کا عہدہ ہی اولاً شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہ جیسے ذی علم اور راسخ العقیدہ سنی بادشاہ نے قائم کیا تھا غرضکہ ابتداءً یہ خاندان مشائخ و علماء و قضاۃ بھی نسلاً بعد نسل سنی المذہب تھا۔

خاندان سادات **چہرہ ودیہ** جو شاہ ولایت نبوی ہیں بارہویں صدی ہجری کے آخری سنین تک سنی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جد القبیلہ سید **خوند سعید**[2] اور ان کے فرزند **سید اشرف** عالم فاضل صوفی منش

---

[1] منتخبۃ التواریخ صفحہ ۲۔ [2] تاریخ واسطیہ کے مطبوعہ شجرہ میں ان کا نام "اخوان سعید" درج ہے جو صحیح نہیں ہے۔

تھے۔ اس خاندان میں بھی غلام محی الدین، پیر بخش اور دستگیر وغیرہ نام رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح خاندان سادات **دستار سیاہ** (کالی پگڑی) جو نسباً حسنی سید ہیں ہمیشہ سے سُنّی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جدِّ قبیلہ حضرت **شیخ فتح اللہ** شیرازی قدس سرہٗ جو صاحب کمال بزرگ تھے ایران سے ہندوستان آئے۔ ان کی اولاد میں **شیخ نصر اللہ** اور ان کے فرزند عارف باللہ **شاہ شکر اللہ** قادری صاحب ارشاد و ہدایت ہوئے۔ سجادگی کا سلسلہ کئی پشت تک ان کی نسل میں متوارث رہا۔ خانقاہ بھی بارہویں صدی ہجری تک آباد تھی۔ ان میں مولوی سید حسن علی کا خاندان ہے جو خود بھی سُنّی تھے۔ ان کے پوتے سید حامد علی و احمد علی وغیرہ اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ منشی اظہر علی وغیرہ جو نسباً اس خاندان سے نہیں ہیں غالباً کسی شجرہ کے تعلق کی بنا پر اپنے کو اس خاندان میں ظاہر کرتے ہیں، البتہ شیعی مذہب ہیں۔

تقریباً یہی حال سادات فاطمی کے چند اور خاندانوں کا بھی ہے۔ ان خاندانوں کے مورثوں کا زمانہ شاہانِ مغلیہ کا زمانہ ہے جبکہ ہندوستان میں ہزاروں شیعہ موجود تھے جن میں امرا بھی تھے اور بڑے بڑے عمالِ حکومت بھی۔ امروہہ کے ان خاندانوں کے مورثوں کو اپنے عقائد مذہبی کے اخفا کے لئے کوئی وجہ بھی موجود نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بزرگانِ دین، علما اور فضلا مذہباً و عقیدتاً سُنّی حنفی تھے۔ ان کے لئے نہ خوف و خطر تھا اور نہ طمعِ زر۔

تفریق مذہب کی ابتداء

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسٹر شوبل نے جن لوگوں کا یہ مقولہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے صفحہ مندرجہ بالا حاشیہ میں درج کیا ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سید شیعی مذہب تھے ہر انصاف پسند تسلیم کرے گا کہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ خیال ہرگز صحیح نہیں بلکہ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سادات کا مذہب اہلِ سُنّت والجماعت تھا اور یہی ان کا قدیم اور آبائی مذہب تھا اور ایک حصہ کا اب تک ہے لہٰذا اب یہ سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے کہ پھر یہ تفریقِ مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی۔

(بسلسلۂ گذشتہ) کاغذات میں جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں "خند سعید" تحریر ہے۔ "خند" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بزرگ کے ہیں۔ یہ لفظ اصلاً "اخوند" کا مخفف ہے۔ "خند سعید" اپنے زمانہ کے عالم تھے درس دیتے تھے اسلئے "اخوند" کا لفظ بمعنی استاد ان کے نام کا جز ہو گیا۔ [لے امروہہ میں سادات فاطمی کے باقی خاندان مثلاً سادات کاظمی ساکنان محلہ کٹکوئی و سادات حسنی ساکنان محلہ جِلد و شاہ علی سرائے اباً عن جدٍ سُنّی حنفی ہیں

اس کا جواب مسٹر نول کے مندرجہ بالا اقتباس ہی کی آخری سطور میں ملتا ہے یعنی امروہہ کے مسلمانوں میں مذہبی تفریق نوابان اودھ کے زمانہ سے' جو بذات خود غالی شیعہ تھے' شروع ہوئی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اودھ اور روہیلکھنڈ میں نواب آصف الدولہ نے شیعہ مذہب کی تبلیغ کی مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ' جو ضلع رائے بریلی کے قدیم اور مشہور خاندان سادات کے نامور رکن' عالم' ادیب' و طبیب حاذق ہونے کے علاوہ' فاضل مورخ بھی تھے لکھتے ہیں:-

"نواب آصف الدولہ[1] کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہو و لعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انہوں نے دل سے کوشش کی۔ ان کے نائب حسن رضا خان بھی مذہبی آدمی تھے' وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے اور انکو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں بحق سرکار

(بسلسلہ گذشتہ) شاہ علی سرائے والوں میں سے مولوی محمد احسن نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا۔ ان خاندانوں میں نیز اسی طرح یہاں کے دوسرے فاطمی سیدوں میں کسی نے مذہب امامیہ اختیار نہیں کیا۔]

[1] نواب آصف الدولہ یحیٰی علی خان ہزبر جنگ بہادر نواب شجاع الدولہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ بہو بیگم جنکا اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا انکی والدہ تھیں۔ یہ موتمن الدولہ نواب محمد اسحٰق شوستری کی بیٹی تھیں' محمد شاہ بادشاہ نے انکو اپنی بیٹی بنایا تھا اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی۔ جہیز میں ان کو لاکھوں کا مال و متاع ملا تھا۔ نہایت فیاض اور حلیم تھیں۔ پونے دو کروڑ روپیہ کے قریب انہوں نے ایک وثیقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تحویل میں دیدیا تھا جس سے آج تک ان کے اعزا اور متوسلین کی اولاد کی پرورش ہوتی ہے۔ آصف الدولہ سنہ ۱۱۸۸ھ میں مسند وزارت یعنی حکومت صوبہ اودھ کی مسند پر بیٹھے۔ ماں کی فیاض طبعی کا حصہ انکو بھی ملا تھا' لکھنؤ کے دوکاندار آج تک ان کا نام لیکر دوکان کھولتے ہیں اور فقرہ لکھنؤ میں بطور ضرب المثل بولا جاتا ہے "جس کو نہ دلائے مولیٰ اسے کیا دیں آصف الدولہ"۔ لکھنؤ کا مشہور امام باڑہ' رومی دروازہ' باؤلی' مسجد' بھول بھلیاں جیسی شاندار اور مشہور عمارتیں انکی یادگار ہیں۔ فیض آباد کی بجائے

مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں، ضبط کی گئیں۔" لہ

نوابان اودھ میں سب سے پہلے نواب وزیر، نواب برہان الملک شیعہ تھے۔ انہوں نے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اپنے زیر حکومت تمام صوبوں کے علماء کی جو اس زمانہ میں سب کے سب سنی المذہب تھے، جاگیریں اور املاک مدد معاش ضبط کرلی تھیں۔ اس کے متعلق ایک زبردست شہادت ایک معاصر غیر شیعہ مورخ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی لہ کا بیان ہے۔ علمائے بلگرام کے تذکرے میں جو اس زمانہ میں سب کے سب بلا استثناء سنی المذہب تھے اور جن کی املاک و سیورغالات ضبط کرلی گئی تھیں علامہ ممدوح فرماتے ہیں:

تا حدود سنہ ۱۱۳۰ھ ہنگامۂ علم و علما درین گل زمین (یعنی قصبۂ بلگرام) گرمی داشت تا آنکہ برہان الملک سعادت خان نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبۂ اودھ شد و اکثر بلاد عمدۂ صوبہ الہ آباد نیز داخل آن بود مثل جون پور و بنارس و غازی پور و کڑہ و مانک پور و کوڑہ جہان آباد و غیرہا ضمیمۂ حکومت گردید و وظائف و سیورغالات خانوادۂ قدیم و جدید یک قلم ضبط شد و کار شرفا و نجبا بہ پریشانی کشید و اضطرار مردم آنجا از کسب علم باز داشت	سنہ ۱۱۳۰ھ تک اس سرزمین (یعنی قصبۂ بلگرام) میں علم و اہل علم کا خوب چرچا تھا حتی کہ محمد شاہ بادشاہ کے شروع زمانہ سلطنت میں برہان الملک سعادت خان نیشاپوری صوبۂ اودھ کے حاکم مقرر ہوئے اور اکثر عمدہ صوبے یعنی الہ آباد، جون پور، بنارس، غازی پور، کڑہ، مانک پور، کوڑہ جہان آباد وغیرہ بھی ان کے تحت حکومت میں دے دیئے گئے، اسوقت سے شرفاء (سادات) کے قدیم و جدید خاندانوں کے وظیفے اور املاک مدد معاش یکقلم ضبط کرلی گئیں۔ شرفاء و نجیب پریشان روزگار ہو گئے اور حصول معاش کی پریشانی نے وہاں کے آدمیوں کو حصول علم سے باز رکھا...

(بسلسلہ گذشتہ) لکھنؤ کو دارالحکومت بنایا تھا۔ سنہ ۱۲۵ھ میں استسقاء کی بیماری میں انتقال ہوا۔ [لے اکل تاریخ صفحہ ۱۰۳

لہ علامہ میر غلام علی آزاد بن سید نوح بلگرامی یکشنبہ ماہ صفر سنہ ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں پیدا ہوئے۔ بارہویں صدی ہجری کے فاضل ادیب اور مورخ تھے سنہ ۱۲۰۰ھ میں بمقام روضہ نواح اورنگ آباد دکن چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ سرو آزاد، ید بیضا، خزانۂ عامرہ، روضۃ الاولیاء، سبحۃ المرجان، مآثر الکرام انکی شہرۂ آفاق تصانیف ہیں۔

ورواج تدریس و تحصیل بآں درجہ نماند کہ از عہد قدیم معدن علم و فضل بود یک قلم خراب افتاد و انجمن ہائے ارباب کمال متشتّر برہم خورد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ و بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بخواہر زادۂ او ابوالمنصور خان صفدر جنگ رسید و وظائف و اقطاعات بدستور زیر ضبط ماند و در عہد محمد شاہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز بہ صفدر جنگ مقرر شد و تتمہ وظائف آں صوبہ کہ تا حال از آفت ضبط محفوظ ماندہ بود بضبط در آورد و در عہد احمد شاہ

اور تعلیم و تعلّم کی وہ حالت باقی نہ رہی جو بہت زمانۂ قدیم سے علم و فضل کے معدن و مرکز تھے سب پر تباہی آگئی۔ اہل کمال کی انجمنیں منتشر ہو گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ برہان الملک کی وفات کے بعد ان کے بھانجے ابو المنصور خان صفدر جنگ مسند حکومت پر بیٹھے۔ وظیفے اور املاک بدستور ضبط رہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے آخر عہد یعنی ۱۱۵۹ھ میں الہ آباد کی صوبہ داری بھی صفدر جنگ کو دی گئی۔ اس صوبے کے وظیفے (املاک مدد معاش) جو اس وقت تک ضبط ہونے کی بلا سے محفوظ تھے ضبط کر لیے گئے۔ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں

در سلسلۂ گذشتہ، صمصام الدولہ شاہ نواز خان کی بے نظیر تالیف مآثر الامرا کی تکمیل و تہذیب ان ہی کے قلم کا کرشمہ ہے۔ سنہ ۲ (صفحہ ۲۷۳) مولوی عبد الحق صاحب مآثر الکرام کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرہ میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ ان علماء و فضلاء میں گو آپ میں سے جن کا اس میں ذکر ہے ایک بھی اہل تشیع میں سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے وہاں بعد کو زمانہ میں رواج پایا"۔ بزرگان سادات بلگرام جو نسباً زیدی ہیں علامہ میر **عبد الجلیل** جامع علوم اور عہد عالمگیری کے مشہور اور متبحر علماء میں سے تھے۔ اس زمانہ کا ذوق علمی دیکھیے۔ صوبہ بھکر و سیوستان کی بخشی گری و سوانح نگاری و وقائع نویسی کی اہم خدمات پر مامور ہیں۔ آخر ایام ملازمت میں صحیح بخاری کی کتابت اور مقابلہ کا علمی شغل ہے حکم شاہی پہنچا ہے کہ عہدہ کا چارج دوسرے کو دیدو۔ تعمیل حکم کرتے ہیں اور اس زمانہ میں کتابیں کیا باقی ہیں صحیح بخاری کی کتابت کا کام بدستور جاری ہے۔ پر محض اسی لئے بھکر کے قریب چھ ماہ ایک چھوٹے شہر میں خیمہ ڈالے مقیم رہتے ہیں اور جب یہ کام ختم کر لیتے ہیں تو دہلی کی جانب کوچ ہوتا ہے۔ اس شغف علمی کی کوئی مثال آج کل یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ طبقے میں پیش کی جا سکتی ہے؟ سنہ ۳ نواب برہان الملک کا اصلی نام میر محمد امین اور برہان الملک سعادت خان بہادر خطاب تھا۔ سلسلۂ نسب بروایت صاحب عماد السعادت سید زید بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔

صفدر جنگ بہ پایہ وزارت اعلیٰ صعود نمود و نائب صوبہ، کاربرار باب وظائف تنگ گرفت و تا حینِ تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار است۔[1]	صفدر جنگ وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے اور نائب صوبہ نے ارباب وظائف پر اور بھی زیادہ تباہی آئی اور اس کتاب کی تحریر کے وقت تک یہ شہر حوادث زمانہ سے پامال ہے۔

۱۱۸۸ھ میں روہیلکھنڈ بھی نوابان اودھ کے قبضہ میں آگیا۔ یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ کا تھا جو اپنے پدر بزرگوار صفدر جنگ کے بعد مسند حکومت پر بیٹھے۔ دس ماہ کے بعد شجاع الدولہ کا بھی انتقال ہوگیا تو ان کے اکلوتے بیٹے نواب آصف الدولہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ کو مسند نشین ہوئے۔ انہوں نے علی الاعلان مذہب تشیع کی اشاعت میں کوشش کی۔ ان ہی کے وقت سے اودھ میں بھی اس مذہب نے رواج پایا۔ مولوی عبدالحق بی۔ اے (علیگ) پرنسپل اورنگ آباد کالج و سیکریٹری انجمن ترقی اردو ماثر الکرام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"یہ امر واقعی ہے کہ اودھ کی سلطنت نے خاصکر آس پاس کے اضلاع و قصبات پر اور بعض اوقات دور دراز کے مقامات پر بھی مذہبی لحاظ سے خاص اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ جونپور و دیگر مضافات لکھنؤ وغیرہ کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ امر پایہ تیقن کو پہنچ جاتا ہے جب مذہب کی پشتی پر حکومت ہوتی ہے تو حالت اندیشناک ہو جاتی ہے۔ میرا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام لیا بلکہ بات یہ ہے کہ جاہ طلبی اکثر لوگوں کی نیت کو، جو اعتقاد کے کچے ہوتے ہیں، ڈانواں ڈول کر دیتی ہے۔ ایسا ہی ہر جگہ ہوا ہے۔"[2]

مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام نہیں لیا۔ مجھے اپنے محترم دوست کی اس رائے سے اختلاف ہے۔ جبر و تعدی کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ کسی شخص کی جائداد و جاگیر بلا کسی جرم و قصور کے اگر ضبط کر لی جائے اور واگذاشت کے لئے تبدیل مذہب کا لالچ دیا جائے تو

---

[1] ماثر الکرام صفحہ ۲۲۲۔

[2] مقدمہ ماثر الکرام مؤلفہ علامہ آزاد بلگرامی مطبوعہ .... صفحہ ۱۲

کیا اسے جبر و تعدی نہ کہا جائے گا۔

صوبہ اودھ میں تبلیغ شیعیت کے متعلق مولانا حکیم سید عبد الحی مرحوم مندرجہ بالا اقتباس میں فرماتے ہیں کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں :-

ہزاروں خاندان سُنّی سے شیعہ ہوگئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور **جو اپنی ضد پر قایم رہے انکی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں۔**"

اس قول کی تائید میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ نواب مدار الدولہ کے والد خواجہ موسیٰ خان جنکا خاندان مشائخ نقشبندیہ سے تھے سُنّی المذہب تھے۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ نواب برہان الملک کی صحبت میں جو پہلے نواب وزیر تھے، مذہب شیعہ اختیار کیا تھا لیکن تقیہ میں تھے ان کے فرزند نواب مدار الدولہ نے شیعیت کا اعلان کیا ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر انعام میں ملی۔ ایک شیعہ مورخ لکھتے ہیں کہ :-

"خواجہ موسیٰ خان از جہت تولّد در توران و صحبت بزرگان خود سُنّی بود در ہندوستان چوں صحبت نواب برہان الملک دریافت بمذہب اثنا عشری میل نمود لیکن بکمال اخفا و مدار الدولہ ہرگز اخفائے مذہب کہ مدار اثنا عشریاں تقیّہ ہمیست بخاطر نہ داد و بہ اعلان تمام تعصب داری می کرد و حالا در لکھنؤ جاگیر شصت ہزار روپیہ از سرکار وہ لہذا برائے او مقرر است۔"[1]

خواجہ موسیٰ خان بوجہ ملک توران میں پیدا ہونے اور اپنے بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے سُنّی تھے جب نواب برہان الملک کی صحبت میں رہے تو مذہب امامیہ کی جانب مائل ہوئے لیکن نہایت خفیہ طریقہ پر اور مدار الدولہ جو ان کے فرزند تھے اپنے مذہب کا اخفا جسکو امامیہ مذہب میں تقیہ کہتے ہیں ہرگز نہ کرتے تھے بلکہ علی الاعلان تعصب داری کرتے تھے اور اب لکھنؤ میں انکو ساٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر سرکار سے ملی ہوئی ہے۔

برخلاف اسکے جن امرا کی جاگیریں شاہان مغلیہ کی عطا کردہ تھیں اور وہ مذہب کے معاملہ میں اپنی ضد پر قایم رہے ضبط کی گئیں۔ امروہہ میں بعض مثالیں اسکی تائید میں ملتی ہیں۔ سادات امروہہ اولاد حضرت

---

[1] عماد السعادت

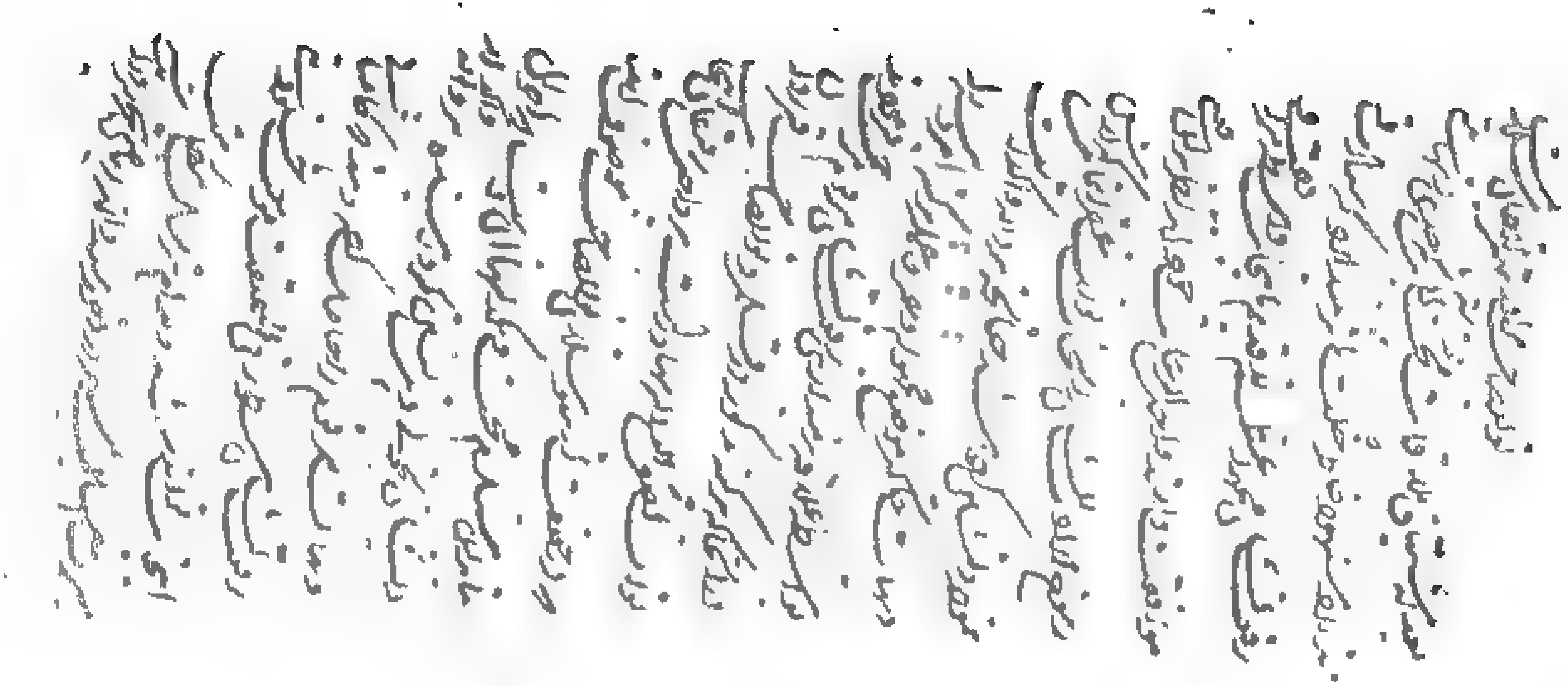

عکس تمسک بحالی و واگذاشت جاگیر سند علی اعظم خان (گھڑیال والے)

ضبط کردہ نواب آصف الدولہ بہادر

متعلق ص

شاہ ولایتؒ میں سید علی اعظم خان (دگمڑیال والے) کا خاندان آباعن جد سنی حنفی ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے سے اس خاندان میں نامور منصب دار اور امرا ہوتے رہے۔ شاہان مغلیہ اور سلطنت اسلامی کی شاہانہ خدمات کے صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ جب روہیلکھنڈ کا علاقہ نوابان اودھ کے زیر حکومت آیا تو نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں اور جاگیرداروں کی طرح انھیں بھی پروانہ واگذاشت ملا لیکن جب نواب آصف الدولہ بہادر مسند حکومت پر بیٹھے تو سید علی اعظم خان سے بھی جو اس زمانہ میں امراء وقت کے بڑے جاگیردار تھے مذہب شیعہ اختیار کرنے کی تحریک ہوئی اور بصورت انکار ضبطی جاگیر کی دھمکی دی گئی لیکن سید موصوف نے اس نازک وقت میں بھی دنیاوی مال و دولت پر اپنے عقائد مذہبی کو ترجیح دی۔ اس طرز عمل کی پاداش میں شیعہ حکومت نے ان کی جاگیر کے سوا ضمانت مجوزہ وغیرہ عطیۂ شاہان مغلیہ ضبط کرلئے۔ کسی معمولی شخص کا معاملہ ہوتا تو اس زمانہ میں شخصی حکومت کے استبداد کے خلاف چارہ کار ہی کیا تھا مگر سید علی اعظم خان[1] خود بھی منصب دار تھے۔ شاہ دہلی کے وزرا سے ان کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہاں سے نواب آصف الدولہ کے نائب حسن رضا خان پر جو ان کارروائیوں کے بانی مبانی تھے زور ڈالا گیا تب جاکے یہ جاگیر واگذاشت ہوئی اس سلسلہ میں شاہ دہلی کے وزیر کی ایک سفارشی تحریر جو نواب آصف الدولہ کے ایک مقرب خاص کے نام ہے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے شائع کرنا بے محل نہ ہوگا۔ یہ اصل تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے۔ کاغذ افشاں ہے جس پر طلائی کام ہے۔ اس کا عکس بھی شائع کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب بہادر مہربان سلامت

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات کہ حد بے نہایت ندارد مشہود خاطر خلت مآثر میدارد

کہ سیادت و رفعت نشان محمد اعظم ازقدیم بآنجناب واسطہ مراعت و موافقت

دارند واجب از رعایت خود اند نظر براین معنی رسوخ ارادت ایشاں را بجناب نواب

---

[1] ان کا اصلی نام "سید محمد اعظم" تھا اور "علی اعظم خان" خطاب۔ ملاحظہ ہو حصہ دوم۔ سید علی اعظم خان حضرت شاہ عبد آبادی قدس سرہ سے بیعت ارادت رکھتے تھے ان کے نامور فرزندوں میں سید بنیاد علی خان صوفی اور راسخ العقیدہ سنی تھے انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سادات کی برادری میں شیعہ سنیوں کی باہم مناکحت و رشتہ داری کے

غفران مآب گذارش نموده دلنشین گردانید چنانچه پروانه واگذاشت دیہات جاگیر محولہ
وغیره عمله پرگنه امروہہ را بواسطهٔ علاقهٔ زمینداری رفعت نشان مرقوم مرحمت فرمودند
اما نجا که پرگنهٔ مذکور در قلمرو نواب صاحب قدردان نواب آصف الدوله بهادر است بر طبق
رفیقان اینجانب که در حقیقت از متوسلان نواب صاحب موصوف اند بنابران مستلزم
محبت و یکدلی همان آن است که احوال ایشان بخوبی ذہن نشین گردانیده پروانه واگذار
دیہات مرقوم را حاصل کرده دہند که کامیابی رفعت نشان مسطور فی الحقیقت خوشنودی
اینجانب تواند شد مدام از سبیل مکاتیب با مسرت اسالیب مسرور و خورسند دارند۔
زیاده چه بتحریر در آید"

مولوی محب علی خان عباسی، جنہوں نے امروہہ میں مذہب شیعہ کی اشاعت کا ابتدائی دور بچشم خود دیکھا تھا، اپنی تالیف آئینہ عباسی میں لکھتے ہیں :-

"اس شہر (یعنی امروہہ) میں جب سے سالار غازی کہ آٹھ سو برس ہوئے ہونگے اہل اسلام سادات و شرفا بود و باش رکھتے ہیں سب کا ایک مذہب حق اہل سنت و الجماعت تھا جیسا کہ آثار و اطوار و تصانیف و اخبار سے بخوبی ثابت ہے۔ اب عرصہ ۵۰ برس سے بوجہ آنے عملداری نواب وزیر (اودھ) کہ وہ بھی اس مذہب ..... کا موجد ہندوستان میں ہوئے اَلنَّاسُ عَلٰی دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ بعض بعض نے بہ طمع نفسانی اپنے بزرگ کا مذہب ... چھوڑ کر تشیع اختیار کیا۔ اب ہمارے سامنے اس مذہب کی ترقی ہوئی ہے"[1]

اس خیال کی تائید کہ مذہب شیعہ نے امروہہ کے سادات فاطمی میں ابتداءً نوابان اودھ کی کوششوں اور شیعہ حکومت کے اثرات کی بدولت رواج پایا اور شیعہ حکومت کی حمایت سے اس کو قوت حاصل ہوئی کہ

(بسلسلۂ گذشتہ) تعلقات و اثرات سے شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا ہو اپنے خاندان میں اس کی روک تھام کی تھی کہ جو جائداد انہوں نے وقف کی تھی اسکے متولین کیلئے سنی المذہب ہونے کی قید لگائی۔ مسئلہ بزرگان سادات امروہہ کے مذہب شیعہ اختیار کرنے پر "طمع نفسانی" کا عام اطلاق کرنا خاکسار مؤلف کے نزدیک صحیح نہیں۔ سادات حسینی کی

استفتاء مرقومہ سنہ ۱۲۰۸ھ سے بھی ہوتی ہے۔ جب عزاداری بقول مولوی سید اعجاز حسن مرحوم اسی عہد آصفی میں اوّل اوّل امروہہ میں شروع ہوئی تو اسوقت شیعہ حکومت اس فرقہ کی پشتی پر موجود تھی غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات نے "جنھوں نے نیا نیا مذہب شیعہ اختیار کیا تھا"* ایک ایرانی شیعہ کی تحریک پر مجالس عزا میں جنھیں اس زمانہ کی اصطلاح میں "عرس شہدائے کربلا" کہتے تھے سبّ صحابہ کرام کا ارتکاب کیا۔ اس وقت حسب ذیل استفتاء ارباب شریعت کی خدمت میں پیش ہوا جس سے صاف طور سے مترشح ہے کہ عزاداری کا موجودہ طریقہ امروہہ میں اس سے پیشتر نہیں تھا بلکہ اسی زمانہ سے شروع ہوا ہے۔

.... درصورتیکہ مثلاً گروہے از بدعقیدگان زمانہ بارادۂ ہتک حرمت جماعتے از اہل اسلام کہ حسن عقیدہ با صحابۂ نبی آخر الزمان داشتند مجلسے بطریق عرس شہدائے کربلا رضوان اللہ تعالیٰ عنہم آراستہ ساختہ جماعتے حسن عقیدہ را اندکر فریب وعذر ربائے ایذا و ہتک حرمت دراں مجلس طلب ساختند و چونکہ جماعتے از حسن عقیدگان شریک مجلس آں بدعقیدگاں درآمد سخنان اہانت وتحقیر و سبّ و رفض صحابۂ کبار آغاز نمودند پس آں جماعتے حسن عقیدہ **از خوفِ ولاۃ الملک** صبر و شکیبائی ورزیدہ ازاں مجلس خود ہا را بہ ہزار جد و کد بیروں آوردند پس آیا دریں صورت آں گروہ بدعقیدگاں کہ بنشا و عذر و فریب گردیدہ متعرض ہتک حرمت حسن عقیدگان گشتہ مرتکب طعن و تحقیر و سبّ صحابۂ کرام گردیدہ اند از روئے شریعت واز روئے قوانین عقلیہ مستحق تعزیر شدید و سیاست جلیلہ اند یا نہ۔ بینوا و توجروا فقط

استفتاء کے نقل کرنے سے چونکہ مقصد یہ نہیں کہ مذہبی بحث چھیڑی جائے بلکہ صرف ایک تاریخی سوال کا حل مطلوب ہے اس لئے مفتیوں کے جواب کو حذف کردینا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔

---

* اکثر سنی باشندے نسلی تعصبات کی بنا پر تفضیلی رہے ہیں تفضیل و شیعیت میں مستحکم حد فاصل نہیں ہے پس کیا تعجب کہ ان حضرات میں ایسے اشخاص شامل ہوں جو شیعیان لکھنؤ کی صحبت سے شیعہ ہوگئے ہوں۔ علی نقشاں کا حکم عام لگانا بھی پر انصاف نہیں ہوسکتا ہے (مصنف ؟) آئینہ عباسی صفحہ ۳۶، ۳۲۔]

معلوم نہیں اس وقت کی شیعہ حکومت نے ان شکایتوں کا، جن کی بنا پر یہ استفتا پیش کیا گیا تھا، کیا تدارک کیا لیکن یہ تاریخی واقعہ ہے کہ یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی۔ ۱۲۱۲ھ میں نواب آصف الدولہ کا انتقال ہوگیا اور اس سے چار برس بعد یعنی ۲۰ جمادی الآخر ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۰۱ء سے روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت حکومت آگیا۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ شیعہ سنی کے مذہبی ہنگامہ آرائیوں میں یا امروہہ سے باہر کے کسی شیعہ کو جسے ایران کا باشندہ اور امروہہ میں تبرا و سب صحابہ کرام کے اس طریقہ کا جو اس زمانہ کے بعد سے امروہہ میں رائج ہوا بانی بتایا جاتا ہے کسی سنی نے اس فتوے سے متاثر ہو کر قتل کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر جہاں اب امام باڑہ محلہ قاضی زادگان کے دروازہ کی دوڑھی ہے مقتول کو دفن کیا گیا۔ واللہ اعلم

مندرجہ بالا اقتباسات سے بخوبی ثابت ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کی مدت ڈیڑھ سو سال سے زائد نہیں۔ اس سے پیشتر تمام مسلمانوں کا، خواہ وہ نسباً شیخ ہوں یا سید، مغل ہوں یا پٹھان سب کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی مسلک تھا۔ نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے شیعہ سنی کی تفریق شروع ہوئی۔ پھر مقلد و غیر مقلد کے جھگڑے رہے اور اب بدعتی و وہابی کے جھگڑے زوروں پر ہیں۔ الغرض

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو الفت — نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت — مقلد کرے نا مقلد پہ لعنت

رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

اس ملک میں اب نہ سنی حکومت باقی ہے اور نہ شیعہ سلطنت۔ زمانہ کی رفتار نہ شیعہ چھیڑ سکتا ہے اور نہ سنی۔ حوادث روزگار کی چکی نے دونوں کو پیس ڈالا مگر افسوس کہ فریقین کے تنگ خیال افراد دونوں سے اور بھی ہم خیالات پر دست و گریباں ہونے کو اب بھی آمادہ رہتے ہیں۔ آگ بجھ گئی ہے لیکن خاکستر کے ڈھیر میں تعصبات لا یعنی کی چنگاریاں دبی پڑی ہیں، وہ کبھی کبھی بھڑک اٹھتی ہیں۔ معتقدات و خیالات کا اختلاف کہاں نہیں لیکن امروہہ کے شیعہ اور سنیوں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ آپس کی تفریق سے نہ ان کا کوئی اجتماعی کام سر سبز و کامیاب ہوتا ہے اور نہ باعتبار کثرت آبادی شہری معاملات میں ان کی آواز کو کوئی قوت حاصل ہے اسی وجہ سے عام اسلامی مفاد پامال ہو رہا ہے

اگر بھولے ہم نہ قول پیمبر کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور معین اس کا خود ہے خداوند داور

تو آئے نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

عام قومی اور اسلامی مفاد کے کاموں میں بھی یہاں شیعہ و سنّی کی تفریق موجود ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دنیاوی تعلیم کی درسگاہ یعنی انگریزی اسکول میں بھی شیعیت و سنّیت کی اڑنگے لگائے جاتے ہیں۔ امروہہ میں شیعہ و سنّی کمیٹیاں جداگانہ قائم ہیں۔ شیعہ سوسائٹی علیحدہ ہے اور سنّی سوسائٹی علیحدہ۔ عام طور سے امروہہ کا شیعہ شیعہ سوسائٹی میں گھومتا ہے اور سنّی سنّی سوسائٹی میں۔ اور اب تو نوبت یہ پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی سنّی شیعوں کے مجمع میں چلا جائے یا شیعہ سنّیوں میں آجائے تو اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حالت جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے ساٹھ ستر برس پہلے نہ تھی۔ اس وقت عام قومی مقاصد میں شیعہ و سنّی، سادات و شرفا سب متحد ہو کر کام کرتے تھے۔ ذیل میں سنہ ۱۳۲۲ھ کی ایک تحریر نقل کرتا ہوں جو نکاح کی ایک غیر شرعی رسم کے موقوف کرنے کے متعلق ہے۔ اس پر امروہہ کے سادات و شرفا شیعہ و سنّیوں کے تقریباً چار سو اشخاص کے دستخط ثبت ہیں۔ شیعہ و سنّی علماء کے دستخط ساتھ ساتھ ہیں۔ جہاں مولانا سید محمد عبادت شیعی مذہب کے دستخط ثبت ہیں وہاں اس زمانہ کے سنّی علماء مولانا امام الدین حسینی، مولوی سید رمضان علی اور مولانا کفایت اللہ "ملا پہلوان" کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہر خاندان کے صدہا دستخط ہیں۔ اس سے اس زمانہ کے اتحاد و یکدلی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما یانکہ جملہ سادات و شرفا ساکنہ قصبہ امروہہ ایم از انجا کہ در اقوام سادات و شرفا کثر معمول در رسوم است کہ عقد نکاح با زنان البتہ بلا خلوت آنہا سادر خانہ پدر آنہا میگذاشتند رخصت و خلوت را شادی نام نہادہ برآئندہ ملتوی می داشتند چنانچہ حسب اتفاق بعضے از انکحین زنان مذکورہ بقضائے الٰہی فوت شدہ اولیاء منکوحات را بطور ایامی یعنی زنان

بے شوہر ترک زینت وغیرہ بلا تعجیل نکاح ثانی نزد خود نگاہداشت می نمایند و آنچنین
این سعی صریح خلاف احکام آیات الٰہی و بالعکس افعال و اقوال رسالت پناہی و مباعد
طریقۂ اہل اسلام ہست لہٰذا ما جملہ سادات و شرفا رضا و رسول او تعالیٰ شانہٗ را با یکدیگر
در میان نمودہ اقرار صحیح و عہد و ضیع می نمایند کہ اگر احیاناً کدام جا اختیار ما جملہ مردمانِ
مرقوم الاسما قرطاس ہذا واقعہ مذکورہ بوقوع رسد بعد عقد نکاح مجوز زنان حسب
نصوص قطعیہ و مسائل شرعیہ در برادری خود کردہ دہند قلّدروتلبث وحروف
حکایت نوشتے دہیچ میان نیارند ہر کہ موافق این امر بیہودہ عمل نماید در مخالف امر
خدائے عظیم و حضرت رسول کریم و خارج از طریقۂ اسلام و بیرون از برادری تمام است
بنا بر آن این چند کلمہ بطریق اقرار نامہ نوشتہ دادہ شد کہ تا نیٔ الحال سند گردد
وعند الحاجت بکار آید و کان ذٰلک تحریراً فی التاریخ یازدہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۴۳ھ"

اس زمانہ کے شیعہ و سنی بزرگ سنجیدہ اور باوقار تھے آجکل کے سے مجہول نہ تھے کہ ذرا سی بات پر شیعت و سنیت کے سوال اٹھاتے۔ نواب ثابت جنگ علی قلی خان عباسی المتخلص بہ والہ عقیدتاً اثنا عشری نسباً عباسی اور شاہ ایران کے وزیر اعتماد الدولہ فتح علی خان عباسی کے بھتیجے تھے۔ محمد شاہی دور میں ہندوستان آئے۔ اس زمانہ میں دہلی کے شیعہ و سنیوں کے لایعنی تعصبات دیکھ کر یہ ایران کا شیعہ بھی جل اٹھا اور ایک رباعی شیعہ و سنی جہلا کے حسب حال کہی جو شاید امروہہ کے ان متعصبین کے حسب حال ہوگی جو فریق مخالف کے سب و شتم اور ایذا دہی کو اپنی نجات کا باعث سمجھتے ہیں۔

دیدم ز نزاع سنی و شیعہ تعب — کاموختہ اند کیش جہل از ام و اب
ہر جا کہ خریست کیشش شیعہ بود — ہر جا کہ سگیست سنیش ہست لقب

امروہہ کی معافیات

مسٹر نیول، آئی۔ سی۔ ایس۔ مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر لکھتے ہیں:-

"عطیات معافی کے تاریخی حالات تاریکی میں مستور ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے بہت پیشتر سے سادات امروہہ کو تمام ہندوستان میں بہت کچھ شہرت حاصل تھی اور غالباً یہ لوگ ضلع مظفر نگر کے سادات بارہہ سے بھی افضل سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ اپنا سلسلۂ نسب (حضرت شاہ) شرف الدین واسطی سے متصل کرتے ہیں نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے فرزند (سید) عبد العزیز کی شادی ۷۱۱ھ (۱۳۱۱ء) میں [1] فیروز شاہ (خلجی) کی دختر سے ہوئی تھی مگر یہ ممکن الوقوع معلوم نہیں ہوتا ہے کیونکہ (سلطان) جلال الدین فیروز (خلجی) ۶۹۵ھ (۱۲۹۵ء) میں قتل ہو گیا تھا اور اس وقت وہ ایک مسن شخص تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جس بادشاہ نے ان سادات پر اپنی عنایات مبذول کیں وہ **فیروز شاہ تغلق** [2] تھا۔

اس سلسلہ میں صاحب تاریخ اصغری جو سید عبد العزیز بن حضرت شاہ ولایت کی نسل سے ہیں لکھتے ہیں:-

صدہا برس سے اس شہر کے باشندوں کی اوقات گزاری کا مدار اراضی معافی کی پیداوار پر ہے۔ ابتدا میں **فیروز شاہ خلجی** نے اپنے داماد سید عبد العزیز ولد سید شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد کے مصارف کو بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دیے تھے۔ سلاطین مابعد نے بھی انکو بدستور برقرار رکھا اور خاندان تیموریہ نے مزید برآں جملہ سادات و شرفا کو دیہات معافی عطا کیے۔" [3]

---

[1] سنہ ۷۱۱ھ (۱۳۱۱ء) میں سلطان علاء الدین خلجی سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے ۱۹ سال پیشتر سلطان جلال الدین فیروز خلجی بعمر ۷۰ سال فوت ہو چکا تھا۔ [2] مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر صفحہ ۹۸۔ [3] تاریخ اصغری صفحہ ۱۲۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں عطیات معافی کی ابتدا سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے بیان کی گئی ہے اور ان عطیات میں جزو غالب "ان بت دت" گاؤں کا بتایا گیا ہے جو بقول صاحب تاریخ مصری فیروز شاہ خلجی نے "اپنے داماد سید عبدالعزیز ولد سید شرف الدین شاہ ولایتؒ کی اولاد کے مصارف کو ..... سلطنت سے جدا کر دیئے تھے" اسلئے معافیات امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں ضروری ہے، کہ اس روایت پر ادنیٰ نظر ڈالی جائے جو سلطان جلال الدین فیروز خلجی یا سلطان فیروز شاہ تغلق یا کسی اور بادشاہ کی بیٹی سے سید عبدالعزیز کی شادی ہونے کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔

شادی کی روایت

صاحب تاریخ واسطیہ[1] نے یہ روایت بحوالہ سید سراج الدین احمد[2] مندرجہ ذیل الفاظ میں درج کی ہے:-

"وہم از ثقات شنیدہ کہ چوں سلطان فیروز شاہ خبر یافت کہ سید عبدالعزیز پسر خورد حضرت شاہ ولایت در دہلی بجہت طالب علمی تشریف آوردہ خلعت نمودہ و آگاہ کردہ دختر خود بحبالۂ نکاح ایشاں در آوردہ چوں ایں خبر در خدمت حضرت شاہ ولایت رسید از انجا کہ گوشہ عزلت و قناعت و ترک دنیا طریق ایشاں بود بزبان مبارک فرمودند کہ آں گردن شکستہ را فقرا خوش نیامدہ میر سید عبدالعزیز روزے بر عراقی سوار شدہ می رفتند ناگاہ از اسپ افتادند گردن ایشاں بشکست و جاں بحق تسلیم کردند۔ بادشاہ از شنیدن ایں خبر متألم شد پرسید زن سید حاملہ ہست

ثقہ اشخاص سے سنا گیا ہے کہ فیروز شاہ بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت شاہ ولایت کے چھوٹے فرزند سید عبدالعزیز طالب علمی کی غرض سے دہلی میں تشریف لائے ہیں انکو خلعت پہنا کر اور انہیں اسکی اطلاع کر کے ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ یہ خبر جب حضرت شاہ ولایت کو پہنچی تو چونکہ گوشہ نشینی و قناعت و ترک دنیا اپنا شیوہ کر لیا تھا آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ اس گردن شکستہ کو ہمارا فقر پسند نہ آیا۔ سید عبدالعزیز ایک دن (دہلی میں) گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گھوڑے سے گر پڑے، گردن ٹوٹ گئی اور جاں بحق ہو گئے۔ بادشاہ کو اس خبر کے سننے سے صدمہ ہوا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ انکی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے

---

[1] تاریخ واسطیہ صفحہ ۹۰۔ [2] یعنی سید سراج الدین احمد بن سید نجیب الدین جو سنہ ۱۲۲۲ھ تک زندہ تھے۔

گفت چوں فرزند تولد شود در خدمت شاہ ولایت برود قدم بوسی حاصل نماید، چوں فرزند تولد شد قدم بوس کنانیدند حضرت بر سر کودک دست مبارک نہادہ گفتند کہ از اولاد تو ریاست ایں دیار تا بہ قیامت خواہد ماند، چوں حضرت میر علی بزرگ پسر کلاں حضرت شاہ ولایت ہمیشہ در خدمت قیام داشتند عنایت دربارۂ برادرزادہ دیدند سکوت نمودند حکم شد کہ ولایت و دولت نعمت (؟) در اولاد شاں تا بہ قیامت خواہد ماند بموجب فرمودۂ آنحضرت ہر دو حکم جاریست۔

کہا کہ جب فرزند تولد ہو جائے تو شاہ ولایت کی خدمت میں جائے اور قدم بوس ہو۔ جب بیٹا پیدا ہو گیا تو قدم بوس کرایا گیا۔ آپ نے بچے کے سر پر دست مبارک رکھکر فرمایا کہ تیری اولاد میں اس شہر کی ریاست قیامت تک باقی رہیگی۔ چونکہ حضرت میر علی بزرگ (؟) حضرت شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے ہر وقت خدمت میں حاضر رہتے تھے انھوں نے جب بھتیجے کے حال پر عنایت زیادہ دیکھی تو خاموشی اختیار کی حکم ہوا کہ ولایت اور دولت روحانی (؟) ان کی اولاد میں قیامت تک باقی رہیگی حضرت کے ارشاد کے بموجب دونوں حکم جاری ہیں۔

روایت کی حیثیت

یہ روایت ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، لیکن کب سے مشہور ہے، راوی کون لوگ ہیں، سلسلۂ روایت کہاں ختم ہوتا ہے اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو کسی قدیم تحریر یا کسی ثقہ و صحیح الروایۃ شخص کے بیان سے اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ روایت ڈیڑھ دو سو برس سے خاندان کی بعض شاخوں میں مشہور چلی آتی ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی حالات کے متعلق قدیم ترین بیان صاحب **ثمرات القدس** کا ہے جو آخر عہد اکبری کی تالیف ہے، یعنی حضرت شاہ ولایتؒ کے زمانہ سے تقریباً تین سو برس بعد کی؛ لیکن صاحب ثمرات القدس نے بھی اپنی تالیف میں اس روایت کا متعلق کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ثمرات القدس کے علاوہ دوسری قدیم تالیف، جس میں اس خاندان کا تفصیلی تذکرہ ہے سید کمال محمد کی تالیف **اسرار آریہ** ہے جو ۱۰۶۸ھ کی تالیف ہے۔ صاحب اسرار آریہ کے بیان کو خاندانی حالات کے سلسلہ میں خاص اہمیت یہ حاصل ہے کہ وہ نسباً ان ہی سید عبدالعزیز کی نسل سے ہیں جن کی شادی بادشاہ کی بیٹی سے ہونا بیان کی جاتی ہے لیکن سید کمال محمد نے بھی اپنی کتاب میں اس روایت کا اشارۃً و کنایتاً بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ سید کمال محمد کا اپنے جد کے

متعلق ایک ایسے اہم واقعہ کا بیان نہ کرنا جو بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے اور بروایت مندرجہ بالا حضرت شاہ ولایت کی بددعا سے اچانک طور سے وفات پا جانے کی وجہ سے کم از کم مؤلف اسرار آریہ کے خاندان کے لئے خاص تعلق اور اہمیت رکھتا تھا، اسکا قوی ثبوت ہے کہ یہ روایت ان کے زمانہ تک مشہور نہیں ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے تقریباً ۴۰ برس بعد مشہور سیاح **ابن بطوطہ** سنہ ۱۳۳۴ء میں امروہہ آیا تھا، وہ تقریباً ایک مہینہ تک یہاں مقیم رہا، امروہہ کے سفر کے حالات اس نے اپنے سفرنامہ میں بالتفصیل لکھے ہیں، سید عبدالعزیز مذکور کے بڑے بھائی قاضی سید امیر علی سے ملاقات اور ضیافت کا تذکرہ خاص طور سے کیا ہے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے حالات بھی تحریر کئے ہیں لیکن اس نے بھی شادی کے واقعہ کا یا بادشاہ کی بیٹی یا نواسہ کے امروہہ میں موجودگی یا قیام کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ اسکی آمد کا زمانہ یقیناً ایسا زمانہ تھا کہ شہزادی یا اسکا بیٹا ضرور بقید حیات اور امروہہ میں موجود ہوتے اور ان کے واقعہ کی مفصل کیفیت کسی اور سے نہیں تو قاضی سید امیر علی سے تو اس نے ضرور سنی ہوتی اور واقعہ کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ امروہہ کے حالات کے سلسلہ میں وہ اس اہم اور عجیب غریب واقعہ کا ضرور تذکرہ کرتا۔ ایک اور تالیف جس میں حضرت شاہ ولایت کے خاندانی حالات کا تذکرہ ہے **مقاصد العارفین** ہے جو سنہ ۱۲۳۳ھ کی تالیف ہے اس میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ان وجوہ سے اس روایت کی شہرت کا آغاز سنہ ۱۲۳۳ھ یعنی مقاصد العارفین کی تالیف کے بعد سے سمجھنا بیجا نہ ہوگا۔

روایت پر تنقیدی نظر

اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ شادی کی یہ روایت تو خاندان میں بہت قدیم زمانہ سے مشہور چلی آتی تھی لیکن صاحب ثمرات القدس، صاحب اسرار آریہ، ابن بطوطہ یا صاحب مقاصد العارفین نے کسی وجہ سے اسکو قابل تذکرہ نہیں سمجھا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ تاریخی حالات و واقعات کے لحاظ سے ممکن الوقوع بھی ہے یا نہیں؟

دو بادشاہوں کے نام اس سلسلہ میں لئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی دختر نیک اختر سے حضرت شاہ ولایت کے فرزند سید عبدالعزیز کی شادی ہوئی تھی اور بہت سے مواضعات جہیز میں عطا ہوئے تھے۔ صاحب تاریخ اصغری نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کا نام لیا ہے لیکن حسب ذیل وجوہ کی بنا پر اس بادشاہ کی

کسی بیٹی سے سید عبدالعزیز مذکور کی شادی ہونی ممکن الوقوع نہیں :-

اوّلاً یہ کہ اس بادشاہ کا زمانۂ سلطنت ۶۸۹ھ سے ۶۹۵ھ تک ہوتا ہے - تاریخ اصغری و دواسطیہ اور دوسرے تذکروں میں حضرت شاہ ولایتؒ کا سنہ ولادت[1] ۵۵۰ھ بتایا گیا ہے اس لحاظ سے حضرت ممدوح کی عمر اس بادشاہ کے عہد سلطنت میں تقریباً ۱۴۰ برس کی ہوتی ہے - باپ کی عمر جب ۱۴۰ برس کی ہو تو بیٹے کی عمر ، اور ایک ایسے باپ کے بیٹے کی عمر جو ولی کامل ہو اور جس کا عہد شباب بے تعلقات دنیاوی کی جانب بالتفات ہونا قرین قیاس ہو ، کم سے کم نوّے یا سو برس کی تو ضرور ہوگی پس کسی شخص کا اس عمر کے بجائے سن کہولت میں طالب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اپنی دختر کو کسی پیر صد سالہ کے حبالۂ عقد میں دیدینا محض لغو اور مہمل ہے -

ثانیاً یہ کہ اگر شاہ ولایتؒ کا سنہ ولادت بخلاف ان "مورخین" اور تذکرہ نویسوں کے بیان کے ۶۶۳ھ قرار دیا جائے ، جیسا کہ خاکسار مؤلف نے کسی دوسری جگہ ثابت کیا ہے ، تو اس بادشاہ کے زمانہ میں آپ کی عمر چھبیس تیس برس کی شمار ہوتی ہے اسلئے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس زمانہ میں آپ کے چھوٹے فرزند کی ولادت بھی نہیں ہوئی ہوگی اور اگر پیدا بھی ہو چکے ہونگے تو زمانہ شیرخوارگی کا ہوگا پس کسی طفل شیرخوار کا طالب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دینا اور بھی زیادہ لغو اور مہمل ہے

ثالثاً یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت کے تفصیلی حالات اور اس کے سوانح حیات معتبر و مستند کتب تاریخ میں مندرج ہیں - تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف ضیائے برنی نے ، جو شاہ موصوف کا ہمعصر ہے ، بادشاہ کے حالات ، اسکے بیٹوں ، دامادوں کے نام اور ان کے کارنامے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں ، ان میں کہیں بھی سید عبدالعزیز کا نام ، ان کا ذکر یا شادی کے اس واقعہ کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا - ضیائے برنی کا باپ بادشاہ کے منجھلے بیٹے ارکلی خان کا نائب تھا ، جس کی سکونت کا مکان محلات شاہی سے متصل تھا ، ان تمام وجوہ سے بادشاہ کے خانگی حالات پر مطلع ہونے کا ضیائے برنی

---

[1] افسانہ نویسوں نے حضرت شاہ ولایتؒ کا سال ولادت ۵۵۳ھ سال وفات [illegible]ھ اور مدت عمر ۲۳۰ قرار دی ہے - تاریخی حالات کے لحاظ ولادت وفات دونوں صحیح نہیں - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصّہ دوم -

کو خوب موقع حاصل تھا۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا جس کا ذکر اس روایت میں کیا جاتا ہے تو ضیاء برنی، جو معمولی واقعات تک تحریر کرتا ہے اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔

رابعاً یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے چار بیٹے تھے یعنی شاہزادہ محمود خان خانخاناںؒ ارکلی خان، قدر خان اور رکن الدین ابراہیم۔ چار ہی بیٹیاں تھیں جن کے شوہروں کے یہ نام ہیں **علاء الدین** (جو بعد میں سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا) **الغ خان، الماس بیگ** (یہ تینوں بادشاہ کے بھتیجے تھے) اور چوتھا **النو خان** نبیرۂ چنگیز خان۔ ان میں کہیں بھی سید عبدالعزیز کا نام نہیں ملتا۔

خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالا وجوہ و تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کی دختر سے شادی ہونے کی روایت ہرگز صحیح نہیں۔

دوسرا بادشاہ جس کا نام اس روایت کے سلسلہ میں لیا جاتا ہے سلطان فیروز شاہ تغلق ہے۔ اس بادشاہ کی کسی دختر سے بھی سید عبدالعزیز کی شادی کا ہونا مندرجہ ذیل وجوہ سے ناممکن الوقوع ہے:-

اولاً یہ کہ اس بادشاہ کا عہد حکومت سنہ ۷۵۲ھ سے سنہ ۷۹۰ھ تک رہا ہے۔ اگر تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق حضرت شاہ ولایت کا سنہ ولادت سنہ ۶۳۸ھ قرار دیا جائے تو اس بادشاہ کے عہد حکومت کی ابتدا میں حضرت ممدوح کی عمر ۱۱۴ برس کی شمار میں آتی ہے، لامحالہ آپ کے فرزند کی عمر کم سے کم سوا سو یا ڈیڑھ سو برس کی تو ضرور ہوگی لہٰذا ڈیڑھ سو برس کی عمر والے شخص کا بنات خود دور کنار اس کی اولاد در اولاد کا بھی طالب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنا خلاف قیاس اور مہمل ہے۔

ثانیاً یہ کہ حضرت شاہ ولایت کی ولادت سنہ ۶۸۲ھ میں قرار دی جائے تب بھی آپ کی عمر اس بادشاہ کے عہد حکومت میں تقریباً ستر برس کی اور آپ کے فرزند کی تقریباً ساٹھ ستر برس کی تسلیم کرنا پڑے گی لیکن یہ عمر بھی ہرگز ایسی نہیں کہ اس عمر میں وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور بادشاہ اپنی بیٹی کی ستر برس کے بوڑھے

ؒ بادشاہ کا یہ بڑا بیٹا اس کے سامنے ہی مر گیا تھا حضرت امیر خسروؒ نے اسی شاہزادہ کی وفات کے وقت وہ مشہور مرثیہ لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں:-

چہ روز ست این کہ من خورشید تاباں را نمی بینم　　دگر صبح است چرا ماہ درخشاں را نمی بینم

شہانیکہ بسر تخت و دیدگاں جمعے زدہ سرہو　　ہمہ ہستند لیکن خان خاناں را نمی بینم

کے ساتھ شادی کر دیتا۔

ثالثاً سلطان فیروز شاہ تغلق ہی قدیم شاہان ہند میں ایک ایسا بادشاہ گذرا ہے جس کے عہد سلطنت کے حالات میں ایک چھوڑ تین تین مبسوط اور مستند کتب تاریخ موجود ہیں یعنی تاریخ فیروز شاہی تصنیف ضیاء الدین برنی و تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ سراج عفیف اور فتوحات فیروز شاہی جو خود بادشاہ نے اپنے قلم سے لکھی ہے اور اپنے خاص خاص حالات و واقعات قلمبند کئے ہیں۔ ان کتب تاریخ میں بادشاہ موصوف کی اولاد اور اس کے دامادوں کے جابجا تذکرے ملتے ہیں لیکن کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام یا ان کی شادی اور ان کی اچانک موت کا واقعہ مذکور نہیں حالانکہ واقعہ کی نوعیت اور اہمیت اس کی مقتضی تھی کہ اسکا ذکر ضرور ہوتا۔ دوسرے مؤرخ اگر نہ لکھتے تو خود بادشاہ جس کی حضرت شاہ ولایتؒ سے عقیدت کا تذکرہ ان تذکرہ نویسوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ تحریر کیا ہے اس اہم واقعہ کا تذکرہ ضرور کرتا۔

رابعاً۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی وفات اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے تقریباً بارہ برس پہلے واقع ہو چکی تھی۔ آپ کا سنہ وفات جو عام طور سے ۸۳۸ھ مشہور ہے وہ آپ کا سنہ وفات نہیں ہے بلکہ حقیقتاً آپ کے پوتے سید شرف جہانگیرؒ کا سنہ وفات ہے جو شرف الدین جہانگیر کے نام سے بھی مشہور تھے اور سلسلۂ مشائخ چشتیہ کے بزرگ اور اپنے جد امجد کے جانشین ہونے کی بنا پر شاہ ولایت بھی کہلاتے تھے۔ اس پر تفصیلی بحث میں نے دوسرے موقع پر کی ہے لیکن یہاں مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو مشائخ کا عقیدتمند تھا اثنائے سفر میں جہاں کہیں کسی ولی کامل کا ذکر سنتا ہے اس کی خدمت میں ضرور پہنچتا ہے اور ملاقات کے حالات لکھتا ہے۔ وہ ۷۴۳ھ میں امروہہ آتا ہے یہاں کامل ایک مہینہ تک مقیم رہتا ہے۔ آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی سے اس کی ملاقات ہے وہ ان کا اور ان کی ضیافت کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے پس اگر اس وقت حضرت شاہ ولایتؒ حیات ہوتے تو یہ مشائخ کا معتقد آپ کی خدمت میں خواہ آپ کسی صحرا میں موجود ہوتے ضرور حاضر ہوتا۔ آپ کے ذکر خیر سے اپنے سفرنامہ کو زینت دیتا لیکن اس نے کوئی تذکرہ آپ کا نہیں کیا کیونکہ آپ اس کی تشریف آوری سے بارہ برس پہلے یعنی تقریباً سنہ ۷۳۰ھ میں جیسا کہ کسی دوسری جگہ ظاہر کیا گیا ہے واصل بحق ہو چکے تھے۔ دوسری روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ

شاہ ولایتؒ کے پوتے سید محمد اقبال وردہ دار کی جان ہی سید عبدالعزیز کے فرزند تھے، اپنے دادا کے مرید اور خلیفہ تھے۔ پس اگر انہوں نے خرقۂ خلافت شاہ ولایتؒ کی عمر کے آخری سال میں حاصل کیا تو ۷۴۰ھ میں جو شاہ ولایتؒ کا سنہ وفات ہے ان کی عمر کم از کم پچیس تیس برس کی تو ضرور ہوگی پھر ایک ایسے شخص کے باپ کی عمر جو ۷۴۰ھ میں پچیس تیس برس کا ہو اس سنہ میں پچاس ساٹھ سال کی ہوگی اسلئے اس سے بارہ برس بعد یعنی ۷۵۲ھ میں، جو فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کا سال ہے، سید عبدالعزیز کی عمر تقریباً ستر اسی برس کی تسلیم کرنا پڑیگی جو ہرگز ایسی عمر نہیں کہ وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور فیروز شاہ تغلق اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دیتا۔

الغرض مندرجہ بالا وجوہ سے اس روایت کی بھی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی دختر سے سید عبدالعزیز کی شادی ہوئی تھی۔

اور اگر ان تمام تاریخی واقعات و حالات سے بھی قطع نظر کر لی جائے جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں سید عبدالعزیز کی شادی کسی بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی اور ضرور ہوئی، خواہ وہ بادشاہ خلجی ہو یا تغلق ہو یا اور کوئی ہو تو دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کی جو صورت اس روایت میں مذکور ہے اسطرح اسکے وقوع پذیر ہونے کا امکان بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیز دہلی میں طالب علمی کرنے گئے تھے، بادشاہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ شاہ ولایتؒ کے چھوٹے صاحبزادے یہاں طالب علمی کی غرض سے آئے ہیں اسنے اپنی دختران کے حبالۂ عقد میں دیدی۔ اس کی اطلاع جب شاہ ولایتؒ کو ہوئی تو چونکہ حضرت ممدوحؒ گوشۂ عزلت قناعت اختیار کر کے ترک دنیا اپنا شیوہ قرار دیا تھا آپ کو یہ امر ناگوار ہوا کہ فقیر کا بیٹا بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرے آپ نے فرمایا کہ اے گردن شکستہ! تجھے ہمارا فقر اچھا نہیں معلوم ہوا۔ آپ کے اس ارشاد کا یہ نتیجہ ہوا کہ سید عبدالعزیز دہلی میں گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گر پڑے، گردن ٹوٹ گئی اور فوت ہو گئے، بادشاہ کو اسکا صدمہ ہوا اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو شاہ ولایتؒ کی قدم بوسی کے لئے بھیجا جائے چنانچہ بعد ولادت فرزند شہزادی مذکورہ

شاہ ولایتؒ کے پوتے کو لیکر بقول صاحب واسطیہ کسی فورتِ شاہی فوج کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئی تھیں۔

مندرجہ بالا روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیزؒ طلب علم کے لئے دہلی گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ طالبعلمی کا زمانہ نوعمری کا زمانہ ہوتا ہے۔ آج بھی بالعموم اس عمر میں شادی بیاہ نہیں ہوتا۔ اور آج سے تقریباً چھ صدی پیشتر تو اس نوعمری کے زمانہ میں شادی بیاہ کا قطعاً دستور نہ تھا، اور بالخصوص مشائخ کے بیٹے جب تک کسبِ کمالات نہ کر لیتے شادی بیاہ کی پابندیوں میں گرفتار نہ ہوتے تھے اس لئے یہ ماننا پڑیگا کہ اس نوعمر طالب علم کی کوئی شادی دہلی جانے سے پیشتر نہیں ہوئی تھی اور سید عبدالعزیزؒ کی پہلی شادی ہی شادی تھی اور شادی ہونے کے چند روز بعد ہی وہ اپنے باپ کی بددعا سے گھوڑے سے گر کر فوت ہو گئے۔ "بادشاہ کی بیٹی کے سوا اور کسی عورت کو عقد میں لانا" انکو منع تھا علاوہ ازیں صورت حالات اس کی مقتضی بھی کہ وہ ایسا کرتے یا ایسا ہوا ہوتا۔ پس نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ سوائے اس فرزند کے، جو ان کے انتقال کے وقت شکم مادر میں تھا ان کے کوئی دوسری اولاد نہیں تھی لیکن یہ حیرت انگیز امر ہے کہ جن "مورخین" نے ان کی شادی، ان کی اچانک موت، اور ان کے فرزند کے تولد کی یہ عجیب و غریب روایت نقل کی ہے ان ہی "مورخین" نے ان کے دو اور فرزندوں یعنی سید محمد اقبال دودھ و دھاری (جن کو حضرت شاہ ولایت کا خلیفہ بھی بتایا جاتا ہے) اور سید مجد الدین (جد امجد مؤلف اسرار آدیہ) کے نام بھی تحریر کئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر ان کے یہ دو اور فرزند کہاں سے آ گئے؟ آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ کی صورت دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو سید عبدالعزیزؒ کی شادی کی یہ روایت جس طرح بیان کی گئی ہے اور آب و تاب سے نام نہاد "مورخین" نے شائع کی ہے بے اصل و بے بنیاد ہے یا یہ دونوں فرزند فرضی اور مصنوعی ہیں۔ لیکن ان دو فرزندوں کا فرضی اور مصنوعی ہونا قرین قیاس نہیں، کم از کم ان میں ایک سے سلسلۂ نسل باقی رہا اور اب تک باقی ہے یعنی مؤلف اسرار آدیہ کا خاندان۔ اسلئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ روایت ہی قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ طالب علمی کرنے اور دہلی جانے سے پہلے سید عبدالعزیزؒ کی شادی ہو چکی تھی، اور نہ صرف شادی ہو چکی تھی بلکہ زوجۂ اولیٰ سے کم از کم دو فرزند (اور ممکن ہے کہ کوئی دختر) بھی متولد ہو چکے تھے لیکن ایسی حالت پر بھی بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی ان کے ساتھ کردی (حالانکہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ ناممکن الوقوع ہے) اور حسب روایت صاحب تاریخ اصغری "اپنے داماد سید عبدالعزیز کی اولاد کے لئے بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دئیے" تو آخر عطائے جاگیر و مواضعات کا کوئی ثبوت بھی پیش کیا جا سکتا ہے؟ قدیم کاغذات کے مطالعہ

تجسس حالات سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ عہد مغلیہ سے پہلے مالی حالت کے لحاظ سے امروہہ کے سادات و شرفاء کے دوسرے خاندانوں کے مقابلہ میں اس خاندان کو کسی قسم کا تفوق حاصل نہیں تھا بلکہ برخلاف اس کے جیسا کہ کسی دوسرے موقع پر ظاہر کیا گیا ہے، سادات نوگانواں کے مورثوں کو مواضعات معافی زیادہ تعداد میں عطا ہوئے تھے۔ خاندان خلجی یا تغلق کی کوئی شہزادی اگر امروہہ میں سکونت پذیر ہوتی اور جیسا کہ مؤلف دبدبہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسقدر فوج شاہی کے ساتھ شہزادی امروہہ آئی اور یہاں مقیم رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی سکونت کے لئے امروہہ میں کوئی قلعہ یا گڑھی یا بدرجۂ اقل محلات یا عالی شان مکانات تعمیر ہوتے، کیا کسی شہزادی کے محل یا سکونت کے مکان کا کوئی پتہ بتایا جا سکتا ہے یا اسکے آثار یا نشانات ہی دکھائے جا سکتے ہیں؟ فیروز شاہ تغلق کو اگر حضرت شاہ ولایت سے اس قسم کی عقیدت ہوتی جس کا ذکر افسانوں میں کیا جاتا ہے یا رشتہ کے تعلقات ہوتے تو یہ بادشاہ جس کو تعمیر عمارت کا بہت شوق تھا[1] جو آپ کے زمانہ کے بہت بعد تک زندہ رہا اور اس کے خاندان میں سلطنت بھی اس زمانہ کے بعد عرصۂ دراز تک جاری رہی ضرور تھا کہ آپ کے مزار پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرتا، خانقاہ بنواتا، مصارف کے لئے بڑی جاگیر عطا کرتا۔ حالانکہ آپ کے مرقد منور پر نہ کوئی مقبرہ بنا، نہ کوئی عالیشان خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مصارف خانقاہ وعرس کے لئے کوئی جاگیر عطا ہوئی۔ فیروز شاہ نے اپنے سوانح حیات میں ان تمام تعمیرات کی تفصیل درج کی ہے جو مختلف مقامات پر اسنے تعمیر کرائی تھیں۔ فیروز شاہ خود لکھتا ہے کہ:[2]

"یکے از مواہب الٰہی کہ ایں بندۂ بیچارہ	خدا تعالیٰ کے بعض انعامات میں سے جو اس عاجز بندہ
را عطا کردہ بر تشئید مبانی خیرات	یعنی فیروز شاہ تغلق کو عطا ہوئے یہ ہے کہ خیرات کے
توفیق داد، بسے مساجد و مدارس	کاموں کی توفیق دی، بہت سی مسجدیں، مدرسے اور
و خوانق بنا کردیم تا علماء و مشائخ و زہاد	خانقاہیں میں نے تعمیر کیں تاکہ علماء، مشائخ، زاہد اور عابد
و عباد دراں مقامہا معبود حق را عبادت کنند	لوگ ان مقامات میں معبود حقیقی کی عبادت کریں اور ہی

[1] فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے عہد حکومت میں جو عمارات مختلف مقامات پر کرائیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:- ۲۰۰ مدرسے، ۴۰ خانقاہیں، ۴۰ مسجد جامع، ۱۵۰ کوئیں، ۱۰۰ کوشک، ۱۰۰ مقبرے، ۲۲ رباط و دار الشفاء، ۱۰۰ حمام، ۱۰ منارہ کلاں، ۳۰ نہریں، ۲۰ حوض دہلی اس کے باغات وغیرہ [2] فتوحات فیروز شاہی قلمی

بانیٔ خیر را بدعا مدد نمایند و حصر آبہا د
غرض از شہباد وقف آراضی بر منہج شرع
متفق و مجمع علیہ است در ملت اسلام
علمائے شریعت را در وی اجماع است و در و
شکے و شبہے نہ، در حیں ہنگام رضا سعین کردہ تا
ہمیشہ حاصل آن بہ بندگان خدا برسد و تفصیل آن در وقف نامہ ذکر کردہ است

دعائے بانیٔ خیر کی مدد فرمائیں۔ پانی کا انتظام کیا گیا،
درخت نصب کئے گئے اور آراضی اس طریقہ پر ان کے
مصارف کے لئے وقف کی گئی جو شرع میں متفق علیہ ہے اور
علماء کا اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تاکہ
ہمیشہ اس کی آمدنی بندگان خدا کو پہنچتی رہے۔ اسکی
تفصیل وقف نامہ مذکور میں کی گئی ہے۔

غیروں کے لئے مقبرے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں، ان کے لئے اراضی وقف کی گئی لیکن جن سے عقیدت یا رشتہ کا تعلق تھا، جہاں اس کی بیٹی اور نواسے موجود تھے، وہاں نہ کوئی خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مقبرہ۔ یہ بات خارج از قیاس ہے؟ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے مقبرہ کی درستی کے متعلق دوسرے موقع پر یہ بادشاہ لکھتا ہے کہ: [1]

"و ہائے گنبد و حجرہائے مقبرہ شیخ الاسلام
نظام الحق والدین ہم از صندل ساختہ و
قندیلہائے زریں با زنجیرہائے زر در چہار
زاویہ گنبد آویختہ و جماعت خانہ جدید بنا
کردہ کہ پیش ازیں آنجا نبود۔

مقبرہ شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاء دہلویؒ) کے گنبد،
حجروں کو بھی صندل کی لکڑی سے بنایا گیا اور سونے کی
قندیلیں سونے کی زنجیروں سے گنبد کے چاروں کونوں
میں لٹکائی گئیں اور ایک نیا جماعت خانہ جیسا کہ وہاں
پہلے نہیں تھا تعمیر کیا گیا۔

"تواریخ سلاطین مروجہ" کی روایتوں کے مطابق جب اس بادشاہ کو حضرت شاہ ولایتؒ سے اس درجہ عقیدت اور نیازمندی تھی کہ مرید ہونے کی بار بار خواہش ظاہر کی مگر آپؒ نے قبول نہ فرمایا، پھر اسی نیازمندی و عقیدت کی بنا پر آپؒ کے فرزند حضرت کے عقد میں اپنی بیٹی بھی دیدی اور انکی اولاد کے لئے "بہت گاؤں بھی سلطنت سے جدا کردئے" تو یہ امر حیرت انگیز ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے مقبرہ کو جن سے نہ عقیدت تھی، نہ جن کا مرید تھا، اور نہ جن سے کوئی رشتہ کا تعلق تھا، تو آراستہ و مزین کرتا ہے، سونے کی قندیلیں لٹکاتا ہے، سونے کی زنجیریں

[1] فتوحات فیروز شاہی قلمی۔

آویزاں کرتا ہے مگر حضرت شاہ ولایت کی درگاہ میں ایک اینٹ بھی نہیں رکھی جاتی - کیا یہ طرز عمل حیرت انگیز نہیں ؟ کیا اس سے یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عقیدت و نیازمندی و رشتہ کی روایت محض ایک افسانہ ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں -

تاریخ سے ثابت ہے کہ سلطان فیروز شاہ طغلق بڑا مخیر بادشاہ تھا - صرف مشائخ و علماء قرآن خوانوں وغیرہ کو جو رقوم سالانہ خزانہ شاہی سے دیجاتی تھیں ان کی تعداد ۳۶ لاکھ تنکہ تھی اور شرفا و غربا کے اعانات کی تعداد تقریباً ایک کرور سالانہ مقرر تھی - جابجا مدارس و شفاخانہ جات قائم کئے گئے تھے - ایک دیوان خیرات اس غرض سے قائم کیا تھا کہ تہی دست لوگوں کو جو اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کر سکتے اس سے امداد دی جائے - جیسا کہ اس زمانے کا مورخ سراج عفیف لکھتا ہے [1]

دیوان خیرات برائے تزویج بنا کردہ یعنی	شادی بیاہ کے لئے ایک دیوان خیرات قائم کیا تھا یعنی
آں مسلمانانِ غمگین و دوستان مساکین کہ	ان غمگین اور مسکین مسلمانوں کے لئے جن کی بیٹیاں
دختران دارند و آں دختران بحد بلوغت	ہیں اور یہ لڑکیاں بلوغت کی حد کو پہنچ گئی ہیں مگر
رسیدہ اند و پدران ایشاں اسباب کار خیر	ان کے باپ ان کی شادی کا سامان فراہم نہیں کر سکتے
ندارند بدیں سبب دائم دلہائے ایشاں پریشاں	اور اس وجہ سے ان کے دل ہمیشہ پریشان رہتے ہیں
مانند ..... حضرت جہاندار ..... دریں محل	...... بادشاہ .... نے اس بارہ میں یہ فرمان صادر
فرمان فرمودہ ہر آں کسے کہ دخترے دارد بالغہ باید	کیا کہ جو شخص کوئی بالغہ لڑکی رکھتا ہو اسے چاہیے کہ دیوان
کہ آں شخص در خیرات دیوان اخبار رساند شرح حالِ	خیرات میں اس کی اطلاع دے اور اپنے حال سے عہدہ
خویش بیان دہد پیش جمہ داران دیوان خیرات	داران دیوان خیرات کو مطلع کرے .... ہر ایک کی حالت
باز نماید ... بر اندازہ حال ہر ایک وجہ تعین کنند	کے اندازہ کے مطابق مدد مقرر کی جائے -

مندرجہ بالا بیانات سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایت کی کسی بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے کی روایت صحیح نہیں ، نہ کوئی شہزادی امروہہ میں کبھی سکونت پذیر ہوئی اور نہ اس کے یا اس کے اولاد

[1] تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف -

کے معارف کے لئے کسی بادشاہ نے کبھی "بہت گاؤں سلطنت سے جدا کئے"۔ اور نہ اس طرح امروہہ کی سادات کی ابتدا ہوئی۔

پھر یہ روایت کیوں اور کب سے مشہور ہے؟

اس سلسلہ میں اب صرف یہ سوال حل طلب باقی رہجاتا ہے کہ پھر روایت کیوں اور کب سے مشہور ہوئی ۱۲۲۳ھ تک یعنی مقاصد العارفین کی تصنیف کے وقت تک یا پھر بفرض محال ۱۲۶۹ھ تک یعنی اسراریہ کی تالیف کے زمانہ تک تو یہ روایت مشہور نہیں ہوئی تھی یا کم از کم اسکو کوئی ایسا درجۂ اعتبار حاصل نہ ہوا تھا کہ مؤلف اسراریہ اسکا ذکر کرتا۔ ۱۲۶۹ھ کا وہ زمانہ ہے جبکہ اس سے تقریبًا ایک صدی پہلے سے سید عبدالعزیز کی نسل میں امارت و ریاست آگئی تھی۔ سید محمد میر عدل و سید مبارک اور ان کے نامور خلاف کی لیاقت و قابلیت' ان کی شاندار خدمات اور کارناموں کی وجہ سے شاہان مغلیہ نے ان کو اعلیٰ مناصب اور جاگیریں عطا کی تھیں اور اس خاندان کو تموّل و اقتدار کے لحاظ سے اپنے ہمچشموں پر تفوّق حاصل ہوگیا تھا۔ ان کے بعد کی نسلوں نے آنکھ کھولتے ہی ریاست کے ٹھاٹھ دیکھے' ان کے آبائے کرام نے تو اپنی محنت و جانفشانی' تلوار کی جھنکار اور قلم کی سرسراہٹ کی بدولت دولت پیدا کی تھی' علم و فضل و فنون سپہ گری کے ذاتی جوہر ان میں موجود تھے' ان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ پوتڑوں کے رئیس تھے' خوشامدی مصاحبوں اور حاشیہ نشینوں نے خاندانی تفاخر و اقتدار کے حاشیے چڑھانے شروع کئے' اس زمانہ میں خاندان شاہی سے تقرب فخر و مباہات کا اعلیٰ ترین معیار سمجھا جاتا تھا' کسی نے شادی کی یہ روایت بھی گھڑ ڈالی ابتداً اس کی صورت کچھ اور ہوگی' آنے والوں نے اس میں اور رنگ آمیزیاں کیں' اس زمانہ میں تو کسی نے مانا کسی نے نہ مانا' دو چار پشت کے بعد یہی بات "مسلمات تاریخ" میں داخل ہوگئی' اس نسل کے بعض حضرات اظہار تفاخر کے لئے اپنے کو "منجانب فیروز شاہ تغلق" بھی لکھنے لگے۔ نام نہاد "مورخین امروہہ" نے بھی اس کو آب و تاب سے شائع کرنا ضروری سمجھا۔ اور جو بات کبھی کسی نے "زیب داستان" کے لئے کہی تھی وہ اب "مسلمات تاریخ" میں شمار ہونے لگی۔ ورنہ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کچھ بھی نہیں۔

۱؎ جو روایت مؤلف واسطیہ نے لکھی ہے جسکا اقتباس اوپر درج کیا گیا ہے ذرا اسکے آخری فقروں کو غور سے پڑھئے۔

معافیات کی ابتداء

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قائم ہونے کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی سے علماء و مشائخ سادات و شرفاء کے خاندانوں کی پرورش کے لئے وظائف و مدد معاش میں حسب حیثیت املاک و اراضیات معافی عطا ہونے لگی تھیں امروہہ میں حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کی تشریف آوری کے بہت پہلے سے جو خاندان علماء و مشائخ و سادات و شرفاء کے موجود تھے ان کو املاک و معافیات دی گئی تھیں مثلاً اولاد حضرت نظام گنج رواں قدس سرہٗ اولاد قاضی نظام الدین قریشی وغیرہ کو املاک معافیات عطا ہوتی تھیں۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں البتہ بہت سی معافیات ضبط ہو کر خالصہ میں شامل ہو گئی تھیں[1] لیکن فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے حکومت کے پہلے ہی سال میں سترسال پیشتر کے تمام عطیات کی اسئلہ کی جانچ پرتال کرا کے مستحقین کو املاک و معافیات بحال کر دیں۔[2]

"اسئلۂ عیناً و سالکہ از سلاطین ماضیہ در باب ادرارات و انعامات و دیہا و زمینہائے سادات و مشایخ و سائر مستحقان صادر شدہ بود ہمہ بخالصہ باز آمدہ بود و اخلاف ایشاں بر حکم آں اسئلہ مقرر و مسلم شدہ و بتازگی فرمان ہائے علیٰحدہ و اسئلۂ دیوانی یافتند و آناں کہ نداشتند و محتاج نفقہ بودند بتجدید فوق الکفایہ ایشاں ادرار و انعام و دیہہ و زمین مفروز و تعیین شد"

سادات و مشائخ و دوسرے کل مستحقین کے مواضعات آراضیات انعامات و ادرارات جو گذشتہ بادشاہوں نے عطا کئے تھے اور وہ سب پھر خالصہ میں شامل کر لئے گئے تھے ان کے متعلق سترہ برس پیشتر کے کاغذات و اسئلہ کو نکلوایا اور ان احکام کے مطابق ان عطیات کو ان کی اولاد و وارثوں کو دیا گیا اور از سرنو فرمان و اسئلہ مرتب کئے گئے اور وہ لوگ جو تہی دست و صاحب احتیاج تھے ان کو اور بھی زیادہ مواضعات و اراضیات و انعامات وغیرہ عطا ہوئے۔

(بسلسلۂ گذشتہ) بڑے بیٹے سید امیر علی کی اولاد میں شیعت اور چھوٹے بیٹے سید عبدالعزیز کے اخلاف میں ریاست کے الفاظ اس روایت کے تصنیف کرنے والوں کی کس قسم کی ذہنیت کا اظہار کر رہے ہیں۔]

[1] تاریخ فیروز شاہی [2] تاریخ فیروز شاہی —

امروہہ کی معافیات کی ابتدا اسی عہد فیروز شاہی سے سمجھنی چاہئے۔ سادات نوگانواں کے مورث خواجہ فخر الدین حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے جانشین خواجہ محمد امام کی اولاد میں تھے ان کو "مدد معاش" و مواضعات اسی عہد میں امروہہ کے علاقہ میں عطا ہوئے۔ خاندان شیخ زادگان اولاد حضرت شیخ فرید الدین فاروقی گنج شکر کو بھی پرگنہ رجب پور میں مواضعات معافی ملے[1]

وخانہای شیخ فرید الدین و شیخ بہاء الدین و شیخ نظام الدین (اولیاء دہلوی) ..... و چندیں مشائخ قدیم دیگر بدیہا و زمین ہا و باغہا از سر نو عطا شدہ است۔	حضرت شیخ فرید الدین (گنج شکر فاروقی) و شیخ بہاء الدین (زکریا ملتانی) و شیخ نظام الدین (اولیاء دہلوی) ..... نیز بہت سے دوسرے مشائخ قدیم کے خاندانوں کو مواضعات و اراضیات و باغات عطا ہوئے۔

یہ عطیات معافی "علی الدوام والاستمرار" کے طریقہ پر عطا ہوئے تھے۔ کوئی قدیم دستاویز اور فرمان تو دستیاب نہیں ہوا لیکن امروہہ کے قاضی اور مشائخ و سادات کے خانوادہ ہونے کی حیثیت سے حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کے اخلاف کو عہد خلجی و تغلقیہ میں املاک معافیات عطا ہوئیں۔ قاضی سید امیر علی کے انتقال پر ان کے فرزند سید محمد المعروف بہ سید تاج الدین بروایت قرات القدس ترکہ پدری میں "ملک و باغ" کے متعلق حصول فرمان کے لئے دہلی گئے تھے۔

"(در بارہ سید اشرف جہانگیر) گفت میروم تا ملک و باغ را کہ از پدر ماندہ فرمانے بیارم تا کسے را مداخلت درآں نماند"۔[2]

اسی طرح صاحب اسرار یہ اپنے جد امجد کے متعلق، جو سید عبد العزیز کے پرپوتے تھے، لکھتے ہیں کہ:۔

سید چاند بن سید معروف بن سید عبد الدین بن سید عبد العزیز بن صاحب ولایت در قریہ لوچہ از مضافات امروہہ سکونت داشتہ و بہ قناعت سنگ و استغنائے تمام بسر می بردہ و اہل	سید چاند بن سید معروف بن سید عبد الدین بن سید عبد العزیز بن صاحب ولایت امروہہ کے نواح میں لوچہ نام ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے اور عبادت و ریاضت میں زندگی بسر کرتے تھے اور اہل

۱۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۹۶

۲۔ تاریخ فیروز شاہی

این کار بود وقتے شیخ عمر شہ سنبھلی را با سے اتفاق
ملاقات افتاد و عمر شہ و شیخ شہ دو برادر بودند
ہر دو عالم و فاضل و بزرگ از مشاہیر روزگار
صاحب جاہ آخر عمر شہ بہ سید چاند گفت سید
چرا نہ در شہر سنبھل آئی و اقامت گیری و
من دخترے دارم نامزد سید حامد پسر تو
کنم سید چاند این معنی قبول کرد و بہ سنبھل
آمد بی بی خدیجہ دختر شیخ عمر شہ عیال بعقد
سید حامد درآمد و از آں عمر حویلی و باغ
و املاک بنام آں بی بی شد و اتفاق توطن
افتاد۔ امروز از آں باغ چند درخت انبہ
ماندہ کہ مشہور بہ چندن چی است و آں حویلی ہنوز ستّ زادہ

اس کام کے اہل تھے۔ اتفاق سے ایک موقع پر شیخ عمر شہ سنبھلی کو ان سے
ملاقات کا اتفاق ہوا۔ عمر شہ اور شیخ شہ نامی دو بھائی
تھے۔ دونوں عالم، فاضل، مشاہیر وقت اور صاحب
جاہ تھے۔ شیخ عمر شہ نے سید چاند سے کہا کہ میر صاحب تم
سنبھل کیوں نہیں آتے اور وہاں سکونت اختیار کرتے
میں اپنی بیٹی کی تمہارے فرزند سید حامد کے ساتھ
شادی کر دونگا۔ سید چاند نے یہ بات قبول کی اور سنبھل
آگئے۔ شیخ عمر شہ کی دختر بی بی خدیجہ سید حامد کے حبالۂ
عقد میں آئیں اور حویلی و باغ و املاک ان بی بی کے
جہیز میں ملیں اور اسی طرح سنبھل کو توطن پذیر ہوئے۔
اب اس باغ میں سے آم کے چند درخت باقی ہیں جیسے
چندن چی کہتے ہیں اور وہ حویلی سید واڑہ ہے۔

سید عبدالعزیز کی اولاد کے مصارف کے لئے کسی بادشاہ نے "بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دئے" ہونے تو ظاہر ہے کہ ان سے تیسری ہی پشت میں یہ حالت پیش نہ آتی کہ ان کے خلاف اس طرح ترک وطن کر کے دوسرے مقام پر سکونت اختیار کرتے۔ سادات و مشائخ و شرفا کے دیگر خاندانوں کی طرح یہ اراضیات املاک اس خاندان کو بھی عطا ہوئیں، ان میں سے بعض لوگ ان مواضعات معافی میں سکونت پذیر بھی ہوگئے، قاضی سید امیر علی کی نسل میں ایک خاندان اخوانپور چلا گیا تھا۔ وہاں کا عہدۂ قضا بھی ان پشت ا پشت تک جاری رہا اور اس خدمت کے صلہ میں بھی انکو معافیات ملیں۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ شاہان خلجی و تغلق کے عہد میں خاندان قاضی زادگان، خاندان حضرت ترکمان (دستار کلاں)، خاندان ملک بھورن، خاندان سالار ایوب وغیرہ کو اس کے بعد شاہان لودھی

۱؎ دستر آبیہ قلمی۔

کے زمانہ میں خاندان حضرت بخشیؒ و خاندان ابو عباسی کا اور ابتدائے عہد مغلیہ میں سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں میں بھی خاندان حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ و خاندان سید حسنؒ و خاندان مولانا سید اشرف و دانشمند نیز دوسرے خاندانوں کو جو وقتاً فوقتاً امروہہ میں متوطن ہوئے حسب حیثیت جاگیر و املاک معافی ملتی رہیں اس عہد تک عطائے معافیات کے اعتبار سے امروہہ کے سادات و شرفا کے مختلف خاندان تقریباً مساوی الحیثیت تھے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت کے نصف آخر میں اولاد سید نجیب تبریزی و سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کو عطائے مناصب و معافیات کے اعتبار سے درجۂ امتیاز حاصل ہوا۔

امروہہ کی معافیات عہد مغلیہ میں

عہد مغلیہ میں امروہہ کی معافیات کی دو اقسام تھیں (۱) **سیورغال**[1] (۲) **جاگیر**۔ سیورغال ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مدد معاش کے ہیں یہ مدد معاش حسب ذیل چار گروہوں کو دی جاتی تھی:۔

(۱) علماء (۲) مشائخ (۳) غربا و بیوگان (۴) سادات و شرفا۔

مدد معاش بھی دو صورتوں سے دی جاتی تھی یعنی بصورت نقد "روزینہ" و ماہانہ اسکو **وظیفہ** کہتے تھے اور بصورت مواضعات و آراضی اسکو **ملک** کہتے تھے۔

سیورغال علامہ ابو الفضل "آئین اکبری سیورغال" کے تحت میں لکھتے ہیں۔

"وچہار گونہ مردم را بہ زمین و روزینہ کامیاب گردانند ..... نخستین آگہی پژوہان آباد اندیشہ کہ دست از ہمہ برگسستہ در فراہم آوردن حقیقی علوم شب و روز نیاسایند" دوم سخت کوشان خویشتن گزین کہ دل بہ پیکار نفس خود آراستہ از جہانیان رو برتافتہ ہموارہ ... تہیدستہ کہ توانائی جستن ندارد - چہارم بزرگ نژادان کہ از کم ...

چار قسم کے اشخاص کو **زمین** اور **روزینہ** سے مدد دی جاتی ہے۔ اولاً وہ **علماء** جو اور سب مشاغل سے قطع تعلق کرکے شب و روز خدمت علم میں مصروف رہتے ہیں۔ دوئم **مشائخ** جو اپنے نفس کو آراستہ کرتے اور دنیا کے لوگوں سے بے تعلق رہتے ہیں۔ سوئم **غربا** (بیوگان) جو کسی کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ۔ چہارم سادات و شرفا جو عدم

---

[1] سیورغال بآسین مہملہ مکسورہ و یائے معروف و رائے مہملہ ساکن و غین معجمہ و الف و لام ساکن در ترکی معنی **جاگیر** گویند۔ (عمار السعادت)

دانشی راہ پیشہ وری نسپرند - فقد را بزبان قرت
وظیفہ گویند و زمین را ملک و مدد معاش -
و بہ ایں عنوان کرور ا دادہ اند
و روز بروز افزودہ گردد۔[۱]

قابلیت کی بنا پر کوئی پیشہ اختیار نہیں کرتے - نقدی
کی صورت میں جو مدد ملتی ہے اسے **وظیفہ** کہتے ہیں
اور زمین کو **ملک و مدد معاش**۔ اس طریقہ پر
کروروں کی امداد کی گئی ہے اور روز بروز تعداد زیادہ ہے

جو املاک سیورغال کے طور سے دی جاتی تھیں ان کے متعلق یہ قاعدہ مقرر تھا کہ نصف حصہ ان کا مزروع ہوتا تھا اور نصف غیر مزروع - اور اگر سب مزروع ہوتا تھا تو چہارم حصہ کم کر لیا جاتا تھا - اس وقت حاصل اراضیات تقریباً ایک روپیہ فی بیگہ تھا - یہ اراضیات معافی کہلاتی تھیں کیونکہ ہر قسم کے محصول سے معاف اور مرفوع القلم تھیں اور ان میں اکثر علی الدوام و الاستمرار" کے طریقہ پر عطا ہوتی تھیں - امروہہ میں ان سیورغالات کی تعداد [۲] سنہ ۱۰۰۱ھ تک حسب ذیل تھی :-

نام پرگنہ	تعداد بیگہ	کل جمع	سیورغال
امروہہ	۳۲,۶۵۴	۶۳,۴۲,۰۰۰ دام مطابق ۱,۵۸,۵۵۰ روپیہ	۹,۹۳,۳۰۸ دام مطابق ۲۳,۹۰۲-۱۰-۴ روپیہ

گویا عہدِ اکبری میں سادات و شرفاء امروہہ کے مختلف خاندانوں کو جو معافیات بطور سیورغال ملی ہوئی تھیں ان کی سالانہ آمدنی تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ تھی - ان میں زیادہ تعداد سادات کی تھی[۳] - ہمایوں و اکبر بادشاہ کے

---

[۱] آئینِ اکبری صفحہ ۱۴۲ - [۲] صاحب آئینِ اکبری نے " آئینِ احوال دوازدہ صوبہ" کے تحت میں تمام پرگنات کی جمع، تعداد سیورغال، وغیرہ کی تفصیلات درج کی ہیں - ان تفصیلات میں جن اقوام کے زمیندار کی تعداد جس پرگنہ میں زیادہ ہے ان اقوام کا نام بھی لکھدیا ہے چنانچہ پرگنہ امروہہ کی تفصیلات میں " سادات" کا لفظ تحریر ہے - مؤلف واسطیہ نے اس کی ایک مضحکہ انگیز توجیہ یہ کی ہے کہ " قصبہ امروہہ کی زمینداری سادات کو عطا ہوئی تھی - کجا پرگنہ امروہہ اور کجا قصبہ امروہہ " - اپنی اس عجیب توجیہ کے ثبوت میں بعض دستاویزات کی نقول بھی درج کی ہیں مثلاً صفحہ ۲۰۹ پر جن دستاویزوں کی نقل درج ہے ان سے بھی ان کے قول کی تائید نہیں ہوتی - " دستخط ایشاں بطو امیر خالصہ شریفہ و جاگیر داراں " کے الفاظ اپنا مطلب صاف بتا رہے ہیں - خالصہ کا حق زمینداری، معافیداری، چودھرایت و مقدمی وغیرہ کے حقوق گو تعداد میں سادات اولاد حضرت شاہ ولایت کو زیادہ

غره شهر ...

عکس پروانه ...

... حضرت شاه ...

[illegible]

... مبارک ...

[illegible]

... حضرت ...

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

... مبارک ...

... آش ...

[illegible]

... الله ...

... ذاکر الله ...

[illegible]

... در این باب تاکید تمام دانسته ...

... جلوس میمنت مانوس ... ۲۳ ... هجری

عہد میں امروہہ کے ممتاز علما و مشائخ کے جو نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں ان کو مختلف تعداد میں آراضیات سیور غال عطا ہوئی تھیں:۔

علما:۔ مولٰنا سید عسکری و مولٰنا سید قطب الدین و بعض سادات محلہ حقانی کو ساٹھ سو بیگہ یک ہزار یک صد بیگہ، مولانا لال محمد عباسی کو ایک ہزار ساٹھ بیگہ، مولانا ہارن عباسی کو ساٹھ بیگہ، مولٰنا عبد الملک بخشی معروف بہ حقانی ساٹھ بیگہ، مولٰنا عبد الغفور بخشی مولٰنا عبد القدوس بخشی و قاضی الہداد سید آخوند کر تین اشخاص کے عطیات معافی کی مقدار معلوم نہ ہو سکی)۔ اس کے بعد مولٰنا سید اشرف دانشمند مولٰنا سید اشرف بن سید سعید خان (محلہ لکڑہ) مولانا محمد عباسی اور متعدد دوسرے علما کو مدد معاش ملتی رہی۔

مشائخ:۔ اس عہد کے مشائخ کبار میں حضرت شاہ واتن بدہ چشتی تھے۔ آپ کے مصارف کے لئے اکبر بادشاہ نے چار سو بیگہ زمین معافی بموجب فرمان مجریہ ۲۳ ذیقعدہ ۹۸۳ھ دی تھی۔ اصل فرمان کا مؤلف کو باوجود امکانی کوشش کے دستیاب نہیں ہو سکا۔ لیکن اس کی تصدیق حسب ذیل پروانہ مجریہ عہد عالمگیری سے ہوتی ہے جس کا اس موقع پر نقل کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:۔

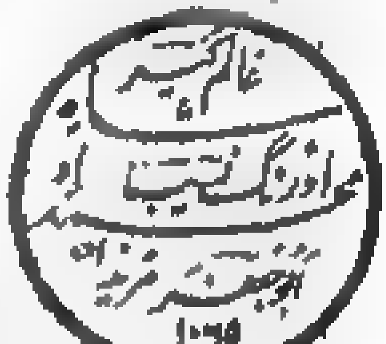

عرش آشیانی

گماشتہائے حال و استقبال پرگنہ جاگیرداران و کروریان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل بدانند۔

کہ چوں بموجب فرمان عالی شان حضرت اعز ازدر بتاریخ ۲۳ شہر ذیقعدہ سنہ ۹۸۳

(بہ سلسلہ گذشتہ) حاصل تھے لیکن بعینہ یہی حقوق سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کو بھی ملے ہوئے تھے جس کی تصدیق صد ہا دستاویزات دیرینہ سے ہوتی ہے) سلہ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں کہ مولٰنا لال کو علاوہ چکوک دیہات چک امروہہ خاص قصبہ ایک ہزار بیگہ آراضی کا ملا اور اکثر دیہات میں املاک معافی ملیں۔ فرمان و عطیات موجود ہیں اور ان کے بیٹے عبد الحکیم کو بھی قصبہ خاص میں پانسو بیگہ بیگہ چک ملا اور اپنے عباسیوں کو املاک و چکوک دیہات میں ملے" خاکسار مؤلف کو یہ فرامین دستیاب نہیں ہوئے۔ البتہ مولٰنا لال عباسی کی اپنی جائداد جب دستاویز کے ذریعے اپنی اولاد میں تقسیم کی تھی وہ خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے جس میں تعداد زمین ایک ہزار ساٹھ بیگہ درج ہے۔

موازی چہار صد بیگہ زمین لطلباب بستن در وجہ مدد معاش حضرت غفران پناہ
میاں شیخ ابن مقرر بود مشارالیہ ودیعت حیات سپرد و صدور سابق اراضی
مذکور را بہ شیخ نور محمد وغیرہ ورثۂ مشارالیہ مسلم داشتند دریں ولا
مشارالیہم با فرمان و اسناد صدور سابق حاضر آمدند و متولی پرگنہ مذکور تصدیق حیات
و قیام و قبض و استحقاق آنہا داد بنا بریں بندہ درگاہ حقیقت فروغ مبارک
بندگان خدیو زمان و زمین حامی شرع سید المرسلین سکندر قدر سلیمان آئین مؤید
ملت خاتم النبیین خورشید نظر زمین مسطور بمشارالیہم حسب الضمن
مسلم داشتہ بتصحیح رسانید - می باید زمین مذکور را بہ آنہا واگذارند کہ حاصلات آنرا
فصل بہ فصل و سال بہ سال صرف معیشت خود نمودہ بہ دعاگوئی دوام دولت ابد پیوند
اشتغال داشتہ باشند دریں باب تاکید تمام دانند - تحریراً فی التاریخ بست و ہشتم
جمادی الاول سنہ جلوس میمنت مانوس سنہ ۱۱۴۳ ہجری -

حضرت شاہ ابنؒ کے فرزندان باکمال میں سے شاہ قطب الدینؒ وغیرہ کو ساٹھ بیگہ ۲۲۸ ۱۲ بسوہ زمین بموجب فرمان ۵ رجمادی الاول ۹۸۵ھ عطا ہوا اور شاہ نور الدینؒ[۱] کو سنہ جلوس جہانگیری مطابق ۱۰۱۵ھ میں ساٹھ بیگہ ۲۲۵ اراضی معافی عطا ہوئی۔ حضرت شاہ صدر الدین قدس سرہٗ کو دو سو بیگہ ۱۰۲۹ھ میں دی گئی۔ شاہ صاحب موصوف کی اولاد میں کوئی فرد اب باقی نہیں، اسلئے بطور یادگار ذیل میں عہد محمد شاہ بادشاہ کے پروانہ تصحیح کی نقل درج کرتا ہوں :-

نقل سبحانی نصرۃ الدین محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ -

جنت مکانی

گماشتہائے جاگیرداران عمل حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف بہ صوبہ
شاہجہان آباد بدانند کہ بموجب فرمان عالی شان عہد حضرت

---

[۱] غالباً شاہ نور الدینؒ سے مراد ہیں جن کا انتقال ۱۰۲۹ھ میں ہو چکا تھا لیکن انکے ورثہ کے نام پروانہ تصحیح کی پشت پر تحریر ہونے کی

عکس پروانه مدد معاش شیخ صدر الدین ولد قدوة العارفین حضرت شاه ابن بدر چشتی

مرقوم بتاریخ ۲ ماہ خورداد الٰہی سنہ ۱۵ موازی دوصد بیگہ زمین بگز الٰہی از پرگنہ مذکور

در وجہ مدد معاش **شیخ صدر الدین** ولد قدوۃ العارفین حضرت **شاہ ابن**

مقرر بود بعد فوت او صدور سابق آراضی مذکور را بر **شیخ فتح اللہ** وغیرہ وارثان

متوفی مذکور مسلم داشتند۔ دریں ولا اخبار مخبرین معتبر بوضوح پیوست کہ آنہا حالی

قائم و بر اراضی مذکور قابض و متصرف اند بنا بر آں متصدیان فروق

مبارک بندگان خدیو جہان خداوند زمان مظہر اتم پروردگار حضرت

(ایضاً) اراضی مسطورہ را حسب الحکم آن

بحال داشتہ تصحیح رسانیدہ می باید کہ زمین مذکور را بدستور سابق از محل قدیم بشرط

قبض و تصرف آنہا واگذارند کہ حاصلات آں را صرف ما یحتاج خود نمودہ بفراغ

دعاگوئی دوام دولت ابد مدت اشتغال نمایند۔ دریں باب قدغن شناسند۔

تحریراً فی التاریخ بست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۲۶ جلوس

خواجہ ابوالحسنی — صدر الدین — منیر ... ۱۱۵۰

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفری قدس سرہٗ کے اخلاف میں شاہ روشن محمد مکیؒ کی مدد معاش کے لئے عہد محمد شاہ بادشاہ سنہ ۱۱۳۲ھ میں پچاس ہزار دام (مساوی۔ الاثمۃ ۱۲۵۰ روپیہ) کی املاک سرسہ خاص میں عطا ہوئی۔ اسی طرح امروہہ کے دیگر مشائخ کے خاندانوں کی مدد معاش میں املاک اور روزینہ ملتا رہا۔

روزینہ :۔ روزینہ داران کی بعض فہرستیں جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذری ہیں ان میں متعدد علماء مشائخ سادات و شرفا کے نام ملتے ہیں، مثلاً علماء میں شیخ فیض محمد رضا خان شیخوخ کلاں کو عہد محمد شاہ بادشاہ ۴ روپیہ اور مشائخ و سادات و شرفا میں سے سنہ ۱۱۵۰ھ میں متعلقان حضرت شاہ جعفر کلیدی جعفری ۲ مولوی حکیم جلال الدین ۱۲ روپیہ۔ سید جعفر شاہ (محلہ بھوکہ) ۸ سید محمد اسحٰق ۳ حافظ غریب اللہ ۲ مولوی عزیز اللہ (پیرزادہ) ۴ سید صابر علی شاہ پسر شاہ جعفر (محلہ بھوکہ) ۸ متعلقان شاہ محمد اعظم ۴ محمد صلاح درویش ۵ محمد سعید درویش ۱

خواتین سادات و شرفا

امروہہ کے سادات و شرفا کے تقریباً ہر خاندان کی خواتین کو کسی نہ کسی صورت سے مدد معاش ملتی تھی۔ انکے نام کے ضد ہا فرامین و پروانے خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے۔ مولانا سید میر علی کی والدہ، خواہر، عمہ وغیرہ کو یک صد بیگہ زمین موضع یحییٰ پور میں بعہد عالمگیر عطا ہوئی۔ چک نامہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

هو الفیاض

چک حضرت بادشاہ عالمگیر ـــــــــ نامہ

اراضی مدد معاش موازی یکصد بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع بموجب فرمان عالی شان عہد حضرت   در وجہ معاش مسماة بی بی نور جہان وغیرہ وارثان سید میر علی در جہانگیر اقبال پناہ   در موضع یحییٰ پور

استد سروپ شقدار و تلسی داس خوطہ دار و جریب کشان عالم خان و شیخ جلیل و سید بدھ برادر سید سلطان محمد متولی بہ اتفاق چودھریان و قانون گویان در موضع مذکور پیمودہ و چک بستہ دادند محدود بچہار حدود مفصلۂ ذیل :-

ما بیگہ

مشار الیہا	مسماة بی بی خالق دی والدہ سید میر علی	مسماة بی بی سکی خواہر سید میر علی	مسماة بی بی زینب عمہ سید میر علی
۲۵ حصہ	حصہ	۲۵ حصہ	۲۵ حصہ

تحریر فی التاریخ ۲۵ شہر ذی الحجہ سنہ ہجری ۱۰۶۲

اسی طرح امروہہ کی صدہا خواتین کو بالخصوص مسماة نجم النساء دختر مولانا ابن عباسی کو بموجب فرمان عہد جہانگیر مجریہ ۱۰۲۱ھ یکصد بیگہ و مسماة شاہ گل خاتون وغیرہ متعلقہ "حقائق و معارف آگاہ میاں شیخ ابو اللیث فرزندان قدوۃ العارفین و المحققین حضرت شاہ ابن کو بموجب فرمان عہد شاہجہان مطابق تجدید سند بست و ہفتم شہر جمادی الاول سنہ ۵ جلوس عالمگیری کو موازی دو صد بیگہ

اور موازی ہشتاد بیگہ زمین" باسم عصمت مآب صالحہ ساجدہ مسمأت فاطمہ از نبائر قطب الواصلین حضرت شاہ ابن قدس سرہ" بموجب پروانہ مہری علی تقی خان عالمگیری مجریہ غرہ رجب المرجب ۱۳؁ جلوس عالمگیری" متعلقین شاہ قیام الدین محمد کو مجموعتاً پانسو بیگہ بعہد عالمگیر آراضیات مدد معاش عطا ہوئیں۔

بعض خواتین کو بھی روزینہ ملتا تھا۔ مؤلف تاریخ واسطیہ کے جد امجد سید فتح مراد کی والدہ کو ۴م یومیہ ان کی دو بہنوں کو فی کس ۲م یومیہ بموجب فرمان مرقومہ بست و سوم شہر ذیقعدہ ۱۱۰۲؁ھ روزینہ ملتا تھا (یہ اصل فرمان خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے)۔

اسی طرح سادات و شرفا میں صدہا اشخاص کو ملک مدد معاش اور روزینہ سلطنت اسلامی سے ملا کرتا تھا۔ ملک مدد معاش علیٰ قدر مراتب مقرر ہوتی تھی جس کی مقدار حسب حیثیت و ضرورت شرعۂ بیگہ سے دو سو ڈھائی سو بیگہ ہوتی تھی اور روزینہ ۱ر یومیہ سے دو تین روپیہ یومیہ تک۔ ان اشخاص کو جنھیں ملک مدد معاش عطا ہوتی تھی اصطلاحاً "ایمہ دار[1]" کہتے تھے۔ عہد عالمگیری کے "ایمہ داران" کی ایک تحریر کا عکس تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے علیحدہ درج کیا جاتا ہے دستخط کنندگان میں مختلف خاندانوں کے اشخاص شامل ہیں یعنی خاندان حضرت شاہ شرف الدین خاندان عباسی' خاندان پیرزادگان اولاد حضرت شاہ ابن' خاندان نخشبی' خاندان حضرات ترکمان و شیخ زادہ خاندان صدیقی و قریشی وغیرہ۔

جاگیر شاہان اسلام کے زمانہ میں عمال سلطنت اور منصبداروں کو علیٰ قدر مراتب جاگیریں عطا ہوتی تھیں' انکی بھی دو اقسام تھیں' ایک موقت یعنی وہ جاگیریں جو دوران خدمت میں عمال و عہدہ داران حکومت و منصبداروں کو ان کے عہدہ و منصب کے مصارف اور تنخواہ کے لئے دیجاتی تھیں۔ ایسے بہت سے اعلیٰ جاگیرداروں کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں جن کی جاگیر میں کل پرگنہ امروہہ وقتاً فوقتاً شامل رہا ہے۔ دوسری وہ جاگیریں تھیں جو بصلۂ خدمات

[1] بعض لوگ "ایمہ دار" کو "آئمہ دار" لکھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے یہ ترکی میں خوراک روزینہ کو کہتے ہیں۔

منصبداروں اور انکی نسلوں کو بطور مدد معاش بطریق معافی علی الدوام والاستمرار عطا ہوتی تھیں۔ ساکنان امروہہ بالخصوص سادات امروہہ کی جاگیریں اسی شق دوئم کی تھیں جو نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن معافی میں دی گئی تھیں، ان کا جزوی حصہ اب بھی امروہہ کے بعض خاندانوں میں باقی چلا آتا ہے۔

امروہہ کی جاگیروں کی ابتدا شروع عہد مغلیہ سے سمجھنی چاہئے، اس عہد سے پہلے اہل امروہہ بالخصوص سادات اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کے متعدد افراد شاہی فوج میں بسلسلۂ ملازمت منسلک تھے، بعض عہدۂ قضاۃ امروہہ پر مامور تھے لیکن اس زمانہ میں یہاں کسی کو کوئی بڑا منصب یا جاگیر عطا نہیں ہوئی تھی۔ امروہہ کے پہلے شخص جو اپنی ذاتی قابلیت اور سلطنت کی شاندار خدمات کی بدولت منصب جلیلہ پر پہنچے **مولانا سید محمد میر عدل** تھے۔ **میر عدل** کے بعد ۹۸۳ھ میں صوبہ بھکر (سندھ) کی **گورنری** کے اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوئے، اسوقت ان کا منصب[1] ہزاری ذات کا تھا جو آخر عہد مغلیہ کے دہ ہزاری منصب کے مساوی بلکہ وقعت میں اس سے بھی زیادہ سمجھا جاتا ہوگا کیونکہ اسوقت عطائے منصب کے لئے ذاتی لیاقت و قابلیت شرط تھی، عہد عالمگیری کے بعد سے تو منصب رعایتی یا موروثی ہوگیا تھا۔

عہد اکبری کے منصبدار

عہد اکبری میں امروہہ کے منصبداروں کی تقریباً کل تعداد صرف ایک ہی خاندان یعنی مولانا سید محمد میر عدلؒ ان کے بھائی سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف پر مشتمل تھی، بعض اور خاندانوں کے منصبدار بھی تھے مگر خال خال۔ عہد اکبری میں امروہہ کے مندرجہ ذیل اشخاص منصب دار تھے:-

---

[1] امروہہ کے مؤرخین نے ان کا منصب ہفصدی لکھا ہے، آئین اکبری میں بھی یہی تعداد درج ہے لیکن تاریخ معصومی میں جو صوبہ سندھ کی تاریخ ہے اور جسکے مؤلف مولانا سید محمد میر عدل کے ہمعصر بلکہ شناسا تھے منصب کی تعداد ہزاری ذات درج ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہزاری ذات کے منصبدار کو ۱۰۴ گھوڑے، ۳۱ ہاتھی ۲۱ قطار شتر، ۴ قطار خچر اور ۳۲ عرابہ گاڑی رکھنے پڑتے تھے جسکے مصارف تنخواہ میں آٹھ ہزار دو سو (۸۲۰۰) روپیہ ماہانہ ملتا تھا

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۱	میر سید محمد میر عدل	ہزاری ذات	جلال الدین محمد اکبر	حضرت شاہ ولایتؒ
۲	سید ابو القاسم خلف میر عدل	پانصدی "	"	(اولاد سید عبد العزیز)
۳	سید مبارک برادر میر عدل	چہارصد پنجاہی "	"	"
۴	سید ابو المعالی خلف "	سیصدی "	"	"
۵	سید ابو الحسن خلف "	دوصدی "	"	"
۶	سید عبد الواحد خلف سید مبارک	دوصدی "	"	"
۷	سید عبد الہادی " "	یکصد پنجاہی "	"	"
۸	سید ابو الفضل خلف میر عدل	صد و بستی "	"	"
۹	سید عبد الجلیل خلف سید مبارک	صد و بستی "	"	"
۱۰	سید عبد الغفار " "	یکصدی "	"	"
۱۱	سید عبد الحفیظ " "	" "	"	"
۱۲	سید عبد الرشید " "	" "	"	"
۱۳	سید عبد المجید " "	چہار بستی "	"	"
۱۴	سید خضر مورث سادات لکڑہ	" "	"	اولاد قاضی امیر علی
۱۵	شیخ معظم صدیقی	دوصدی "	"	شیوخ صدیقی
۱۶	مولانا الہداد عباسی	یکصد پنجاہی "	"	خاندان عباسی
۱۷	شیخ عبد المنان صدیقی	چہار بستی "	"	شیوخ صدیقی

عہد اکبری کے بعد سے سادات امروہہ بالخصوص اولاد سید عبد العزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کی اس شاخ میں جو خاندان سید نجیب بن سید بڈھ سے موسوم ہے منصبداروں کی تعداد بھی زیادہ رہی اور ان میں بعض اشخاص کو اعلیٰ مناصب اور بڑی بڑی جاگیریں ملیں ابتدائے عہد مغلیہ سے انتزاع سلطنت

اسلامی تک باشندگان امروہہ میں منصبداران شاہی کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی - اس میں صرف اولاد حضرت شاہ ولایتؒ میں تقریباً ۱۱۶ اور سادات و شرفاء امروہہ کے دوسرے خاندانوں میں ۸۴ منصبدار ہوئے جیسا کہ حسب ذیل گوشوارہ سے واضح ہوگا۔

خاندان حضرت شاہ ولایتؒ		
مجموعی تعداد	اولاد فرزند اکبر	اولاد فرزند اصغر
۱۱۶	۲۰	۹۶

خاندان	تعداد
قاضی زادگان	۱۸
دانشمندان	۱۶
نخشبیان	۱۲
جزوری سادات	۷
نوگانواں سادات	۶
بستدیان	۷
پیرزادگان	۶
کمبوہ صاحبان	۶
کلال صاحبان	۶
خاندان نجابت سید	۱
مجموعی تعداد	۲۰۰

ذیل میں ہر خاندان کے منصبداروں اور جاگیرداروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے :-

خاندان سید محمد میر عدل

عہد اکبری کے منصبداروں کی جو فہرست پہلے درج ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ مولانا سید محمد میر عدل کے سب فرزند شاہی منصبدار تھے۔

سید **ابوالفضل** اپنے عالی منزلت باپ کے ساتھ صوبہ سندھ گئے، شاہی فوج کے سپہ سالار رہے، متعدد معرکہ ہائے جنگ سر کئے اور بعد وفات پدر بزرگوار کچھ عرصہ تک صوبہ بھکر کے **گورنر** رہے۔ ان کی اولاد میں دیوان سید ابراہیم ان کے فرزند دیوان سید محمد عاقل اور ان کے فرزند سید غلام علی جن کا کثرت سے شہرہ ہے، نیز آخرالذکر کے فرزند سید مظہر علی خان یہ سب اپنے اپنے زمانہ میں نامور منصبدار شاہی ہوئے، بڑی بڑی جاگیریں نسلاً بعد نسل عطا ہوئیں۔

سید ابوالفضل کے دو اور بھائی سید **ابوالقاسم** اور سید **ابوالمعالی** اپنی شجاعت و شہامت اور اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہیں - یہ دونوں بھائی شہنشاہ اکبر کے نامور فوجی جنرلوں میں سے تھے - شجاعت ہاشمی و جلادت حیدری کے جوہر دکھائے، ان کی تلواریں کبھی بنگال میں چمکتی تھیں اور کبھی **قندھار** میں - کبھی **راجپوتانہ** کے معرکے سر کئے اور کبھی **بندیلکھنڈ** کے ایک ہندی دوران دونوں کی شجاعت و شہامت اور جان بازیوں کا جو راجہ جگل سنگھ کے مقابلہ میں ان بہادر فوجی افسروں سے ظاہر ہوئیں مشہور ہے :-

دل دبا دل گنجر و گہنا فوج کا فرنو کاٹے — عادل محمد کہ ہالی سند و قاسم شاہے
(سید محمد میر عدل — سید ابوالقاسم)
پڑی دھمک چوٹ تمہ تم کلپے کوٹ — جانے چھپو گھر اوٹ
دہنیہ بکرٹے جانے چھپو ہند ہو دھرلاج — جس کا بندھا اوچھا ہے معالی قاسم راج
نارسے ہم جلیں تم چلے چڑھاں سلطان — معالی قاسم جب چلیں پچھم اگیے بان

آخری مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ سید ابوالقاسم اور سید ابوالمعالی کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا' کیوں نہ ہو' آخر اسی کرار غیر فرار کی نسل سے تھے جس کی شان میں کہا گیا ہے لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ سید ابوالمعالی لاولد ہے'
سید ابوالقاسم کے فرزند سید محمد قاسم عہد شاہجہانی میں ششصدی ذات کے منصبدار تھے[1]، ۱۰۳۵ھ میں انہوں نے لاولد انتقال کیا' ان کے ترکہ کی مالک ان کی بہن بیبی سید سراج الدین قادری سوختہ سادات حسنی محلہ چلہ کی زوجہ بی بی اچھی ہوئیں۔

مولانا سید میر عدل کے خلف اکبر شاہ سید ابوالحسن بذات خود بھی منصبدار تھے اور ان کے فرزند سید عبدالخالق کی اولاد میں دیوان سید عبدالماجد شاہجہانی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر فائز تھے' بڑی جاگیر انعام پائی' انہوں نے اپنی سکونت کے لئے ایک قلعہ بطور گڑھی تعمیر کرایا تھا جسکو ناتمام چھوڑ کر ۱۰۷۵ھ میں انتقال کیا۔ ان کے نامور فرزند دیوان سید محمود نے قلعہ کی تکمیل کی' وہ خود بھی بڑے منصبدار اور عہد عالمگیری میں صوبہ سنبھل کے دیوان اور اپنے زمانہ میں امروہہ کے سب سے بڑے جاگیردار تھے۔ دیوان سید محمود کی اولاد میں خاندانی اعزاز و افتخار کے بہت کچھ مبالغہ آمیز قصے مشہور ہیں لیکن اس خاندان کو جو اقتدار اور تفوق واقعتاً حاصل تھا اس کا ذکر نہ کہیں نام نہاد "مورخین" امروہہ نے کیا اور نہ اہل خاندان کو اس کا صحیح علم ہے۔ حسن اتفاق سے خاکسار مؤلف کو دیوانجی کے کاغذات میں عمدۃ الملک نواب اسد خان[2] عالمگیری کی ایک تحریر دستیاب ہوئی جس سے ثابت ہے کہ

---

[1] شاہجہاں نامہ ملا عبدالحمید لاہوری و عمل صالح۔ [2] محمد ابراہیم نام' عمدۃ الملک امیر الامرا اسد خان خطاب' قلیچ خان ذوالفقار خان منصبدار سہ ہزاری شاہجہانی کے بیٹے تھے۔ ان کے دادا کا وطن ایران تھا۔

دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں خاص قصبہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا۔ نواب سید خان بس تحریر میں اس زمانہ کے حاکم سنبھل کو لکھتے ہیں کہ کل قصبہ امروہہ چونکہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں شامل ہے اسلئے قصبہ مذکورہ کے کوتوال کا تقرر تم اپنی جانب سے نہ کرو اور جو تقرر غلطی سے ہو گیا ہے اسے مسترد کر دو۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے اور خط دیدہ زیب اسپر طلائی نقش ونگار ہیں۔ ذیل میں اسکی نقل اور اسکا عکس جداگانہ شایع کئے جاتے ہیں:۔

"امارت وایالت پناہ ابہت وحشمت دستگاہ عزت وخلت انتباہ

خان عالیشان ملتفت بودہ ... در حفظ وحمایت ایزد منان باشند

برضمیر محبت پذیر مخفی ومستور نماند کہ درینولا وکیل سیادت پناہ سید محمود ظاہر
نمود کہ سابقاً از حیثیت قصبہ پرگنہ امروہہ از توابع سرکار سنبھل بجاگیر چند
کس تعلق داشت از طرف فوجدار سرکار مذکور کوتوال در قصبہ مزبور مقرر بود وحالی
الحال کہ قصبہ مرقوم در نسبت بجاگیر موکل کہ مہین شیخ حیثیت
تنخواہ شد امارت پناہ نامدار خان کوتوال خود را از اجبار طرف ساخت
والحال آں امارت پناہ کوتوال خود را برخلاف معمول در آنجا تعین کردہ اند بسیار ...

(بسلسلہ گذشتہ) النسباً فاطمی سید تھے۔ شاہ عباس صفوی نے شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے اس خاندان کو اسقدر تنگ کیا کہ بالآخر ترک وطن کر کے ہندوستان آئے۔ جہانگیری دور کی آخری منزل تھی۔ محمد ابراہیم عہد شاہجہانی میں بخشی دوم تھے جب عالمگیر کا آفتاب چمکا تو چہار ہزاری منصبدار ہوئے اور ۲۹ رجب ۱۰۸۷ھ کو وزارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر پہنچے ہفت ہزاری منصب اور عمدۃ الملک خطاب ہوا۔ تلوار اور قلم دونوں کے دھنی تھے۔ عالمگیر کو ان کی ہر ادا پسند تھی۔ یہ وزیر اور مدار المہام ہی نہ تھے بلکہ خلوت وجلوت کے رفیق اور مہمات ملکی میں شریک خاص بھی تھے۔ انکی سیادت وبزرگی پر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا اسقدر اعتقاد تھا کہ ایک موقع پر جب ان سے ہم سر ہوئی تھی تو بادشاہ نے انہیں لکھا کہ "آں فدوی خود سید کریم النفس است اگر بحضور قلب دعا کنند گنجائش دارد"۔ ان کا پورا خطاب تھا "نواب عمدۃ الملک امیر الامرا آصف الدولہ اسد خان بہادر"

عکس تحریر عمدة الملک نواب اسد الله خان امیر الامرا

در بارهٔ جاگیر دیوان سید محمود

متعلق ص ۳۱۱

اخلاص و ارادت نشان محبت و اخلاص دستگاه الطاف و عنایت آگاه

خان ... خان ... سلامت باشند

بر ضمیر محبت پذیر مخفی و مستور نماند که در صوبهٔ دکن از سالها سید محمود جاگیردار بالفعل

از جهت قصبهٔ ... از توابع سرکار سنبهل بجاگیر ... تعلق ... از طرف جاگیردار

سرکار مذکور کوتوال در قصبهٔ مذکور معمول ... الحال در قصبهٔ مذکور بسبب جاگیر

... نسبت ... شده است ... کوتوال خود را از آنجا برطرف ساخت

در حالت ... کوتوال خود را برخلاف معمول در آنجا تعین کرده از ...

در باب برطرف نمودن کوتوال ... دستگاه نگارش یافت لهذا ...

چون قصبهٔ مذکور بجاگیر موکل ... تعلق دارد ... سابقا

کوتوال آنجا را برطرف ساخته ... دستگاه ... کوتوال مذکور را برطرف سازند

زیاده چه نگارش ... تحریر ... شهر ربیع الاول ...

کہ در باب برطرف نمودن کوتوال آں حشمت دستگاہ نگارش یابد لہذا نگاشتہ می آید

کہ چوں قصبہ پرگنہ مزبور بجاگیر موکل کہ مہین شہر بکینت تعلق

دارد وامارت پناہ نامدار خان کوتوال آنجا را برطرف ساختہ بود آں امارت دستگاہ

نیز کوتوال مزبور را برطرف نمایند زیادہ چہ نوشتہ شود عواقب امور بخیر و خوبی معروف باد

۱۷ ربیع الاوّل سنہ ۴۳ ظلی شد۔" سعو

اس سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں دیوان سید محمود کے خاندان کو خاص قصبۂ امروہہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل تھا۔ عہد عالمگیری تک کی متعدد قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے باشندوں کے نزاعی معاملات 'عام اس سے کہ وہ سادات و شرفا کے ہوں یا اہل حرفہ کے' اولاد شاہ ولایت کے ہوں یا دوسرے خاندانوں کے' دیوان سید محمود اور ان کے اخلاف کے "چبوترہ" یعنی عدالت میں تصفیہ کی غرض سے پیش ہوتے تھے۔ گویا یہ حضرات موجودہ زمانہ کے آنریری واسپیشل مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور شہر کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا۔

ذیل میں ایک دستاویز "صورت حال" کی نقل درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ہر قسم کے نزاعی معاملات ابتدا بغرض تصفیہ ان حضرات کے یہاں پیش ہوتے تھے۔ اس دستاویز میں جس معاملہ کا ذکر ہے وہ تقریباً سید عبدالمعالی بن دیوان سید محمود کی عدالت میں پیش ہوا تھا:۔

میراں سید عبدالمعالی

الحسینی ابن سید محمود ۱۰۷۹ عبدالمعالی

ذکر بیست در بیان آنکہ چوں سید اشرف ولد مرحومی میر سید عبدالقادر

بحضور سیادت و نقابت پناہ آمد۔

(بسلسلۂ گذشتہ) فدوی خاص "عالمگیری عہد کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے انہیں وکیل مطلق کا منصب عطا کیا جو وزارت عظمیٰ کے درجہ سے بڑھا ہوا تھا۔ سنہ ۱۱۲۹ھ میں بعمر نوّے سال انتقال کیا۔

ملاحظہ (صفحہ ۳۱۱) عہد مغلیہ میں ہر پرگنہ میں دو حاکم اعلیٰ ہوتے تھے۔ اندرون شہر کے حاکم کو **کوتوال** اور بیرون شہر کے حاکم کو **فوجدار** کہتے تھے یعنی موجودہ زمانہ کے سٹی مجسٹریٹ کو کوتوال کہلاتا تھا اور سب ڈویژنل افسر فوجدار۔

ظاهر ساخت که لشنداس نام کاتیه زمین سرای بنده بدست داود کلال ساکن
مرادآباد فروخته است سیادت و نقابت پناه میران مزبور کاتیه
مذکور را بحضور خود طلبیدند. آمده رجوع شده داود کلال که شهر
کلالان است و همه دیگر همراه او آمدند چون سیادت و نقابت پناه
میران مسطور استفسار این معنی کردند کاتیه مذکور جواب داد که در آن زمین خانه
پدر بنده و دو سه برادران دیگر موروثی بودند و بنده تا این مدت در لشکر بود چون
زمین از آن ما است فروخته ایم سید اشرف گفت که اینها همه رعیت ما بودند
سیادت و نقابت پناه میران مذکور بکاتیه مذکور حکم کردند که آن دو سه برادران
دیگر که هستند اینها نیز بیایند هر چه دعوی داشته باشند بکنند. کاتیه جواب داد
که اینها مرده اند در اولاد ایشان دو کس مانده اند در لشکر اند بنا بر آن اقرار افتاد
که این زمین موافق شریعت غرا در بیع نمی آید مشک که نا تحقیق و خلاف شرع
شده است آنرا پاره باید ساخت چون داود کلال حاضر نبود از او مشک طلب
کردند نداد و گفت که همراه آن بنده فرستاده ایم در اعمال نیست هر چند که تاکید کردند
هرگز نداد بنا بر این چند کلمه صورت مجلس نوشته شد که مشک موافق شریعت غرا
نامسطور و منسوخ است و سید اشرف و لشنداس و آن دو کس دیگر که در لشکر اند
جانبین در محکمه عدالت العالیه رجوع شوند شخصی را که از روی
شرع شریف حق ثابت شود بموجب سند عدالت العالیه آمده
دخل خود نماید تا زمانیکه سند عدالت العالیه کسی نشان دهد
جائی مسطوره بتصرف سابق باشد خرید و فروخت منظور نیست هر کرا از این حال آگاهی
اطلاع باشد در ذیل این گواهی خود بنویسد یا بنوشتن اجازت فرمایند تا عند الله ماجور
و عند الناس مشکور گردد تحریر فی التاریخ ... شهر رجب المرجب سنه ... ه

گواه شد. سید عبد الفتاح گواه شد. گنگو قانونگو ولد پران ناتهه گواه شد. سوبها چند ولد پران ناتهه گواه شد. کنداس ولد

گواه شد. سید جعفر گواه شد. عبد الرشید ولد مولانا محمد عباسی

شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے مولانا سید محمد میر عدل اور سید مبارک ان دونوں بھائیوں کی اولاد کو حق زمینداری خالصہ و آبادی شہر کا حاصل تھا۔ شہر کی آبادی کے متعلق یہ تصریح بھی کہ سادات و شرفا کی املاک کے علاوہ بازاروں، سراؤں اور میلوں وغیرہ کا حق زمینداری ان کا سمجھا جائے۔ یہ حقوق اس خاندان کو روہیلوں کے زمانہ حکومت تک بدستور حاصل ہے۔ نواب دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے:۔

نقل

پروانہ مہر خان صاحب دوندے خان بہادر   آنکہ

متصدیان مہمات حال و استقبال قصبہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بدانند چوں ارث زمینداری خالصہ و آبادی شہر بہ نبائران میر سید محمد (میر عدل) و میر سید مبارک مغفور و مبرور است و ہمیشہ بہ امور متعلقہ مداخلت نشدہ معز الیہما قائم و مستحکم ماندہ

لہ مؤلف تاریخ واسطیہ نے صفحات نمبر ۲۸، ۲۹ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حق زمینداری تمام سادات اولاد شاہ ولایتؒ کو حاصل تھا اور یہ کہ "اولاد شاہ ولایتؒ نے قوم تگا کو اس شہر (امروہہ) کی حکومت و ریاست و دیگر تعلقات وغیرہ سے بشجاعت و دلاوری خارج کر دیا اور خود ان کے جملہ تعلقات و زمینداری شہر و مکانات مسکونہ پر حسب الحکم بادشاہ وقت قابض و متصرف ہوئے۔ سلطان وقت نے زمینداری شہر و جملہ تعلقات انکا سادات موصوف کو عطا و مرحمت فرمایا اور قوم تگا کو مقام امروہہ سے مطلقاً نکال دینے کا حکم جاری فرمایا" یہ بیان محض لغو و مہمل ہے۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی امروہہ میں تشریف آوری بلکہ آپ کی ولادت سے بھی تقریباً نصف صدی پیشتر سے اس شہر پر مسلمانوں کا پورا تسلط و قبضہ تھا اور مسلمانوں کے مختلف خاندان یہاں آباد تھے۔ البتہ عہد اکبری اور اس کے بعد پرگنہ امروہہ کی اراضیات غلہ وغیرہ کی طوامیری کا غذات حساب کے دستخط کرنے کا حق جملہ زمینداران کو جن میں زیادہ تعداد اس خاندان کی بھی حسب ضابطہ حاصل رہا ہے۔ اس سے شہر امروہہ کے حق زمینداری سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں۔

گاہے غیر دخیل نشدہ حالا ہم بدستور قدیم تعلقات زمینداری معزالیہا بحال و مسلم داشتہ باید کہ از فیما بین بحصہ نصفا نصف خود مادر بزرگ وراثت دخیل بودہ بہر چہ از محصول و ابواب زمینداری حاصل شود موافق حصہ مسطور میدادہ باشند و احدے در امور متعلقہ مشار الیہا تعرض بجا نرساند و سند مجدد نطلبند و دریں باب تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شعبان سنہ ۲ جلوس عالمگیر ثانی

دیوان سید محمودؒ کے سب بھائی اور ان کے سب فرزند جاگیردار و منصب دار تھے ان کی نسل میں متعدد اشخاص نے عہد مغلیہ میں مناصب جلیلہ پائے اور بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔ بالخصوص سید یوسف علی خاں[1] بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمودؒ مذکور محمد شاہی عہد میں ہزاری ذات چہار سو سوار کے منصب دار اور خطاب خانی سے سرفراز تھے ان کے فرزند سید عاشق علی خاں[2] بھی عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے منصب دار اور "خاں" کے خطاب سے ممتاز تھے۔ سید عاشق علی خاں کے فرزند سید عزت علی خاں بھی پانصدی ذات کے منصب دار ہوئے۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر اشخاص یعنی سید حسن علی خاں بن سید یوسف علی خاں مذکور اور سید رحم علی خاں بن سید عبدالعزیز خاں مذکور اور سید غلام شرف الدین بن سید عبدالہادی بن دیوان سید محمودؒ نامور منصب دار تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں اس خاندان کو ملیں۔

سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں بھی متعدد اشخاص جاگیردار و منصب دار ہوئے۔ ان کے فرزند سید عبدالواسع خود بھی ذی اقتدار اور شاہی منصب دار تھے ان کے اخلاف میں بھی بعض اشخاص مثلاً سید کرم علی خاں جاگیردار و منصب دار تھے۔ سید عبدالواسع کے دوسرے بھائی سید عبدالہادی باوجود امارت فقیر منش تھے ان کی اولاد میں سید عبدالرزاق جن کے نام

---

[1] در سطیعہ میں ان کا منصب دو صدی ذات تحریر ہے غالباً مؤلف در سطیعہ کو انکے فرامین و کاغذات دیکھنے کو نہیں ملے خاکسار مؤلف کے پاس انکے اصلی فرامین منصب موجود ہیں جن سے منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی ہے۔

[2] انکا منصب در سطیعہ نے پانصدی ذات لکھا لیکن یہ صحیح نہیں۔ مؤلف مذکور نے انکے فرزند سید عزت علی خاں کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔ ان حضرات کے اصلی فرامین منصب خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔

بازار رزاق موسوم ہے، جاگیردار ذی اقتدار تھے۔

خاندان سید مبارک

سید مبارک کے آٹھ فرزند تھے اور آٹھوں شاہی منصبدار ہوئے ان بھائیوں میں سید عبد الغفار سید عبد الجلیل و سید عبد الواحد اور سید عبد الہادی زیادہ نامور ہوئے۔ سید عبد الواحد اور سید عبد الہادی بعہد اکبری اپنے برادران عم زاد سید ابو القاسم و سید ابو المعالی کے ساتھ مہم بنگالہ پر متعین ہوئے تھے۔ سید عبد الہادی نے عنفوان شباب میں کارہائے نمایاں کئے، شجاعت حیدری کے جوہر دکھائے جس کے صلہ میں منصب بڑھا اور دربار شاہی سے کلمات تحسین و آفریں سے سرفراز کئے گئے۔ فرمان مجریہ ۱۶ ربیع الثانی ۹۸۲ھ کا ایک فقرہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا[1]

چوں سلالۂ سلسلۂ نقویہ، زبدۂ دودۂ جعفریہ، فرد الحامد و البادی سید عبد الہادی[2]

ولد سید مبارک بعلاں اکبر تعالیٰ و تبارک باوجود نوخاستگی کہ ہنوز طفلی تعبیر میتوان کرد

داد جلالت و مردانگی دادہ، جزائے شورہ بختی در کنارش نہادہ ذاتش کہ پنجاہی بود صدد

سوار دیگر افزودہ و امید کہ بمنصب اعلیٰ سرفراز گردد

سید عبد الہادی نے عمر کم پائی۔ ان کے فرزند سید رجب جو جانی بیگم دختر عیوض بیگ کے بطن سے تھے عہد جہانگیر میں ہانصدی ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان سے نسل نہیں چلی۔ سید عبد الواحد جو خود بھی نامور منصبدار تھے

---

[1] تاریخ اصغری میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قوم تگا کے راجا سانسا جا ندن کو جو امروہہ کا آخری راجہ تھا سید عبد الہادی نے کسی قصور پر بحکم اکبر بادشاہ گرفتار کرنا چاہا وہ تبر و پیش آیا اور آمادہ جنگ ہوا اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا" یہ بیان محض بے اصل و بے بنیاد ہے۔ امروہہ میں عہد اکبری سے چار سو برس پہلے سے مسلمانوں کی حکومت تھی اور برابر قائم رہی۔ یہاں اس عہد میں کسی ہندو راجہ کی موجودگی ہرگز قرین قیاس نہیں۔

[2] سید عبد الہادی "کالے پہاڑ" کے نام سے مشہور رہے۔ کسی غیر کفو کی خاتون غالباً حبشن کے بطن سے تھے۔ بہت طاقتور و قوی الجثہ ہونے کی وجہ سے "کالا پہاڑ" مشہور ہو گئے تھے بعض خاندانی تحریرات میں جو ان کے زمانہ سے بہت بعد کی ہیں ان کے نام کیساتھ "نواب" کا لقب بھی لکھا گیا ہے لیکن اس خطاب کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا۔

ان کے فرزند سید **عبدالوارث** بعہد جہانگیر بڑے مرتبہ پر پہنچے ۔ ابتداءً سنبھل کے فوجدار رہے۔ پھر قنوج اور اودھ کے حاکم ہوئے۔ انھوں نے بھی عالم جوانی میں انتقال کیا۔ ان کے چھوٹے بھائی سید **عبدالباقی** ان کے قائم مقام ہوئے بڑی کثیر جاگیر عطا ہوئی ان کی نسل سے امروہہ میں کوئی فرد نہیں ہے۔

سید عبدالغفار کے فرزند دیوان **سید محمد مختار** ۱۰۸۰ھ میں دو ہزاری بذات کے منصبدار اور خطاب بہادر سے سرفراز تھے کثیر جاگیر انعام میں پائی۔ ان کے چار فرزندوں میں سے سید لطف علی و سید **غضنفر علی** بھی منصبدار و جاگیردار تھے۔ اول الذکر سے عقب نہیں، سید غضنفر علی کے ایک فرزند سید وارث علی اور ان کے خلف الصدق سید عبدالواحد دونوں باپ بیٹے ہزاری ذات کے منصبدار و جاگیردار ہوئے، سید غضنفر علی کے دوسرے فرزند سید ہزبر علی تھے ان کے ایک بیٹے سید **علی مرتضیٰ خاں** بعہد محمد شاہ بادشاہ ہزاری ذات و خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ بڑی جاگیر انعام میں پائی ان کے نامور فرزند سید **علی اعظم خاں** بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ ۱۱۸۳ھ **ہزاری** ذات و ستات سوار کے منصب۱ اور خطابات بہادر" اور "خان" سے سرفراز ہوئے، چندہ مواضعات جاگیر میں پائے۔ اور ان کے دونوں بیٹوں سید امان علی خاں و سید ضیا علی خاں کو بھی جاگیریں ملیں۔

سید علی مرتضیٰ خاں کے برادرزادہ سید محمد اسد اللہ خاں عرف **میر حسین کلو** بھی اپنے زمانہ میں نامور منصبدار اور امیر کبیر ہوئے، شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں ان کا منصب **پنجہزاری** ذات کا تھا کثیر جاگیر انعام میں ملی۔ ان کے آٹھ فرزند تھے جن میں سے تین بھائی یعنی سید **بدرالدین عرف میر لبادن** جن کے نام پر یہ لبادن گنج منسوب ہے۔ سید ظہور اللہ اور سید نعیم اللہ بھی شاہی منصبدار ہوئے ان کے اور بھائی بھی جاگیردار تھے۔ اس خاندان میں اور اشخاص مثلاً سید شجاعت علی ابن سید ہزبر علی کی اولاد میں مولوی سید منور علی اور سید فضل علی عرف کلو بھی منصبدار و جاگیردار تھے۔

---

۱ صاحب نخبۃ التواریخ نے ان کا منصب شش ہزاری ذات اور صاحب اصغری نے دو ہزاری ذات لکھا ہے جو صحیح نہیں ان کا منصب حقیقتاً سہ ہزاری ذات تھا۔

سید اعظم علی خاں اور سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو اپنے زمانہ میں امروہہ کے مشہور اور ممتاز امرا اور بڑے جاگیرداروں میں سے تھے۔ ان کی نسل کے بعض افراد کے پاس اب بھی جزوی جاگیر باقی ہے۔

خاندان قاضی سید امیر علی

حضرت شاہ ولایت کے دلبند اکبر قاضی سید میر امیر علی کی نسل میں ابتدا زیادہ تر مشائخ اور علما و فضلا ہوتے رہے جنھیں عموماً نہ امارت شاہی کی خواہش ہوتی ہے اور نہ مناصب جاگیروں کے حصول کی آرزو۔ عہد اکبری میں البتہ سید خضر منصبدار ہوئے، صوبہ مالوہ اور سرکار سنبھل میں جاگیر ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخ دیوان سید منجھو اور ان کے اخلاف میں دیوان سید سعید خاں یہ سب حضرات شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ ان کی نسل میں سید محمد منور اور ان کے فرزند سید محمد شاکر، سید ابدال محمد اور سید عظمت اللہ جاگیردار و منصبدار تھے۔ اول الذکر دونوں حضرات باوجود امارت کے فقر کی جانب مائل تھے۔ سید ابدال محمد کو نواب دوندے خاں اپنا پیر کہتے تھے۔ ان کے فرزند سید نفیس احمد و سید عطا احمد وغیرہ اور ان کے برادر زادگان بھی موروثی منصبدار و جاگیردار رہے۔

خاندان قاضی زادگان

شاہان تغلقیہ کے زمانہ سے اس خاندان کے متعدد اشخاص امروہہ کے قاضی کی حیثیت سے جو اس زمانہ میں ایک معزز جوڈیشل عہدہ تھا نسلاً بعد نسلٍ صاحب منصب جاگیردار ہوتے رہے۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں قاضیوں کے علاوہ اور بھی چند اشخاص شاہی منصبدار و جاگیردار ہوئے لیکن نہ کوئی بڑا منصبدار ہوا اور نہ کوئی جاگیر ملی[1]

---

[1] سید رحیم بخش مؤلف "واسطیہ" نے جو اسی خاندان قاضی زادگان کی ایک شاخ سے اپنا سلسلہ نسب متصل کرتے ہیں، اپنے خاندانی حالات کا تذکرہ بڑے شد و مد اور بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ جابجا شدید غلط بیانیاں کی ہیں۔ یہ غلط بیانیاں اگر غلطیوں ہی کی حد تک محدود ہوتیں تو نظر انداز ہونے کے قابل تھیں، لیکن جس شخص نے شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات قلمبند کیے ہوں وہ اگر قصداً اور عمداً غلط بیانیوں کا

خاندان لوگیاں

اس خاندان میں صرف چھ اشخاص منصبدار ہوئے جن میں سید عبدالرسول عرف میراں خاں پنجہزاری ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان کے برادرزادہ سید غلام محی الدین بھی دو ہزاری ذات کے منصبدار ہوئے۔ اور اشخاص کو بھی جاگیریں ملیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۷) مرتکب ہو تو مقتضائے انصاف وصداقت یہ ہے کہ اس کی غلط بیانیوں بلکہ دروغ بافیوں کے "بیت عنکبوت" کا تار و پود بکھیر دیا جائے۔

پہلی غلط بیانی۔ مولف واسطیہ نے اپنی تالیف کے تقریباً ۲۶ صفحات خاص اپنے خاندانی حالات میں رنگے ہیں، ان میں انہوں نے اپنے خاندان کے عروج، امارت و ریاست کی جو حکایتیں درج کی ہیں ان سے مجھے مطلق سروکار نہیں، خلاصہ صفحہ ۲۲ پر ارقام فرماتے ہیں کہ "اس محلہ (صابون گران) کو میراں سید یعقوب (رنے) کہ جو نبیرہ سلطان ابراہیم لودھی و ظہیر الدین بابر بادشاہ میں رہے عالی منزلت والامرتبت منصبدار ذی اقتدار گزرے ہیں" آباد کیا تھا، محلات بنگلہ بناتے جو دربار کے نام سے مشہور ہوئے یا مثلاً "دیوان خانہ عالی شان" کی "کوٹھریوں کا پچھ سنگ سرخ کا تھا" و "پیش آں چبوترہ کرسی دار" تھا اور "زیر چبوترہ ایک باغیچہ درختان بہار پہلوار و اشجار میوہ ذائقہ دار" سے "مزین وتعمیر کرایا"۔ مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں کہ صاحب تاریخ واسطیہ کے بزرگوں نے جو محلات یا عالی شان دیوانخانے تعمیر کرائے " ان کی کوٹھریوں کا پچھ سنگ سرخ کا" تھا یا "زیر چبوترہ" کوئی باغیچہ "درختان بہار پہلوار و اشجار میوہ دار ذائقہ دار" سے "مزین وتعمیر" کرایا تھا یا ان کے بزرگوں میں کوئی صاحب سید سعادت اللہ نام "میراں" یا "دیوان" کے لقب سے ملقب نہ تھے۔ اگرچہ اس حسب کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی انہوں نے پیش نہیں کیا تاہم مجھے ان میں سے کسی بات سے انکار نہیں البتہ صفحہ ۳۰ پر جو وہ ایک شخص سید سعادت اللہ کے منصب و جاگیر کا ذکر کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے اجداد میں بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سید سعادت اللہ مذکور عالمگیری عہد میں کسی لڑائی میں مارے گئے تو ان کا منصب وجاگیر بنام اشخاص دیگر تبدیل و تعمیر ہو گیا مگر تخواہ سی (۳۱) ایک روپیہ سہ پاؤ یومیہ

خاندان سادات جڑودیہ

ان میں بھی تقریباً چھ منصبدار تھے۔ سید رفیع الزماں خاں ولد سید محمد عہد شاہ عالم عالی گوہر بادشاہ یک ہزاری ذات کے منصب اور خطاب سے سرفراز ہوئے معقول جاگیر معافی میں ملی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۸) سید سعادت اللہ موصوف کی وراثتہً بنام سید لطف اللہ وغیرہ پنج سالہ و شش سالہ پسران عنایت اللہ موصوف (؟) و بی بی رحمت جہاں و بی بی صاحبنی دختران سعادت اللہ و بی بی پیاری زوجہ ہٗ کو بموجب " فرمان والا شان " مذکورہ بالا ور ۱۶ سنہ جلوس مقدس ۹ ملی رہی۔ نیز اسی سلسلہ میں صفحات ۲۲۰-۲۲۱ پر جو " فرمان عطیہ عالمگیر اورنگ زیب بادشاہ " کی جو نقل شائع کی ہے اور اس فرمان میں بھی روپیہ مذکور کی تعداد سی و یک روپیہ و سرپاؤ تحریر کی ہے اس کے تسلیم کرنے سے انکار اور قطعی انکار ہے۔ کیونکہ روپیہ مذکور کی تعداد کے اظہار میں انہوں نے قصداً غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے یہ تعداد ۱۳۱ ہرگز نہ تھی بلکہ صرف ۱۰۰ روپیہ تھی۔ لفظ سی کا اضافہ صاحب واسطیہ کے قلم صداقت رقم (؟) کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ شاید یہ کتابت کی غلطی ہو کیونکہ اول تو کتابت آخر میں جو ۲ صفحات کا صحت نامہ شامل کیا گیا ہے اس میں کہیں اس کی تصحیح نہیں کی گئی حالانکہ صفحہ ۲۲۰ پر جہاں اس فرمان کی نقل درج ہے وہاں کتابت کی ایک اور غلطی کی توضیح دی گئی ہے۔ لیکن لفظ سی جس کا دو جگہ مع رقم ہندسہ کے اضافہ کیا گیا ہے، اسے بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ اس سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ کتابت کی غلطی نہیں بلکہ یہ کارروائی عمداً کی گئی ہے۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ امروہہ کے ایک شخص سید سعادت اللہ نام، جنہیں صاحب واسطیہ اپنا جد اعلیٰ بتاتے ہیں۔ عالمگیری عہد میں فوج شاہی میں ملازم تھے ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی سپاہیوں کے زمرہ میں منسلک تھے کسی لڑائی میں جو شاہی فوج اور افغانوں کے مابین ایک پہاڑی (یعنی کتل) پر جو " کتل خیر الدین " یعنی خیر الدین کی پہاڑی کہلاتی تھی۔ واقع ہوئی تھی، مارے گئے۔ مقتول نے ایک زوجہ، دو بیٹے جن کی عمریں چھ اور پانچ سال کی تھیں اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں عام قاعدہ تھا مقتول کے ورثہ کا روزینہ مقرر ہوا یعنی آٹھ آٹھ آنے یومیہ ان دو خورد سال بچوں کے نام اور چار چار آنہ فی کس زوجہ اور دونوں بیٹیوں کے نام یعنی کل

خاندان نخشبی

اس خاندان میں تقریباً ۱۲ اشخاص منصبدار ہوئے جن میں خواجہ احمد خاں و خواجہ خیر اللہ خاں زیادہ نامور تھے۔ انہیں بھی معقول جاگیریں ملیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۹) ۱۲ یومیہ۔ جس فرمان کے ذریعہ یہ روزینہ مقرر ہوا تھا اور جس کی نقل صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ صفحات ۳۳۲ تا ۳۳۴ پر درج کی ہے وہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب ہوگیا ہے اور یہ یقیناً وہی فرمان ہے جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہا ہے کیونکہ اس میں جہاں جہاں ۱۲ کی رقم درج تھی اس کو چاقو سے چھیل دیا گیا ہے لیکن چھیلنے والے نے ہوشیاری سے کام نہیں لیا کیونکہ فرمان مذکور کی عبارت کے تحت میں ۱۲ یومیہ کی جو تفصیل درج ہے اس کو مٹایا نہیں گیا جس سے یومیہ مذکور کی تعداد صاف طور سے معلوم ہوجاتی ہے اور شاید اسی بنا پر صاحب واسطیہ نے بھی اس تفصیل کو اپنی کتاب میں درج کرنا پسند نہیں کیا اور صرف یہ کہہ دینے پر اکتفا کیا کہ "اور نیچے اس کے تقسیم سہام درشار اور پشت پر تو مہریں تصدیق اہلکاران مع عبارت تصدیق ثبت ہیں" جی ہاں، نو مہریں تو پشت فرمان پر ضرور ثبت ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمان مذکور کی نقل تو اپنی کتاب میں درج کرنا ضروری سمجھی، اس کی کل عبارت بھی نقل کردی اور "شی ویک روپیہ وسہ پاؤ" کی تعداد بھی لکھدی اور "تقسیم سہام" سے بھی ناظرین کتاب کو مطلع فرمانا ضروری سمجھا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر تفصیل کیوں درج فرمائی؟ کیا جس طرح لفظ "سی" کا اضافہ آپ نے اپنی عالی ہمتی سے کردیا تھا "تقسیم سہام" نہیں کرسکتے تھے؟ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب واسطیہ کو "فن تاریخ" کے سوائے فن ریاضی میں ایسی کوئی مہارت حاصل نہیں تھی بہرحال تاریخ واسطیہ کے ناظرین کی اطلاع کی غرض سے مولف واسطیہ کی فروگذاشت کو خاکسار مولف پورا کرتا ہے۔ تحت فرمان حسب ذیل تفصیلات درج ہیں:۔

مشاراللہ ——— مسماۃ ——— ۱۲ بلا قصور

وغیرہ پسران

نفران

ہیاری منکوحہ

اسامی

عمر

۱۲

خاندان دانشمند | اس خاندان میں تقریباً ۱۶ اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے جن میں سید تاج محمود خاں و سید محمد فیاض مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۰) موسوی الیہ   پسر مشارٌ الیہ

۶ سالہ   ۸ر   ۵ سالہ   ۸ر

صبیہ   مشار الیہ   صبیہ

رحمت جہاں وغیرہ دختران دو سالہ ی   ۴ر   صاحبنی   ۴ر

اور اگر حسن اتفاق سے یہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب نہ ہوتا تب بھی مولف واسطیہ کی یہ کارستانی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اسی روپیہ کے حساب سے روزینہ کی ماہوار مقدار للعہ ر اور سالانہ رقم اعصا ہوتی ہے سالانہ رقم کی یہ تعداد ایسی ہے کہ اس عہد میں امرو ہہ کے کسی بڑے سے بڑے جاگیردار کی سالانہ آمدنی بھی اتنی نہ تھی۔ عالمگیری عہد سے تقریباً ایک صدی بعد سید علی اعظم خاں کو حسن خدمات میں جو جاگیر عطا ہوئی تھی جس میں پندرہ مواضعات شامل تھے اسکی مجموعی آمدنی صرف صہ عمہ تھی گویا ان بچوں اور ایک خاتون کے روزینہ کی مجموعی سالانہ رقم کے ایک ثلث سے بھی کم۔ یا بالفاظ دیگر سید علی اعظم خاں، سید محمد سعادت اللہ خاں عرف میر کلو اور ان ہی جیسے ایک اور امیر کبیر کی جاگیروں کی مجموعی آمدنی جناب مولف واسطیہ کے اجداد میں سے چھ سالہ و پنج سالہ دو لڑکوں، ان کی دو بہنوں اور ان کی ماں کی مدد معاش میں محض اس لئے مقرر کر دی گئی تھی کہ اس خاندان کا روزی کمانے والا جو معمولی سپاہی تھا کسی لڑائی میں مارا گیا تھا!!

یہ ہے مولف واسطیہ کی صداقت بیانی اور تاریخ نویسی کی حقیقت!! ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

دوسری غلط بیانی۔ مولف واسطیہ نے اپنے خاندانی شجرۂ نسب میں سید سعادت اللہ ذکر کر کے سید عنایت اللہ ایک فرزند قائم کر کے ان کے دو بیٹے سید لطف اللہ اور سید صبح مراد ظاہر کئے

خاندان پیرزادگان

خاندان پیرزادگان اولاد حضرت شاہ آتین بدر چشتی قدس سرہ میں کم از کم چھ اشخاص منصبدار و جاگیردار تھے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۔۔۔) ہیں حالانکہ محولہ بالا فرمان سے بخوبی ثابت ہے کہ سید لطف اللہ مذکور سید سعادت اللہ مذکور کے پوتے نہیں بلکہ بیٹے تھے (ملاحظہ ہو حصہ سوم) بہر حال وہ ان سید لطف اللہ کے بھائی سید فتح مراد کو اپنا جدا مجد جانتے ہیں اور ان کے متعلق صفحہ ۲۳۲ پر یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "محمد مسیح عہد بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب میں بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار تھے" اس کا ثبوت وہ اسی صفحہ پر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ "موصوف اپنے زمانہ مقدرت و منصب میں احکامات اپنے نام اہلکاران شاہی جاری کرتے تھے" اس کے ثبوت میں وہ فرماتے ہیں کہ "چند پروانے ان کے حکمی مولف (یعنی سید رحیم بخش مولف واسطیہ) کی نظر سے گذرے ہیں" چنانچہ اس سلسلہ میں صفحہ ۲۴۰ پر "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد بن سید عنایت اللہ" کے عنوان سے ایک تحریر کی نقل بھی درج کی ہے جو ۲۰ بیگھہ اراضی کی واگذاشت کے متعلق ہے جو ان کی جاگیر کے ایک موضع میں شامل تھی اور جو اس زمانہ کے دستور کے مطابق انہوں نے اپنے کارندوں کے نام لکھی تھی۔ اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ جو مواضعات کسی جاگیردار کی جاگیر میں شامل ہوتے تھے ان میں اگر دوسرے اشخاص کی اراضیات ملک مدد معاش و سیورغالات عطیہ شاہی بھی پہلے سے شامل ہوتی تھیں یا بعد میں دی جاتی تھیں اور ان کے متعلق کوئی نزاع ہوتا یا جاگیردار کے کارندے ان پر قبضہ کر لیتے تو یہ جاگیردار ان کے ادائے محاصل یا واگذاشت کے متعلق تحریر دیتا تھا جس کی عبارت حسب دستور مقرر تھی۔ سید فتح مراد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑے جاگیردار نہ تھے اور نہ بقول مولف واسطیہ عہد عالمگیر کے بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار تھے بلکہ برخلاف اس کے شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد کے معمولی جاگیر دار تھے۔ ان کی جاگیر کے موضع کالی لیٹ میں "مستغاث و معارف آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش" کے خاندان کی کسی خاتون کی ۲۰ بیگھہ زمین عطیہ شاہی بھی شامل تھی۔ اس اراضی کے متعلق سید فتح مراد مذکور اس تحریر میں جسے صاحب واسطیہ نے بڑے جلی الفاظ میں "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد" تحریر کیا ہے اپنے

آپ کے فرزند باکمال شاہ نورالدینؒ کچھ عرصہ سرکار سنبھل کے عہدہ صدارت پر ممتاز رہے ان کے پوتے شیخ محمد عاشق بھی چند صدر تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند شاہ احمدؒ کی اولاد میں کئی اشخاص

(بقیہ نوٹ صفحہ ٣٢٢) کارندوں کو لکھتے ہیں کہ:۔

"شیخت پناہ شیخ علی محمد و شیخ فقیر عالم کو معلوم ہو کہ موازی ٢٠ بیگھہ زمین جو حقائق و معارف آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش کے گھرانے کی بعض مستورات کے نام بموجب پروانہ صدور حکام سابق موضع کالی سیٹ میں مقرر تھی اب کچھ مدت سے موضع مذکور اینجانب کی جاگیر میں شامل ہے ابتداءً دو تین فصلوں تک یہ زمین بے کاشت پڑی رہی اور پھر چند فصلوں سے اس زمین کی آمدنی بیوہ دارہ مزبورہ کو نہیں پہنچی اس میں خلل واقع ہوا۔ اس لئے تمیں لکھا جاتا ہے کہ اینجانب کی اس تحریر کے مطابق اس اراضی کو ان کے حق میں واگذار کردو۔ الخ"

یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے اس پروانہ کا جسے صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے مگر اس میں انہوں نے اپنی صداقت کا یہ عبرتناک ثبوت پیش کیا ہے کہ "حکام سابق" کے بجائے قصداً اور عمداً "حکم سابق" کے الفاظ تحریر کر دئے ہیں۔ یہ بھی حسن اتفاق سمجھئے کہ سید فتح مراد مذکور کی یہ اصل تحریر اور یقیناً وہ ہی تحریر جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہی ہے، خاکسار مولف کو دستیاب ہو گئی۔ اس تحریر میں جہاں "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے الفاظ تحریر ہیں وہاں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ تحریر صاحب واسطیہ کے جد امجد کا پروانہ اور حکم ہے لفظ حکام کے آخری حصہ یعنی ک ا م کی جگہ کاغذ میں سوراخ کر دیا گیا ہے مگر یہ کارروائی بھی ایسے بھونڈے طریقہ سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والا "حکم" کے بجائے اصلی لفظ "حکام" ہی کو پڑھے گا اور اگر یہ لفظ بالکل ہی مٹا دیا جاتا تب بھی اس تحریر کی عبارت ایسی نہیں ہے کہ کوئی پڑھا لکھا شخص "حکام" کے بجائے "حکم" پڑھ سکے مولف واسطیہ نے شاید اپنی طرح اپنے ناظرین کتاب اور اہل شہر کو بھی فارسی زبان سے نا آشنا سمجھ لیا تھا کہ "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے بجائے "حکم سابق" مہمل الفاظ کو کوئی نہ پہچان سکتا بیوہ دارہ

صاحب منصب و جاگیر ہوئے یعنی **شیخ** محمد شاکر بن شیخ ولی محمد بن شاہ احمد مذکور اور ان کے فرزند **شیخ** رحمت اللہ عرف شیخ بدہا بن شیخ محمد شاکر مذکور ان حضرات کے فرامین و اسناد جن سے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۳) "مرزبوم" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہ زمین عطیہ شاہی تھی۔ صاحب واسطیہ کا مبلغ علم شاید اتنا نہ تھا کہ ترکی زبان کے لفظ یہ دارہ کے معنی سمجھ سکتے!

ایک اور جگہ یعنی صفحہ ۳۲۴ پر شاہ قیام الدین محمد درویش کے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب واسطیہ نے پھر اسی "پرواز" کا ذکر کیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید فتح مراد جن کو وہ اپنے اجداد میں بیان کرتے ہیں اتنے بڑے جاگیردار تھے کہ دوسروں کی مدد معاش میں اراضیات عطا کرتے تھے اور ان کے احکامات "بنام چودھریان و متصدیان و قانون گویان حال و استقبال" جاری ہوتے تھے۔ حالانکہ یہ بیان ان کا محض لغو اور بے اصل و بے بنیاد ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مولف واسطیہ نے حضرت شاہ قیام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا تذکرہ جس طریقہ پر کیا ہے وہ نفسی تعصبات کا نتیجہ ہے۔ شاہ صاحب ممدوح کا خاندان قوم کلال میں شامل تھا، وہ بذات خود اپنے زمانہ کے عمائد میں سے تھے۔ عہد عالمگیری میں مرادآباد کے عہدہ محتسب پر فائز تھے طبیعت کا رجحان فقر کی جانب تھا، یہ معزز عہدہ ترک کر کے درویشی اختیار کر لی تھی۔ آپ کا مفصل تذکرہ حصہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول اور تعزز کے اعتبار سے مولف واسطیہ کے خاندان کے مقابلہ میں یہ خاندان کسی لحاظ سے کم نہ تھا لیکن مولف واسطیہ نے جس پیرایہ میں اس خاندان کا تذکرہ کیا ہے وہ افسوسناک ہے مثلاً صفحہ ۳۲۴ پر وہ لکھتے ہیں کہ شاہ قیام الدین محمد کو "کچھ روزینہ برائے مدد خرچ ملتا تھا" روزینہ کی تعداد نہیں لکھتے، پھر فرماتے ہیں "ایک ملک تعدادی [illegible] بیگہ اراضی واقع موضع کالی کیٹ ..... حسب پروانہ بمہر سید فتح مراد" مقرر تھی یہاں تعداد اراضی ظاہر کرتے ہیں لیکن چند سطروں کے بعد "ایک ملک واقع موضع بھوپور" کا ذکر کرتے ہیں تو اراضی کی تعداد کا مطلق حوالہ نہیں دیتے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ اراضی [illegible] بیگہ نہیں بلکہ ... بیگہ تھی۔ روزینہ کی تعداد اس لئے نہیں بتاتے کہ ان کے اجداد کے روزینہ کی اصلی تعداد [illegible]

منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی، باوجود امکانی کوشش کے خاکسار مولف کو نہیں دکھائے گئے میراں علی صاحب نے جو شیخ رحمت اللہ مذکور سے چھٹی پشت میں ہوتے ہیں، خاندان کے اور اشخاص سے تو کاغذات دکھانے کا وعدہ کیا تھا جسے وہ پورا نہ کر سکے لیکن خاکسار مولف جب انکی خدمت میں حاضر ہوا تو کاغذات کے تلف ہو جانے کا عذر فرمایا۔ بہر حال شیخ رحمت اللہ مذکور کی بعض تحریرات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اور ان کے پدر بزرگوار اور ان کے بھائی شاہی منصبدار و جاگیردار تھے یہاں دو تحریروں کی نقول اور ایک کا عکس شائع کیا جاتا ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۴) اس خاندان کے یومیہ کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں پانچ اشخاص کو ۱۲ یومیہ ملتا تھا۔ جسے صاحب واستکیہ نے ۱۲ یومیہ کر دکھایا تھا اور یہاں تنہا ایک شخص کو ۶ دو روپیہ یومیہ ملتا تھا۔ اس حرکت سے مولف واستکیہ کا مطلب دوسرے خاندانوں کی تنقیص و ان کی کم مائیگی کا اظہار ہے۔ اور اپنے خاندان کا فرضی و مصنوعی بلکہ جعلی اعزاز و اکرام۔ مگر مثل مشہور ہے کہ دروغ کو فروغ نہیں۔ مولف واستکیہ نے مکڑی کے جالے کے مانند اپنے پندار میں دروغ بافی کا ایک "بیت عنکبوت" تیار کیا تھا، "اوھن البیت لبیت العنکبوت" مکڑی کی طرح انہوں نے بھی کیسے کیسے زاویئے، دائرے اور بیل بوٹے بنائے تھے جنہیں صداقت کی ایک ہی پھونک نے ھباءً منثوراً کر دیا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ۔

مجھے افسوس ہے کہ اس موقعہ پر یہ بحث چھیڑنی اور ناظرین کو یہ بے مزہ داستان سننی پڑی لیکن ان واقعات کا اظہار اس لئے ضروری تھا کہ جو شخص اپنے خاندانی حالات کے اظہار میں قصداً و عمداً غلط بیانی کا ارتکاب کرتا ہے، لوگوں کو غلط واقعات باور کراتا ہے، کاغذات کے نقل کرنے میں جعلی کارروائیوں تک سے پرہیز نہیں کرتا اسکی تالیف جو شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات میں ہو کہاں تک قابل اعتبار و اعتماد ہو سکتی ہے؟

نقل اقرارنامہ اقراری شیخ رحمت اللہ وغیرہ نبیرگان حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ

سید علی
۱۱۲۵
مرتضیٰ خاں احمد

ولی محمد
شیخ
ابن
محمد
شاکر احمد

اقرار معتبر شرعی کرد مخبر باسم ونسب خود مسمی بہ شیخ رحمت اللہ
و شیخ لطف اللہ ابنائے شیخ محمد شاکر بن شیخ ولی محمد ابن
شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ) ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل
فی حال بصحت اقرارے بدیں وجہ کہ شیخ پیرو و شیخ عبدالرحمٰن و ما مقران ہر چہار
برادران عینی با خود ہا مشترک بود بیقد عنان و بعد فوت مشارالیہما ما مقران با خود ہا ہماں عقد شرکت
عنان مقرر بود تقسیم کرہ ہر یکے از ما ..... است خرچ خوراک پوشاک شادی وغمی ہمہ مشترک است و آنچہ از
جنس سلیحہ و دواب ظروف و فروش و زمین و سکنائی و باغات وغیرہ از جنس عروض عقارات از مبلغ
آمدنی تحصیل مواضع جاگیر اینجانب بموجب تمسکات باسم ہر یکے از ما یان دیا باسم
دیگری یعنی جیوڑ یعنی ان کے والد شیخ شاکر کی کہ والی وکیل مطلق اند از طرف مایان زر خرید
و گروی باشد ہمہ مشترک علی السویہ باشد ما مقران ہمہ زر خرید و گروی را با خود ہا
قسمت بالمناصفہ کردہ بگیریم و ما دامے کہ واہہا ئے جاگیر بنام کسے از مایان بحال و مسلّم
باشد ہمہ شرکت عنان باقی است بنا براں ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ شرکت عنان
نوسیانیدہ تا ثانی الحال عند الحاجت سند گردد تحریر فی التاریخ چہارم شہر ربیع الثانی ۱۱۳۶ھ

اس تحریر سے ثابت ہے کہ شیخ محمد شاکر اور ان کے بیٹے جاگیر دار تھے۔ دو سال کے بعد
جب شیخ لطف اللہ کا انتقال ہو گیا اور صغر سن فرزند عزیز اللہ عقب چھوڑا تو شیخ رحمت اللہ
نے حسب ذیل تحریر بطور مچلکہ لکھی اس تحریر میں انہوں نے صاف طور سے اپنے کو منصبدار

عکس مچلکه نوشته شیخ رحمة الدین به شیخ محمد [illegible] تبریزی حضرت شاه [illegible]

[illegible] شیخ رحمة الله [illegible] منصب [illegible] سرکار والا [illegible] حسب [illegible]
[illegible] [illegible] شیخ لطف الله [illegible]
[illegible] عزیز الله [illegible]
[illegible] درگاه [illegible]
عزیز الله مذکور [illegible] سرکار [illegible] واجبات [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] عزیز الله [illegible]
[illegible]
[illegible] شیخ لطف الله مذکور [illegible]
عزیز الله مذکور [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] شهر [illegible] سنه ۱۱۲۷ هجری

"سرکار والا لکھا ہے :-

نقل اقرارنامہ اقراری شیخ رحمت اللہ منصبدار شاہی

سید علی
۱۱۲۵
مرتضیٰ خاں اصر

شیخ ولی محمد
ابن
محمد
شاکر اصر

منکہ شیخ رحمت اللہ منصبدار سرکار والا ام چون مبلغ نود ہزار دام
از پرگنہ امروہہ وغیرہ سرکار سنبھل کہ از انتقال شیخ لطف اللہ برادر حقیقی بندہ کہ در
ماہیانے در آمدہ بسبب صغر سن عزیز اللہ پسر متوفی بجاگیر بندہ درگاہ تنخواہ
شدہ لہٰذا نوشتہ میدہم و اقراری نمایم کہ ہرگاہ عزیز اللہ مذکور جوان و قابل نوکری سرکار
والا باشد ماہیانے مذکورہ برائے تنخواہ مری بے بلا حجت و حیلہ گذاشت نمایم و ما دامے کہ
ماہیانے مذکورہ بجاگیر بندہ تنخواہ است انچہ کہ از تحصیل مبلغ جاگیر از عروض و عقارات خرید
نمایم نصفی از آں من باشد و نصفی از آں عزیز اللہ مذکور قسمت کردہ بدہم و چنانکہ شیخ لطف اللہ
مذکور شریک عنان من مقرر بود ہمچناں عزیز اللہ مذکور قائم مقام پدر خود شریک عنان من مقرر
باشد و خبر خوراک و پوشاک و شادی و غمی ذمہ بندہ است بنابراں ایں چند کلمہ بطریق مچلکہ
نوشیانیدہ دادہ شد تا سند باشد تحریر فی التاریخ ہشتم شہر رجب المرجب سنہ
جلوس والا مطابق سنہ ۱۱۲۵ھ

شیخ رحمت اللہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد حسین بھی جو میر بہادر کے
علم بزرگوار تھے جیسا کہ حسب ذیل اقرارنامہ نوشتہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ سے ثابت ہے
جاگیردار تھے ۔ اس اقرارنامہ پر سید مصطفیٰ علی و سید شجاعت علی ساکنان محلہ گذری، و سید
عنایت غوث کی مہریں بطور شاہد ثبت ہیں :-

نقل اقرارنامہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ

آنکہ شیخ عزیز اللہ ولد شیخ لطف اللہ ساکن قصبہ امروہہ ام چوں بہ دعوی بحال پدر خود کہ بجاگیر شیخ رحمت اللہ دادہ بحال شیخ رحمت اللہ بجاگیر شیخ محمد حسین پسرش تنخواہ شدہ با شیخ محمد حسین مذکور مناقشہ داشتم دریولا بحسب صلاح سادات عظام و مردم مصلحین بتراضی طرفین صلح کردم از دعوی مذکورہ بر فصلانہ مبلغ چہل و ہشت و نیم روپیہ کہ نصف آں بست و چہارم و پاؤ روپیہ از محصول صرف فصل ربیع غلہ پرگنہ امروہہ بحال جاگیر مشار الیہ من ابتدائے فصل ربیع پارس ئیل سنہ ۱۱۵۰ فصلی بیبا بعد ازیں تاریخ ہیچ حقے و دعوے بندہ بہیچ من الوجوہ بابت جاگیر بذمہ شیخ محمد حسین مذکور نیست و نماندہ اگر احیاناً در صورت وصول فصلانہ مذکور دعوی نمایم باطل گردد آنچہ از وجہ فصلانہ من ابتدائے فصل مذکور بگیرم و آنچہ بابت درماہہ تعیناتی حال از مشار الیہ گرفتہ ام واپس دہم و بشرط وصول فصلانہ مذکور از دعوی مذکور ابرا کردہ ام در صورت عدم وصول فصلانہ ابرا نامعتبر دعوی بندہ باقی باشد و در صورت وصول فصلانہ ابرا بندہ صحیح است و دعوی باقی نیست۔ بنابراں ایں چند کلمہ بطریق سند نوشتہ دادم تا ثانی الحال حجت گردد تحریر فی التاریخ غرہ شہر ربیع الثانی سنہ ۲۹ بیست و نہم از جلوس میمنت مانوس مطابق سنہ ۱۱۵۰ھ

غرضیکہ حضرت شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی کی اولاد میں یہ سب اشخاص منصبدار و جاگیردار رہے۔

حضرت شاہ ابن کے تیسرے فرزند شاہ قطب الدین کی اولاد میں شیخ عبد الباری بن شیخ عبد الوالی حسب فرمان مجریہ یکشنبہ شہر ربیع الاول سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۱۲۲ھ یکصدی ذات کے منصب و جاگیر پر سرفراز ہوئے اس فرمان میں جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہے انکے نام کے ساتھ یہ الفاظ تحریر ہیں "شیخ عبد الباری ولد شیخ عبد الوالی عمو زادہ شیخ رحمت اللہ

ولد شیخ محمد شاکر از بندہائے چوکی خاص بمنصب یکصدی ذات سرفراز باشد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رحمت اللہ مذکور عرصہ دراز سے منصبدار رہے اور غالباً کسی اعلی منصب پر سرفراز تھے اس زمانہ میں یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کو جدید منصب ملتا تھا اس کے عطائے منصب و جاگیر کے فرمان پر کسی دوسرے منصبدار کی ضمانت بھی درج ہوتی تھی۔ سید شیر زماں ولد سید محمد خواہرزادہ سید علی مرتضی خاں (مورث خاندان گھمر یا والے) کے منصب کی سند پر ضمانتی شیخ رحمت اللہ بن محمد شاکر تحریر ہے۔ یہ بھی ایک اور ثبوت اس امر کا ہے کہ شیخ رحمت اللہ کسی اچھے منصب پر ممتاز تھے۔ ان کے برادر حقیقی شیخ پیر بن شیخ محمد شاکر بھی بڑے جاگیردار تھے اپنے خاندان کی ایک خاتون کو انہوں نے ۹ رجمادی الاول ۳۳ سنہ جلوس عالمگیری میں اپنی جاگیر میں سے ۱۵ بیگہ زمین مدد معاش میں دی تھی۔

خاندان صدیقیاں الملقب بہ میرزا

اس خاندان میں چار پانچ اشخاص منصبدار و جاگیر دار ہوئے۔ شیخ محمد فاضل عہد عالمگیر میں یکصد و پنجاہی ذات کے منصبدار تھے۔ ان کی نسل میں شیخ غلام قلندر کو میر ابوالفضل کا خطاب ملا۔ شیخ جلال الدین ابن شیخ کمال الدین پانصدی ذات پنجاہ سوار کے منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ ان کے علاوہ شیخ معظم عہد شہنشاہ اکبر صدیقیوں کی دوسری شاخ میں منصبدار و جاگیردار تھے۔

خاندان عباسی

اس خاندان میں سوائے مولانا الہداد عباسی کے جو عہد اکبری کے نامور منصبدار تھے اور کوئی شخص صاحب منصب و جاگیر نہیں ہوا۔ مسٹر نیول مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر ص ۱۷۰ پر خان عباسی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "شیخ عبدالصمد کے فرزند ابوالمکارم (شہنشاہ) اورنگ زیب کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ یہ مشہور و معروف لشکری ہو "جاں نثار خاں" کے خطاب سے زیادہ مشہور ہیں ۱۶۷۵ء میں شہزادہ معظم کی فوج میں منسلک رہے

دس سال بعد راجپوتانہ کی ایک مہم میں کارنمایاں کئے اور باغی شہزادہ مسمی شہزادہ اکبر کی فوج کو جو تعداد میں بھی زیادہ تھی شکست دی تب وہ (یعنی ابوالمکارم) جلوسے شاہی میں داخل ہوئے۔ اور اس کے بعد ۱۷۰۲ء میں قلعہ گوالیار کے قلعہ دار ہوئے اور پھر ۱۷۰۵ء میں خاندیس (یعنی برار) کی گورنری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے چونکہ وہ (رتبہاً) سنی تھے اسلئے سادات بارہہ سے ان کا نزاع ہوا جس کی بنا پر انہیں ۱۷۲۳ء میں اپنے عہدہ سے دستکش ہو کر خانہ نشین ہونا پڑا۔ ان کے فرزند علی اکبر یا کامیاب خاں اور رمضان علی یا داراب خاں حملۂ نادر شاہ کے بعد امروہہ میں سکونت رکھتے تھے۔ موخر الذکر البتہ ملک بنگال کی ایک لڑائی میں مارے گئے"۔

خاکسار مؤلف کو تاریخ نویسی میں اگر صداقت بیانی مطلوب نہ ہوتی اور جو عبرت آموز مثال مولف واسطیہ نے قائم کی ہے صرف اسی کی تقلید کی جائے تو اپنے خاندانی حالات کے تذکرہ میں کم از کم سرزمین امروہہ ہی بنیاد کا افسانہ کہیں تو ضرور دوہرا دینا چاہیئے تھا۔ لیکن میں نے بتوفیق ایزدی راست بیانی کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ مسٹر نیول کی مندرجہ بالا عبارت نقل کر دینے کے بعد خاموش رہنا ہی راست بیانی و صدق مقالی کے مذہب میں گناہ سمجھتا ہوں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں ابوالمکارم عباسی کے جو حالات اور کارنامے بیان کئے گئے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مسٹر نیول کو کسی نے غلط معلومات بہم پہنچائیں۔ جن خواجہ ابوالمکارم المخاطب بہ جان نثار خاں[1] کا تذکرہ مستند کتب تاریخ میں ملتا ہے جن کے فرزندوں کے نام داراب خاں و کامیاب خاں ہیں وہ بالکل جدا شخص دہلی کے باشندے تھے اور وہ ابوالمکارم عباسی جن کے فرزند علی اکبر و رمضان علی تھے قطعاً دوسرے شخص امروہہ کے باشندے اور رفاہ

---

[1] مآثر الامراء

معمولی اہلکار شاہی تھے۔ اس ثبوت میں متعدد دیرینہ کاغذات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ علماء کے طبقہ کو طبعاً حصول مناصب کا شوق ہوتا ہے اور وہ وقت علمی دوسرے مشاغل اختیار کرنے کا محرک۔ ابوالمکارم عباسی کے اجداد میں مولانا اکبر ان کے فرزند مولانا احمد اور مولانا احمد کے فرزند ملا صدرالدین عباسی یقیناً اپنے زمانہ کے عالم فاضل تھے لیکن ہر عالم و فاضل کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ بادشاہ یا شہزادگان کا استاد و اتالیق بھی ہو۔ جہاں تک تاریخی حالات کے تجسس اور دیرینہ کاغذات سے معلوم ہو سکا ان سب حضرات کا قیام امروہہ میں رہا۔ ممکن ہے کہ مولانا احمد اور ان کے فرزند ملا صدرالدین عباسی بقول ڈسٹرکٹ گزیٹیر "عہد جہانگیر و شاہجہاں میں شاہزادگان بنی تیموریہ کے اتالیق ہوں" لیکن دیرینہ کاغذات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ البتہ صاحب آئینہ عباسی و صاحب تاریخ اصغری کے بیان کے مطابق مولانا ابن عباسی شاہزادگان تیموریہ کے اتالیق تھے۔[1] ان کے اخلاف میں مولانا احمد، مولانا عبدالصمد و مولانا شیخ محمد بھی دربار شاہی سے منسلک رہے۔ لیکن عہد شاہجہانی کے بعد سے اس خاندان کے علماء کا افادہ درس زیادہ تر امروہہ میں جاری رہا۔ اس زمانہ میں یہی حضرات مسلمانان امروہہ کے دینی مقتدا و پیشوا اور مرجع انام تھے۔ سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ جس کے ثبوت میں متعدد فرامین اور پروانے خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔ خاکسار مولف کے اجداد میں مولانا عنایت اللہ اور ان کے فرزند مولانا عبدالرحیم پرگنہ بھوگپور عرف جوالاپور میں بعہد فرخ سیری و محمد شاہی معزز عہدوں پر مامور رہے ان کو ان کے ورثا اور ان کے خاندان کی بعض خواتین کو املاک اور جاگیر پرگنہ مذکور میں ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں بعض اشخاص معلمی کا پیشہ بھی کرتے تھے جو دور انحطاط و تنزل میں مکتب کے "میاں جی" کے درجہ تک پہنچ گیا تھا اور آج ان کی اکثر نسلوں میں وہ حالت بھی باقی نہیں۔[2]

---

[1] آئینہ عباسی صفحہ ۲۱ ۔ [2] تاریخ اصغری صفحہ ۱۶۹

دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند
پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں

صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ [1]

"اکثر لوگ اس خاندان کے صاحب علم اور لائق ہوتے رہے اور بیشتر سادات امروہہ نے ان سے پڑھا لکھا ہے"

دیوان سید محمود اور ان کے سب فرزند مولانا عبد الرشید ان کے خاندان کے شاگرد تھے۔ دیوان سید محمود کے اخلاف کی متعدد تحریرات خاکسار مولف کی نظر سے گذری ہیں۔ جن میں ان حضرات کو جا بجا "پیر و مرشد" "قبلہ دو جہاں" وغیرہ القاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔ مثلاً اس زمانہ کے استاد و شاگرد کے تعلقات کا اندازہ حسب ذیل تحریر سے کیجئے جو سید علی [2] بن دیوان سید محمود نے اپنے استاد مولانا عبد الرفیق عباسی کے مشاہرہ کے متعلق اپنے کارندہ محمد شریف ساکن گنج بہاری کے نام تحریر کی ہے۔ آج بیسویں صدی کے مہذب زمانہ میں اسکول و کالج کے تیچر و پروفیسر و کے سلطان کے شاگردوں کے عقیدت و خلوص کی ایسی کتنی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں!

"مشیخت مآب محمد شریف و طیر اندیش گنج بہاری بعنایت و التفات امیدوار گشتہ بداند کہ چوں برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ از برات مخدومی مولوی اخوند جیو علیحدہ نمودہ بلا توقف و اہمال می رسانیدہ باشند کہ شہود الخیر ایشاں و رضا مندی اینجانب دریں معنی است البتہ بلکہ ہزار البتہ برات ایشاں بلا اہمال رسانند کہ تمام رضامندی اینجانب دریں است و تعجب تمام دست داد کہ در وصول برات ایشاں تغافل نمایند می باید کہ از ہمہ بیشتر ایشاں را دادہ تا دیگرے را بدہند عجب است پیر و مرشد و استاد

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۶۹ [2] ان کا نام تاریخ واسطیہ نے عدم مبالاۃ کی بنا پر بزرگ دیا سید محمود کے جن فرزند کا نام سید معالی درج کیا ہے ان کا صحیح نام سید عبد المعالی تھا۔

مایاں رائی فہمند دریں صورت زیادہ از زیادہ قلمی میگردد کہ سعادت دارین خود انگاشتہ خدمت ایشاں را صلاح دولت خود دانستہ بلا توقف رسانند رضامندی ایشاں عین رضامندی اینجانب دانند وپٹی موضع نوراحسن پور کہ در تنخواہ حضرت قبلہ اخوند جیو مطابق طلب مقرر ساختہ برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ علیحدہ میرسانیدہ باشند دریں باب تاکید تمام دانستہ از انحراف نورزند۔ تحریر فی التاریخ غرہ شعبان المعظم [illegible]

خاندان شرفائے کمبوہ

خاندان ساکن محلہ صفدر کے بزرگوں میں نامور طبیب اور منصبدار وجاگیردار ہوئے حکیم قوام الدین خاں منصبدار پانصدی ذات عہد محمد شاہ بادشاہ کے دونوں فرزند حکیم رضی الدین خاں وحکیم امام الدین خاں بھی جاگیردار و منصبدار تھے حکیم امام الدین کا منصب یک ہزار وپانصدی ذات اور حکیم الملک خطاب تھا ان کی اولاد میں بھی بعض اشخاص منصبدار وجاگیردار ہوئے۔

دوسرا خاندان ساکنان محلہ شاہی چبوترہ ہے۔ ان میں بھی کئی خاندان ہیں جن کے بزرگ دفعتاً فوقتاً امروہہ میں توطن پذیر ہوئے ایک خاندان راقم خاں برادر عینی دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا تھا ان میں حکیم منصور علی خاں ولد محمد مسعود تھے ان کے اخلاف کو معقول جاگیریں ملیں۔ دوسرا خاندان فاخر علی خاں بن دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا ان میں بھی منصبدار وجاگیردار ہوئے۔ ان کے علاوہ خاندان محمد محتشم خاں وغیرہ میں بھی بعض اشخاص صاحب جاگیر ہوئے۔

شرفائے کلال

ان میں درویش علی خاں منصبدار پنجہزاری عہد فرخ سیری کا خاندان ہے۔ ان کو بہت بڑی جاگیر پرگنہ امروہہ وسنبھل پور وغیرہ میں عطا ہوئی تھی۔ ان کے اخلاف میں بھی دو دو ہزاری وہزاری ذات کے متعدد منصبدار وجاگیردار ہوئے۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اس خاندان کی جاگیریں ضبط ہوگئیں۔

معافیات کی نوعیت

سادات و شرفائے امروہہ کو جو اراضیات مسعود خال و مواضعات جاگیر شاہان مغلیہ کی جانب سے عطا ہوئے ان کا بیشتر حصہ علی الدوام والاستمرار کے طریقہ پر دیا گیا تھا۔ جن فرامین و اسناد کے ذریعہ یہ عطیات شاہی دیے گئے ان کی عبارت خود اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ معافیات جن خاندانوں کو عطا ہوئی تھیں ان کی اور ان کی نسلوں کی دائمی پرورش و مدد معاش ان سے مطلوب تھی فرامین میں اس کی صراحت کی گئی تھی کہ یہ عطیات صرف اس شخص اور اسکی اخلاف کی مدد معاش کے لئے ہیں اور ہر طرح کے تغیر و تبدل "مصئون و محروس" اور ہر قسم کے محصولات سے "معاف و مرفوع القلم" ہیں۔ مثالاً یہاں اس قسم کے فرامین کے ایک فقرہ کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

" باید کہ فرزندان نامدار کامگار و الا تبار و عمدہائے عالی مقدار و حکام کرام و عمّال کفایت فرجام و متصدّیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و موبداً در استقرار و استمرار ایں حکم مقدس و معلّٰی کوشیدہ واہائے مواضعات مرقومہ را نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ خالداً و مخلداً بتصرفت آنہا واگذارند و از صوادم تغیر و تبدل مصئون و محروس داشتہ بعلت پیشکش صوبہ داری و فوجداری و مال و جہات و سائر اخراجات مثل قنلقہ و محصلانہ و داروغانہ و ضابطانہ و شکار و بیگار و دہ نیمی و مقدمی و صد دوئی و قانون گوئی مزاحم و معترض نشوند و از کل تکالیف دیوانی و مطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند"

اسناد خمسہ

سلطنت مغلیہ کے بعد جو جو حکومتیں اس علاقہ پر قائم ہوئیں ان سب نے ان معافیات کو بدستور برقرار و بحال رکھا یعنی روہیلہ حکومت، سلطنت اودھ و حکومت برطانیہ۔ معافیات کی بحالی کے متعلق مختلف حکومتوں سے جو اسناد

وقتاً فوقتاً دیے گئے ہیں (۱) پروانہ بجانب نواب علی محمد خاں (۲) پروانہ منجانب نواب دوندے خاں وفرزندان (۳) سند منجانب نواب شجاع الدولہ بہادر (۴) سند منجانب نواب آصف الدولہ بہادر (۵) سند منجانب نواب وزیر الممالک بمہر مسٹر بالفور مرقومہ ۱۷۹۲ء - ان پانچ اسناد کو "اسناد خمسہ" کہا جاتا ہے۔

روہیلوں کی حکومت سے ابتداءً امروہہ کی جاگیروں پر ملازمان و متوسلان حکومت کی تنخواہوں کا بار ڈال دیا تھا لیکن دوندے خاں کے حسب ذیل پروانے کے بموجب سادات و شرفائے امروہہ کی جاگیریں واگذار کی گئیں :-

نقل

الحکم

پروانہ بمہر خان عالی شان دوندے خاں بہادر

معتمد الخدمت محمد دینہ دار در پناہ الٰہی باشند۔

دریں ولا کہ دیہات امروہہ واجب بود رجاگیر سادات وغیرہ سکنہ امروہہ و بارہہ کہ بعلت اجارہ و تنخواہ ساہوکاراں و متوسلان وغیرہ بآں معتمد الخدمت تفویض یافتہ بود چوں پاس خاطر سادات بہمہ وجوہ منظور است جمیع دیہات جاگیرات و آئمہ دیہہ آنہا را واگذاشت نمودہ شد ودر مقدمہ اجارہ وغیرہ سادات معزالیہا را حق رگردانیدہ درآنچہ بہبود خودہا بدانند تعمیل آرند از سرکار بہیچ من الوجوہ تعرض و مزاحمت آں مقدمات محسوب لہذا قلمی میگردد کہ بمجرد وصول پروانہ آں معتمد الخدمت از دیہات جمیع سادات وغیرہ بابت پرگنات مذبورہ بعلت مرقومات مزاحمت نہ نمودہ در تصرف جاگیرداران واگذارند و اگر احیاناً بہ کسے عنوان عذر درمیان خواہد آورد در حق خود بہتر ندانند، رضانامہ سادات نویسانیدہ بحضور ابلاغ دارند دریں باب تاکید دانند زیادہ ۔

نواب وزیر الممالک کی جانب سے بھی سنہ ۱۲۱۲ھ میں جو آخری پروانہ واگذاشت جاگیرات واملاک معافی کے صادر ہوا اس کی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے:۔

رفعت و عوالی پناہ مہدی علی خاں محفوظ باشند

جاگیرات و دیہہ سادات و شرفائے امروہہ کہ از عہد نواب صاحب غفران مآب بنیاز مقرر و معاف و مرفوع القلم است بدستور سابق معاف دانستہ تا نبان مال و سائر امروہہ بہ تقید نمایند کہ خلاف معمول از جاگیرات و دیہہ مذکور تعرض ننمایند۔ موافق معمول گذشتہ و پیوستہ بعمل آوردہ از پروانجات علیحدہ علیحدہ اسم باسم تکرار و حجت ننمایند و ادستکاب واخذ بہنیت و فرمائشات و دیہات را خراب و ویران نسازند و اظہار مخالفان و غرض گویان بجوع ننماید نمود۔ دریں باب تقید مزید دانستہ حسب المسطور عمل آرند۔ دویم ربیع الاول سنہ ۱۲۱۲ھ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور معافیات کی تحقیقات

سنہ ۱۸۰۱ء میں جب روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آگیا تو دوسرے ہی سال یعنی سنہ ۱۸۰۲ء میں مسٹر لیسٹر[1] نے تمام علاقہ میں بذات خود دورہ کرکے مالیات کا جائزہ لیا اس کو بندوبست اول کہنا مناسب ہوگا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد (نواب) امیر خاں کے حملہ کی وجہ سے وہ سب انتظام درہم برہم ہوگیا تو سنہ ۱۸۰۵ء میں بندوبست دوئم شروع ہوا جو سنہ ۱۸۰۸ء میں ختم ہوا۔ پھر تیسرا بندوبست مسٹر لائڈ[2] نے سنہ ۱۸۰۸ء میں شروع کیا جو سنہ ۱۸۱۲ء تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں معافیات علی حالہ قایم و برقرار رہیں۔ سنہ ۱۸۱۶ء میں مسٹر ایڈمونڈز جن کو اس زمانہ کے محاورہ میں "قاضی صاحبان انگریز" سے تعبیر کیا گیا تھا بتقریب دورہ "مع صاحبزادے

---

[2] M. Loyd [1] M. Leycester

مسمی نشتر صاحب" امروہہ آئے اور سید امان علی خاں دگھڑیال والے، کے مکان پر مقیم ہوئے۔ اس وقت معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی اور اسناد خمسہ" ملاحظہ کی گئیں۔

اس سلسلہ میں صاحب موصوف کے نائب کا مندرجہ ذیل پروانہ موسومہ سید امان علیخاں دگھڑیال والے، جن کو اس زمانہ کی تحریرات میں "نواب" کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا، دلچسپی سے پڑھا جائیگا:۔

"نواب صاحب مشفق مہربان سلامت!

وقت کوچ دائرہ دولت حضور کہ آں مہربان فرستادن مختارکار مع اسناد مقرری اقرار بالمشافہہ حضور نمودہ بودند، ہنوز کدام کس را اعاذ حضور نساختند، دریں صورت کمال استعجاب است درحالیکہ آں مہربان ایں طور خلاف وعدہ نمایند پس دیگر اشخاص چرا زیادہ تر مرتکب لیت و لعل نگردند لہذا نظر بہ ہرج کار سرکار قلمی میگردد کہ آں مہربان بر فور ورود پروانہ کدام شخص مختارکار خود را مع اصل اسناد مقرری برائے ملاحظہ روانہ حضور سازند کہ بوادید روانگی مختارکار آں مہربان اشخاص دیگر ہم اسناد مقرری خود ہا بحضور بگذرانند و ہرج کار سرکار رو ندہد۔ برائے اطلاع قلمی آمد مرقوم بست و پنجم مارچ ۱۸۲۸ء

دستخط آر۔ ایس۔ الیکزنڈر"

غرضکہ بموجب قانون دوم ۱۸۱۹ء معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی، امروہہ کے معافیداروں کا وفد بمقام پانی پت نواب گورنر جنرل کی خدمت میں باریاب ہوا۔ بچھراؤں وغیرہ کے معافیدار شریک حال تھے۔ اکثر اشخاص دہلی تک ساتھ رہے۔ چنانچہ بہت سے دیہات برائے دوام واگذاشت ہوگئے لیکن افسوس اس زمانہ میں معافیداروں نے عاقبت اندیشی سے کام لیا اگر اسی زمانہ میں اسکی کوشش کی جاتی کہ یہ معافیات جس غرض و منشا سے شاہان اسلام نے

عطا کی تھیں اس کا ہمیشہ کے لئے تحفظ و انتظام ہو جاتا اور کوئی ایسا قانون نافذ ہو جاتا کہ معافیات بیع و شرا اور انتقال در انتقال کے انقلابات سے مستثنےٰ کر دی جاتیں۔ اور جس طرح تعلقداران اودھ کے متعلق خاص قانون ہے یا پنجاب میں ایکٹ اراضیات نافذ ہے اسی طرح امروہہ کی معافیات کو جو "نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ" کی تصریح کے ساتھ دی گئی تھیں اُن کے دائمی حیثیت "خالداً و مخلداً" کے الفاظ میں بیان کی گئی تھی جن کو "مدام تغیر و تبدل" سے مستثنےٰ و "مصئون محروس" رکھنے کی تاکید تھی، جو ہر قسم کے محصولات سے "معاف و مرفوع القلم" تھیں اور جن کے عطا کرنے کی غرض و غایت یہی تھی کہ جن اشخاص نے اپنی جانبازیوں و جانفروشیوں یا کمالات اور کارناموں سے سلطنت کی خدمات لائقہ انجام دی تھیں وہ اور انکی نسلیں ان سے دائمی طور پر متمتع ہوں۔ ان کا ہاتھ خریدہ شدہ ہوتا کہ قرضہ و سود در سود کی بلا میں گرفتار ہو کر ان خاندان سے نکلکر جن کی نسلوں کی پرورش ان سے مطلوب تھی غیروں کے قبضہ میں چلی جائیں!

۱۸۹۰ء میں امروہہ کے جاگیرداروں نے ایک تحریر کے ذریعہ جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ باہم یہ معاہدہ کیا تھا کہ جاگیر کے فروخت کرنے کی اگر نوبت پیش آئیگی تو اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور خاندان کے افراد یا بدرجہ اقل اپنے ہم قوموں اور ہم وطنوں کے ہاتھ فروخت کرینگے کسی غیر اور اجنبی شخص کے ہاتھ جائیداد فروخت نہ کی جائیگی۔ اس معاہدہ پر سادات و شرفائے امروہہ میں سے اکثر جاگیرداروں کے دستخط ثبت ہیں مثلاً سید قمر علی خاں (دربار کلاں)، سید اعظم خاں (محلہ گذری)، سید دوست علی (کٹکوئی)، سید فیض احمد (تکڑہ)، وغیرہ کے علاوہ لالہ محکم چند قانون گوئی کے اس پر دستخط ہیں۔

عرش آرام گاہ

نقل

بمہر خادم شرع قاضی سید الٰہی بخش و حکومت پناہ نجھے خاں و دیگر جمیع سادات و شرفا آنکہ

ما یان کہ جمیع سادات و شرفائے منصبداراں و جاگیرداراں سکنہ امروہہ تابع سرکار سنبھل

مضافات صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد ایم چوں سررشتہ حضور معلی بعہد جہد حضرت مرزا احمد درست نماندہ در روزے بمقتضائے الٰہی وفات ہر یک خواہد شد لہذا بنا بر رفع تکرار و منافشہ یکدیگر فی مابین قرار یافتہ کہ جاگیر کسانیکہ از عہد حضور بنا حال در تصرف او ماندہ مالک ست اسناد تغیری کسے سوائے گذاشت از وقت حضرت معتبر نیست، بعد متوفی وارث او بموجب دستخط حضرت قرار بالاتفاق یکدیگر اولاد پسر و نبیرہ و اگر ایشاں نباشند پدر و اولاد خویش دیلود و اگر اینہا نباشند نواسہ و اگر ایں ہم نباشد برادرزادہ است و اگر اینہا نیز نباشد ہر کہ ذی حق و قریب تر باشد قابض و متصرف باشد و اگر بر تقدیرے کسے جاگیردار و زمیندار بسبب ضرورت جاگیر و زمینداری تعلقہ خود گذاشت و بیع و شرا کردن خواہد بدست اقرب و قریب خود نماید و اگر اقرب و قریب را مقدور نباشد بدست سادات و شرفائے ہم وطن، غرضیکہ بدست غیر و اجنبی گذاشت و بیع نسازد و شخصے کہ در اسناد تنخواہی عہد سابق شریک توجیہ بودہ دخل و تصرف نیافتہ اگر ثانی الحال بدعوی شراکت توجیہ پیش آید باطل نا مسموع باشد بوجہیکہ در عمل افغاناں الی آن قبضہ و تصرف شدہ آمدہ آں را تغیر و تبدل ندہند، دریں باب حجت و تقریر کسے پذیرا نباشد۔ تحریر بتاریخ یازدہم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۹۴ ہجری۔

سلطنت مغلیہ کے بعد جو اور حکومتیں وقتاً فوقتاً قائم ہوئیں انہوں نے بھی ان معافیات کو بدستور بحال و برقرار رکھا، ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ علاقہ از روئے معاہدہ حاصل کیا تھا اس لئے وہ اپنی پیش رو حکومت کے ان احکامات کی پابند تھی جو حکام کرام و عمال کفایت فرجام و کرور یان حال و استقبال" کے نام جاری ہوئے تھے اور جن کی پابندی کے لئے "ابداً و موبداً" کے الفاظ فرامین میں درج کئے گئے تھے اور اس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ اس کے "استقرار و استمرار" کا لحاظ رکھتی۔ لیکن افسوس ایسی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ایسا کوئی قانون نافذ نہ ہوا اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ان حالات کے اندر ہر جگہ ہوا ہے یعنی آئندہ نسلوں کی غفلت و عیش و پرستی اور نا اہلی کی وجہ سے بڑی بڑی جاگیریں تباہ و برباد ہو گئیں۔ بڑے بڑے

گھرانے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ پشتینی رئیس فقیر بے نوا ہو گئے۔ بہت سے اب نانِ شبینہ کو محتاج ہیں ؎

جن کی عماریں بہ فلک سر کشیدہ تھیں — منزلوں میں ان کی رہنے کا اب جو پڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخمل رومی کے فرش تھے — اب ان کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز — نوبت یہ ہے کہ چولھے پہ ان کے توا نہیں

معافیداروں اور جاگیرداروں کی تباہی

انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد تک امروہہ کے سادات و شرفا کے قبضہ و ملکیت میں تقریباً سات سو مواضعات جاگیر و معافی میں تھے جو زیادہ تر پرگنہ امروہہ، سنبھل، رجب پور، اعظم پور، ہاسنپور، بچھراؤں، اسلام پور بہرہ، مرادآباد، ٹھاکردوارہ اور بجنور میں تھے تقریباً ایک صدی کے اندر اندر ان سات سو مواضعات میں سے چھ سو سے زیادہ مواضعات تو ان پاس سے قطعاً نکل گئے۔ بقیہ تقریباً سو مواضعات میں سے باستثنائے معدودے چند مسلّم مواضعات کے جزوی حصص باقی ہیں ان میں بھی اکثر پر قرضہ کا بار ہے۔

معافیداران امروہہ کی جائدادوں کی تباہی کا مرقع مولف ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ [1]

"امروہہ کے معافیدار زیادہ تر سادات ہیں ان کی جائدادیں اکثر معافیداریاں ہیں لیکن من حیث الجماعت سادات مفلوک الحال ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی جائدادیں متواتر تقسیم ہوتی چلی آتی ہیں۔ یہ لوگ تقریباً سب کے سب بہت زیادہ مقروض ہیں اور علاوہ بہت سے سیدوں کے پاس رشتہ حیات قائم رکھنے کو بھی کافی آمدنی نہیں مگر یہ لوگ "رئیس" کہلانے کے بہت زیادہ دلدادہ ہیں"

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر ص ۹۶

روساے سادات امروہہ کی تباہی کی داستان نہایت درد انگیز اور عبرت آموز ہے۔ مال و دولت کی بہتات نے پچھلی نسلوں میں سے اکثر کو اپنے نفس میں قابلیت پیدا کرنے سے باز رکھا، جائداد کا کاروبار زیادہ تر چالاک، حریص اور خود غرض کارندوں کے ہاتھ میں رہا۔ جن اشخاص نے جاہل آتاؤں کی گودوں میں پرورش پائی ہو، جو آغاز جوانی تک ان کے گھونٹے سے لگے رہے ہوں، وہ جب ترکہ پدری کے مالک ہوئے تو جو تباہی آنی تھی وہ آئی اور جو ہونا تھا وہ ہوا۔ کارندوں اور ملازمین نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ بعض روسا کے ادنیٰ ادنیٰ ملازم، حمال اور تو لئے تک اپنے آقاؤں کی بد انتظامی اور بے وقوفی کی بدولت دولتمند بن گئے۔ ادنیٰ نوکروں اور خدمتگاروں کی اولاد آج رئیس، زمیندار و معافیدار ہے، اور آقاؤں کی اولاد نان شبینہ کو محتاج!

فاعتبروا یا اولی الابصار!!

امروہہ کے مسلمانوں کی جاگیروں اور جائدادوں کا کثیر حصہ ان کی غفلت، بدانتظامی فضول خرچی کی بدولت ساہوکاروں اور بنیوں کے قرضہ اور سود در سود کی بلا میں پھنس کر ضائع ہوا کسی دل جلے نے نصف صدی پیشتر کی حالت کا خاکہ ایک نظم میں کھینچا ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے "قابض ہوئے جو ترکہ موروث پہ اک جناب" اس میں ایک نوجوان رئیس کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے کہ عیاشی اور عیش پرستی کی فضول خرچیوں میں جب جائداد کی آمدنی کافی نہ ہوئی تو قرضہ کی فکر ہوئی۔ فن شعر کے اعتبار سے نہیں بلکہ عبرت کے لحاظ سے پڑھئے کہ کس طرح آنکھیں بند کر کے ساہوکاروں سے قرضہ لیا جاتا تھا ؎

چاروں طرف سے قرض کی ہونے لگی جو مار | تب فکر یہ ہوئی کہ کہیں سے لو اب اُدھار
بنیئے بھی ان کی فکر میں رہتے تھے تین چار | چمڑ دہ اس طرح کے کہ تو دے کے بیس ہزار

بیٹے گھات میں تھیلوں پہ وہ اپنے پڑے ہوئے
خوش ہو کے قرض دینے کو پھر اٹھ کھڑے ہوئے

بنیئے بھی وہ کہ جن کا نہ جاتا رہا درخت | کوڑی نہ چھوڑیں سود کی لینے کے ایسے سخت

صدہا بنے گھروں کو بگاڑا تھا ایک لخت — قرضہ وہ ان سے لیتا تھا اٹھے تھا جس کا بخت

ممکن نہیں تھا ان کا جو پا جائے کوئی پھیر

بچتا نہیں تھا قرضہ میں جسکو وہ لائے گھیر

بنیوں کی سمت جاتا تھا کوئی جوان کا یار — بہلا کے اس کو پوچھتے تھے ان کا کاربار

اس طرح سے لگاتے تھے سب انکی وہ تہار — جب گھر کو وہ چلا تو دیا تیل کا اچار

کہتے تھے سیٹھ جی (شیخ جی) کبھی تم پھر بھی آئیو

کچھ کرج (قرض) لیں میاں جی تو ہم سے دلائیو

کچھ خرچ کی طرف سے ہوئے جبکہ پھر ملول — بنیہ گئے بلانے کو وہ شیخ جی جھول

لالہ بھی بیٹھے آن کے دھوتی کی جھاڑ دھول — یہ بولے قرض دوگے؟ وہ بولے کہ ہے کبول (قبول)

من مانتا جو لوگے تمہیں کرج (قرض) دیں گے ہم

دکت (دقت) کی بات کچھ نہیں جب دوگے لیں گے ہم

گہ آتے سیتل چند کبھی لالہ خانچند — لے بیٹھتے اپنے مل سے پھر قرض یہ دوچند

القصہ ان کے مال کو پھیر ہو گیا گزند — اور قرض خواہوں میں ہوئے مشہور ناہند

بنیوں کی ڈگریاں ہوئیں ہر اینٹ اینٹ پر

سودی کا پھیر تو لگ گیا پیوند پیٹ پر

سادات و شرفاء امروہہ

غرضیکہ امروہہ کے اکثر مسلمان جاگیرداروں کی املاک وجاگیر وجائیداد کا حصہ کثیر زیادہ تر بد انتظامی غفلت مدہوشی وعیاشی کی بدولت قرضہ اور سود در سود کی بلا میں گرفتار ہو کر ان کے پاس سے نکلتا اور رفتہ رفتہ دوسری قوم کے قبضہ میں جاتا رہا۔ گذشتہ ستر اسی برس میں انتقال جائداد کی رفتار نہایت تیز رہی اور اسی نسبت سے ان میں افلاس ونا داری بڑھتی گئی۔ سادات وشرفا کے بعض چوٹی کے گھرانے ہمیشہ کے لئے تباہ وبرباد ہوگئے۔ یہ سچ ہے کہ دولت ہمیشہ کسی قوم میں نہیں رہتی

یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے، آج کہیں اور کل کہیں، لیکن رونا یہ ہے کہ مال و دولت کے ساتھ وہ اوصاف بھی رخصت ہو گئے جو کسی قوم و ملت کی قومی زندگی میں بمنزلہ روح کے ہوتے ہیں ؎

عزت و غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال — چھینتی ہے جس سے دولت وہ مروت ہم میں تھی
ننگ تھا ہم کو مشقت سے نہ مزدوری سے عار — جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی

یہ اور اس قسم کے دیگر اوصافِ حسنہ ایک ایک کر کے معدوم ہو گئے۔ سیرتیں بدل گئیں، صورتیں مسخ ہو گئیں۔ اب نہ چھوٹوں میں وہ آداب باقی ہیں نہ بزرگوں میں شفقت، عزیزوں میں الفت ہے نہ بھائیوں میں محبت، شریفوں میں غیرت نہ حمیت، اسلامی اخوۃ اور قومی مودۃ کا صرف نام باقی ہے، دو مسلمان ایسے کم ملیں گے جن میں بے غرضانہ خلوص و محبت ہو اور قومی بھلائی کا مل کر کام کر سکیں، اگر میل ملاپ ہے بھی تو ؎ غرض کی تواضع غرض کی مدارا، یا یہ حالت تھی کہ ہم میں ثقہ و نیک کردار تو درکنار بداطوار و اوباش تک محبت و یگانگت کے تعلقات کو نباہتے تھے۔ مولانا حالی نے اس کا صحیح خاکہ کھینچا ہے ؎

جس سے کرتے تھے محبت بے ریا کرتے تھے ہم — جس سے ہوتی تھی شکایت برملا کرتے تھے ہم
شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کہہ دیتے تھے ہم — شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم
دوست بن جاتے تھے جن کے اس سے کرتے تھے نباہ — عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم
جن کے ہو جاتے تھے ساتھی ان کا ہم دیتے تھے ساتھ — رنج و راحت میں شریک ان کے رہا کرتے تھے ہم
کرتے تھے عسرت میں ان کے واسطے فکرِ معاش — ان کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم
کام میں یاروں کے اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ — اپنے روزے ان کی خاطر تک قضا کرتے تھے ہم
یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب — یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم
سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد — ان کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم
دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہم کو دوست — ٹوک دیتے تھے ہمیں جب کچھ خطا کرتے تھے ہم
آج وہ کام آئے اپنے کل ہم ان کے کام آئے — بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم

برعکس اس کے اب نسلی تعصبات اور مذہبی اختلافات کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے۔ بدعتی اور وہابی کے لغو اور مہمل جھگڑے اس شدت سے شاید کہیں بھی نہ ہونگے جس شدت کے ساتھ کچھ عرصہ سے امروہہ میں شروع ہوئے ہیں۔ منبع فساد زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنہیں علم و عمل سے خود کوئی واسطہ اور تعلق نہیں، اگر کسی نے خیر سے دو ایک کتابیں اردو فارسی کی الٹی سیدھی پڑھ لی ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا۔ علم غیب و امکان کذب اور اسی طرح کے بیکار و بے نتیجہ مباحث پر کج بحثی کرتے اور سیدھے سادھے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے جنت و دوزخ کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں۔ کسی کو کافر و مردود کہہ کے دوزخ میں بھیجتے اور کسی کو جنت کا سارٹیفکٹ عطا کرتے ہیں۔ جس طرح پہلوانوں کے اکھاڑے اور دنگل ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں یا جس طرح لکھنؤ میں انیسیئے اور دبیریئے دو مخالف ٹولیاں شاعروں کی بن گئی تھیں جو ایک دوسرے کی تنقیص و تفضیح میں شاعری کا کمال دکھاتے تھے بعینہٖ اسی طرح یہاں بھی مذہبی دیوانوں کی ٹولیاں ہیں۔ باہر سے کرائے کے واعظ بلوائے جاتے ہیں انہیں تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہوتا ہے اسلامی اخوۃ کا مردہ دوزخ میں جاتے یا بہشت میں، وہ تو تعصبات لایعنی کے خوفناک شعلے بھڑکا کے اور لطیف و مرغن غذائیں کھا کے واپس چلے جاتے ہیں لیکن امروہہ کے مذہبی دیوانے آپس کی تو تو میں میں میں برابر مصروف رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے مولوی صاحب نے کیسی معرکۃ الآرا تقریر کی، دوسرا اکڑ کے جواب دیتا ہے کہ واہ ہمارے حضرت نے کیا نکتہ کی بات بیان کی لیکن ان احمقوں کو کیا معلوم کہ یہ لڑانے والے واعظ خود حقیقت سے ناآشنا ہیں؟ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ ایسے ہی علماء کے متعلق ایک صاحب نے سچ کہا ہے ؎

چار عالم جس جگہ بیٹھیں کھڑے ہوں سو فساد   جب یہ صاحب جاگتے ہوں فتنہ سو سکتا نہیں
دل سے استفسار پر پایا یہ سنجیدہ جواب   ریلیں اور عالم نہ ٹکرائیں یہ ہو سکتا نہیں

الغرض وہ سادات عظام کا گروہ ہو یا شرفائے کرام کا۔ ذرا ذرا سے فروعی معاملات پر

داستاں کل ہوتی رہتی ہے۔ ان ہی میں ایسے بھی ہیں کہ طبیعت میں شرافت کا جوہر اور نفس میں قابلیت، آبائے کرام کے کارنامے اور پدرم سلطان بود کی داستانیں الاپتے پھرتے ہیں اور خود ہیچ ہیں۔ بعض شریف خاندانوں کے افراد کا مذاق طبیعت دیکھئے، انگریزوں کا بیرا؎ بننے اور خانساماں گری کو معراج کمال سمجھتے ہیں، ان کا اترن پہن کر اکڑتے پھرتے ہیں۔ میں کسی پیشہ کو بشرطیکہ اکل حلال ہو ذلیل نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف زادے نے انگریزوں کی خانگی خدمت کا پیشہ کسی مجبوری سے کر لیا تو خیر کیا مضائقہ لیکن بدمذاقی دیکھئے اپنی اولاد کو بھی اسی ڈھرے پر ڈالتے ہیں، یہ لوگ انگریزوں کے بیرا اور خانساماں، جو کماتے ہیں اس کا جزوی حصہ بھی اپنی اولاد کی تعلیم پر صرف کریں۔ انہیں کوئی صنعت سکھا دیں تو اپنی برادری اور سوسائٹی کا اچھا عنصر بنیں اور "نام نیک رفتگاں" کو بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ بعض ایسے ہیں جنہیں اسلاف پرستی کا مرض لاحق ہو گیا ہے اور مثل زن بیوہ آبائے کرام کے نام پر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد سے منکر ہو کر کسی دوسرے مشہور خاندان سے سلسلہ نسب ملانے میں انہیں تامل نہیں، ان ہی میں وہ بھی ہیں کہ چند پیسوں پر جھوٹی گواہی دینے میں انہیں باک نہیں۔ یتیموں کا مال یہ کھاتے، وقف کی آمدنی یہ ہضم کر جاتے ہیں۔ طرفہ یہ کہ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، مٹ گئے، تباہ و برباد ہو گئے، مگر مزاجوں میں اب تک نسلی تعصبات، نسبی فخر و مباہات کی رعونت باقی ہے۔ سیادت و شیخیت، شرافت اور نجابت کے دعویدار ہیں اور اپنے سامنے دوسروں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے، سادات امروہہ میں بالخصوص کبر و نخوت کے عجیب و غریب نمونے ملتے ہیں ؎

ہو گئی ہیں رسیاں جل جل کے سب خاک سیاہ	لیک نکلے ہوں کسی کے بل چلے پر کیا مجال
نازش بیجا بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں	راگنی بے وقت کی، بے تکا نہ دھیں تھر نہ تال
اینٹھنے لگتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح	گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

؎ Bearer

اُٹھ گیا امروہہ سے اب اتفاق و اتحاد — دور اسی نا اتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال
اب یہ حالت ہے کہ گویا ایک کا دشمن ہے ایک — بس چلے اور دسترس پائے تو کر ڈالے حلال
اپنے سفّاکوں سے کس کی آبرو محفوظ ہے — شیر مادر ہے جو پا جائیں کسی کا مفت مال
جنگ ہوتی دیکھ، تدبیر آن کو دا پیچ میں — تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال
یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہر دم تاک میں — مکر و تلبیس و فریب و زرق کا پھیلائے جال
کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض — کیا ہوا ہم میں اگر خوشحال ہوں بھی خال خال
بالیقیں آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ — جن کو جو کچھ وقت پر مل جائے کھا لینا حلال
دن کو کھا لیتے ہیں روٹا چھوٹا آدھے پاؤ پیٹ — رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال
ماگھروں سے ہو کے مضطر عورتیں پردہ نشیں — بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں برقع سر پہ ڈال
اس قدر دُبلے کہ تن پہ نام کو بوٹی نہیں — حلقے آنکھوں میں پڑے، پچکے ہوئے اندر کو گال
ہڈیوں کے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر — پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی پکھال
ہو چکے وہ دور وہ عبد اللہ و احمد بخش کے — اب ہیں ماتا دین، تلسی داس و بابو شام لال

میں اس سے منکر نہیں کہ امروہہ کے سادات و شرفا میں ایسے گھرانے بھی ہیں جن میں علم و فضل بھی ہے اور دولت و تمول بھی، ذی علم، نیک کردار، غیور و باحمیت، سنجیدہ و با اخلاق افراد بھی موجود ہیں لیکن خال خال، مستثنیات سے بحث نہیں، سوال عمومیت کا ہے، اقلیت کا تذکرہ نہیں، اکثریت کا ذکر ہے، اور اس لحاظ سے حالت اندوہناک ہے۔ میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ گذشتہ زمانے کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ برائیوں سے بھرا ہوا ہے، کوئی وقت اور کوئی زمانہ عیب سے خالی نہیں ہوتا، فرق صرف اتنا ہے کہ اس زمانہ کے نیک کردار آج کے نیک کرداروں سے، اس زمانہ کے بدکردار آج کے بدکرداروں سے اچھے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس زمانہ کے دشمن آج کے دوستوں سے بہتر تھے، قول کے مانند اور بات کے پکّے تھے سہ

جیسے رہزن اور لٹیرے بنے ہمارے راستباز و رہنماؤں میں نہیں پائے ہم آج ان کی نظیر

سادات و شرفائے امروہہ کے اسلاف کرام کے عام حالات زندگی اور ان کے علمی و عملی کارناموں کے مقابلہ میں ان کے موجودہ اخلاق کی پستی اور بدحالی پر جب نظر کی جاتی ہے تو ایک حساس دل غم و اندوہ سے بھر جاتا ہے۔ ان ہی سادات، ان ہی شیوخ اور ان ہی شرفائے امروہہ کے بزرگوں کے گذشتہ علم و فضل، ان کے گذشتہ فضل و کمال، ان کے گذشتہ جاہ و جلال، ان کی گذشتہ عظمت و ہیبت، ان کی گذشتہ شجاعت و شہامت، ان کی گذشتہ شوکت و صولت، ان کی گذشتہ مکنت و رفعت، غرضیکہ ان کے گذشتہ عادات و اطوار، اخلاق و شمائل، صفات و خصائل، کے دھندلے نشان بھی اب ڈھونڈے نہیں ملتے۔ لیکن ان کے حالات زندگی آج بھی چشم تصور کے سامنے ان کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کر دیتے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ حد سے بڑھا ہوا تعصب تھا، نہ مقدار سے زیادہ تشخص، نہ افراط تھی نہ تفریط، نہ بے سبب نفرت تھی نہ بے وجہ عداوت، نہ نسلی تعصبات تھے نہ اس طرح کے مذہبی اختلافات، نہ خود پسندی تھی نہ خود بینی، کہیں بڑھی ہوئی حاجتمندی تھی نہ کہیں گھٹی ہوئی حوصلہ مندی، نہ جھوٹا فخر تھا نہ بیجا تعلّی، نہ نسب پر ناز تھا نہ کمال پہ مباہات، نہ اعتدال سے زائد فروتنی تھی نہ اندازے سے افزوں سرکشی، وہ مسلمانوں کا یا یوں کہئے کہ انسانوں کا اچھا نمونہ تھے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ کیا ہوا رفتہ رفتہ ان کے تہذیب و تمدن اور اس اسلامی ماحول کا بھی خاتمہ ہو گیا جو "مشرقی تہذیب" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امروہہ کے مسلمانوں بالخصوص سادات و شرفا کے خاندانوں پر جن کے اسلاف اپنے علمی و عملی کارناموں اور گوناگوں اوصاف کی بدولت شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ آج تنزل و ادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے انہیں اگر اپنی اس حالت زار کا صحیح احساس ہو تو اب بھی آئندہ نسلوں کی حالت بہتر بنانے کی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ اسی جذبہ سے متاثر ہو کر میں نے یہ داستان غم چھیڑی ہے اور قصداً ان کی برائیوں کا دکھڑا بیان کیا ہے یہ ضرور ہے

کہ "عین الرضا" خوشنودی کی آنکھ ہر فرد لبشر کو پسندیدہ ہے اور "عین السخط" کی نگاہوں سے سب گھبراتے ہیں۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ۔ ولکن عین السخط تبدی المساویا

خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے ۔ وہ تو غصہ ہی کی آنکھ ہے جس کو برائی نظر آتی ہے

کاش میرا یہ نالۂ غم انگیز عزیزوں کو چونکانے کا باعث ہو، میں نہایت دلسوزی سے عرض کرتا ہوں کہ۔ اے سادات و شرفائے امروہہ! کیا تمہارے بزرگوں کی روحیں تمہاری اس حالت زار پر بے چین و بے قرار نہیں ہونگی؟ جس تہذیب و تمدن پر، جن باکمال بزرگوں پر، جن واجب الاحترام اسلاف پر تمہیں ناز ہے، جن کے تم نام لیوا ہو، خدارا اٹھو اور ان کے نقوش قدم پر، جو انقلاب زمانہ سے مٹتے جاتے ہیں، چلکر اپنی گرتی حالت کو سنبھالو!

تاچند رہوگے مست و سرشار ۔ اٹھو! کہ سحر ہوئی نمودار
سوچو تو ذرا! کہ حال کیا ہے؟ ۔ کس خواب میں ہو، خیال کیا ہے؟
غفلت میں جو شب بسر ہوئی ہے ۔ واب تو اٹھو! سحر ہوئی ہے
کچھ تم کو خبر ہے، یا نہیں ہے؟ ۔ کچھ دل پہ اثر ہے، یا نہیں ہے؟
اغیار کے طنز کو بھی سن کر ۔ لگتے نہیں کیا جگر پہ نشتر
دیکھو تو ذرا یہ حالت زار ۔ کیوں قید بلا میں ہو گرفتار؟
ہو گرد رہ صف اپسیں کیوں؟ ۔ اس بزم میں خوار ہو تمہیں کیوں؟
کیوں تیر ستم کے ہو نشانہ؟ ۔ بگڑا ہے تمہیں سے کیوں زمانہ؟
کس نے تمہیں اوج سے اتارا؟ ۔ اقبال نے کیوں کیا کنارا؟
کیوں بار ہو تم دل زمیں پر؟ ۔ کیوں برق بلا گری تمہیں پر؟
کس پیچ میں رہ گئے ہو پھنسکر؟ ۔ کیا ہے کہ اجڑ گئے ہو بسکر؟
شکوے ہیں جو بے زری کے تم کو ۔ لالے ہیں جو نوکری کے تم کو

عزت کو تو کر چکے ہو غارت　　برباد جو ہو چکی تجارت
ہر علم و ہنر سے بے خبر ہو　　صنعت میں جو تم شکستہ پر ہو
مدخل جو نہیں کمال میں کچھ　　وسعت جو نہیں خیال میں کچھ
رونا ہے تمہیں اب آج جن کا　　خود کردہ ہیں کیا علاج ان کا
غفلت میں جو خوب سو چکے ہو　　ہونا جو تھا، وہ ہو چکے ہو
دنیا کے نہ کام کے، نہ دیں کے　　افسوس! رہے نہ تم کہیں کے
نکبت کی گھٹا ہے سر پہ چھائی　　افلاس کی ہر طرف دُہائی
اب عیش نصیب ہے، نہ آرام　　گھر گھر میں مچا ہوا ہے کہرام
برباد پڑے ہیں کارخانے　　نکبت نے ستا دئے گھرانے
رونق کا اثر، نہ عیش کی بو　　اک خاک سی اڑ رہی ہے ہر سو
امید کے دن کی ہو چکی شام　　خورشید اب آگیا لبِ بام
اب وقت اخیر ہے خبر لو　　جو کچھ کرنا ہے اب بھی کر لو
دعوے ہیں تو کچھ ہنر دکھاؤ　　ہمت کے قدم ذرا بڑھاؤ
اندازِ عرب اگر ہے خو میں　　باقی ہے وہ جوش اگر لہو میں
کردو جو گذشتہ کی تلافی　　ثابت ہو زمانے پر کہ اب بھی
گو دورِ فلک ہوا دگرگوں　　پھر بھی تو رگوں میں ہے وہی خوں
اسلاف کے وہ اثر ہیں اب بھی　　اس راکھ میں کچھ شرر ہیں اب بھی
اس حال میں بھی روش وہی ہے　　دن ڈھل بھی گیا تپش وہی ہے
اس جام میں ہے شراب باقی　　اب تک ہے گہر میں آب باقی

گو خوار ہیں، طرز و خو وہی ہے
مرجھا گئے پھول، بو وہی ہے

اِسلامی اوقاف

اسلامی شریعت میں وقف جس خیر و برکت کا اصول ہے وہ محتاج تشریح نہیں انتزاعِ سلطنتِ اسلامی کے بعد سے اسلامی اوقاف کی نگرانی کا عرصہ دراز تک منجانب حکومت کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں اوقاف متولیوں کی بدانتظامی یا بدنیتی کی بدولت نیست و نابود ہو گئے۔ امروہہ کے متعدد اوقاف کا بھی یہی حال ہوا۔ ان کی تباہی کا تذکرہ اندوہناک ہے۔ دیرینہ کاغذات سے جن اوقاف کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے بعض کا آج وجود بھی باقی نہیں۔ مشائخ کی درگاہوں، خانقاہوں، مساجد و مدارس کے متعدد اوقاف میں سے، جو اسلامی عہد میں قائم ہوئے، آج صرف دو تین وقف باقی ہیں۔ انکی انتظامی حالت بھی درست نہیں لیکن بہت سے متوسط درجہ کے اوقاف متولیوں یا ان کے جانشینوں کے تغلب و تصرف کا شکار ہو گئے۔ جو اوقاف دستبرد زمانہ سے باقی بچے ہیں ان کی تنظیم کا کام کسی صحیح اصول کے ماتحت کیا جائے تو واقفین کے منشاء کے مطابق مسلمانوں کے بہت سے قومی کاموں کی فلاح و بہتری کا ذریعہ پیدا ہو سکتا ہے۔ امروہہ میں سنّی و شیعہ اوقاف کی مجموعی تعداد ۶۲ ہے جن کی سالانہ آمدنی جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے، تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ ہے۔ ذیل میں سنّی و شیعہ اوقاف کی فہرستیں درج کی جاتی ہیں۔ مجھے اس کا دعویٰ نہیں کہ یہ فہرستیں مکمّل ہیں، بہت ممکن ہے کہ بعض اوقاف کا اندراج عدم معلومات کی بناء پر نہ ہو سکا ہو۔ ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اپنی معلومات سے خاکسار مولف کو مستفید فرمائیں۔

سنّیوں کے اوقاف

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۳۶ ہے۔ اور سالانہ آمدنی جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے تقریباً مبلغ ۲۷۰۰۰ عہ ہے۔ ان میں چھ اوقاف ایسے شامل ہیں جن کا ثبوت تو مستند دیرینہ کاغذات

میں ملتا ہے لیکن ان کا وجود اب باقی نہیں۔ ان میں سے بعض پر کچھ اشخاص مالکانہ حیثیت سے قابض ہو گئے۔ ابتدائی جمع بندیوں کے کاغذات میں ان کا اندراج وقف کی حیثیت سے کیا گیا تھا لیکن بعد میں جن لوگوں کے نام کسی غلطی کی بنا پر مالکانہ حیثیت سے درج ہو گئے انہوں نے یا ان کے ورثاء نے یا تو انہیں خورد برد کر کے ختم کر دیا یا اب تک یہ لوگ مالکانہ حیثیت سے قابض ہیں۔ یہ کام وقف کمیٹی کا ہے کہ وہ ان اوقاف کو ناجائز قبضہ سے نکالے تاکہ واقف کے منشاء اور اغراض وقف کے مطابق ان کی آمدنی صرف ہو۔

اس سلسلہ میں وقف کمیٹی کو ماضٗ کر اراضی متعلقہ روضہ حضرت شاہ آبنؒ، ماضٗ کر اراضی درگاہ حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ، پیشٗ کر اراضی متعلقہ عرس حضرت شاہ ولایتؒ اسی طرح بعض مساجد کی متعلقہ اراضیات مثلاً صٗ کر اراضی مسجد عباسیاں کی جانب خاص طور سے متوجہ ہونا چاہیئے۔

اس موقع پر ایک اور وقف کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالہادی صدیقی قدس سرہ کے فرزند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈھو نے یکم ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو بعض اراضیات جن کی مجموعی تعداد دیرینہ کاغذات سے ماضٗ بیگہ خام معلوم ہوتی ہے اپنے پدر بزرگوار حضرت شاہ عبدالہادیؒ کے "مصارف عرس وآذوقہ آیندو روند مجمع فقرا" کے لئے نیز ایک دوسری دستاویز مرقومہ ۱۹ محرم الحرام ۱۲۵۱ھ کے ذریعہ ایک قطعہ باغ برائے "مصارف مخدوم عقیرہ ومصارف صادر و وارد زائرین" وقف کی تھی۔ وقف نامہ کی نقل ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

نقل وقف نامہ شیخ ظہور اللہ صدیقی

غرض ازین نوشتہ آنکہ اقراری نماید و اعتراف میکند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈھو سکنہ قصبہ امروہہ من اعمال سرکار سنبھل بریں وجہ کہ منفرد زمین مزروعہ معلومۃ الحدود مملوکہ خود بیرون احاطہ خندق پیرامون روضہ مقدس والد خود

مہر ... حضرت شاہ عبدالہادیؒ

که بحیثیت رابطهٔ فرزندی و واسطهٔ رسوخ عبودیت و غلامی دارد محض بنابر مصارف اخراجات روشنی وغیره و لوازم عرس و آن وقت آینده و رسند جمیع فقرا که هر سال لطف عرس فراهم می آیند خیر وجه در حین حیات خود مقرر داشته است من بعد متعمر ابنائے متعمر چه از اناث و چه از ذکور که هر یکے مسمی شیخ عبدالهادی و شیخ دوست محمد و محمد عظیم و نجیب الله و حفیظ الله و حمد الله اند محصول زمین سوائے اشجار و فواکه اشجار زمین مذکور را مخصوص برائے ہمیں وجوه دانسته دست تصرف خود ہا را بر حاصل آراضی مذکوره دراز نسازند و بجز ایں وجوه مذکوره ماسبق که از روئے حق متعمر آن است بوجبے الاحتیاج خود ہا نگہدارند و اگر مصارف بر ماحصل فوق باشد از نزد خود ہا ہر یکے در ما فزایند و اگر نتوانند بر آں اکتفا نمایند و در بیع و قسمت آراضی مذکوره باہم قصد نکنند والا بجا غفلت و اہتمام و ہر یکے از اشخاص اسماء مذکوره بالا ما دا شان اینها نظر بر ثواب متابعت حکم والد خود نمایند بموجب کلام الٰہی "وَقَضیٰ رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا" که در دنیا موجب دولت است و در عقبیٰ سبب نجات و سعادت مثوبت و بر خلاف آں بعذاب دنیا که ہلاکت است و عقاب عقبیٰ که ناراضامندی خالق است معذب گردد و نعوذ بالله منها و من سوء انفاس الطامع بنابراں ایں چند کلمه بر سبیل ہدایت ایشاں براه رشاد بقلم آمد او سبحانه توفیق متابعت و تخویف معاقبت بخشاد بفضله و کرمه بتاریخ غره ربیع الاول سنه ۱۱۹۲ھ مرقوم گردد۔

العبد شیخ ظہور الله مذکور — العبد شیخ عبدالهادی مذکور — العبد شیخ محمد عظیم مذکور — العبد شیخ نجیب الله مذکور

العبد شیخ دوست محمد مذکور — العبد شیخ حفیظ الله مذکور — علامت دستخط شیخ حمد الله مذکور العبد[۱]

۱؎ ان کے علاوہ اس دستاویز پر اور بھی متعدد اشخاص کے دستخط بطور شاہد ثبت ہیں۔

وقف نامہ کی عبارت سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ واقف نے اپنے اخلاف کو کن الفاظ میں تاکید کی تھی کہ اراضیات موقوفہ پر "دست تصرف دراز" نہ کریں، اسی غرض سے انھوں نے اپنے سب بیٹوں کے دستخط بھی وقف نامہ پر ثبت کرائے تھے۔ وقف نامہ کی عبارت کے آخری فقرے واقف کی دلی کیفیت کا اظہار صاف طور سے کر رہے ہیں کہ "من سوء انفاس الطامع" سے محفوظ رکھنے کا انہیں کس درجہ خیال تھا لیکن افسوس کہ سوائے درگاہ کی زمین کے دیگر اراضیات زرعی کی جو موقوفہ تھیں، یہ حیثیت اب باقی نہیں رہی۔ غالباً [illegible] سے ان پر بعض اہل خاندان مالکانہ تصرف رکھتے ہیں۔ ان حضرات کو اس وقف کا اگر علم نہیں اور کسی غلطی کی بنا پر ان کے ناموں کا اندراج مالکانہ حیثیت سے سرکاری کاغذات میں ہو گیا ہے تو کیا وہ اس علم کے بعد اپنے واجب الاحترام مورث کے منشار وقف کو پورا کرنے کا اہتمام کریں گے؟

اس کے علاوہ ایک اور وقف، جو امروہہ کا سب سے بڑا وقف ہے، سید بنیاد علیخاں دگھڑیال والوں کے خاندان کا ہے، اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ سید علی اعظم خاں گھڑیال والے کے دو فرزند تھے، ایک سید بنیاد علی خاں اور دوسرے سید امان علی خاں، ان دونوں بھائیوں کی املاک اور جاگیریں تقریباً مساوی تھیں، سید بنیاد علی خاں کے کوئی اولاد نہ تھی، سید امان علیخاں کے دو فرزند سید علی احسن خاں اور سید علی مظفر خاں ہوئے۔ اول الذکر سے بھی نسل نہیں چلی، سید علی مظفر خاں کی نسل میں موجودہ خاندان ہے۔ سید بنیاد علی خاں مذکور، اصل واقف طبعاً صوفی منش، علم دوست اور علوم دینیات سے خود بھی بہرہ وافر رکھتے تھے، بعض مسائل شرعیہ کے متعلق علمائے اہل سنت والجماعت کے فتاوی پر، جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں، ان کی مہریں ثبت ہیں۔ [illegible] میں انھوں نے اپنی کل جائداد صحرائی و سکنائی کو ان اغراض کیلئے وقف کیا جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے اور اپنے برادر زادگان سید علی احسن خاں اور سید علی مظفر خاں کو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ متولی اور منتظم بنایا۔ ذیل میں تولیت نامہ کی نقل جس سے وقف کی نوعیت اور اغراض کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے درج کرتا ہوں:—

نقل وقف نامہ سیّد محمد بنیاد علیخاں گھڑیال والے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد و حسبی اللہ نعم الوکیل
نعم المولیٰ و نعم النصیر انک ولی فی الدنیا والآخرۃ الٰہی انت حی القیوم ابداً و موبدٌ

اقرار معتبر شرعی صحیح کردہ بر باسم ونسب خود سید محمد بنیاد علی خاں بن سید
محمد علی اعظم خاں بن سید محمد علی مرتضیٰ خاں از وارثان نواب[1] سید عبدالہادی خان
بہادر مرحوم و مغفور ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضافات صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد
فی حال تبع اقرار شرعاً بدیں وجہ کہ چوں منقر مکمیں و تمامی دیہات معافی زمینداری و
اراضیات واملاک واقع پرگنہ امروہہ دھنسن پور، سید نگارہ وغیرہ متعلقہ ضلع مرادآباد
و بجنور و حویلیات و اراضیات سکنائی و حصص سرایات و بازار واقع آبادی قصبہ امروہہ
مذکور و قطعات اراضیات مزروعہ و باغات سر درختی واقع سواد قصبہ مذکور و زمینداری
قصبہ خاص و دیہات خالصہ معلوم الحدود مفصلہ ذیل و جملہ اثاث البیت از قسم ظروف و
فروش و اسلحہ و کتب وغیرہ مندرجہ فرد علیحدہ مملوکات و مقبوضات خود را وقف فی
سبیل اللہ و ثواب آں بنام جملہ دوستان خدائے تعالیٰ نمودہ بطور
تولیت و منتظمی برآں قبض و دخل خود و ازواج و حرمہا و اولاد خود کہ پیدا
شوند داشتہ۔ معاملات آمد و مصارف دین و دنیوی یعنی ریاست بلوازمات ما بین می
آرم فی الحال من مقر بحالت صحت ذات و ثبات عقل و ہوش و حواس خود طوعاً و رغبتاً
بلا اکراہ و اجبار سید محمد علی احسن خاں و سید علی مظفر خاں برادر زادگان
خود را کہ بہر کیفیت استحقاق دارند متولی و منتظم آں نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن دائماً

---

[1] خاندان والے ان کے نام کے ساتھ "نواب" لکھتے ہیں لیکن دریبیا کاغذات سے اس خطاب کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

ابداً غیر منقطع ولا منفصل علی سبیل الاستمرار والاستقلال گردانیدم واگرچه بالفعل تولیت
وانتظام کل اشیاء موقوفه بدست خود و ازواج خود مقرر داشته بودم لیکن حسب اصلاح
و تفویض من مقر و ازواج من مقر متولیان مذکوران جمله کار و انتظام ریاست و اخراجات
اشیاء موقوفه و سبیل الحیال نذر و باقیات محال وغیره بطریق نیابت و قائم مقامی
بلا دعوی حق که از طرف من مقر و ازواج و ورثای من مقر باشد بموجب اقرارنامه
مرقومه و مقبوله خود ها محرره بست و دویم شهر ذیقعده سنه ۱۲۸۲ھ مدام می نموده باشند
و باید که خرچ ذات من مقر مع ازواج و ورثا که حال موجودند و آینده در خواهند
بود از آمدنی بسوات موضع گمتائی و دها مختار پور زیاده می نموده باشند
و از ما بقی جائداد خرچ سادات و علماء و فقراء و حکماء و اقرباء و اعزه
باعزاز و اکرام و صرف مساکین و محتاجین و مسافرین و متعلقین ملازمین
و متوسلین قدیم و جدید و شرفاء مهاجرین و انصار وغیره و مصارف ریاست
و دربارداری و تیاری اسباب بلوازمات دارین و اخراجات آیند و روند
و اخراجات عدالتها از اضلاع تا بصدور نسبت اشیاء موقوفه و خرچ دربار
سلاطین و امراء و خرچ لنگر فی سبیل الله و دیگر اخراجات ضروری بقدر آمدنی
محال موقوفه می نموده باشند و حساب و کتاب هر مقدمه متعلقه اشیاء موقوفه
مذکوره بکار من مقر نمایند و زر رهن بعض اشیاء موقوفه از جائداد مرهونه ادا
نموده جائداد مرهونه را نیز انفکاک نمایند و قرضه وغیره ذمه هر کسی که گرفتنی اینجانب از
روی واجبیت و حقیت ثابت و محقق شود بسهل ترین نمط وصول سازند و بهر کسی را
که جائداد نوکری معین است و تا حیات خواهم کرد آنرا بحال داشته راضی دارند ورنه
صاحب جائداد بشرط خیرخواهی و حاضرباشی از آمدنی جائداد مذکوره تا حیات خود به
تصرف خود خواهد آورد و حق نیابت خود ها بموجب آمدنی اشیاء موقوفه بعد

خرچ مناسب بلوازمات داریں در ہر فصل و سال بشرط ادائے
اقرار ہائے مرقومہ خود ہا باجازت من مقر می گرفتہ باشند و در ہر فصل
و سال رسید و راضی نامہ دادہ باشند و جملہ کار اشیاء موقوفہ از
ملازمین من مقر کہ از سادات و شرفا و اہل سنت و جماعت و دوستان اہل بیت و دوستان
این خاندان اند بہر وجہ و بہر جا گرفتہ باشند و مفسدان و بدکاران را دخل ندہند و اعمال
حسنہ ظاہر و باطن و اسلام و اعتقاد درست و اطاعت و بندگی خدائے تعالی بموجب
آیہ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم بہر وجہ و بہر جا علی الدوام
می کردہ باشند و من مقر و ازواج من مقر و حرمہا را راضی دانند و آیندہ را بجمیع الوجوہ
بمتاعی اشیاء موقوفہ مذکورہ قائم مقامی بجائے من مقر قابض و دخیل بودہ مدام حاصلات
آنرا بالاستقلال بمصارف مذکورہ می آوردہ باشند ثانی الحال اگر احدے ہیچگونہ
دعوے و استحقاقے حیلۃً و صریحۃً نسبت کل اشیاء موقوفہ مذکورہ از متولیان مذکوران
و من یقوم مقامہا نزاعے و خصومتے و مواخذہ و مطالبہ بمیان آرد علی الدوام عند اللہ
و عند الناس و عند شرع شریف و عدالت عالیہ و پنچایت کاذب و مدعی باشد و غیر
متولیان مذکوران قائم مقام من مقر و ازواج من مقر قابض و منتظم اشیاء موقوفہ مذکورہ
مدام بہر امور خواہند ماند و دیگر کدام کس را بوجہ من الوجوہ و بسبب من الاسباب واسطہ
و علاقہ نیست و نخواہد بود فقط

بنا براں این چند کلمہ بطریق تولیت نامہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند شود و
عند الحاجت بکار آید -

دیہات معافی پرگنہ امروہہ وغیرہ

۱	۲	۳
الہ داد پور کلاں	شاہ محمد پور زاد مع زمینداری -	علی نگر شیخ بھولی پرگنہ امروہہ حال متعلق پرگنہ [illegible] تحصیل چاند پور
۱۰ بسوہ ۱۰ بسوانسی	۵ بسوہ	۱۰ بسوہ

۴ کلنا پور معہ زمینداری	۵ باری پور معہ ملک معافی زمینداری	۶ کلنا پور معہ زمینداری	۷ ارادہ معہ زمینداری
۲۰ بسوہ	۵ بسوہ ۲ بسوانسی ۲۰ بسوہ	۱۰ بسوہ	۱۰ بسوہ
۸ بجوا سوچی علی نگر	۹ سہ سہ گوپر معہ حق زمینداری	۱۰ سر سہ منہیار معہ زمینداری	۱۱ مجہولہ
۹ بسوہ	۱۱ بسوہ ۱۲ بسوانسی	۲۰ بسوہ	۵ بسوہ
۱۲ پٹی علی نگر نند کورہ بالا	۱۳ گمسانی معافی	۱۴ رائے پور کلاں معافی معہ زمینداری	۱۵ تنبیلہ ۱۶ تگلی اسد اللہ معافی زمینداری
۱۰ بسوہ	۱۰ بسوہ	۱۱ بسوہ ۱۴ بسوانسی	۳ بسوہ ۵ بسوہ ۵ بسوہ
۱۷ پٹی علیوہ موضع اتراسی و سودہ امان نگر معافی و زمینداری		۱۸ اکسی معافی معہ سورت	۱۹ بکنارہ
۵ بسوہ		۱۷ بسوہ	۳ بسوہ ۱۲ بسوانسی
۲۰ ٹھانہ ٹہمہ مع حق زمینداری	۲۱ بادشاہ پور معافی	۲۲ سعد اللہ پور معہ زمینداری	۲۳ رائے پور معہ زمینداری
۱۶ بسوہ	۱۹ بسوہ ۳ بسوانسی	۱ بسوہ	۵ بسوہ ۱۷ بسوانسی
۲۴ صالح پور عرف موضع پرگنہ سیوہارہ ۵ معافی			
۱ بسوہ			

دیہات و املاک

زمینداری موضع گنندہ پال	زمینداری موضع کورالا معہ ملک	زمینداری موضع عالم پور
حصہ		حصہ

زمینداری جلال آباد حصہ	زمینداری موضع زمان پور	زمینداری قصبہ امروہہ خاص	زمینداری موضع شاہ پور
	حصہ	۵ بسوہ	حصہ
زمینداری موضع خان پور	زمینداری موضع جوگی پور	زمینداری موضع رسول پور	ملک قاضی سرائے حصہ
حصہ	حصہ	حصہ	

حویلیات و مکانات واقع آبادی قصبہ امروہہ خاص

دیوانخانہ و محلسرائے مسکونہ من مقبرہ و سوہ	حویلی قدیم واقع محلہ گذری معہ دیوانخانہ
نصف	نصف

حصہ حویلی متروکہ سید منیر علی مرحوم خریدہ شدہ منتظم واقع محلہ گندی — اراضی مکان پیش دروازہ دیوانخانہ میر کلو نصف

سرائے وگنج بازار زر خرید از وارثان سید غلام علی نصف — حصہ بازار گندی — اراضی واقع محلہ نوبت خانہ قدیم زرخرید از سید حسین علی

حصہ اراضی دربار سید عبدالباقی زرخرید سید بہادر علی دربار دالہ — متصل حویلی سید بہادر علی خرید از وارثان سید عبدالباقی

حصہ کاروان سرائے — اراضی کشیدہ سید غلام علی والا زرخرید — اراضی راہو سرائے — اراضی متصل حویلی سید مردعلی متولی

اراضی سرائے باسدرو معہ چاہ پختہ — اراضی گوشہ (کوٹھ) — اراضی پشت محلسرائے فیل خانہ سکونت کاذران

حصہ بازار و سرائے و دکاکین از متروکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ — اراضی واقع محلہ چکی از ترکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ

باغات قصبہ مذکور حصہ نصف منتظم

سستی والا — لال باغ — رانی والہ — باغ دودندہ — خمار والہ — وارث والہ — فیض باغ — باسن والہ

باغ کودہ خانالات

اراضیات واقع سواد قصبہ

اظم سرائے — قطعات حاتم والہ — قانونی والہ — سرائے شاہ محمدی معہ پیار پختہ احاطہ — باغ کمند عالم مع اراضی بیرون احاطہ مذکور

حصہ نولکھا — نصف پکھسن والہ

تحریر بتاریخ ۲۲ ماہ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ

مندرجہ بالا فہرست جائداد موقوفہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ سب جائداد صحیح سالم رہتی، کوئی حصہ اس کا ضائع نہ ہوتا اور خوش انتظامی کے ساتھ متولی اس کا اہتمام کرتے تو موجودہ زمانہ میں اس کی آمدنی پچاس ہزار سالانہ سے کم نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ موقوفہ اشیاء میں سے "اثاث البیت از قسم ظروف و فروش و اسلحہ و کتب وغیرہ" تو تقریباً کل اور جائداد صحرائی وسکنائی میں سے بھی معقول حصہ متولیوں کی غفلت اور بدانتظامی کی بدولت ضائع ہو گیا تاہم اب بھی تقریباً تیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی اس وقف کی ہے۔

۱۹۳۸ء تک اس وقف کے متولی و منتظم اس وقف کو مصارف خیر کے لئے سمجھتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل فقرہ سے ظاہر ہے جو سید محمد علی مظفر خاں جیو مدعا علیہم کے جواب دعویٰ

بمقدمہ مسماۃ عجائب النساء مدعیہ میں تحریر ہے :-

"یہ کہ محمد بنیاد علی خاں نے بحیات اپنی جملہ جائداد کو وقف فی سبیل اللہ کر کے مدعا علیہم کو بہ نظر جاری رکھنے مصارف خیر کے متولی قرار دیا - اور بست و دوم ذیقعدہ ۱۲۷۱ھ کو وثیقہ تولیت نامہ بحضور مردم برادری و روساء شہر کے لکھ دیا ہے کہ مدعا علیہم بذریعہ تولیت نامہ کے قابض ہیں بذریعہ عدالت کے

اب کچھ مدت سے اس کو وقف علی الاولاد کہا جاتا ہے لیکن مندرجہ بالا تولیت نامہ کی عبارت[1] سے اس خیال کی تائید ہرگز نہیں ہوتی"

سید بنیاد علی خاں اصل واقف کے حالات زندگی، رجحان طبیعت، علمی ذوق، نیز اس زمانہ میں جب یہ وقف کیا گیا تھا، واقف کے برادر زادگان کی مالی حالت کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جنہیں متولی اور منتظم بنایا گیا تھا اور جو تقریباً اسی قدر جائداد کے مالک و قابض تھے جو وقف کی گئی تھی تو سوائے اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نکالنا قرین انصاف نہیں کہ واقف کا اپنی جملہ جائداد کے وقف کرنے سے یہ مقصود و منشاء ہرگز نہ تھا اور نہ ان حالات میں ہو سکتا تھا کہ آئندہ زمانہ میں متولیوں کے ورثاء اپنے کو اس وقف پر مالکانہ حیثیت سے قابض و متصرف سمجھنے لگیں اور وقف کی آمدنی کلیتاً یا اس کا جزو کثیر ان کے ذاتی اخراجات اور معاش میں صرف ہو اور جو مصارف خیر یعنی "خرچ سادات و علماء و فقراء و حکماء و اقرباء باعزاز و اکرام" یا "صرف مساکین و محتاجین و مسافرین" یا "تیاری اسباب بلوازمات دارین" یا "خرچ لنگر فی سبیل اللہ" وغیرہ تصریحاً تولیت نامہ میں مندرج ہیں ان پر مطلق خرچ نہ ہو اور اگر ہو بھی تو برائے نام !

خاکسار مولف کو موجودہ افراد خاندان میں سے اکثر کی خدمت میں نیازمندی کا تعلق حاصل ہے، ان حضرات نے دوران گفتگو میں بار بار ہائیکورٹ کی تجویز کا حوالہ دیا ہے۔ مجھے

---

[1] فیصلہ صدر دیوانی عدالت آگرہ مورخہ ۲۹ سنہ ۱۸۵۱ء بمقدمہ محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم اپیلانٹان بنام مسماۃ عجائب النساء مدعیہ رسپانڈنٹ منفصلہ ۲۱ جولائی ۱۸۵۱ء ٭

اس معاملہ میں دنیاوی حکومت کے قانون یا کسی عدالت کے فیصلہ کی صحت و عدم صحت پر رائے زنی کرنا ہرگز مقصود نہیں، تاریخی حالات کے تجسس و تلاش میں اس وقف کے حالات بھی معلوم کرنے کا موقع ملا، تولیت نامہ کی نقل بھی بدقت تمام حاصل کی گئی، دیگر تحریرات بھی نظر سے گذریں جن کے مطالعہ، نیز واقف کی خصوصیات اور عام خاندانی حالات کو پیش نظر رکھکر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ یہ وقف بھی عام اوقاف کی طرح وقف فی سبیل اللہ اور مصارف خیر سے متعلق ہے، اس کو وقف علی الاولاد سے تعبیر کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ تولیت نامہ کی رو سے سید علی مظفر خاں کے اخلاف اس کے نسلاً بعد نسل متولی و منتظم ضرور ہیں۔ متولیوں کو ان تمام مدات میں، جن کی تصریح تولیت نامہ مذکورہ میں کی گئی ہے، نیز ان شرائط اور پابندیوں کے ساتھ وقف کی آمدنی کو خرچ کرنا لازم ہے جو اقرار نامہ "منقولہ و مقبولہ"، سید علی احسن خاں و سید علی مظفر خاں میں درج ہیں جس کا تذکرہ تولیت نامہ میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ افسوس کہ اس اقرار نامہ کی نقل جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں تلف ہو گیا۔ خاکسار مؤلف کو حاصل نہیں ہوئی، اس اقرار نامہ کی اصل یا نقل اگر دستیاب ہو جائے تو اب بھی وقف کی نوعیت اور اصل حالت پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ واقف نے متولیوں کو کن شرائط کا پابند کیا تھا، ان کے "حق نیابت" کے لئے کیا رقم مقرر تھی، نیز دیگر مدات میں وقف کی آمدنی کا کتنا حصہ متعین کیا گیا تھا۔ بعض اشخاص تولیت نامہ مذکورہ کے آخری فقرے کا یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ متولی و منتظم پر وقف کے باقاعدہ حساب رکھنے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ ہر طرح مجاز و مختار ہیں کہ وقف کی آمدنی جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ لیکن خود تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ فقرہ حقیقتاً ان اشخاص کے دعوے سے متعلق ہے جو اشیاء موقوفہ پر بطور حق وراثت کسی وقت میں کوئی مطالبہ پیش کریں یا متولی و منتظم سے حساب فہمی چاہیں یا اس بارے میں کوئی مواخذہ کریں، لیکن متولی و منتظم ہرگز اس کے مجاز نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ واقف کے منشاء کے خلاف اشیاء موقوفہ کو آپس میں تقسیم کریں اور مالکانہ حیثیت سے اس پر قابض و متصرف ہوں

وقف ہو جانے کے بعد جائداد موقوفہ پر حسب شریعت اسلامی کسی خاندان کے یا کسی انسان کے تمام حقوق مالکانہ ختم ہو جاتے ہیں اور مالکانہ حق تو صرف خالق اکبر ہی کو حاصل رہتا ہے۔ اس لئے دنیاوی ہائیکورٹوں کے فیصلوں اور تجویزوں کے مقابلہ میں صرف اسی ہائیکورٹ کی نظیر قابل تسلیم و تعمیل ہونی چاہیئے جو حقیقی معنی میں ہائی کورٹ ہے اور وہ یہ کہ واقف نے جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا تھا، جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے، متولی و منتظم نے اقرار نامہ مذکورہ میں جن شرائط اور پابندیوں کا اپنے کو پابند کیا تھا ان ہی اغراض اور ان ہی شرائط کے مطابق وقف کی آمدنی صرف کی جائے، جائداد موقوفہ کی بہتری و افزائش کی پوری کوشش ہو، حساب باقاعدہ رکھا جائے اور متولی و منتظم اپنی حیثیت متولیانہ و منتظمانہ سمجھیں نہ مالکانہ۔

مندرجہ بالا اوقاف کے علاوہ چند اوقاف البتہ وقف علی الاولاد ہیں، ان میں جو مدات مصارف خیر سے متعلق ہیں ان کی تصریح فہرست میں کر دی گئی ہے:-

سنیوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
١	سلطنت مغلیہ	عہد اکبری	اراضی ناشکستہ پختہ متصل مزار حضرت شاہ ابن رح	تخمیناً تقسیماً	اولاد امجاد حضرت شاہ ابن رح	برائے مصارف عرس و خانقاہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح
٢	"	"	اراضی [illegible] پختہ موضع پیر کی سرائے	[illegible]	اولاد شیخ محمد حسین بن شیخ پیر رح	خدمت مسجد مقبرہ شیخ محمد حسین واقع محلہ [illegible]
٣	"	عہد شاہجہانی	[illegible] پختہ [illegible] موضع [illegible] موضع [illegible]	[illegible]	اولاد شیخ فیض اللہ بہادر و جانشینین حضرت شاہ عبد المجید علوی رح	برائے اخراجات خانقاہ و عرس شاہ عبد المجید علوی رح و آیندہ روندہ فقرا

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۴	″	عہد عالمگیری	اراضی مشکہ پختہ سواد قصبہ امروہہ	سالانہ ۱۰۰/	اولاد مولانا عبدالرشید عباسی	خدمت مسجد مولانا [illegible] واقع محلہ مولانا
۵	سید ابدال محمد سید محمد شاکر پسران سید محمد نور و سید سیف علی وغیرہ پسران سید رحمت اللہ	سنہ ۱۱۵۰ھ	سترہ ہزار دام موضع پاپڑی پرگنہ رجب پور	۲۲۵ [illegible]	سید مظہر علی پیرزادہ از فرزندان سید جلال	برائے خرچ خانقاہ حضرت شاہ عبدالمجید علوی رح
۶	سید ابدال محمد		۲۰۰ بیگہ زمین موضع جلال پور و گنج در محمود پور و نصیر نگلہ و دیہ و جیہ ۲۰۰ بیگہ تمام موضع جلال پور مذکور	۲۰۰۰ [illegible]	بکر عرصہ سے شیعہ حضرات قابض ہیں اور سید نفیس الحسن علوی ہیں	در وجہ کفاف موذن و امام و جاروب کش و سکان مسجد و مسافرین و آبائے آیندہ و روندہ
۷	مولوی سید محمود علی وغیرہ پسران سید شجاعت علی		زمینداری موضع محمد پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ [illegible]	اہل خاندان	مصارف خیر و خدمت مسجد محلہ گذری قدیم
۸	سید امان اللہ نبیرہ سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود	تقریباً ۱۱۶۵ھ	اراضی موضع گرو ادر جیت پرگنہ نور پور تحصیل دھام پور	۲۰۰ سالانہ	سید قمر الحسین	اخراجات مسجد سرائے سید امان اللہ مذکور (یعنی سرائے کہنہ)
۹	سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو	۶ شعبان سنہ ۱۱۰۳ھ	موضع جبرن	۶۰۰۰ [illegible]	سید سبط رسول	در وجہ کفاف موذن و امام و مدرس و طلبا و حفاظ و تدریس علوم دینی [illegible]

نمبر شمار	نام واقف	کب تحفظ کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۰	شیخ ظہور اللہ صدیقی ابن حضرت شاہ عبد الباری	۱۹ محرم ۱۱۸۷ھ و یکم ربیع الاول ۱۱۹۳ھ	اراضیات مزروعہ و باغ متصل روضہ حضرت شاہ عبد الہادی و ماضر بیگہ خام	۴۰۰ ما	اولاد شیخ ظہور اللہ مذکور	مصارف عرس و خدام مقبرہ حضرت شاہ عبد الہادی کا و آمد و رفت صادر و وارد و زائرین
۱۱	حکومت نواب وزیر الممالک اودھ	۱۰ جمادی الثانی ۱۲۱۵ھ	۴۰ بیگہ پختہ از سواد موضع دانو دسرائے علاقہ پرگنہ فاطمہ [illegible]	تخمیناً [illegible]	خدام درگاہ شاہ ولایت	ہمیشہ برائے مصارف عرس درگاہ حضرت شاہ ولایت بمناسبت عبد القادر خادم درگاہ
۱۲	شاہ دوست محمد صدیقی	۱۲۲۲ھ	۱۵ بیگہ پختہ اراضی مع آبادی موضع بہاری پرگنہ سنبھل	۴۰۰ سالانہ	شاہ سلیمان احمد صدیقی	برائے عرس شاہ عبد الہادی و شاہ دوست محمد و خوراک آیندہ روندہ و طلبا سلسلہ و مصارف خانقاہ و مسجد
۱۳	سید محمد ضیاء الدین خاں	۲۰ ذیقعدہ ۱۲۷۷ھ	از ہر دو اضعات مسلّم و غیر مسلّم (متعلقہ پرگنہ) تا اراضیات و باغات و سرایات و دوکانیں و بازار و حویلیات و مکانات قصبہ امروہہ	۳۰۰۰۰ سالانہ	اولاد سید امان علی خاں	موضع گمسانی یا حصہ پیداوار برائے خرچ ذاتی و باقی برائے خرچ سادات و علما و فقرا و حکما و افراد و اعزا باعزاز و اکرام و حسرتا و مساکین و محتاجین و مسافرین و مستحقین و ملازمین و متوسلین قدیم و جدید بلا شرط ذکر

مع مصارف عرس وغیرہ و مصارف ریاست و دربار داری و تیاری اسباب جلوسات و خیرات لنگر فی سبیل اللہ وغیرہ ۔

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۴	مسماۃ ریحانہ بنت سید رمضان علی ہمشیرہ سید مصطفی علی ابن سید [illegible]		حقیت موضع باگڑپور پرگنہ مرادآباد	تخمیناً [illegible]	نصرت احمد خاں	برائے مصارف مسجد تعمیرہ مسماۃ مذکورہ (واقع محلہ گندری)
۱۵	منجانب حکومت بعاوضہ [illegible] مقررہ سلطنت اسلامی		۲۰ بیگھہ اراضی موضع نوراہن پور	[illegible]	قدرت اللہ خاں	مصارف مسجد تعمیرہ شیخ عمر حسین (بہلول خاں والی)
۱۶	خاندان شیخ عبدالمنان صدیقی		آمدنی دوکانات متعلق مسجد	تخمیناً [illegible]	حاجی خورشید علی صدیقی	مصارف مسجد تعمیرہ شیخ عبدالمنان صدیقی (واقع محلہ گھیر منان)
۱۷	مولوی خدابخش عباسی و دیگر اشخاص	باوقات مختلف	اراضیات قصبہ و موضع گورہ وغیرہ	تخمیناً [illegible]	مولانا حافظ عبدالرحمٰن	مصارف مسجد جامع (واقع محلہ مولانا)
۱۸	شیخ حسین بخش	سنہ ۱۳۱۳ھ	۲ بسوہ موضع قائم پور و اراضی موضع اتراسی	۲۵۰ ماہوار	سید قدیر اللہ الحسینی	مصارف مسجد بجری بیگم
۱۹	مسماۃ سراج النسا زوجہ پیر محمد علی جان		حقیت موضع مراہٹ	۲۵۰ ماہوار	پیرزادہ میر امین احمد (علی جان منزل)	مصارف خیر امداد طلبا و مساکین
۲۰	سادات محلہ شاہ علی سرائے		اراضیات قصبہ وغیرہ	۱۰۰ ماہوار	اہل خاندان	مصارف مسجد شاہ علی سرائے
۲۱	مسماۃ وجیہ النسا زوجہ عبدالغفار خاں	سنہ ۱۹۱۹ء	اراضیات موضع [illegible] پرگنہ حسن پور وغیرہ	۵۰ ماہوار	شیخ گلزار احمد (محلہ ککوئی؟)	خدمت مسجد شاہ حنیف اللہ و اخراجات فاتحہ و اعتکاف وغیرہ

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
٢٢	حافظ عباس علی خاںؒ		اراضیات قصبہ	تخمیناً [illegible] ر	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد حافظ عباس علی خاںؒ
٢٣	نواب وقار الملک مرحوم	١٠ جون ١٩١٥ء	ملک پہاڑ شور و حقیت تعلقہ شیخوپورہ کورال ہادی پور ناظر پور وغیرہ و باغات وغیرہ	[illegible]	نواب زادہ مشتاق احمد بیرسٹر ایٹ لا	[illegible] سالانہ مصارف خیرات مدارس مساجد و بقیہ وقف علی الاولاد
٢٤	پیر محمد احسن خاں	جولائی ١٩١٥ء	[illegible] موضع باستی [illegible]	تخمیناً ٣٠٠٠	پیر حمید احمد	نصف آمدنی برائے مصارف خیرات مدارس و طلباء و نصف وقف علی الاولاد
٢٥	پیر محمد محسن الدین	اکتوبر ١٩١٥ء		تخمیناً ٣٠٠٠	پیر محمد محسن الدین	تقریباً [illegible] سالانہ برائے مصارف خیر و بقیہ وقف علی الاولاد
٢٦	مولوی بشیر احمد فاروقی وغیرہ		اراضیات و دوکانات	تخمیناً [illegible] ر	آل محمد [illegible]	مصارف مسجد [illegible] [illegible] فاروقی واقع محلہ [illegible]
٢٧	رحیم بخش ولد حسین بخش	٢٦ جون ١٩٢٠ء	اراضیات موضع [illegible] اکبرپور [illegible] و چک عثمان پور وغیرہ و دکانات	تخمیناً ٣٠٠٠	غلام مصطفیٰ	مبلغ [illegible] سالانہ مصارف خیرات امداد مساجد اور باقی وقف علی الاولاد
٢٨	والدہ نذیر خاں		اراضیات موضع [illegible] پرگنہ امروہہ	[illegible] ر	زور شاہ خاں	خدمت مسجد [illegible] [illegible]

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۹	شیخ عبدالحق بن شیخ فیروز علی		اراضیات موضع چہادی وغیرہ	تخمیناً عمار	شیخ اعجاز الحق (محلہ گیر مسات)	برائے مصارف فاتحہ حضور سرورِ کائنات و اعراس سلسلہ حضرت غوث الاعظمؒ حضرت معین الدین اجمیریؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید شکر گنجؒ، و حضرت شاہ ولایتؒ وغیرہ
۳۰	زوجہ سید بشیر اللہ		اراضیات موضع جانگی پور	تخمیناً ﷲ ر	سید قمر ابشی	مصارف مسجد بشی متصل بازار کلاں
۳۱	یٰسین علی		قطعہ باغ ترشادہ	تخمیناً ﷲ ر	حکیم خلیل احمد (محلہ کشکوئی)	مصارف مسجد معمورہ شیخ محمد حسین واقع محلہ کشکوئی
۳۲	حاجی علی بخش	۲۲ نومبر ۱۹۰۲ء	اراضیات قصبہ ۴ بیگھہ	تخمیناً ﷲ ر	وزیر احمد لوگرہ	مصارف درگاہ شاہ قیام الدینؒ
۳۳	مولوی احمد حسین خاں		آمدنی باغات	عمار	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد و روضہ حافظ عباس علیخاںؒ
۳۴	منشی محمد حسین وغیرہ		اراضیات واقع امروہہ دہا پوڑ	تخمیناً سے ر	منشی محمد حسنین وغیرہ	صرف مسجد شاہ ابو بنا فاضلؒ
۳۵	مستری ہدایت اللہ	۱۹۲۵ء	آمدنی دوکانات	ماہانہ ﷲ ر		صرف مسجد محلہ بشی
۳۶	حاجی کلیم اللہ عباسی		اراضی قصبہ	تخمیناً ﷲ ر	منشی سردار احمد عباسی	صرف مسجد مولوی عبدالحی
۳۷	یٰسین خاں	۱۳۳۷ھ	اراضیات قصبہ وغیرہ	تخمیناً ماہ ۳	عبدالقیوم خاں	صرف مسجد محلہ کشکوئی

شیعوں کے اوقاف

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۲۷ ہے اور مجموعی سالانہ آمدنی تقریباً پچیس ہزار روپیہ ہے۔ ان میں بیشتر اوقاف امام باڑوں کے ہیں، تقریباً آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کے اوقاف مدارس دینیہ امام المدارس اور شیعہ کالج لکھنؤ کے متعلق ہیں، باقی مساجد اور دیگر عمارات خیر کے لئے۔ سید آباد آل محمد کے وقف کو کچھ عرصہ سے شیعہ وقف بتایا جاتا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ نہ واقف مذہباً شیعہ تھے اور نہ یہ وقف شیعہ مذہب کے مقاصد و اغراض کے لئے کیا گیا تھا اس پر تفصیلی بحث مسجد سید آباد آل محمدؐ کے سلسلہ میں کی گئی ہے لیکن اس موقع پر ایک اور وقف کا جو شیعوں کا وقف ہے اور امام باڑہ شیش محل سے متعلق ہے تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری بن خلیفہ عبداللہ انصاری نے یکم اگست ۱۸۷۷ء کو حسب ذیل وقف نامہ کے ذریعہ اپنی کل جائداد عمرانی و سکنائی وقف کی۔

نقل وقف نامہ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی

اقرار معتبر شرعی کرتی ہوں میں مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری مرحوم قوم شیخ سکنہ امروہہ ضلع مرادآباد متعلقہ صدر الہ آباد جو کہ ایک منزل مکان امام باڑہ مشتمل بر عمارت دو در دالان شمال رویہ جانب غرب و یک کوٹھری جانب شرقی مع حصہ تہ خانہ و اراضی زیر عملہ و صحن و دروازہ کہ قدیم الایام سے بہ روئے شوہر مجھ مقرہ سے مکان مذکور میں تعزیہ داری و مجالس ماتم داری جناب امام حسین علیہ السلام کی ہوتی ہے اور وہ موقوفہ ہے اور ایک منزل حویلی اندرونی شمال رویہ مسکونہ من مقرہ مشتمل بر یک دالان شمال رویہ و دو کوٹھری جانبین و یک مطبخ غرب رویہ مع اراضی تحت عمارت و صحن و راستہ و پاخانہ و دروازہ پختہ جملہ مکانات معمورہ پختہ مسقف بچوب و کڑی و چہات و چوبادن و چوکھٹ و کواڑ مع اراضی زیر عملہ و صحن و دروازہ آمد و رفت و جملہ حق حقوق متعلقہ و داخلہ و مداخلی و خارجی آں واقع محلہ چاہ غوری من محلات امروہہ

موازی چوراسی بیگہ دو بسوہ خام اراضی حصہ نصفی حقیت خود مقبوضہ مرہونہ بموجب دستاویز رہن نامہ
اقراری من مقرہ بمختاری شبیر علی مختار عام موسومہ مسماۃ نظام النساء بجہت بشارت علی زوجہ الٰہی بخش
و رحیم بخش ولد وزیر علی مرتہنان تعدادی [illegible] روپیہ مورخہ ٣٠ اگست ١٨٨٠ء اور ایک سو ارسٹھ ١٦٨ بیگہ
چار بسوہ خام اراضی زرعی موسومہ ملک اتپاوالی واقع موضع بادی پور کلاں پرگنہ امروہہ ملوکہ و مقبوضہ
من مقرہ محدودات بحدود مفصلہ ذیل مالیتی مبلغ دو ہزار روپیہ تخمیناً جو ترکہ شوہر سے قبض و دخل میں
بحق مقرہ کے ہے اب میں نے جائداد مذکورہ کو قربتاً الی اللہ ہمیشہ کو واسطے تعزیہ داری و صرف اخراجات
مجالس ماتم داری حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقف موبد کر کے واسطے انتظام و انصرام جائداد
مذکورہ موقوفہ کے مسمیان سید زاہد حسین ولد سید ارشاد علی و سید جعفر حسن ولد سید مسیح
قوم سید پیشہ معافی و شیخ سبحان بخش ابن کریم بخش قوم شیخ پیشہ نوکری ساکنان امروہہ کو
متولی مقرر کر کے قائم مقام ذات اپنی کا کیا، چاہیے کہ متولیان مذکوران امام باڑہ مذکور میں حسب دستور
قدیم تعزیہ داری اور مجالس عزا و ماتم داری جناب امام حسین علیہ السلام کی اور حویلی اندرونی مذکور
میں قبض و دخل اپنا رکھ کر نگہداری مستورات کی جو واسطے سماعت مرثیہ کے آتی ہیں اور آمدنی ملک
مذکور سے صرف مجالس مذکورہ کا کرتے رہیں اور جس قدر آمدنی ملک خرچ مجالس سے بچے اس کو فراہم
کر کے زر رہن اراضی ملکہ مرہونہ کا ادا کر دیں اور بعد ادائے زر رہن مذکورہ کے کل آمدنی ملک مذکورہ
مستخلصہ و مقبوضہ کی تعزیہ داری و روضہ و مجالس اسی امام باڑہ مذکور میں صرف کیا کریں اور جو کہ
روضہ اربعین قدیم سے اس امام باڑہ معہودہ میں اختتام ہے آیندہ کو بھی بدستور قدیم ہمیشہ روضہ ہائے
اربعین کو اٹھایا کریں اور حتی الامکان ترقی مراسم تعزیہ داری و مجالس امام عالی مقام ممدوح میں سعی
و کوشش رکھیں اور خرچ و نورش اور صرف میت بحق مقرہ کا اور بھی خرچ عدالت جو ضرورۃً بابت اس
جائداد کے کسی طرح کا واقع ہو آمدنی ملک مذکور سے کریں اور متولیان مذکوران اپنی طرف سے ملک
مذکور کا جس کے نام چاہیں ٹھیکہ یا نقشی یا جو بندوبست چاہیں کریں اور یہ بھی متولیان کو اختیار ہوگا
کہ جس کو واسطے اہتمام و انتظام و انصرام امور مذکورۂ بالا کے لائق سمجھیں اپنی حیات میں متولی جائداد

مذکورہ کا کریں مگر شرط یہ ہے کہ متولی و مہتمم جائداد مذکورہ کا مذہب شیعہ اثنا عشری رکھتا ہو اور کسی وقت میں کسی متولی کو اختیار بیع یا رہن یا ہبہ یا کفالت یا انتقال کسی نوع جائداد مذکورہ کا حاصل نہ ہوگا۔ اگر کوئی متولی کسی طرح کا انتقال عارضی یا دوامی بجز تبدیل تولیت کے کرے گا وہ باطل و ناجائز ہوگا۔ اگر بہ تقدیر کوئی متولی کسی زمانہ میں من جملہ اس جائداد کے جزو یا کل کسی حیلہ سے بیع یا رہن یا ہبہ کرے یا متولی سوائے مذہب اثنا عشریہ کے کرے تو جملہ اشخاص مذہب اثنا عشریہ کو اختیار کلیہ حاصل ہے کہ اس کو منسوخ کرا دیں اور متولیان خلیفہ محمد سلیمان اور ان کی اولاد کو مداخلت اہتمام مجالس و روضہ و راہ آمد و رفت سے جو راستہ ان کے مکان مسکونہ کا قدیمی ہے اس میں متولیان یا وارثان مقررہ میں سے کسی وقت میں مزاحمت و امتناع نہ کریں گے اور ہمشیرہ اور اولاد ہمشیرہ مقررہ سے اہتمام جائداد اندرونی و بیرونی اگر بخوشی خاطر اپنی کریں سپرد لیتے رہیں اور بعد تحریر اس وثیقہ کے مجھ مقرہ کو یا کسی قائم مقام میرے کو اختیار تنسیخ وثیقہ ہذا کا اختیار واپسی یا معزولی متولیان مذکوران کا بابت تحریر وقف نامہ و تولیت نامہ و دیگر بنام دیگر اشخاص کے اور استحقاق تملیک حاصل نہ ہوگا۔ کوئی وارث یا قائم مقام میرا امورات مذکورہ مصدرہ میں کسی طرح کا مانع و مزاحم نہ ہووے لہذا یہ تولیت نامہ بابت جائداد موقوفہ مذکورہ کے لکھ دیا کہ سند ہو اور بروقت کام آوے۔ فقط تحریر بتاریخ یکم/۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۳ء

۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۳ء کو وقف نامہ مندرجہ بالا کی رجسٹری ہوئی۔ حسب ذیل عبارت تصدیق رجسٹری پشت دستاویز وقف نامہ پر درج ہے :-

یہ دستاویز اقراری مسماۃ حلیم النساء عرف مینڈھی کی دفتر رجسٹرار پرگنہ امروہہ ضلع مراد آباد میں بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۳ء مابین ۱۰–۱۱ گھنٹہ بجے دن کے واسطے رجسٹری کے مسمی سبحان بخش ولد کریم بخش قوم شیخ پیشہ روزگار ساکن محلہ سرائے کہنہ من محلات امروہہ مذکور نے، جس کے حق میں یہ دستاویز تحریر ہے، پیش کر کے بیان کیا کہ تصدیق اس دستاویز کی خود مقرہ مذکورہ سے اس کے مسکن پر فرمائی جاوے۔

العبـــــــــــــــــــــــــد
شیخ سبحان بخش بقلم خود

دستخط ایسری پرشاد صاحب رجسٹرار

"آج بتاریخ و روز مذکورہ بالا مابین ۹ و ۱۰ گھنٹہ بجے دن کے ہم خود بجلد جا محضری میں محلات امروہہ بہ مسکن پر مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مقرہ مذکورہ کے واسطے تصدیق کرنے اس دستاویز کے اور واسطے حصول اطمینان کے آئے تو مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مذکورہ نے اندرون دروان مسقف شرقی رویہ حویلی مسکونہ اپنی کے پس کواڑ کھڑے ہو کر حرف بحرف جملہ مضمون اس دستاویز کو سنکر باواز بلند تکمیل و تحریر اس دستاویز سے اقبال کیا اور کہا کہ میں نے یہ دستاویز اپنی خوشی سے لکھوائی ہے اور سب عبارت و مضمون مندرجہ دستاویز کو لفظ بلفظ تصدیق کیا اور کہا کہ بعد تکمیل رجسٹری کے یہ دستاویز حکیم نیاز علی خاں کو دیدی جائے۔ فقط

دستخط مقرہ کے ذیل میں ثبت ہیں۔ فقط ایسری پرشاد سب رجسٹرار۔ العبـــــــد

مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی بقلم نیاز علی خاں

بدو حکیم نیاز علی خاں [۱] ولد حکیم نثار علی خاں قوم شیخ پیشہ معافی ساکن محلہ سدّو محلات امروہہ و پیر تہود علی [۲] ولد پیر گنج بخش قوم پیرزادہ پیشہ معافی محلہ سدّو مذکور نے شناخت مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مقرہ مذکورہ کی اندر دروازہ مذکور کے جا کر کی اور بیان کیا کہ منظرہ وہی مسماۃ مقرہ مذکورہ ہے اور کوئی نہیں اور ہم حکیم نیاز علی خاں مذکور سے واقف ہیں اور پیر تہود علی مذکور کی شناخت سید باقر نذر ولد سید احمد نذر قوم سید پیشہ روزگار محرر رجسٹری امروہہ محلہ ہستی محلات امروہہ مذکور نے جس کو ہم پہچانتے ہیں کی۔ (دستخط) ایسری پرشاد سب رجسٹرار۔"

غالباً اس وقت کا حسب ضابطہ عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ منشی شبیر علی [۳] بن شیخ امانت علی جو مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی کے حقیقی بھانجے ہیں مختار عام کی حیثیت سے اسکا اہتمام کرتے رہے۔

---

[۱] یعنی پدر بزرگوار حکیم راحت علی خاں صاحب۔

[۲] یعنی جد امجد پیر شبیر علی صاحب پنشنر سب رجسٹرار۔

[۳] مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی اور مسماۃ کوثری دو حقیقی بہنیں تھیں۔ اول الذکر شیخ غلام علی بن خلیفہ عبد الصمد انصاری کی زوجہ تھیں، ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ خلیفہ عبد الصمد انصاری بیٹے شیخ محمد انصاری کے تھے

شیعوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱	سید تحسین علی (دربار کلاں)	۲۸ر اکتوبر ۱۸۶۱ء	اراضی موضع لوہی پور پرگنہ چاندپور	۲۰۰ ۸ر	سید اعزاز علی (دربار کلاں)	مصارف امام باڑہ و دسترخوان و امام باڑہ مسماۃ بدلی
۲	مسماۃ صغیر النساء	۲۴ر مارچ ۱۸۷۶ء	اراضی موضع سرسہ خار	المار	سید امیر حسن (محلہ گندری)	برائے مصارف مسماۃ صغیرن

(بقیہ نوٹ صفحہ) خاندان سے تھے جس میں مولوی مظہر علی انصاری کا خاندان ہے، اشرفا کے گروہ شیعی مذہب ساکنان محلہ صدر سے تعلقات یگانگت تھے۔ وہاں وہ درس بھی دیتے تھے ان حضرات کی صحبت میں انہوں نے بھی مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا۔ اور اپنے مکان سکونتی میں تعزیہ داری شروع کی، بعد میں اسے ترمیم کرایا جو "شیش محل" کے نام سے مشہور ہوا۔ مسماۃ مینڈھی ان ہی حسن علی عبداللہ انصاری کی بہو تھیں۔ مسماۃ مینڈھی کی حقیقی بہن مسماۃ کوڑی تھیں جو شیخ امانت علی بن شیخ ولایت علی ساکن محلہ مولانا کے عقد میں آئیں۔ منشی شبیر علی ان ہی مسماۃ کوڑی کے فرزند ہیں۔ یہ محلہ مولانا کی سکونت ترک کر کے اپنی خالہ کے یہاں چلے آئے۔ منشی شبیر علی کے بنی اعمام میں منشی محمود حسن بن شیخ کرامت علی بن شیخ ولایت علی مذکور کا خاندان ہے یہ حضرات شیوخ صدیقی ڈیکوری مشہور ہیں لیکن اب بعض اشخاص اپنا نسب فاروقی بھی بتاتے ہیں۔ "شیش محل" کے احاطہ میں ایک مکان میاں بنگش انصاری کا تھا وہ غدر ۱۸۵۷ء کی دار و گیر میں یا خود مر گئے اور مکان ضبط کیا گیا جو شیخ محمد حسین ساکن محلہ کھیر تان نے خرید لیا تھا بعد میں ان سے شیخ ضیاء علی انصاری وکیل نے خرید کیا، اب اس میں مولوی محمد اسمٰعیل انصاری رہتے ہیں دوسرا مکان خلیفہ سلیمان کا تھا جن کے فرزند شیخ محمد اصغر ہیں، انہوں نے یہ مکان منشی عبدالرب کنکیب بن منشی شبیر علی مذکور کے لائق فرزند شیخ ضیاء الرب بی۔ اے (علیگ) ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ محکمہ صنعت و حرفت کے ہاتھ فروخت کر دیا جسے انہوں نے بعد ترمیم از سر نو تعمیر کرایا ہے۔

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۳	مسماۃ ملک النساء زوجہ شیخ امانت علی و حکیم مجید علی خاں و مسماۃ ریاست النساء	۱۹؍ مارچ سنہ ۱۸۹۶ء یکم مارچ سنہ ۱۸۹۷ء ۲۲؍ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء	اراضی شوہ و چک شوہ، شیدا چک تکیہ پرگنہ امروہہ و بادل پور پرگنہ حسن پور	۱۰۰۰ الـــہ	حکیم راحت علی خاں (محلہ صدو)	برائے مصارف امام باڑہ بہرجی
۴	مسماۃ علیم النساء عرف چنڈی زوجہ شیخ غلام علی بن خلیفہ عبداللہ انصاری	یکم اگست سنہ ۱۸۹۲ء	ملک شکر اراضی ملک موضع ہادی پور و مکانات	۱۰۰ مار	سید زاہد حسین و سید جعفر حسین و شیخ سبحان بخش	برائے تعزیہ داری و اخراجات مجالس امام باڑہ شیش محل
۵	سید غلام حسنین خاں و صادق حسین خاں (دانشمندان)	۱۰؍ ستمبر سنہ ۱۸۹۲ء ۱۰؍ مارچ سنہ ۱۸۹۳ء	اراضی رجب پور و اراضی سکنی محلہ دانشمندان و باغیچہ جنگل والا پرگنہ امروہہ و زنجولی و رسول پور پرگنہ مذکور	۱۶۰۰ الـــہ	سید اختر حسنین خاں (محلہ دانشمندان)	مصارف امام باڑہ زنانہ سید اختر حسین خاں
(۶)	سید محمد حسن خاں و سید علی حسن خاں و سید حامد حسن خاں	۸؍ مئی سنہ ۱۹۱۲ء	رجب پور و کلاں باغ امروہہ	۶۰۰ ســـا	سید فیاض حسن خاں وغیرہ	برائے مصارف محکمہ رسی و دربار داری و فاتحہ بزرگان
۷	سید نورالحسن و مسماۃ کنیز رقیہ زوجہ سید ولایت حسین	۳۰؍ نومبر سنہ ۱۸۹۳ء	جلیل پور لتال و حسن پور کٹیہ و جوہلی و رکھپور پرگنہ امروہہ	۴۰۰۰ للعـــہ	محمد صدی رضا و محمد طاہر حسن (قصاب زادہ)	اخراجات مجالس امام باڑہ مسماۃ نذیر النساء (محلہ دانشمندان)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۸	سید داد علی	وقف نامہ موجود نہیں	زمینداری یک ثمنت موضع سلطان پور	۴۵ للعہ	سید نور بن احمد	مسجد سید داد علی واقع امروہہ محلہ بگلہ
۹	سید محمد باقر و سید مقبول احمد وغیرہ	۲۲ر مارچ ۱۸۸۸ء	اراضی موسومہ بازار سید داد علی واقع امروہہ محلہ بگلہ	۱۵۰۰ الصہ	سید نور بن احمد (محلہ بگلہ)	اخراجات امام باڑہ و مسجد متصل امام باڑہ
۱۰	سید قربان حسین (محلہ دانشمنداں)	۷ر نومبر ۱۸۸۸ء	رسولپور مزرعہ مجھولی و مجھولی پرگنہ امروہہ	۳۵۰ سا عہ	مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسین (دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ خاتون دولت و اعانت مسافرین
۱۱	مسماۃ بتول دولت موقوفہ مجھونی محلہ دانشمنداں	۶ر فروری ۱۸۸۸ء	اراضی ملک کرکر جنہیڈی پرگنہ مراد آباد	۲۰۰ عہ	سید مجر حسن (محلہ دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ مسماۃ مجھونی (محلہ دانشمنداں)
۱۲	سید علی احمد محلہ دانشمنداں	۲۹ر ستمبر ۱۸۹۰ء	نگری پرگنہ حسن پور و چودھیر پور و جیاولی نیاض نگر و سید علی و چک جیاولی پرگنہ امروہہ	۱۰۰۰ الــ	سید حکیم رضا محلہ دانشمنداں	مصارف امام باڑہ مسماۃ نعیم النساء مشہور دانشمنداں والا (محلہ دانشمنداں)
۱۳	سید مقبول احمد سید محمد باقر وغیرہ (محلہ بگلہ)	۱۳ر جولائی سنہ ۱۹۱۰ء ۵ر جولائی سنہ ۱۹۱۰ء ۵ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء ۲۱ر مارچ سنہ ۱۹۱۶ء	قاسم پور پرگنہ امروہہ ہتھنڈ نشرہ پرگنہ حسن پور و گوگرہ یا پرگنہ ٹھاکر دوارہ	۱۰۰۰ الــ	مولوی سید محمد مجتبیٰ عرف مولوی سید چاند محلہ بگلہ	مدرسہ امام المدارس
۱۴	مسماۃ شبنہ رہبرا (محلہ کٹکوئی)	۲۰ر جون سنہ ۱۹۰۳ء	چیلی نگلہ پرگنہ حسن پور و گھنسور پور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ عہ	سید سجاد حسین (محلہ کٹکوئی)	امام باڑہ و مسجد امام باڑہ سید دولت علی (محلہ کٹکوئی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۵	مسماۃ ماجدہ خاتون (محلہ گذری)	۹ر جون ۱۹۰۳ء	اراضی موضع جلال پور چودھرپور پرگنہ امروہہ لطیف پور گت ولی پرگنہ ٹھاکردوارہ	۷۰۰ معمار	سید محمد حسین (محلہ گذری)	برائے مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۱۶	سید نورالحسن (محلہ دانشمنداں)	۲۸ر دسمبر ۱۹۰۴ء	اراضی موضع کھیڑہ و ماندن کھیڑہ و مچھیلی جلیل پور بقال کلی مبیّن حرام سرائے پرگنہ امروہہ وغیرہ	۳۰۰۰ ۳۰۰۰	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	مدرسہ نورالمدارس
۱۷	مسماۃ ریاست النساء زوجہ نورالحسن مذکور	۲۹ر دسمبر ۱۹۰۳ء	جلال پور جلیل پور بقال و اراضی قصبہ امروہہ		〃	〃
۱۸	مسماۃ بشارت النساء (محلہ بیوکر)	۸ر جولائی ۱۹۰۵ء	گنبوہ و اکبر پور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ مار	سید انیس الحسن (محلہ بیوکر)	مصارف امام باڑہ محلہ بیوکر و امداد حاجیان و زوار ان مذہب امامیہ
۱۹	سید محمد جواد (محلہ گذری)	یکم مئی ۱۹۰۵ء	موضع تاچینی پرگنہ سنبھل	۴۰۰ سمار	سکریٹری شیعہ کالج لکھنؤ	شیعہ کالج لکھنؤ
۲۰	سید شاکر حسین (محلہ بیوکر)	۲ر اکتوبر ۱۹۱۱ء	گنبوره پرگنہ امروہہ	۱۰۰ مار	سید ابرار حسین (محلہ بیوکر)	امام باڑہ زنانہ مسماۃ قمر النساء
۲۱	سید مدد علی (محلہ کٹکوئی)	۲ر شوال ۱۳۲۸ھ	اراضی موضع جہوہ پرگنہ امروہہ	۴۰۰ عمار	سید نہال محمد (محلہ کٹکوئی)	امام باڑہ و مسجد امام باڑہ (محلہ کٹکوئی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۲	سید نذر حسن (محلہ گندری)	۲۰ رجون ۱۹۱۲ء	دہنوری ودنو پور و کچھولی پرگنہ امروہہ	۶۰۰ سمار	سید احمد حسین (محلہ گندری)	مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۲۳	مسماۃ حاجرہ خاتون (محلہ دربار کلاں)	۲۲ رجون ۱۹۲۶ء	موضع پاکستی پرگنہ امروہہ	الماسے	مولوی سید محمد صاحب (محلہ شفاعت پوتہ)	امام بارہ مسماۃ راہوبی بی امام باڑہ دربار کلاں
۲۴	مسماۃ سعیدہ خاتون (محلہ نکڑہ)	۱۷ رمارچ ۱۹۲۲ء	موضع عالمپور کھیج پرگنہ امروہہ	۶۰۰ سمار	"	امام باڑہ کلاں محلہ نکڑہ و امداد فقراء و مساکین و مشاہد مقدسہ
۲۵	سید محمد فصیح و مسماۃ خوب دولت و مسماۃ ہدایت النسا	۱۲ رجنوری ۱۹۲۶ء	امیرہ دکوڑی و محمد پور بنگر پرگنہ امروہہ	۱۶۰۰ السمار	سید نبی ہادی گھیر کرم علیخاں	امام باڑہ و مسجد (محلہ سٹھی)
۲۶	حاجی محمد اشرف	۔	جید پور دو بی کن پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ ۱ا صمر	مولوی سید محمد عبادت	مصارف اشرف المساجد (جامع مسجد سلیمان)
۲۷	حاجی محمد اشرف (عظیم آبادی)	۔	ملک دہنو پورہ پرگنہ مراد آباد و کچھولی پرگنہ امروہہ	۱۵۰ ما صمر	سید زوار حسین	"
			میزان کل	۲۴۰۴۰ للعہ		

فقرائے زاویوں اور تکیوں کے اوقاف

مشائخ کی خانقاہوں کے علاوہ امروہہ میں فقرا کی مختلف جماعتوں کے زاویے اور تکیے بھی تھے ان فقرا میں سب سے قدیم جماعتیں حیدری اور جلالی فقیروں کی تھیں مشہور سیاح ابن بطوطہ

کی آمد کے زمانہ (یعنی ۱۳۳۳ء) میں یہاں حیدری فقیروں کی جماعت موجود تھی انکے متعلق ابن بطوطہ کا بیان ہے:-

"اس شہر (یعنی امروہہ) میں میرے پاس حیدری فقیروں کی ایک جماعت آئی انہوں نے پہلے تو سماع سنا اور پھر آگ جلوائی اور آگ میں گھس گئے دوران کو آگ سے کچھ نقصان نہ پہنچا"[1]

جلالی فقیروں کی یادگار کے طور سے محلہ بچھدرہ کا ایک حصہ "نشیب جلالیاں" کے نام سے مشہور ہے اور اب بھی کچھ افراد جلالی فقیر کہلاتے ہیں جو اب زیادہ تر باجہ بجانے کا پیشہ کرتے ہیں۔ حیدری فقیروں کی جماعت شیخ قطب الدین حیدری یا شیخ حیدر خراسانی سے منسوب ہے اور جلالیہ فقیر سید جلال الدین بخاری سے۔[2]

کڑک علی شاہ کا تکیہ چودرگاہ شاہ ولایتؒ کے متصل ہے اور کچھ عرصہ پیشتر تک آباد تھا حیدری فقیروں کا تکیہ تھا ۱۲۱۸ھ میں شاہ روح القدس درویش نے اس تکیہ کو خوب رونق دی تھی۔ سید لطف علی بن سید طفیل محمد اور سید میر علی بن سید غلام علی (ساکنان محلہ حقانی) نیز بزرگان سادات محلہ لکڑہ نے کچھ اراضی شاہ موصوف کو برائے اخراجات و بنائے جائے و مسکن آرام گاہ فقراء و مساکین صادر و وارد کیلئے ہبہ کی تھی۔ اس تکیہ کے متعلق اور بھی متعدد اراضیات زرعی وقف تھیں جو بعد میں بد دیانت متولیوں نے فروخت کر دیں۔ کڑک علی شاہ متبنائے پیر شوق علی شاہ متبنائے پیر قطب علی شاہ کے زمانہ ۱۳۰۰ھ تک یہ تکیہ خوب آباد تھا۔ اب ویران پڑا ہے شہر کے اور تکیوں کا بھی یہی حال ہے۔

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ۔ [2] حیدری و جلالی و مداری و رفاعی فقراء کے بالکل فرقے جاہل اور غیر مہذب ہیں اور جن مشائخ کی جانب منسوب ہیں اعمال اور عقیدے کے لحاظ سے ان کو کوئی مناسبت نہیں، حیدریوں میں بھنگ کا استعمال عام ہے، یہ عرف عام میں ملنگ کہلاتے ہیں اس زمانہ میں انکی تعداد بہت کم ہو گئی ہے لیکن سابق میں انکی جو حالت تھی اس کا اندازہ صاحب دبستان کی تحریر سے ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:-

"جلالیان سب شیخین نمایند (و لعن) کنند و نماز نہ گذارند و روزہ ندارند و ریاضتے و شغلے کہ صوفیہ راست نداشتہ و بنگ بسیار خورند و شتر مار و کژدم خوردن رسانند و چون کاملان ایشان مار و چند سر پائے او را بجنبد [illegible] گویند ما ہمہ مرتضیٰ علی است و کژدم خورند و گویند چنگیز علی ست ما نند سواریان برہنہ باشند و چون سواریان [illegible] سر را سخت چیزے نپوشند و پیش آتش نشینند۔ اما جلالیان زردہ پیدہ موی باشند و اکثر جاروب بر زنند و گرد جہان گردند الخ"

امروہہ کے میلے اور تیوہار

ہندوؤں کے میلے اور تیوہار

سلونو :- ساون کے مہینہ کی آخری تاریخ ہوتا ہے، برہمنوں کا خاص تیوہار ہے، راکھی اور پوجا کی رسمیں گھروں پر ادا کی جاتی ہیں، تالاب بانس دیو پر میلہ بھی لگتا ہے۔

رام ڈول :- یہ تیوہار کنہیا جی کے جنم کی خوشی کا تیوہار ہے، اس کا دوسرا نام جنم اشٹمی ہے، بھادوں بدی اشٹمی کو ہوتا ہے دوسرے دن تمام مندروں میں جلوس جاتا ہے۔

دسہرہ :- یہ تیوہار اس سفر کی یادگار کے طور سے منایا جاتا ہے جو رام چندر جی نے راون کے مارنے کے لئے رامیشور سے لنکا کا کیا تھا۔ کنوار بدی دسویں کو ہوتا ہے، درگا پوجا بھی اسی تیوہار کو کہتے ہیں تقریباً ایک ہفتہ کو چہ گھٹیالیاں میں (ڈرامہ) ہوتی ہے پھر آٹھ روز تک رام لیلا کا میلہ ہوتا ہے جس میں بڑا ہجوم ہوتا ہے، گھروں پر پوجا ہوتی ہے۔ اس تیوہار میں کسان اور دیہاتی زمینداروں کو قسط کا روپیہ ادا کرتے ہیں۔

دیوالی :- آدھے کارتک[1] کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اس میں دولت کی دیوی لکشمی کا پوجن ہوتا ہے۔ اس دن امروہہ کے ہندو دوکاندار اپنی دوکانیں آراستہ کرتے ہیں، کوزہ گر اور حلوائی مٹی اور مٹھائی کی مورتیں بناتے ہیں، رات کو بازاروں اور مکانوں میں چراغاں ہوتا ہے۔

ہولی :- یہ تیوہار ہندوؤں کا نوروز ہے۔ سال کے ختم ہونے کے آخری دن یعنی پھاگن کے آخری دن شروع ہوتا ہے۔ موسم بہار کے آنے سے پہلے نئے اناج کا ہوَن ہوتا ہے اس کو جگ کہتے ہیں۔ لوگ گونٹوں کو جن میں گیہوں اور دوسرے غلہ کے پودوں کی بالیں بندھی ہوتی ہیں آگ کے ڈھیر کے گرد گھوم گرم کرتے ہیں۔ مختلف مقامات پر ایندھن کا انبار لگا کر رات کو اس میں آگ دیجاتی ہے اس کو ہولی جلنا کہتے

---

[1] اصل لفظ "کارتک" ہے لوگ غلطی سے "کاتک" کہتے ہیں۔

ہیں ۔ سون میں ہندو آپس میں ہولی کھیلتے ہیں، رنگ کی پچکاریاں بھر بھر کر ایک دوسرے پر چھوڑتے اور گلال ملتے ہیں۔ دیہات کے ہندو ٹولیاں بنا بنا کر ناچتے گاتے خوشی مناتے ہیں یہ ہندوں کے نوروز کا دن ہوتا ہے، مختلف مقامات پر سوانگ بھی بنتے ہیں جسے قدیم زمانہ کا ڈرامہ سمجھئے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیاں

چھڑیوں کے میلے بھی اسی مہینہ میں لگتے ہیں جس میں تیجوں اور سلونوں کے تیوار ہوتے ہیں۔ پہلے دن محلہ احمد نگر میں دوسرے دن کستگوئی پر فصیل کے دروازے آگے، تیسرے دن بساون گنج میں اور چوتھے دن یعنی میلہ کی آخری تاریخ میں بابل کے کنویں پر۔ اس دن دیہاتیوں اور عوام کا بڑا ہجوم ہوتا ہے اور صبح سے شام تک میلہ رہتا ہے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیوں کے میلہ کی وجہ تسمیہ تاریخی دلچسپی سے خالی نہیں اسلئے یہاں اسکا مختصراً بیان نامناسب نہ ہوگا۔ "ظاہر دیوان" کو مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ نواح دہلی اور علاقہ شمالی دوآبہ میں "گوگا پیر" اور جنوب میں "ظاہر پیر" کہتے ہیں۔ "بارہ ماسہ" میں اسکے کارنامہ بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب قانون اسلام اور مشہور فرانسیسی مستشرق گارسن دتاسی اس کی قبر ملک دوآبہ میں بتاتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ اس کی قبر ضلع حصار کے جنوب مغرب میں "ددریرہ" مقام پر ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ شخص واچا نامی ایک چوہان راجپوت کا بیٹا تھا، بعض لوگ اسکے باپ کا نام جیوار اور ماں کا نام "بچل" بتاتے ہیں، بہرحال باپ کا نام جو کچھ بھی ہو کہا جاتا ہے کہ "گوگا پیر" کے دو بھائی اور تھے اور یہ خود ان کی پیدائش کے بہت عرصہ بعد "گورکھ ناتھ" کی دعا سے پیدا ہوا تھا، اپنی قوم کا حکمران تھا اور اسکا علاقہ آنسی سے گڑھ منک تھا۔ پرتھی راج کا ہمعصر بھی اسے بتایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے اسے بڑی گھمسان لڑائیاں لڑی ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانے سے بہت پہلے ہوا ہے کیونکہ اسکے کارناموں کے منظوم قصوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ معہ اپنے ۴۵ بیٹوں اور ۶۰ بھتیجوں کے سلطان محمود غزنوی کے مقابلہ میں گارا ندی کے کنارے پر مارا گیا۔ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی بیان کیجاتی

ہے کہ علاقہ کی تقسیم میں اپنے اپنے بھائیوں سے جھگڑا کر کے انھیں قتل کر دیا پھر ماں کی بد دعا سے بچنے کے لئے کسی جنگل میں چلا گیا اور وہاں بیٹھ کر چاہتا تھا کہ کسی طرح مع اپنے گھوڑے کے زمین میں دھنس جائے کہ یہ آواز کان میں آئی کہ اگر تو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جائے تو تیری خواہش پوری ہو سکتی ہے" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ غرضکہ اس عجیب و غریب ہستی کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ ہندوؤں کے مختلف طبقوں کے لوگ اس کو مانتے ہیں۔ بھادوں کے مہینہ میں چمار و بھنگی بھی اس کے نام کے جھنڈے اٹھاتے ہیں۔ ہندوؤں کی دوسری قوم والے بالخصوص بعض اگروال بنئے بھی اس کے معتقد ہیں اور جین میں "گوگا شہید" کا مندر بھی ہے۔ بھادوں کے مہینہ میں ان ایام کی نومی تاریخ جس میں چاند نہیں نکلتا اس کی یادگار منائی جاتی ہے۔ اس کے معتقد با عموم سیاہ جھنڈے نکالتے ہیں۔

مسلمانوں کے میلے اور تیوہار

۱۔ **گیارہویں** :۔ یعنی عرس حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ۔ گیارہویں شریف کو محلہ چشتی میں دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ امروہہ میں اس عرس کو ابتدا شیخ **جان محمد** نے تقریباً ۱۲۲۳ھ میں شروع کیا تھا صاحب اسرار یہ کا بیان ہے کہ :۔

"**شیخ جان محمد** ...... از مریدان شیخ عبداللہ ... چند سال است
کہ عرس غوث اعظم ؒ می کند، اجتماع فقرا خوش تری شود و سرود خوش تر"

بعد میں اس عرس کو حضرت شاہ گدا قادری ؒ کی اولاد نے اور رونق دی، بالخصوص سید سراج الدین ثانی بن سید نور اللہ کے زمانہ میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا' ان کے اخلاف میں سید نوازش علی عرف شاہ بدھ علی متوفی ۱۲۳۳ھ نے جن کے کوئی اولاد نہ تھی اور جو بذات خود صوفی مشرب تھے اپنی کل جائداد

لے ظاہر دیوان کے گھوڑے کا نام "جوادیا" مشہور ہے۔ قصوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر دیوان کے اولاد نہ تھی۔ اس کے دیوتا نے جو کی دو بالیں دیں جن میں سے ایک اس نے اپنی زوجہ کو دیدی اور دوسری

صحرائی وسخائی مصارف عرس کے لئے وقف کردی تھی، اب اس جائداد موقوفہ میں سوائے ایک مکان کے جس میں زمانہ میلہ لگتا ہے، اور کچھ باقی نہیں۔

۹ ربیع الثانی سے ۱۱ ماہ مذکور تک عرس ہوتا ہے، شہر کے عوام کا ہجوم ہوتا ہے،

۲۔ غازی میاں کے نیزے

ابتداً یہ میلہ میر بساون کے کوٹلہ کے متصل لگتا تھا، کوٹلہ مذکور کے انہدام کے بعد سے چھبوتر پر موضع پوران پور کے میلے کے دوسرے روز اس بدھ کو لگتا ہے جو ہولی جلنے کے بعد آتا ہے۔

غازی میاں کے نیزے شمالی ہند کے اکثر مقامات پر جیٹھ کے مہینہ میں اٹھتے ہیں، حقیقتاً یہ بھی ہندی عوام الناس کے میلے ہیں اور باوجودیکہ سالار مسعود غازی جن کی یادگار میں یا بالفاظ صحیح جن کی شادی کی یادگار میں یہ میلہ لگتا ہے، نوعمری کے زمانہ میں شوق جہاد میں ہندوستان آئے اور ہندؤں سے لڑکر شہید ہوئے ہایں ہمہ ہندؤں کی بعض نیچ اقوام بھی ان کو اپنا پیر مانتی ہیں۔ سب سے بڑا میلہ بہرائچ میں ہے جہاں سالار موصوف کا مزار ہے، ہر سال دھوم دھام سے لگتا ہے۔ "آرائش محفل" کی روایت کے مطابق قصبہ رودولی ضلع بارہ بنکی کے ایک تیلی نے ابتداً غازی موصوف کے شادی بیاہ اور برات کی رسم کی ابتدا کی تھی۔ اس میلہ میں چونکہ ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم زیادہ ہونے لگی تھیں اسلئے سلطان سکندر لودھی نے، جو دیندار بادشاہ تھا اور خود بھی علم سے بہرہ وافر رکھتا تھا، اس کے سدباب کی تدابیر اختیار کیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔

امروہہ کے میلے میں اب زیادہ اژدہام نہیں ہوتا، زیادہ تر عوام الناس شریک ہوتے ہیں۔

۳۔ شاہ مدار کی نیزے

یہ میلہ جمادی الاول کی چوتھی تاریخ حضرت شاہ ابن کے روضہ کے متصل لگتا ہے۔ اس روز وہاں پر بہت ذبح ہوتے ہیں۔ شاہ بدیع الدین مدار،

(بسلسلۂ گذشتہ) اپنی گھوڑی کو اس سے یہ "جوادیا" نامی گھوڑا پیدا ہوا۔ ۱؎ (صفحہ ۴۸) بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف حضرت شاہ ابن جبر چشتی کی نسل سے تھے مطبوعہ شجرہ میں آپکا نام درج نہیں ہے تاہم قدیم دستاویزات سے آپکا سلسلۂ نسب اس طرح ثابت ہوتا ہے، شیخ جان محمد بن شیخ سلطان محمد بن شیخ کبیر بن شاہ احمد شاہ ابن

جن کی یادگار میں یہ میلہ شمالی ہند کے اکثر مقامات پر لگتا ہے۔ اصلاً حلب کے باشندے اور نسباً یہودی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور ۸۷۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔ "مساکن بہشت" تاریخ وصال ہے مزار پُرانوار مکن پور میں ہے۔ عوام کے خیال میں وہ اب تک زندہ ہیں اسلئے "زندہ شاہ مدار" کہلاتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حبس دم پر عامل تھے اسلئے نہایت طویل عمر پائی۔ مدار یہ فرقہ کا طبقہ انہی سے موسوم ہے۔

۴۔ عرسِ حضرت شاہ ولایت ؒ:- سابق میں یہ عرس دھوم دھام اور بہت کچھ اہتمام سے ہوتا تھا، مصارف عرس کے لئے کچھ اراضیات سلطنت اسلامی کی عطیہ تھیں لیکن جب سے اہل خاندان کی اکثریت نے اختلاف مذہبی کی بنا پر عرس کے اہتمام سے دلچسپی لینا ترک کر دی، موقوفہ اراضیات بھی باقی نہ رہیں تو عرس کی سابقہ حیثیت بھی باقی نہ رہی۔ اس کے بعد سے درگاہ کے مجاور، ٹیڑھ تلے والے کالیستھ اور شہر کے قسائی اور تیلی وغیرہ جن کو اس درگاہ سے موروثی عقیدت ہے، عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ انتیسویں سے اکتیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے، میلہ بھی لگتا ہے اور عوام الناس کا مجمع بھی خاصہ ہو جاتا ہے کچھ اہل خاندان اور شرفائے شہر بھی شریک ہوتے ہیں۔

۵۔ عرسِ حضرت شاہ عبد الہادی ؒ:- ماہ شوال میں ۸ سے ۱۰ تاریخ تک عرس ہوتا ہے، میلہ بھی لگتا ہے، جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے آپ کے صاحبزادے شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کلو نے ناگھڑ آراضی مصارف عرس کے لئے وقف کی تھی۔ عرس کا اہتمام اہل خاندان کرتے ہیں۔ مجمع بھی کافی ہو جاتا ہے۔

۶۔ عرسِ حضرت شاہ امین ؒ:- ماہ ذی الحجہ میں گیارہویں سے پندرہویں تاریخ تک پانچ روز عرس ہوتا ہے۔ گیارہویں و بارہویں صدی ہجری میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا، بیرونجات سے مرید و معتقد بکثرت آتے تھے۔ صاحب اسرار یہ نقریباً ہر سال عرس میں شریک ہوتے وہ شاہ مخدوم عالم کے

(متعلق صفحہ ۴۱۰) لہ یعنی سید بدر الدین عرف میر دیادن بن سید محمد اسد اللہ خان عرف میر کلو ۲ے میلوں میں سے سرسری اہمیت ۱۲منہ

تذکرہ میں اس عرس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

امروز مریدان خانوادۂ ایشان کہ در ہنگامۂ عرس شیخ ابن جمع می شوند ہزاران اند بل از شمار زیادہ و این معاملہ روز افزون است۔

آجکل اس خاندان بزرگ کے مریدوں کی تعداد جو حضرت شیخ ابنؒ کے عرس کے موقع پر جمع ہوتے ہیں ہزاروں کی ہے بلکہ شمار سے بھی زیادہ ہے اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

قدیم تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں زائرین و داخلین سلسلہ ہندوستان کے دور دراز مقامات سے عرس کی شرکت کے لئے آتے تھے، جن کے قیام کے لئے متصل روضۂ منورہ مکانات موجود تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ المعروف بہ خواجہ بیرنگ کے فرزند باکمال خواجہ عبداللہؒ جو سید کمال محمد مؤلف اسراریہ کے شیخ اور پیر طریقت تھے، نیز اسی مرتبہ کے چند اور بزرگ عرس کے موقع پر امروہہ تشریف لاتے اور حال و قال کی مجالس میں شریک ہوتے، صاحب اسراریہ نے بعض ایسے حضرات کا بھی ذکر کیا ہے جو جونپور جیسے دور دراز مقامات سے شرکت عرس کے لئے امروہہ آیا کرتے تھے مثلاً سید ضیاء الدین جونپوریؒ کے تذکرہ میں، جو اپنے زمانہ کے عالم فاضل اور عارف باللہ تھے، وہ لکھتے ہیں:-[1]

"من آن سید ضیاء الدین را در امروہہ دیدہ ام ہنگامۂ عرس شیخ ابن سر و پا برہنہ"

میں نے ان سید ضیاء الدین کو اولاً امروہہ میں (حضرت) شیخ ابنؒ کے عرس کے موقع پر دیکھا تھا، سر و پا برہنہ تھے۔

مصارف عرس و خانقاہ کے لئے اراضیات اسلامی سلطنت کی عطیہ تھیں، عرس کا انتظام اہل خاندان کرتے رہے ہیں، بزرگان سادات دربار کلاں و کٹرہ غلام علی بھی بربنائے عقیدت اہتمام میں شرکت کرتے تھے۔ امروہہ کے دوسرے مشائخ کے عرسوں کی طرح بعض اقوام اہل حرفہ کو اس خانوادہ مشائخ سے عقیدت و ارادت چلی آتی ہے اسی بنا پر دھنی جولاہے اب تک عرس کی ایک شب کا اہتمام کرتے ہیں۔

---

[1] اسراریہ قلمی صفحہ ۱۰۲۸۔

پچھلی صدی سے عرس میں بے رونقی ہوگئی تھی اب چند سال سے اہل خاندان کی کمیٹی نے انداز رونق کا انتظام کیا ہے اجتماع بھی کافی ہوتا ہے اور میلہ بھی لگتا ہے۔ بیرونجات سے بھی کچھ لوگ شرکت کی غرض سے آتے ہیں۔ ان ہی ایام میں خانقاہ میں تبرکات کی زیارت بھی ہوتی ہے جس میں زیادہ تر حضرت بابا فرید شکر گنج ؒ کے تبرکات ہیں اور کچھ حضرت شاہ ابن بدر چشتی ؒ کے۔

شب برات :- تقریباً اسّی برس پہلے امروہہ میں یہ تیوہار بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا' ہر خاندان اور ہر محلہ میں مہینوں پہلے سے آتش بازی کے سامان تیار ہوتے تھے' مختلف ٹولیاں آتشبازی کی پیچ کھیلتیں اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتیں لیکن یہ سب دولت کے کھیل تھے۔ جب مرفہ حالی کا وہ سابقہ حال باقی نہ رہا تو آتشبازی بھی سرد پڑ گئی۔

عید الفطر :- تقریباً سوا صدی پیشتر تک امروہہ کے سب مسلمان اس یوم سعید میں ایک ہی مقام پر نماز عید کے لئے مجتمع ہوتے۔ شہر کے قاضی مختصر سے جلوس کے ساتھ نماز پڑھانے عید گاہ کو آتے' شروع شروع میں جو حضرات شیعہ مسلک کے متبع تھے وہ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شرکت کرتے لیکن بعد میں جب عقائد کی کشمکش نے باہمی مخالفتوں کی شکل اختیار کرلی تو عیدین کے ادائے فرائض میں بھی جدائی ہوتی حتیٰ کہ بعد میں شیعہ حضرات کا عیدگاہ جانا حکومت کے حکم سے ممنوع ہوگیا اور وہ اپنی جامع مسجد (اشرف المساجد محلہ شفاعت پوتہ) میں عیدین کی نماز پڑھنے لگے۔ عید گاہ میں شہر اور مضافات کے مسلمانوں کا اجتماع کثیر ہوتا ہے۔ پندرہ بیس ہزار کا مجمع بالعموم ہو جاتا ہے جس کے لئے عیدگاہ کا وسیع صحن فراخ سیڑھیاں قطعاً ناکافی ہوتی ہیں' نیچے فرش خاک پر لوگوں کو نماز پڑھنی پڑتی ہے' عیدگاہ کے بانی شیخ غلام محمد کی طرح اب اگر کوئی صاحب ہمت امروہہ میں نہیں تو کیا صوفی خدا بخش عباسی کی طرح بھی جنھوں نے بعد میں اس کی مرمت کرائی تھی چند اشخاص نہیں جو عیدگاہ کے صحن کو وسیع نہ کرا سکیں تو کم از کم سامنے کی زمین ہی کو ہموار کرکے پختہ کردی جائے تاکہ نمازیوں کو ناہموار اور ریتلی زمین پر بیٹھنے کی اذیت نہ رہے۔ عید کے دن محلہ شیخ زادگان (محلہ چلّہ شہید) میں حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کی اولادان کے پیر طریقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی ؒ کے تبرکات کی زیارت

کی زیارت کی تقریب میں مردانہ و زنانہ مجلسیں منعقد کرتی ہے۔

۸۔ عید الاضحیٰ:- عیدین کی نماز سُنّی عیدگاہ میں اور شیعہ اثنا عشری حسب دستور مسجد شفاعت پوتہ میں ادا کرتے ہیں قربانی زیادہ تر گائے کی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ مینڈھے اور بکرے کی بھی قربانی کرتے ہیں۔

۹۔ عشرۂ محرم:- امروہہ کی عزاداری مشہور ہے۔ امام باڑے بڑے اہتمام سے آراستہ کئے جاتے ہیں۔ عورت، مرد، بچے، بوڑھے اور جوان سب غم امام میں سر و پا برہنہ ماتم کرتے، نالہ و بکا کی آوازیں دور دور تک جاتی ہیں۔

۳ محرم سے ۹ محرم تک حسب ذیل امام باڑوں کے علم و تعزیے نکلتے ہیں:- امام باڑہ دلیا (محلہ چھیپوں) امام باڑہ حضرت شاہ (محلہ مجاپوتہ)، معصوموں کا امام باڑہ (محلہ صدو)، امام باڑہ ... فرنگی ... امام باڑہ کٹرہ غلام علی، امام باڑہ چاہ بورج (قاضی زادہ)۔ نویں محرم کو امام باڑہ دربار کلاں سے نشان اٹھ کر امام باڑہ دوست علی واقع محلہ کٹکوئی میں جاتے ہیں اور دسویں محرم کو محلہ شفاعت پوتہ سے تربت و تخت و مسند مع روشن چوکی وغیرہ نکلتے ہیں اور امام باڑہ میر آسیاں کے سامنے ہو کر قسائی خانہ سے محلہ کو واپس جاتے ہیں۔ محلہ قاضی زادہ میں تسبیح کی زیارت ہوتی ہے اور امام باڑہ شمسی و محلہ دانشمندان سے بھی تربتیں نکلتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف محلوں سے روضے (تعزیے) نکلتے ہیں۔ ان سب تاریخوں کے علموں، تعزیوں وغیرہ کی تعداد و تفصیل حسب روبکار مسٹر ہارڈی کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع مراد آباد مجریہ ۲۳ جنوری ۱۸۹۵ء متعین و مقرر ہے۔ اور ان کے متعلق حکم ہے کہ بعد گشت قبل غروب آفتاب اپنی جگہ پر واپس پہنچ جائیں۔

۱۰۔ چہلم:- دسویں ماہ صفر سے انتیسویں تک اربعین کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ سابق میں لکھنؤ وغیرہ سے ذاکر آتے تھے۔ اب بھی بعض حضرات بیرونجات سے آ کر مجلسیں پڑھتے ہیں۔ مجالس کی بعد بیسویں صفر کو تعزیے اٹھتے ہیں یعنی روضہ محلہ دانشمندان بلا آرائش اور اسی طرح کا روضہ محلہ چاہ غوری (شش محل)[۱] سے اٹھتا ہے اور بیسویں صفر کو محلہ کربلا میں پہنچ کر دفن ہوتے ہیں۔

۱؎ جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے خلیفہ عبداللہ انصاری نے تقریباً ۱۲۲۰ھ میں مذہب امامیہ اثنا عشریہ اختیار کیا تھا اور اپنے مردانہ مکان میں عزاداری شروع کی تھی جسے انہوں نے آراستہ کر کے "شش محل" نام رکھا تھا۔ خلیفہ غلام علی انصاری کے فرزند لاولد فوت ہو گئے۔ انکی زوجہ مسماۃ مہندی نے کچھ جائداد اس امام باڑہ کیلئے وقف کی جس کا باضابطہ عملدرآمد نہ ہوا۔ مسماۃ مہندی کے خواہرزادہ منشی شبیر علی بن شیخ امانت علی اسکا انتظام کرتے ہیں۔

فہرست اسمائے خادمانِ شرع شریف (قاضیان) امروہہ

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سند تقرر	کیفیت
۱	قاضی نظام الدین قریشی	قاضی محمد قریشی	سلطان غیاث الدین بلبن		
۲	قاضی سید امیر علی	حضرت شاہ ولایت	سلطان محمد تغلق		
۳	قاضی سید بڈھ		سلطان فیروز شاہ تغلق		قاضی سید بڈھ نسباً حسینی تھے، جو لوگ انہیں حضرت شاہ ولایت کی نسل میں کہتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شجرۂ نسب بجے قاضی سید قاضی کبیر اور اس خاندان کی دوسری شاخوں کا درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو حصہ دوئم و سوئم۔
۴	قاضی سید منیر	قاضی سید بڈھ	سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے شروع عہدہ مسلسل تک		

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۵	قاضی سید اشرف	قاضی سید منیر	سلطان محمد تغلق شاہ سے سلطان ابراہیم لودی تک		
۶	قاضی سید ظہیر	قاضی سید اشرف			
۷	قاضی سید حسین	قاضی سید ظہیر			
۸	قاضی سید امین	قاضی سید ظہیر			
۹	قاضی سید سالار	قاضی سید محسن			
۱۰	قاضی سید الہدیہ	قاضی خدادیہ عرف قاضی بیابانی		سنہ ۹۴۳ھ	
۱۱	قاضی سید کبیر	قاضی سید سالار	شہنشاہ اکبر	سنہ ۹۸۳ھ	
۱۲	قاضی سید طاہر	"	"	سنہ ۹۹۴ھ	

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۱۳	قاضی سید یوسف	قاضی سید سالار	شہنشاہ جہانگیر	سنہ ۱۰۳۰ھ	
۱۴	قاضی سید عبد الرسول	قاضی سید کبیر	شاہجہان	سنہ ۱۰۳۸ھ	
۱۵	قاضی سید راجے	قاضی سید طاہر	شہنشاہ عالمگیر	سنہ ۱۰۷۳ھ	شریک حاصلات عہدۂ قضاء امروہہ۔
۱۶	قاضی سید ولی محمد	قاضی سید عبد الرسول	"	سنہ ۱۰۸۶ھ	برطرف شدہ غرۂ ربیع الثانی سنہ ۲۲ جلوس عالمگیری
۱۷	قاضی سید یار محمد	"	"	سنہ ۱۰۹۰ھ	
۱۸	قاضی سید تاج الدین	قاضی سید راجے	"	سنہ ۱۰۹۹ھ	شریک حاصلات عہدۂ قضاء امروہہ
۱۹	قاضی سید مراد	قاضی سید یار محمد	محمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۳۸ھ	
۲۰	قاضی سید محمد طفیل	"	"	سنہ ۱۱۵۳ھ	
۲۱	قاضی سید عنایت غوث	قاضی سید محمد مراد	احمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۸۱ھ	
۲۲	قاضی سید عنایت اللہ	سید محمد شاکر بن قاضی سید ولی محمد	نواب آصف الدولہ	سنہ ۱۱۸۶ھ	

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۲۳	قاضی سید اللہ بخش	قاضی سید محمد طفیل	نواب آصف الدولہ	سنہ ۱۱۹۲ھ	
۲۴	قاضی سید رحمان بخش	قاضی سید اللہ بخش	"	سنہ ۱۲۰۶ھ	
۲۵	قاضی سید سبحان بخش	"	ایسٹ انڈیا کمپنی	سنہ ۱۲۳۴ھ ۲ جون ۱۸۱۹ء	قاضی و امین پرگنہ امروہہ۔
۲۶	قاضی سید ولایت بخش	قاضی سید سبحان بخش	"	۲۶ محرم سنہ ۱۲۵۳ھ ۲ اپریل سنہ ۱۸۳۷ء	"
۲۷	قاضی سید آرزو بخش	قاضی سید ولایت بخش	"	۲۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۲ھ ۱۱ مارچ سنہ ۱۸۶۶ء	
۲۸	قاضی احمد علی عباسی۔	مولوی سعد اللہ عباسی		سنہ ۱۲۹۰ھ	نائب قاضی و حکام "
۲۹	قاضی نبی بخش عباسی	خویش قاضی احمد علی عباسی			قاضی نکاح خوان اہل تشیع
۳۰	قاضی ابن عباس	قاضی نبی بخش عباسی			"

ماخذ تالیف

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع کتاب	زبان کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف
۱	المعارف	انساب	عربی	مطبوعہ	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری متوفی سنہ ۲۷۶ھ
۲	فتوح البلدان	تاریخ و جغرافیہ	"	"	امام ابو العباس احمد بن یحیٰی بن جابر بغدادی، بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ
۳	تقویم البلدان	"	"	"	ابو الفدا حموی
۴	عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب	انساب	"	"	سید جمال الدین احمد داؤدی حسنی متوفی سنہ ۸۲۸ھ
۵	مناخة الطرب فی تعدد العرب	" تاریخ	"	"	نوفل آفندی طرابلسی
۶	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور بہ رحلہ ابن بطوطہ	سفرنامہ	"	"	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الملقب بہ شمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی سنہ ۷۷۹ھ
۷	رسالہ زینبیہ	تاریخ	"	"	علامہ جلال الدین سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ
۸	ینابیع المودۃ از جامع صغیر	"	"	"	" "
۹	اسعاف الراغبین	"	"	"	مطبوعہ مصر
۱۰	کنز العمال	"	"	"	"
۱۱	لسان العرب	لغات	"	"	"
۱۲	تاریخ فیروز شاہی	تاریخ	فارسی	"	ضیاء الدین برنی متوفی سنہ ۷۶۱ھ
۱۳	" "	"	"	"	سراج عفیف
۱۴	فتوحات فیروز شاہی	"	"	"	سلطان فیروز شاہ تغلق

نمبر شمار	نام کتاب	علم یا فن	زبان کتاب	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف
۱۵	تاریخ مبارک شاہی	تاریخ	فارسی	مطبوعہ	یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی
۱۶	تاریخ فرشتہ	〃	〃	〃	محمد قاسم فرشتہ
۱۷	تاریخ وصاف	〃	〃	〃	عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی
۱۸	منتخب التواریخ	〃	〃	〃	ملّا عبدالقادر بدایونی
۱۹	آئین اکبری	〃	〃	〃	علّامہ ابوالفضل بن شیخ مبارک
۲۰	شاہجہان نامہ	〃	〃	〃	ملّا عبدالحمید لاہوری
۲۱	عمل صالح	تاریخ	فارسی	مطبوعہ	محمد صالح کنبوہ منصبدار عہد شاہجہانی
۲۲	تزک جہانگیری	〃	〃	〃	شہنشاہ جہانگیر
۲۳	مرآت آفتاب نما	〃	〃	〃	سید عبدالرحمن المخاطب بہ شاہنواز خان ہاشمی
۲۴	مثنوی دولرانی	مثنوی	〃	〃	حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ
۲۵	مآثر الامراء	تاریخ و سیر	〃	〃	شاہنواز خان
۲۶	ثمرات القدس من شجرات الانس	〃	〃	قلمی	لال بیگ بخشی شاہزادہ مراد
۲۷	اسرار یہ	〃	〃	〃	سید لال محمد بن سید لال از اولاد شاہ میناؔ و لا امروہا
۲۸	تاریخ سندھ	تاریخ	〃	〃	سید معصوم المتخلص بہ نامی بن سید صفائی الحسینی الترمذی
۲۹	مقاصد العارفین	تذکرۂ مشائخ	〃	〃	حضرت شاہ عضدالدین جعفری
۳۰	مآثر عالمگیری	تاریخ	〃	〃	مستعد خان
۳۱	مآثر الکرام	سیر	〃	مطبوعہ	علّامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی
۳۲	عماد السعادت	تاریخ	〃	〃	سید غلام علی خان

نمبر	نام کتاب	فن	زبان	قلمی / مطبوعہ	نام مصنف
	جام جہاں نما	〃	〃	قلمی	محمد قدرت اللہ صدیقی
	جواہر فریدی	تذکرہ	〃	〃	
	طبقات ناصری	تاریخ	〃	مطبوعہ	قاضی صدر جہاں منہاج الدین سراج جوزجانی
۳۶	آثار الصنادید	〃	اردو	〃	سر سید احمد خان علیہ الرحمۃ
۳۷	سیرۃ النبیؐ	سیر	〃	〃	علامہ شبلی نعمانی مرحوم
۳۸	گل رعنا	تذکرہ	〃	〃	مولوی حکیم سید عبد الحی مرحوم
۳۹	تمدن عرب	تاریخ	〃	〃	جرجی زیدان
۴۰	تزک بابری	〃	〃	〃	ترجمہ
۴۱	سفرنامہ مولوی مسیح اللہ خان	سفرنامہ	〃	〃	
۴۲	کنز التاریخ	تاریخ	〃	〃	مولوی رضی الدین بسمل
۴۳	آئینۂ عباسی	〃	〃	〃	مولوی محب علی خان عباسی
۴۴	منتخب التواریخ	〃	فارسی	〃	مولوی آل حسن بخشی
۴۵	تاریخ اصغری	〃	اردو	〃	سید اصغر حسین امروہوی
۴۶	فرہنگ آصفیہ	لغات	〃	〃	مولوی سید احمد دہلوی
۴۷	فرہنگ محتشمی	〃	فارسی	〃	
۴۸	تحفۃ الکرام	تاریخ	〃	〃	میر علی شیر سندھی
۴۹	حملۂ حیدری	〃	〃	〃	سید مصطفےٰ ایرانی
۵۰	سیرۃ العباس	〃	اردو	〃	مولوی حکیم فرید احمد عباسی
۵۱	مقدمۂ تاریخ ابن خلدون	〃	〃	〃	ترجمہ کتاب العبر فی دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر

نام کتاب معہ نام مصنف	نمبر شمار
Imperial Gazetteer of India Vol. II.	۵۲
District Gazetteer of Moradabad.	۵۳
Journal of the U. P. Provinces Historical – Society.	۵۴
Historical Memoirs of Bullandshehr by E. S. Growse.	۵۵
History of India by Sir Henry M. Elliot and Dawson.	۵۶
Memoirs of the History, Folk-lore and Distribution of the races of the N. W. Provinces by Sir H. M. Elliot, K.C.B.	۵۷
The Preaching of Islam by T. W. Arnold	۵۸
District Gazetteer, Shahjehanpur (1883)	۵۹
The Civilization of Ancient India (R. C. Dutt.)	۶۰
Geneologische Tebellen (Wästenfeld)	۶۱
Francis Johnson's Dictionary.	۶۲

قطعۂ تاریخ

طبع زاد سید سالم حسین صاحب سالم امروہوی

(از اولادِ دیوان سید محمود نبیرہ سید محمد میر عدل)

لو دیکھو یہ ہے بوستانِ حقیقت — لگایا نیا گلستانِ حقیقت

دِرایت کے سب حق ادا کر دیئے ہیں — بدل معترف ہر لسانِ حقیقت

سِیَر کا تو تاریخ کا ہے خلاصہ — ذرا دیکھ لیں واقفانِ حقیقت

فصاحت، سلاست کے دریا بہا کے — میں کہتا ہوں اسکو زبانِ حقیقت

نسب میں بھٹکتے تھے امروہہ والے — چلو مل گیا اب نشانِ حقیقت

صداقت سے مملو یہ تاریخ لکھی — اسے کہتے ہیں دیکھو شانِ حقیقت

بڑی جانچ کی تم نے محمود احمد — بلاشبہ ہو تم ہمہ دانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی — کہ حیرت میں ہیں آسمانِ حقیقت

بڑی مشکلیں اور بڑے مرحلے تھے — یہ تاریخ ہے ہفت خوانِ حقیقت

کیا کام وہ تم نے محمود احمد — کہ ہو مرحبا بر زبانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی — کہ چھانا ہے تم نے جہانِ حقیقت

وہ تاریخ لکھی نہیں جس کا ثانی — یہ بتلا رہا ہے گمانِ حقیقت

یہ ہے واقعی قابلِ دید نسخہ — حقیقت میں ہے داستانِ حقیقت

سطریں ہیں یا لعل و گوہر کی لڑیاں — کہ کوزہ میں ہے بند جہانِ حقیقت

بجا ہے کہوں گر اسے بزمِ اعلیٰ — کہ ہیں جلوہ گر کاملانِ حقیقت

جو تم نے باطل جہالت کے قصے — بتایا ہے اس کو بیانِ حقیقت

کہ سالم نے ہاتف پکارا — یہ ہے بے بہا ارمغانِ حقیقت

۱۵ ۶ ۳۰

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۱۷	بلاذی	بلاذری
۷	۲۱	متین	ستین
۸	۱	المسمعی	السمعی
۹	۱۳	آنچہ	انچہ
۳۷	۱۹	سنہ ۲۸ھ	سنہ ۲۳ھ
۳۹	۱۸	عداوت	عداوت
۳۹	۲۱	معاملا	معاملات
۴۴	۱۹	بہد	بعہد
۴۵	۲۱	بطورسیورغال	بطورسیورغال ملک و
		و	مددمعاش ملے ہوئے
			تھے
۶۴	۹	فرغ	فروغ
۷۴	۷	گلال	کلال
۷۶	۱۹	کوچ	کوچ کیا
۷۹	۸	گلال	کلال
۱۰۵	۱۳	موجودنہ تھا	موجود تھا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۲	۲	دو کھلے	در
۱۳۴	۳	یہ حالت	بہ ح
۱۳۸	۲۱	حصہ بدجانا	حلقہ
۱۵۲	۶	۴۱،۶۶۷	۶۶۷
۱۶۶	۱۳	اکبیرا شد	ابیر
		موسشی	موسی
۱۸۴	۶	خزروده	خزرہ
۱۸۴	۱۶	ایک جداگانہ	ایک
			تعبیہ
۱۸۴	۱۸	ہوتی ہیں	ہوتا
۱۸۶	۱۶		
۲۱۷	۵	یہی ہے کہ	یہی ہے
۲۳۰	۷	ربع سکوں	ربع مسکوں
۲۹۴	۳	طلبعا	طبعاً
۲۹۹	۱۳	آئین اکبری سیلو خال	آئین اکبر
۳۰۱	۱	آراضیات	اراضی
۳۰۵	۳	آراضیات	اراضی
۳۰۷	۱۹	رہاده	زیادہ
۳۱۹	۱۱	کتابت آخر	کتابہ
۳۲۰	۷	عصر سر	